حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات شریف کے مضامین کی عنوان وار ترتیب

مرتبہ
عنایت عارف

معاون
محمد علی عارف

کشف المعارف

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات شریف کے مضامین کی عنوان وار ترتیب

مرتبہ

عنایت عارف

معاون

محمد علی عارف

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
اردو بازار لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بار اول جون 2002ء

محمد فیصل نے
تعریف پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔
قیمت -/250 روپے

انتساب

انتہائی محبت و ارادت اور احترام و اکرام کے ساتھ (کشف المعارف) حضرت قبلہ عالم مرشدنا و مولانا جناب محمد اللہ خان رامپوری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت میاں عبید اللہ خان رامپوری صاحبزادہ مکرم کے اسمائے گرامی سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

گر قبول افتدز ہے عز و شرف

....

اظہار تشکر

اس کتاب کی تصنیف و تالیف میں چیف ایگزیکٹو اے آر وائی گولڈ دوبئی کے جناب حاجی عبدالرزاق یعقوب صاحب نے جتنی بھی مدد و اعانت فرمائی ہم صمیم قلب سے ان کے ممنون احسان ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے مشرف فرمائے۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں

(ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ)

حاضر ہوا میں شیخ "مجدد" کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں و لیکن نہیں بیدار
آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہِ فقر سے ہو طرۂ دستار

مبشرات

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے۔'' (مبداء ومعاد)

''ندا دی گئی اور ظاہر کیا گیا ہے کہ سب علوم (مکتوبات) جو لکھے گئے ہیں بلکہ جو کچھ تیری گفتگو میں آیا ہے سب مقبول و پسندیدہ ہے اور میری تحریروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ سب کچھ ہم نے ہی کہا ہے اور ہمارا ہی بیان ہے۔''

(مکتوبات دفتر سوم)

''ایک روز یاروں کے حلقے میں بیٹھا تھا کہ (اللہ تعالیٰ) نے سر میں آواز دی کہ میں نے تجھے اور اس شخص کو بھی جو تجھے میری بارگاہ کا وسیلہ بالواسطہ یا بلاواسطہ بنائے گا بخش دیا اور یہ سلسلہ قیامت تک یوں ہی جاری رہے گا..... بار بار مجھے یہ فرمایا حتیٰ کہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی'' (مبداد ومعاد)

''مجھے اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے کشف صریح اور علم صحیح حاصل ہے اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہ دور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے۔'' (مبداء ومعاد)

ایک طالب حضرت امیر معاویہؓ سے کدورت رکھتا تھا۔ اس نے مکتوبات شریف میں لکھا ہوا دیکھا کہ امام مالکؒ کے نزدیک اصحاب کبار کے منکر کی ایک ہی سزا ہے خواہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کا انکار کرے یا امیر معاویہؓ کا۔ اس پر وہ طالبعلم معترض ہوا۔ اس نے رات کو خواب میں دیکھا کہ اس کو حضرت امیر المومنین (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ خبردار! ان مکتوبات پر اعتراض نہ کرنا اور جنگ باہمی کے اسرار کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتے۔

(مکتوبات دفتر دوئم)

فہرست

حضرت مجددؒ الف ثانی کی اولاد کرام کے مختصر حالات جو مکتوبات میں درج ہیں

ذکر الٰہی اطمینان قلب کا ذریعہ...... رقص و سرود لہو و لعب

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بدعات اور احیائے سنت

سنت شریعت اور حقیقت

مسئلہ جبر و قدر

عذاب قبر اور احوال قبر

دنیا اور آخرت کے احوال

قلب اور اس کی حقیقت

عرش الٰہی اور قلب انسانی

مسلمان خواتین اور حضرت مجدد الف ثانیؒ

انبیاء کی دعوت اور ان کی ضرورت

دنیا کے مصائب و آلام...... رنج ومحنت

تصوف ...... سلوک وطریقت

شیخ اور مرید

طریق نقشبندیہ مجددیہ۔ تعلیمات

سلوک و جذبہ تربیت اور قواعد

دیباچہ

توشہء آخرت

اگرچہ حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ نے مکتوب ۲۱ دفتر دوم میں فرمایا ہے کہ

"ہماری کلام اشارات و رموز و بشارات و کنوز ہوتی ہے"

لیکن اس کے باوجود مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ معارف و حقائق اور رموز و اسرار الٰہی کا ایک ایسا گنج گراں مایہ ہے۔ جس کی مثال نہیں ملتی ان مکتوبات شریف میں عجیب و غریب علوم اور معارف کے ان گنت انمول اور بے مثل موتی بکھرے ہوئے ہیں کہ اگر ان کو مطالب و مضامین کی ترتیب سے یکجا کر کے مختلف عنوانات کے تحت مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ تاقیام قیامت آپ نے مجدد الف ثانی کے منصب علیہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے عرب و عجم کے علمائے راسخین اور سربرآوردہ مشائخ کرام نے آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کی تصدیق کی۔ آپ کی تحریروں میں تقریظیں اور رسالے تحریر کیے۔ ان مکتوبات شریف کے معارف و مضامین کی رفعت و منزلت ہماری ملی تاریخ کا ایک درخشندہ ترین باب ہے جس کی روشنی وقت کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں پھیل جائے گی اور دین مصطفیٰؐ کی حقانیت واضح سے واضح ترین ہوتی جائے گی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مسلمانوں کو بے عملی' بے دینی اور گمراہی کے بھنور سے نکالنے کے لیے رشد و ہدایت کا سلسلہ اس منحوس اور تاریک دور میں شروع کیا جب ملوکیت اور شخصی حکمرانی کا اندھیرا ہر طرف چھایا ہوا تھا اور دربار اکبری سے وابستہ لوگوں اور ان کے حاشیہ نشینوں' خوشامدیوں اور دنیا پرستوں کی غالب تعداد کا مسلمانوں کے اندر ایک ملحد گروہ پیدا ہو چکا تھا جو توحید رسالت کے بغیر کافی سمجھتے تھے۔ اور فلسفیانہ مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے خود ساختہ حکماء نے ابطال نبوت کے موضوع پر کتابیں لکھنا شروع کر دی تھیں۔ جاہل صوفیہ نے ہندوستانی' ایرانی اور یونانی گمراہ کن افکار کے چیستان کو تصوف اور طریقت کا نام دے کر طریقت کو شریعت مطہرہ اور کتاب و سنت کی پابندیوں سے آزاد قرار دے رکھا تھا۔ قرآنی تعلیمات اور احادیث رسولؐ کی پابندی کو گلدستہ طاق نسیاں بنا کر مسلمانوں کو آزادانہ گمراہ کر رہے تھے اور کفر و بدعت اور بدترین شرک کی طرف ان کی رہنمائی میں مصروف تھے۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے الہام صریح اور ابہام میں کوئی تمیز باقی نہ رہی تھی۔ کشف اور وساوس شیطانی خلط ملط ہو کر رہ گئے تھے

یہ لوگ صوفیائے متقدین کی شطحیات کی غلط سلط اور حسب منشاء توجیہات قائم کر کے مسلمانوں کو جہنم کی طرف لے جا رہے تھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ایسے تاریک اور خدا ناشناس دور میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا ظہور فرمایا۔ آپ نے مرد مجاہد کی طرح تمام تر دینوی مفادات اور مقاصد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے برصغیر کے ہر گوشے اور بیرون ملک پھیلے ہوئے بے دینوں کا مقابلہ وعظ و نصیحت اور قرطاس قلم کے ساتھ فرمایا اور پوری دنیا پر واضح کر دیا کہ کتاب وسنت کی مکمل پیروی کے بغیر ہر قسم کا تصوف اور ہر نوع کی خودساختہ طریقت زندقہ اور کفر کے سوا کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جو خلاف شرع اقوال صوفیاء متقدمین سے منسوب تھے ان سب کی حقیقت کو واضح کر کے مسلمانوں کو حقائق سے روشناس کرایا اور یہ ثابت کر دیا کہ ان اقوال کا شمار کشف حقیقی میں نہیں ہو سکتا۔ مقامات صوفیا کے سلسلہ میں اگر کسی بزرگ سے کوئی بھول یا چوک ہو گئی تھی اس کی بھی صحت کے ساتھ وضاحت کر دی آپ کے مکتوبات شریف میں جو معارف اور مقامات عالیہ بیان ہوئے ہیں وہ رب جلیل نے آپ کو مخصوص طور پر بلاشرکت دیگر اولیائے کرام عطا فرمائے ہیں۔

اس دور میں جبکہ سائنسی، اقتصادی اور معاشرتی بندھنوں نے ایک عام مسلمان کو کسب معاش اور مادہ پرستی کی وجہ سے پیدا ہونے والے غیر اخلاقی اور غیر اسلامی رجحانات میں اس طرح مقید کر کے رکھ دیا ہے کہ شاید ہی کسی پڑھے لکھے عام مسلمان کے پاس اتنا وقت ہو کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ کے تمام مکتوبات شریف کے مطالعہ کے لیے وقت نکال سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے معاشی بھاگ دوڑ اور مسابقت کے دور میں بے شمار لوگ آپ کے اسم گرامی سے بھی واقف نہیں چہ جائیکہ وہ ان کے مکتوبات شریف کا بنظر غائر مطالعہ کریں جو لوگ کچھ اسلامی ذوق رکھتے ہیں وہ بعض مکتوبات کے اہم اور مشکل موضوعات کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کیونکہ ان معاملات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اسلامی تصوف اور طریقت کے بحرِ بے پایاں کے شناور ہوں اور کتاب وسنت پر بھی مکمل عبور رکھتے ہوں کیونکہ ان مکتوبات کا تعلق جن مضامین عالیہ سے ہے وہ بلند ترین احوال و مقامات اور کیفیات سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے عام مسلمان ان مکتوبات شریف سے استفادہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اسلامی طریقت سے معمولی سی دلچسپی رکھنے والے ہر ذہنی سطح کے حامل مسلمانوں کے خطوط اشکال اور سوالات کے جوابات اپنے مکتوبات شریف میں دیئے ہیں جن کی تعداد مشکل قسم کے مکتوبات سے بہت زیادہ ہے اور تھوڑی سی کاوش سے ان کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔ "کشف المعارف" درحقیقت مکتوبات

شریف کے تمام اہم اور ضروری حصوں کو مختلف عنوانات کے تحت یکجا کر کے پیش کرنے کی ایک حقیر سی کوشش ہے۔ چونکہ تمام مکتوبات شریف اس زمانے کے مختلف لوگوں کے نام صادر ہوئے ہیں اور تمام معارف ان مکتوبات میں منتشر اور بکھرے ہوئے ہیں اس لیے راقم الحروف نے یہ سعی نا تمام کی ہے جس کا انحصار محض اللہ کے فضل پر ہے کہ موضوع کے بارے میں تمام مکتوبات میں جو علوم و معارف بیان فرمائے گئے ہیں انہیں علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت تلخیص کے ساتھ جمع کر دیا جائے تاکہ قاری جس موضوع یا عنوان کے تحت ان معارف اور علوم کو سمجھنا چاہے اسے ایک ہی جگہ وہ سب کچھ مل جائے۔ تاکہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہو سکے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسی عظیم اور بلند مرتبہ شخصیت نے کن مسائل پر کیا گفتگو فرمائی ہے اور حقائق و معارف کے انمول موتیوں کو کس طرح الفاظ کے پردوں میں چھپا کر پیش کیا ہے۔ اگر عام پڑھے لکھے اور دین اسلام سے دلچسپی رکھنے والے افراد " کشف المعارف " میں دیئے گئے عنوانات کے تحت مکتوبات شریف کے اہم اقتباسات اور معارف کو بغور پڑھ لیں تو اسلامی تصوف' سیر و سلوک اور طریقت کے علاوہ خود اسلام کے بارے میں ان کی بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو سکتی ہیں اور انہیں اصل حقائق سے روشناس ہونے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ راقم الحروف خلوص و دیانت کے ساتھ سمجھتا ہے کہ عدیم الفرصتی کے اس دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات شریف کے اہم ترین اور مفید حصوں کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کر کے پیش کرنا وقت کی ایک بہت بڑی ضرورت ہے جس سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے حلقوں میں بھی وسعت پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ جب لوگ خود مجدد الف ثانیؒ احمد سرہندی کے اپنے مبارک الفاظ میں سلوک نقشبندیہ کا مطالعہ کریں گے تو ان کی بے شمار غلط فہمیاں اور غلط نظریات کی اصلاح ہو جائے گی۔ ہم نے مکتوبات امام ربانیؒ کے مستند سہل اور آسان اردو ترجمے سے استفادہ کیا ہے یہ ترجمہ مولانا قاضی عالم الدین صاحب نقشبندی مجددی کا کیا ہوا ہے۔ جسے مکتبہ مدینہ اردو بازار نے شائع کیا ہے " کشف المعارف " کے مطالعہ کے بعد جو صاحب ذوق حضرات زیادہ تفصیلات حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں وہ ان " مکتوبات شریف " یا ان کے اردو ترجمے کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

ہم نے اللہ جل شانہ' کے فضل و کرم سے پوری کوشش کی ہے کہ مکتوبات سے اقتباسات نقل کرتے وقت سیاق و سباق کا پورا خیال رکھا جائے تاکہ مطالب میں کسی قسم کا الجھاؤ اور تشنگی پیدا نہ ہو تاہم بتقاضائے بشریت ہر قسم کی غلطیوں' کوتاہیوں اور لغزشوں کا احتمال موجود ہے جس کے لیے بندہ ناچیز اللہ کی بارگاہ عالی سے عفو و کرم اور معافی کا خواستگار ہے اس کی رحیم و کریم ذات سے امید کامل ہے کہ وہ ان نادانستہ اور غیر شعوری کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا اور بخش دے گا کیونکہ " کشف معارف " کو بندہ اپنے اور قارئین

کرام کے لیے توشۂ آخرت سمجھتا ہے اور اسے محض اللہ جلشانہ کی رضامندی اور خوشنودی کے لیے اس کی عطا کردہ توفیق و ورد سے مرتب کیا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ اس کی تالیف و ترتیب میں کوئی دینوی غرض اور فائدہ ملحوظ نہیں ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ جلشانہٗ اس سعی ناتمام کو تمام کوتاہیوں کے باوجود شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے صحیح معنوں میں ہمارے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

حتیٰ الامکان کوشش کی گئی ہے کہ مکتوبات شریف کے اصل الفاظ کو نقل کرنے میں احتیاط کو سختی سے ملحوظ رکھا جائے اور مرتب کی طرف سے کوئی اضافی عبارت اس میں شامل نہ کی جائے۔ جہاں واقعی کسی قسم کی تشریح کی ضرورت محسوس کی گئی ہے وہاں مرتب کی طرف سے الگ نوٹ درج کر دیا گیا ہے یا وضاحت کے لیے بریکٹ میں ضروری عبارت درج کر دی گئی ہے تاکہ مکتوبات شریف کی اصل ترجمہ شدہ عبارت سے بالکل الگ تھلگ دکھائی دے۔

ایسے مکتوبات شریف جو تعداد میں بہت کم ہیں اور ان میں انتہائی مشکل اور پیچیدہ ایسے معارف اور مسائل بیان فرمائے گئے ہیں جنہیں صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو سلوک و طریقت کے اعلیٰ درجات اور مراتب عالیہ کی طرف سیر فرما رہے ہیں اور ان کے اسرار و رموز سے واقف ہیں۔ ان سے نہایت ادب و احترام کے ساتھ صرف نظر کیا گیا ہے کیونکہ ہمارا اس کتاب کی تالیف سے بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی تصوف اور طریقت سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے اسرار و رموز اور خاص اصطلاحات وغیرہ سے واقفیت نہیں رکھتے انہیں آسان اور عام فہم انداز میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے معارف اور بیان کردہ علوم سے روشناس کرایا جائے تاکہ ان میں طریق نقشبندیہ مجددیہ سیکھنے اور عمل کرنے پر آمادہ کیا جا سکے اور جو لوگ اسلامی تصوف و طریقت کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں میں گرفتار ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اسلامی طریقت بھی کتاب و سنت سے الگ یا اس کے مخالف کوئی مکتب فکر و عمل ہے ان کے سامنے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اپنے الفاظ میں حقیقت کا آئینہ پیش کر دیا جائے۔ خدا کرے کہ " کشف معارف " ان کے لیے صحیح راہنمائی کا ذریعہ بنے اور اس کے بعد وہ خود مکتوبات شریف کا مکمل مطالعہ فرمائیں۔

ہم نے مکتوبات شریف کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف "مبدء و معاد" کے اقتباسات کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے تاکہ کسی کو اس کتاب کے الگ مطالعہ کی ضرورت باقی نہ رہے۔ صاحب نظر لوگ اور اصحاب دل اس کتاب کی عظمت اور افادیت سے بخوبی واقف ہیں اس لیے کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔

آخر میں ہم مترجم مکتوبات شریف کی مندرجہ ذیل عبارت کو شامل کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ معنویت کے لحاظ سے یہ عبارت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

" حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی عبارت میں جو احوال و مواجید اور علوم و معارف لکھے گئے ہیں (ان میں) اگر کسی قسم کا تناقض یا تدافع معلوم ہو تو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ واقعی ایک دوسرے کے نقیض ہیں بلکہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ مختلف اوقات میں مختلف وضع پر یہ عبارات لکھی گئی ہیں کیونکہ اکثر اوقات احوال و مواجید مختلف ہوا کرتے ہیں اور ہر ایک وضع میں علوم و معارف مختلف ہیں پس درحقیقت یہ تناقض اور تدافع نہیں۔ جب اوقات و اوضاع کے اختلاف کو ملحوظ رکھا جائے تو وہ تناقض اور تدافع اٹھ جاتا ہے۔"

اس سلسلے میں یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اگر اس زمانے میں مکتوبات پر تاریخ درج کرنے کا رواج ہوتا تو تدریجی روحانی ترقی کے مدارج کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مکتوبات پر تاریخ اور سن درج کرنے کا شاید رواج نہیں تھا ویسے بھی سیر و سلوک کے مختلف ادوار میں کئی طرح کے احوال پیش آتے ہیں اور انہیں مختلف ذہنی سطح کے لوگوں کو بیان کرنے میں ایسی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے لیکن حقیقت اور اصلیت اپنی جگہ پر موجود رہتی ہے۔ صرف سمجھنے اور سمجھانے کے انداز میں فرق محسوس ہوتا ہے۔ بنیادی حقیقت اپنی جگہ پر برقرار رہتی ہے۔ واللہ عالم بالصواب

اس سلسلے میں بشری طور پر جو کوتاہیاں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہیں دانستہ یا نادانستہ ان کے لیے بارگاہ الٰہی سے توبہ و انابت کے ساتھ معافی اور معذرت کا طلب گار ہوں۔

طالب دعا

محمد عنایت اللہ عارف نقشبندی مجددی

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے والد گرامی

قدوۃ العارفین مخدوم حضرت عبدالاحد حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے والد ماجد پیر طریقت تھے۔ وہ عین عالم شباب میں تلاش حق کے لئے حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ ان سے تلقین اذکار و اوراد حاصل کئے اور بیعت کا شرف حاصل کیا اور آپ کے آستانہ عالیہ میں قیام پذیر ہو کر کسب سلوک کی درخواست کی۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے واپس جا کر دینی علوم حاصل کرو۔ آپ نے عرض کی مجھے اپنی زندگی کا اعتبار نہیں کہ اس طویل عرصے میں زندہ رہوں گا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ وقت ابھی بہت دور ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ سے ایک خاص کام لینا ہے۔ آپ کی پیشانی میں ایک ولی کامل کا نور جلوہ گر ہے۔ اس کا ظہور ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو اس کو وسیلہ قرب الٰہی بناؤں گا۔

اگر میں تمہارے علوم دینیہ کی تکمیل تک زندہ نہ رہا تو ہمارا صاحب زادہ شیخ رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ موجود ہے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک کی تکمیل کر لینا۔ حضرت عبدالاحد یہ ارشاد سن کر واپس آ گئے اور جملہ دینی علوم کی تحصیل میں مصروف ہو گئے، ابھی آپ دینی علوم کی تکمیل سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کی خبر ملی۔ بہت ملول اور افسردہ ہوئے۔ دینی علوم کی تکمیل سے فارغ ہو کر کئی شہروں میں پھرتے رہے۔ آخر کئی سال بعد گنگوہ میں آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے اس وقت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین تھے اور ان کے والد مکرم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ ان کو حضرت شیخ عبدالاحد رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں وصیت کر گئے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ عبدالاحد رحمتہ اللہ علیہ کا بہت اعزاز کیا اور اپنی صحبت میں رکھ کر منازل سلوک طے کرائیں۔ طریقہ قادریہ اور چشتیہ صابریہ کا خرقہ خلافت عطاء فرمایا اور تحریری طور پر بھی خلافت نامہ مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد وہاں سے جا کر حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر سلوک قادریہ مکمل طور پر طے کیا اور نسبت فردیت

حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ سیاحت فرماتے رہے۔ آپ نے کابل سے بنگالہ تک کے بہت سے شہروں کی سیاحت فرمائی۔

جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جوان ہوئے تو وہ آخری وقت پر اپنے والد ماجد کے پاس موجود تھے۔ وصال سے قبل یہ بات فرمائی کہ بات وہی ہے جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ حضور وہ کیا بات ہے؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت، نصیحت کی درخواست پر فرمایا کہ بس تمہیں یہی وصیت کرتا ہوں کہ اہل بیت سے محبت کرنا اور میں بھی اس آخری لمحے اہل بیت کی محبت میں سرشار ہوں۔

اور نعمت کے دریا میں مستغرق ہوں...... الٰہی بحق بنی فاطمہ　　　کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ

اسی سال کی عمر میں ۱۷ رجب ۱۰۰۷ھ وصال فرمایا۔ مزار شریف سرہند سے ایک میل دور شمال میں ہے۔ آپ کے سات صاحبزادے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ آپ کے چوتھے صاحبزادے تھے۔

آپ کی پیدائش:

حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہ العزیز یعنی آپ کے والد ماجد نے ایک روز مراقبہ میں دیکھا کہ عالم میں تاریکی پھیل گئی ہے۔ خنزیر، بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ ایک نور ان کے سینے سے نکلا جس سے ساری دنیا روشن ہو گئی اور برق خاطف نے ظاہر ہو کر سب درندوں کو ہلاک کر دیا۔ پھر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک تخت پر ایک بزرگ مسند نشین ہیں۔ جن کے چاروں طرف نورانی آدمی اور ملائکہ ادب سے کھڑے ہیں۔ ملحدوں، زندیقوں، ظالموں اور جابروں کو لا کر ان کے سامنے پیش کر کے بکریوں کی طرح ذبح کر رہے ہیں اور ندا آ رہی ہے کہ حق آیا اور باطل گیا۔ آپ نے حضرت شاہ کمال کیتھلی سے یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے ہاں ایک فرزند گرامی پیدا ہوگا جو افضل اولیائے امت ہوگا۔ اس کے نور سے شرک و بدعت کی تاریکی دور ہو گی، اور اسلام کی روشنی کو فروغ حاصل ہوگا۔ ۱۰ محرم الحرام ۹۷۱ھ شب جمعہ کو آپ نے شکم مادر بزرگوار میں قرار پکڑا اور ۱۴ شوال ۹۷۱ھ بوقت شب جمعہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ کل اولیائے امت نے جمع ہو کر آپ کی والدہ ماجدہ کو مبارکباد دی۔ آپ کے والد محترم نے آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیائے علیہم السلام کو دیکھا کہ تشریف لا کر آپ کے کانوں میں اذان و تکبیر کہی۔ آپ کے والد ماجد نے انبیاء وصلحاء، اولیائے کاملین اور ملائکہ معتبرین کو ستر ہزار سبز علم

کے ساتھ دیکھا جو آپ کے فضائل بیان کر رہے تھے- حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ شیخ عبدالعزیز قدس سرہ آپ کی ولادت کے وقت سرہند میں موجود تھے- آپ نے دیکھا ملائکہ کا ہجوم ہے اور سب آپ کے فضائل بیان کر رہے ہیں-

زمانۂ طفولیت

آنحضرت ﷺ کی طرح آپ مختون پیدا ہوئے- آپ عام بچوں کی طرح کبھی گریہ زاری نہ فرماتے تھے- ہر وقت خندہ پیشانی سے رہے- کبھی برہنہ نہ ہوتے تھے اور بدن کا کپڑا اور بدن کبھی ناپاک نہ ہوتے تھے- بچپن میں ایک دفعہ آپ بیمار ہو گئے تو آپ کے والد ماجد حضرت سید شاہ کمال کیتھلی کو بلا لائے- انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے- یہ عالم باعمل اور عارف کامل ہو گا اور بہت مجھ سے اور آپ جیسے بزرگ اس کے دامن عافیت میں تربیت پائیں گے- قیامت تک اس کا نور روشن رہے گا- اکثر اولیائے امت اس کی ولادت باسعادت کی خبر دے گئے ہیں اور وہ اس کے ظہور کے منتظر اور چشم براہ تھے- اس کے بعد شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک آپ کے دہن مبارک میں دے کر محبت کا اظہار کیا- آپ نے بہت زور سے چوسا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے طریقہ قادریہ کی تمام نعمت اس کو پہنچ گئی-

تعلیم

سب سے پہلے آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور قلیل مدت میں آپ حافظ ہو گئے- ظاہری علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی' اس کے علاوہ مولانا کمال کشمیری سے سیالکوٹ جا کر چند کتب پڑھیں- کشمیر جا کر شیخ یعقوب صرفی سے جو قطب وقت شیخ حسین خوارزمی کے خلیفہ تھے علم حدیث حاصل کیا اور سند حدیث کے علاوہ طریقہ قادریہ اور سہروردیہ کی اجازت بھی حاصل کی- قاضی بہلول بدخشانی تلمیذ شیخ المحدثین ابن فہد سے خلافت پائی جو آخر میں آپ کے مرید ہوئے- سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے-

تعلیم طریقت

شروع میں آپ اپنے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہ العزیز کے مرید ہوئے اور ان کی

صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے انہوں نے پندرہ سلاسل میں آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں

حضرت مجدد الف ثانیؒ کو حج بیت اللہ اور روزہ رسول ﷺ کی زیارت کا بہت شوق تھا اور آپ ہمیشہ بے چین رہتے تھے۔ سن ۱۰۰۷ھ میں والد ماجد کی وفات کے بعد ۱۰۰۸ھ میں سفرِ حج کا ارادہ کیا۔ جب آپ دہلی پہنچے تو مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی۔ وہ آپ کے دوستوں اور حضرت خواجہ کے مخلصوں میں سے تھے۔ خواجہ حسن کشمیری نے بے حد تعریف و توصیف کر کے آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ سرہ العزیز سے ملاقات پر آمادہ کیا اور انہیں بتایا کہ حضرت خواجہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں فرد یگانہ ہیں اور دنیا میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے اپنے والد ماجد سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے حالات سن رکھے تھے چنانچہ آپ مولانا حسن کشمیری کے ہمراہ حضرت خواجہ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے حضرت خواجہ صاحب کی عادت نہ تھی کہ کسی سے اپنی کوئی خواہش ظاہر فرماتے۔ خلاف عادت آپ نے حضرت مجددؒ کو خانقاہ شریف میں چند روز قیام کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ آپ نے ایک ہفتہ تک قیام کا وعدہ فرمایا لیکن یہ نوبت ایک ماہ دو ہفتہ تک پہنچ گئی۔ اس اثنا میں آثار تصوف و کشش حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ جلوہ گر ہوئے اور آپ پر شوق انابت و اخذ طریقہ خواجگان نے غلبہ کیا تو آپ نے حضرت خواجہ اقدس سرہٗ العزیز سے بیعت کے لیے درخواست کی جو کسی استخارہ کے بغیر قبول ہوئی حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز نے آپ کو خلوت میں طلب کر کے ذکر قلبی تعلیم فرمایا۔ فوراً آپ کا دل ذاکر ہو گیا۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے وارد ہندوستان ہونے سے پہلے اس سلسلہ میں استخارہ کیا تو ایک طوطی ایک ہاتھ پر آ بیٹھی اور انہوں نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس نے ان کے منہ میں شکر ڈالی۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ نے (ہندوستان تشریف لانے سے قبل) اپنے مرشدی حضرت خواجہ محمد آدم امکنگی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا پرندہ ہے۔ تمہارے دامن تربیت سے ایک ایسا شخص نکلے گا کہ ایک دنیا اس کے نور سے منور ہو گی اور اس سے ہمیں فائدہ پہنچے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ جب ہم تمہارے شہر سرہند پہنچے تھے تو خواب میں دیکھا تھا کہ میں ایک قطب کے جوار میں اترا ہوں۔ مجھے اس کا حلیہ بھی بتایا گیا۔ میں نے بہت تلاش کیا مگر اس حلیے کے موافق کسی کو نہ پایا۔ جب سے میں نے تم کو دیکھا ہے حلیہ اس کے موافق پایا ہے اور اس کی قابلیت بھی تمہارے اندر موجود ہے۔

مختصر یہ کہ ان دو تین ماہ کے اندر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز کی تربیت سے جو کچھ

حاصل ہوا اس کی اکثر مقامات پر مکتوبات شریفین میں شرح وتفصیل بیان فرمائی ہے- آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز میں جو اعلیٰ اعتقادی تھی اس کی کیفیت اپنی کتاب " مبداء معاد" میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے خواجہ کے ساتھ ہر مرید اپنی لیاقت کے بموجب علیحدہ علیحدہ عقیدت رکھتا تھا اور اس کے مطابق فیض یاب ہوتا تھا- چنانچہ میرا عقیدہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے زمانے کے بعد ایسی صحبت اور تربیت وارشاد سوائے خواجہ صاحب کے کسی کو نصیب نہیں ہوا ہوگا- پس ہزار شکر ہے کہ مجھ کو میرے اعتقاد کے مطابق فیضان حاصل ہوا حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز نے اللہ جلشانہ کی بارگاہ میں آپ جیسے قابل طالب اور لائق مرید کے تربیت پانے اور درجہ کمال تک پہنچنے کا شکر یہ ادا کیا اور نیک ساعت میں خلعت خلافت سے آپ کو سرفراز فرمایا اور سرہند شریف کی طرف واپس فرمایا- سرہند پہنچ کر اپنے پیر کی ہدایت کے مطابق تربیت طالبین اور ہدایت سالکین میں مشغول ہو گئے-

کچھ عرصہ بعد آپ دوسری مرتبہ سرہند شریف سے دہلی تشریف لائے- حضرتؒ مع خدام کابلی دروازہ تک استقبال کے لیے تشریف لائے اور نہایت اعزاز واحترام کے ساتھ خانقاہ شریف میں لاکر فروکش کیا- اس مرتبہ آپ کے کمالات اور حالات کو اس قدر عروج واقع ہوا کہ آپ کی استعداد عالی کے خصائص سے جو اسرار و معارف ظہور پذیر ہوئے حضرت خواجہ علیہ رحمۃ خود اسی طرح سے اخذ فرماتے تھے- بعض خلفاء اور مریدین میں آپ کے بارے میں انکار پیدا ہوا تو آپ نے قوت باطنی سے اس کا ادراک کرلیا- اور بہت غضبناک ہو کر ارشاد فرمایا- "اگر تم اپنے ایمان کی بقا اور سلامتی چاہتے ہو تو ان کی جناب میں باادب اور باعقیدت رہو کہ یہ مثل آفتاب ہیں اور ان کے انوار میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں- یاد رکھو! اس امت میں دو چار بزرگ افضل ترین اولیاء ہیں اور یہ بھی ان ہی میں سے ہیں- بسا اوقات حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ آپ کو سر حلقہ بٹھاتے اور خود مع اپنے خلفاء مریدین آپ کے حلقے میں شریک ہوتے- اور بعد فراغت الٹے پاؤں واپس ہوتے کہ آپ کی طرف پشت نہ ہو اور اپنے جملہ مریدین کو بھی یہی ہدایت فرماتے کہ وہ اسی طرح ہمیشہ آپ کا ادب کیا کریں اور آپ کے رتبہ کو ملحوظ کر کے اپنے باطن کو آپ کی طرف متوجہ رکھیں- واپسی پر تمام خلفاء کی ہدایت اور مریدین کی تربیت آپ کے حوالہ کی-

تیسری مرتبہ جب آپ سرہند سے دہلی آئے تو حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے بطور کشف ادراک فرمایا- کہ اب میرے بدن میں آثار ضعف اور ناتوانی ہمت زیادہ ہوگئی ہے اور اب زندگی کی امید کم باقی ہے- اپنے صاحبزادگان خواجہ عبداللہؒ اور خواجہ محمد عبید اللہ کو جو اس وقت شیر خوار تھے آپ کے روبرو پیش کر کے القائے توجہ کے لیے ارشاد فرمایا- آپ نے اپنے مخدوم زادوں پر توجہات فرمائیں اور اس کا اثر

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ پر بھی ظاہر ہوا اس کے بعد حضرت مجددؒ نے ان بچوں کی ماؤں پر بھی توجہ فرمائی۔ اس کے بعد حضرت خواجہؒ نے آپ کی شان میں فرمایا:...... شیخ احمد کی طفیل ہم کو معلوم ہوا کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ طریقت اور ہی ہے۔ میاں شیخ احمد ایک آفتاب ہیں اور ہم جیسے کتنے ستارے ان کی روشنی میں گم ہیں۔ میاں شیخ احمد مرادوں اور محبوبوں میں سے ہیں میاں شیخ احمد کی مانند آج زیر فلک کوئی نہیں ہے۔ صحابہ اور تابعین کے بعد میاں شیخ احمد مماثل چند بزرگ گزرے ہیں...... میاں شیخ احمد جامع قطبیت امشاء و مدار ہیں۔

اس کے بعد آپ اپنے وطن مالوف کی طرف رخصت ہوئے اور بموجب حکم پیر چند روز قیام کر کے لاہور شہر کی طرف روانہ ہوئے جہاں عمائد علماء حضرت مولانا جمال الدین علوی۔ مولانا الحکیم سیالکوٹی اور دیگر مشہور علماء آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے اور اکثر مشائخ وقت نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ لاہور میں حلقہ ذکر و شغل میں مصروف تھے کہ یہ دردناک خبر ملی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا کچھ دنوں کی علالت کے بعد ۲۵ / جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ دہلی میں وصال ہو گیا ہے۔ آپ بے اختیار بحالت اضطرار لاہور سے دہلی روانہ ہوئے۔ گو راستہ میں شہر سرہند واقع تھا اور گھر بھی سامنے آیا مگر آپ گھر نہیں گئے۔ اہل و عیال سے بھی نہ ملے شبانہ روز چل کر دہلی پہنچے اور اپنے مرشد کے مزار پر انوار کی زیارت کی۔ اپنے مخدوم زادوں اور بھائیوں کو دلاسا دیا اور صبر کی تلقین کی۔ سب نے دہلی میں قیام فرمانے کی التجا کی مگر آپ نے چند روز قیام فرما کر ان کے شکستہ دلوں کو تشفی بخشی اس دوران بعض حاسد اور ناتجربہ کار مریدوں نے حضرت خواجہ صاحب کی جناب میں مجددؒ سے استفادہ کرنے پر نکتہ چینی کی جس سے آپ کی طبیعت مبارک مکدر ہوئی۔ بعض خام کار پیر بھائی آپ سے منحرف ہو گئے۔ آپ نے ان کو راہ راست پر لانے کے لیے وعظ و پند سے ہدایت فرمائی لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آپ نے بعض کی نسبت اور کمالات سلب فرمائے پھر بھی ان پر اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد آپ سرہند شریف واپس روانہ ہو گئے۔

حضرت غوث الاعظم کا خرقہ مبارک

قطب الوجود حضرت غوث الاعظمؓ نے اپنا خرقہ مبارک اپنے جانشین صاحبزادہ حضرت سید تاج الدین عبدالرزاق قدس سرہ العزیز کو اس وصیت کے ساتھ تفویض فرمایا تھا کہ یہ حضرت مجدد کا جب ظہور ہو تو انہیں پہنچا دیا جائے چنانچہ یہ خرقہ آپ کے جان نشینوں میں امانت کے طور پر یکے بعد دیگرے چلا آتا

تھا۔حضرت شاہ سکندر قادری قدس سرہ سے ان کے دادا حضرت شاہ کمال کیتھلی نے خواب میں ظاہر ہو کر فرمایا کہ شیخ احمد سرہندیؒ ظاہر ہو گئے ہیں اس لیے حضرت غوث پاک کی وصیت کے مطابق یہ خرقہ ان کے حوالے کر دیا جائے۔انہوں نے تامل کیا کہ گھر کی نعمت گھر میں رہے تو بہتر ہے۔پھر دوبارہ آپ نے ظاہر ہو کر تاکید فرمائی۔پھر بھی وہ ٹال گئے۔تیسری مرتبہ بحالت غضب ظاہر ہو کر تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اپنی خیریت اور نسبت کی سلامتی چاہتے ہو تو خرقہ مبارک اس کے وارث کے حوالے کر دو ورنہ تمہاری نسبت و کرامت سب سلب کر لی جائے گی۔شاہ سکندرؒ خوف زدہ ہو کر خرقہ شریف لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔بعد نماز صبح حلقہ ذکر و مراقبہ سے فارغ ہوئے تو شاہ سکندر صاحب نے خاندان عالیہ قادریہ کی خلافت آپ کو عطا کی اور خرقہ مبارک تفویض فرمایا۔آپ نے زیب تن کیا۔

ارواح اولیاء کی آمد

اس اثناء میں روح مبارک حضرت غوث الاعظم حضرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہ بزرگان سلسلہ کے ساتھ تشریف لائے۔ان کے بعد روح پر فتوح حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ اور سیدنا حضرت امیر المومنین صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بچپن میں ہی بواسطہ ہمارے پوتے سید شاہ کمال قادری کے ان کی زبان چوس کر نسبت کا کامل فیض حاصل کیا ہے لہذا ان پر ہمارے سلسلے کی خدمت اور اشاعت کا بڑا حق ہے۔حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ ہمارے طریقے کا استحقاق اس وجہ سے ان پر زیادہ ہے کہ بتوسط ہمارے خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے حضرت خاتم الرسلؐ کی امانت معہودہ انہوں نے پائی ہے۔دونوں بزرگوں کی ارواح طیبات میں یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ سلسلہ چشتیہ کے اکابر کی ارواح مقدسہ بھی تشریف فرما ہوئیں۔انہوں نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔اسی طرح ارواح عالیہ سہروردیہ کبرویہ طریق کے مشائخ عظام بھی تشریف لائے انہوں نے بھی اپنا دعویٰ پیش کیا غرضیکہ جمیع سلاسل کے مشائخ کرام کا اجتماع ہو گیا۔اور بحث شروع ہو گئی۔مولانا ہاشم کشمی اور ملا بدر الدین اپنی تاریخوں میں لکھتے ہیں کہ اس وقت اولیائے امت کا سرہند شریف میں ایسا اجتماع ہوا تھا کہ شہر اور نواح کے دیہات و قصبات کے کوچہ و بازار ان ارواح اولیاء سے پر ہو گئے۔۱۱ شعبان ۱۰۱۱ھ کی صبح سے آخر وقت نماز ظہر تک یہ سلسلہ جاری رہا آخر حضرت خاتم المرسلین کی خدمت میں معاملہ فیصلے کے لیے پیش ہوا اور حضورﷺ نے ہر ایک بزرگ کو تسلی دے کر فیصلہ کر دیا کہ آپ سب اپنے اپنے کمالات

نسبت یہ تمام وکمال ان کے حوالے کر دیں کہ یہ سب سلاسل میں داخل ہو جائیں اور تم سب کو اجر کا حصہ ملے گا مگر چونکہ سلسلہ نقشبندیہ خیر البشر بعد الانبیاء یعنی حضرت صدیق اکبرؓ سے ملتا ہے اور اس میں اتباع سنت سنیہ و اجتناب بدعت نا رضیہ سب سے زیادہ ملحوظ ہے لہذا یہ سلسلہ خاص خدمت تجدید سے زیادہ تر مناسبت رکھتا ہے۔ پس یہ سلسلہ قادریہ سہروردیہ بپاس خاطر حضرت غوث الاعظمؒ ان سے زیادہ ترویج پائیں گے اور دوسرے سلاسل قادریہ و چشتیہ بھی ان سے مروج ہوں گے پس طریقہ مجددیہ تمام امت کے اولیاء کے سلاسل کی جامع ہے اور اس طریق کے سالکوں کو ہر ایک سلسلہ کے اولیاء کا فیض حاصل ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کی فضیلت

آپ کے جسم مبارک کا خمیر بقیہ طینت محمدیہؐ سے کیا گیا۔ آپ مجدد الف ثانی یعنی دین کو نئے سرے سے زندہ کرنے والے ہیں۔ آپ قیوم اول ہیں۔ آپ خزینۃ الرحمۃ کے خطاب سے سرفراز ہیں۔ آپ کو مرتبہ فردیت عطا کیا گیا۔ آپ مجموعہ قطب مدار و قطب ارشاد ہیں۔ آپ ہی کے سلسلے میں قیامت تک قطب مدار و ارشاد ہوا کریں گے۔ حضرت امام مہدی آخر الزماں آپ ہی کے خلفائے سلسلہ سے ہوں گے۔ آپ کو مقام محبوبیت ذاتیہ عطا کیا گیا۔ آپ مقام سابقین و امطین پر پہنچے جو اصحاب یمینی سے بھی آگے ہے۔ آپ کو سیادت و ملاحت محترجہ عطا ہوئی۔ آپ بندوں کو خدا سے ملانے والے ہیں۔ آپ کو ضمیت آنحضرت ﷺ واصالت و کرامت عطا ہوئی۔ آپ نے بے واسطہ اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا۔ آپ کو علم لدنی عطا کیا گیا۔ آپ کو اسرار مقطعات قرآنی عطا کیے گئے۔ آپ کو آسمانوں کا علم حضرت امیر المومنین علی المرتضی کرم اللہ وجہہ نے تعلیم فرمایا آپ سے حضرت خضر و الیاس نے مل کر موت و حیات کی کیفیت ظاہر کی۔ آپ پر علم الیقین حق الیقین جو اصحاب کبار کو عطا ہوا تھا ظاہر کیا گیا۔ آپ مثل اصحاب کبار وارواح اتباع آنحضرت ﷺ سرفراز ہوئے۔ آپ کی زیارت کے لیے کعبہ شریف آیا۔ اور آپ کی خانقاہ شریف کے کنوئیں سے آب زمزم برآمد ہوا۔ بہت لوگوں کو جمع کرایا اور آب زمزم پلایا۔ آپ کی خانقاہ شریف کی زمین کو بہشتی زمین کا درجہ عطا ہوا۔ آپ کا طریقہ افضل اور سہل ہونے کے علاوہ جامع شریعت و طریقت ہے۔ آپ کے سلسلے کے کل مریدین جو قیامت تک ہوں گے آپ کو دکھا دیئے گئے۔

شہنشاہ جہانگیر کے سامنے سجدے سے انکار

جب آپ کے کمالات کا شہرہ ہر طرف ہو گیا' ایران توران اور بدخشاں کے حکمرانوں نے بھی بیعت کر لی- اکثر ارکان دولت مغلیہ مثلاً خان خاناں' سید صدر جہاں' خان جان' خان اعظم' مہابت خاں' تربیت خاں' اسلام خاں' سکندر خاں' دریا خاں' مرتضی خاں' اور بے شمار دوسرے امرائے سلطانی آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے تو وزیراعظم آصف خاں جو شیعہ مذہب رکھتا تھا- وہ پہلے ہی آپ کے رسالے رد روافض کے بارے میں سن چکا تھا- بادشاہ کے لشکر میں آپ کے نامور خلیفہ شیخ بدیع الدین کا قیام بھی اسے کھٹک رہا تھا اس لیے وہ مناسب موقعہ کے انتظار میں رہتا تھا- ایک روز بادشاہ کو تنہا پا کر کہا کہ حضور سرہند کے ایک مشائخ زادہ جو علوم غریبہ میں ماہر ہے اور اس نے مختلف درویشوں سے خلافت پائی ہے- سینکڑوں آدمی اس نے خلیفے بنا کر دوسرے ممالک میں بھیج رکھے ہیں- لاکھوں کے حساب سے لوگ اس کے مرید ہیں- کئی غیر ممالک کے بادشاہ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو چکے ہیں اور ہمارے لشکر میں بھی اس کا ایک آدمی موجود ہے اکثر امرائے سلطانی اس کے مرید اور حلقہ بگوش ہو چکے ہیں- معلوم ہوا ہے کہ اس نے ایک لاکھ سوار اور بے شمار پیادے تیار کیے ہیں- خوف ہے کہ حکومت کے خلاف کوئی معاملہ ظاہر نہ ہو جائے- بہتر یہ ہے کہ اس کے معتقدین کا دور دراز مقامات پر تبادلہ کر دیا جائے- بادشاہ نے تجویز کو پسند کیا چنانچہ دوسرے ہی روز خان خاناں کو عراق کی صوبہ داری پر' سید صدر جہاں کو ملک بنگال کی صوبہ داری پر اور خان خاناں کو ملک مالوہ کی صوبہ داری پر اور مہابت خان کو کابل کی صوبہ داری پر مقرر کر دیا- اسی طرح چار سو حکام کو جو آپ کے معتقد تھے دور دراز ممالک کا حاکم بنا کر بھیج دیا- جب ان سب کے اپنے اپنے علاقے میں پہنچنے کی اطلاع مل گئی تو آصف خاں کی سازش کے مطابق بادشاہ نے ایک فرمان حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نام بھیجا جس میں آپ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا گیا تھا اور اپنے جملہ مریدین و معتقدین کے ساتھ آنے کی دعوت دی گئی تھی- حاکم سرہند کو حکم دیا گیا کہ وہ خود پیش ہو کر یہ فرمان ان تک پہنچائے- آپ کو بحکم الٰہی اس سازش کی اطلاع ہو چکی تھی- چنانچہ آپ اپنے خدام کے روبرو اشارتاً بہت کچھ بیان کرتے رہتے تھے- جب فرمان شاہی پہنچا تو حضرت خواجہ محمد سعیدؒ اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو کوہستان کی طرف رخصت کیا اور اہل و عیال کو دلاسا دے کر جتنے مریدین موجود تھے ان کے ساتھ لشکر سلطانی کی طرف چل پڑے-

جب آپ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو آئین دربار کے مطابق نہ آپ نے سلام کیا اور نہ سجدہ تو بادشاہ کے ندیموں نے آپ کو اشارہ سے سمجھایا- آپ نے بلند آواز میں فرمایا:

اس وقت تک یہ پیشانی غیر اللہ کے لیے نہیں جھکی اور نہ آئندہ امید ہے-

بادشاہ نے سن کر وزیر سے مشورہ کیا کہ واقعی بڑا بے باک انسان ہے- اس کو اس طرح دربار سے جانے نہ دیا جائے ورنہ خوف فتنہ وفساد ہے- وزیر نے رائے دی کہ اگر ان کو قلعہ گوالیار میں نظر بند رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہے چنانچہ آپ کو ہمراہی مریدوں کے ساتھ قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا- آپ نے وہاں پہنچتے ہی ایک ایک خط اپنے تمام خلفاء کے نام ارسال فرمایا جس میں تحریر تھا کہ میری یہ کیفیت ہے اور یہ سب رضامندی سے ہے- خبردار آپ لوگ کسی قسم کی جنبش اور حرکت نہ کرنا- ہر چند آپ کے مریدین جو ہزاروں کی تعداد میں تھے ایک ہفتہ میں مقابلے پر آمادہ ہو گئے تھے اور مہابت خاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ کابل سے روانہ ہو کر کئی منزل تک آ گیا تھا مگر یہ مکتوب گرامی پہنچتے ہی باز رہا (حیرت یہ ہے کہ مکتوبات شریف کے دفاتر میں ایسا کوئی مکتوب موجود نہیں جو اس صورت حال پر کچھ روشنی ڈال سکے- ہو سکتا ہے کہ اقتضائے وقت اور مصلحت کے پیش نظر ایسا کوئی مکتوب شامل نہ کیا گیا ہو- واللہ عالم بالصواب)

ایک روز آپ نے فرمایا کہ اب ہمارے لیے جلالِ الٰہی کی آزمائش پوری ہوئی اور بہت جلد یہاں سے روانگی ہوگی- قلعہ کے تمام افسران اور بہت سے دوسرے قیدی بھی آپ کے گرویدہ اور حلقہ بگوش ہو چکے تھے- سب مفارقت کے احساس سے رنجیدہ تھے-

کہا جاتا ہے کہ ایک روز کسی نے عالمِ بیداری میں تخت سے زمین پر پھینک دیا- وہ خوف زدہ ہو کر بیمار ہو گیا بہت علاج ہوا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا- ایک دن خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرماتے ہیں کہ

تو نے مجدد امام وقت کی بے عزتی کی ہے- تو جس عذاب الٰہی میں گرفتار ہے اس کی دعا کے بغیر یہ عذاب رفع نہ ہوگا- اگر تم کو اپنی بادشاہت کی خیر منظور ہے تو اسکی طرف رجوع کر-

بادشاہ نے خواب سے بیدار ہو کر آپ کی رہائی کا حکم جاری کیا اور آپ کی وجہ سے ہندوستان کے بہت سے قیدیوں کو رہا کر دیا گیا- بادشاہ نے ایک عرضداشت اپنے مصاحبین کے ہاتھ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں ارسال کی- اپنی خطا کی معافی چاہی اور قدوم میمنت لزوم سے مشرف کرنے کی استدعا کی- آپ نے اس کے جواب میں کچھ شرائط پیش کیں جن کو بادشاہ نے منظور کر لیا- آپ گوالیار سے واپس آتے ہوئے تین روز سرہند شریف میں ٹھہرے پھر آپ عازم لشکر بادشاہی ہوئے- ولی عہد

شاہجہان اور وزیر اعظم آپ کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے- آپ شاہی محل میں تشریف لے گئے- آپ نے دعا شروع فرمائی اور بادشاہ کو حکم دیا کہ اپنی خطا کو یاد کر کے روتا رہے- بہت جلد بادشاہ صحت یاب ہو گیا- آپ کے قدموں پر گر گیا- سلسلہ طریقت میں داخل ہوا اور احکام شرع جاری کیے- سجدہ دربار موقوف کر دیا گیا گاؤ کشی کی اجازت دی گئی- بادشاہ اور ارکان دولت نے ایک ایک گائے دربار عام کے دروازے پر اپنے اپنے ہاتھ سے ذبح کی- کباب تیار ہوئے اور سب نے کھائے جہاں جہاں مساجد شہید کی گئی تھیں دوبارہ تعمیر کی گئیں- دربار عام کے قریب ایک خوبصورت مسجد تعمیر ہوئی ہر شہر میں محتسب اور قاضی مقرر ہوئے- کفار پر جزیہ عائد ہوا- تمام خلاف شرع قانون منسوخ کر دیئے گئے- جملہ بدعات اور رسوم جاہلیت کو ختم کیا گیا-

وفات حسرت آیات

لشکر شاہی سے آپ وفات سے کچھ عرصہ قبل فارغ ہو کر سرہند شریف واپس آ گئے- شب برات ۱۰۳۳ھ کو آپ نے اپنی وفات کے بارے میں ظاہر فرما دیا تھا کہ اسی سال ہو گی- آپ عید الضحیٰ کی نماز سے فارغ ہو کر دولت کدہ میں تشریف لائے تو خلفاء اور مریدین سے فرمایا کہ بموجب عدو علت عمر آنحضرت ﷺ میری عمر بھی ۶۳ برس ہو گئی اور موت کا وقت قریب آ گیا ہے- آپ سب کو لازم ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر عمل کرتے رہیں- چار یا پانچ روز کے بعد آپ کو مرض ضیق النفس کا دورہ شروع ہو گیا- ۱۲ تاریخ محرم الحرام ۱۰۳۴ کو آپ نے باقی ایام کی تعداد ظاہر فرما دی- ایک روز اپنے والد ماجد کے مزار شریف کی آخری زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور دوپہر تک مراقب رہے- اس قبرستان کے اہل قبور کے لیے بہت دعائے مغفرت فرمائی اور وہاں سے اپنے جد اعلیٰ حضرت امام رفیع الدین کے مزار پر تشریف لے گئے اور اسی طرح مراقبہ فرمایا اور وہاں کے اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت فرما کر رخصت ہوئے- ۲۴ صفر کو آپ نے اپنے مریدین اور صاحبزادگان سے فرمایا کہ اللہ کریم مجھ کو وہ سب کچھ عطا فرما چکا جو بشر کو عطا کیا جا سکتا ہے- ۲۳ صفر کو آپ نے تمام لباس فقراء کو خیرات کر دیئے اور مرض کا غلبہ شروع ہو گیا- وہ رات جس کے بعد آپ کا وصال ہوا باوجود اصرار کے آپ اٹھ کر چلے گئے اور جو حقائق منکشف ہوئے تھے بیان فرمائے کہ میری ہمت کا مرغ آستان قدس تک پہنچا اور آواز آئی کہ یہ حقیقت کعبہ ہے- اس کے بعد عروج ہوا اور مقام صفات حقیقیہ تک پہنچا پھر میں شیونات

ذاتیہ تک پہنچا وہاں سے ذات بحت تک پہنچا جو ہر قسم کے اعتبارات اور نسبتوں سے معرا ہے- اور ظلیت کی گرد نے وہاں تک راہ نہیں پائی - اس کے بعد ضعف کا غلبہ ہوا- تہجد کی نماز کھڑے ہو کر ادا فرمائی اور صبح کی نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا فرمائی - پھر اشراق کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی- تمام ادعیہ ماثورہ پڑھتے رہے اور مراقبہ میں بار بار مصروف ہوتے تھے- بستر پر اس طرح لیٹے کہ سر شمال کی طرف' منہ قبلہ کی طرف' دایاں ہاتھ ٹھوڑی مبارک کے نیچے اور ذکر میں مشغول ہوئے- صاحبزادہ صاحب نے سانس کی تیزی کو دیکھ لیا- عرض کیا مزاج کیسا ہے؟ فرمایا اچھا ہے جو دو رکعت نماز پڑھ چکے ہیں کافی ہے- یہ آپ کا آخری کلام تھا اس کے بعد اللہ اللہ جاری تھا-

۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ بروز دوشنبہ یا سہ شنبہ بوقت اشراق آفتاب رشد و ہدایت ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا عمر شریف ۶۳ برس تھی- آپ کو اسی گنبد میں سپرد خاک کیا گیا جہاں آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادقؒ دفن ہیں- یہ گنبد شریف ارض مبشرہ میں واقع ہے- یہ گنبد شریف کوئی بڑی عمارت نہیں ہے بلکہ وہ گنبد جس میں آپ کے صاحبزادہ قیوم ثانی اور ان کے صاحبزادگان دفن ہیں کہیں وسیع ہیں جس وقت آپ کا جنازہ روضہ مبارک پر لایا گیا تو خواجہ محمد صادقؒ کی قبر مبارک مشرق کی جانب ایک ہاتھ ہٹ گئی اور جگہ وسیع ہو گئی اور آپ اس میں مدفون ہوئے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے-

اولاد

آپ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں- خواجہ محمد صادقؒ سب سے بڑے تھے اور اٹھارہ سال کی عمر میں طاعون کی وجہ سے وفات پائی- حضرت خواجہ فرخ نے پندرہ سال کی عمر میں وصال پایا اور حضرت خواجہ محمد عیسیٰ نے آٹھ سال کی عمر میں وفات پائی - خواجہ محمد اشرف دو سال کی عمر میں فوت ہوئے-

حضرت مجددالف ثانیؒ اور ذات باری تعالیٰ

(مکتوب ۷۱ دفتر سوم) وہی سختی اور تنگی کو دور کرتا ہے اور وہی دعا کو قبول اور بلا کو دفع کرتا ہے۔ وہ ایسا رزاق ہے کہ اپنی کمال کی مہربانی سے گناہوں کے باعث بندوں کی روزی بند نہیں کرتا۔ وہ ایسا ستار ہے کہ اپنی بے اندازہ عفو و درگزر سے برائیوں کے ارتکاب کے باعث بندوں کی پردہ دری نہیں کرتا۔ وہ ایسا حلیم ہے کہ ان کے عذاب و مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا وہ ایسا کریم ہے کہ اپنی عام بخشش کو دوست اور دشمن سے دور نہیں رکھتا۔ ان تمام نعمتوں میں سے اعظم اور اجل اعزّ و اکرام نعمت اسلام کی طرف دعوت کرنا اور دارالسلام کی طرف ہدایت کرنا اور حضورؐ کی متابعت کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ وہ حمد جو بندوں کی اپنی طرف سے ہے وہ سراسر ہجو ہے اور ان کی مدح صرف قدح ہے۔ حق تعالیٰ کی تعظیم و توقیر و تکریم جو اسی بارگاہ سے ہمیں پہنچی ہے وہ یہی شریعت حقہ ہے۔ اگر تعظیم قلبی ہے تو وہ بھی شریعت حقہ میں بیان ہو چکی ہے۔ اگر زبانی ثنا ہے تو وہ بھی ظاہر ہے۔ اعضاء کے اعمال و افعال کو بھی شریعت نے مفصل طور پر بیان فرما دیا ہے پس حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنا شریعت ہے کہ بجالانے پر منحصر ہے خواہ وہ شکر قلبی ہو یا بدنی ۔اعتقادی ہو یا عملی۔ حیات علم قدرت ارادت، سمع، بصر، کلام، تکوین حق تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں جن کو صفات حقیقیہ کہتے ہیں اور یہ صفات قدیم ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے سوا مخالف گروہوں سے کوئی گروہ صفات زائدہ کے وجود کا قائل نہیں حتیٰ کہ فرقہ ناجیہ میں سے بعض صوفیہ متاخرین نے بھی صفات کو ذات کا عین کہا ہے۔

فیض خاص و عام

(مکتوب ۱۶۴ دفتر اول) اگرچہ حق تعالیٰ کا فیض خواہ اولاد و اموال کی قسم سے ہو اور خواہ ہدایت و ارشاد کی جنس سے خاص و عام اور کریم و لئیم پر بلا تفریق ہمیشہ وارد ہے لیکن بعض فیوض کے قبول کرنے اور بعض کے قبول نہ کرنے میں تفاوت اسی طرف سے پیدا ہوا ہے۔ گرمی کا سورج دھوبی اور کپڑے پر یکساں چمکتا ہے لیکن دھوبی کا چہرہ سیاہ اور اس کا کپڑا سفید ہو جاتا ہے۔ یہ عدم قبول جناب پاک کی طرف سے روگردانی کے سبب سے ہے روگردان کے لیے بدبختی لازم اور نعمت سے محروم رہنا واجب ہے۔ اس جگہ کوئی یہ نہ کہے کہ بہت سے روگردان ہیں جو دنیا کی ناز و نعمت میں ممتاز ہیں اور ان کی روگردانی ان کی محرومی کا باعث

نہیں ہوئی- جاننا چاہئے کہ درحقیقت (یہ) بدبختی ہے جو استدراج کے طور پر اس کی خرابی کے لیے نعمت کی صورت میں ظاہر کی ہوئی ہے کہ اسی روگردانی میں مستغرق رہے- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم مال واولاد سے ان کی مدد کرتے ہیں اور ان کی بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں بلکہ وہ نہیں سمجھتے" پس دنیا کا ناز ونعمت جو اعراض اور روگردانی کے باوجود حاصل ہو عین خرابی ہے- اس سے بچنا چاہئے-

خدااور شہود کا احاطہ

(مبداء ومعاد)- حق سبحانہٗ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے موجود ہے نہ کہ وجود سے- اس کے برخلاف تمام موجودات وجود سے موجود ہیں- پس اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کے لیے وجود کا ہونا لازم نہیں- اگر حق سبحانہ اللہ تعالیٰ اپنی موجودات کے لیے وجود کا محتاج ہوتا تو ہمیں وجود کی عینیت کا قائل ہونا پڑتا- واجب تعالیٰ کو اپنی ذات سے موجود رکھنے اور اس میں وجود کو بالکل دخل نہ دینے میں اور اس وجود کو عین ذات ثابت کرنے میں بڑا فرق ہے- یہ معرفت وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے- جب حضرت واجب الوجود کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی ذات سے موجود اور اس موجودیت میں وجود کا مطلق محتاج نہیں خواہ وجود کی عین ذات فرض کریں خواہ ذات پر زائد- برابر ہے- میں ایسے خدا کی ہرگز پرستش نہیں کرتا جو مشہود کے احاطہ میں آجائے- دکھائی دے- معلوم ہوجائے اور وہم وخیال میں سما سکے کیونکہ ظاہر ہونے والا دکھائی دینے والا اور معلوم ہوجانے والا- وہم وقیاس اور خیال میں آنے والا- شاہد دیکھنے والے- عالم وہم وخیال کرنے والے کی طرح مخلوق ومحدث ہوتا ہے- جو چیز دیدہ ودانش میں آسکتی ہے وہ تقلید اور اطلاق کے معیار سے گری ہوئی ہے لیکن مطلوب وہ ہے جو تمام قیود سے منزہ ومبرا ہو پس اسے دیدہ ودانش کے علاوہ ڈھونڈنا چاہئے- یہ معاملہ نظر عقل کے طور سے دور ہے کیونکہ دیدہ دانش کے پرے ڈھونڈنا محال جانتی ہے- مطلق اپنے اطلاق پر ہے کسی قسم کی قید کا اس میں دخل نہیں لیکن چونکہ مقید کے آئینے میں ظاہر ہوتا ہے اس واسطے اس کا عکس اس آئینے کے موافق رنگا جاتا ہے اور مقید ومحدود دکھائی دیتا ہے- اس واسطے دیدودانش میں آتا ہے- . . . . - اگر ہم دیدودانش پر اکتفا کریں تو گویا ہم اس مطلوب کے ایک عکس پر اکتفا کرتے ہیں-

واجب الوجود کی صفات

(مکتوب ۱۱۳ دفتر سوم) واجب الوجود جل شانہٗ کی صفات مثل حیات وقدرت وعلم وغیرہ کے جو

حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں کمال تنزہ وتقدس کے باعث صفات ممکن کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتیں۔ صفات واجبی جلشانہ، کا قیام ذات تعالیٰ کے ساتھ ایسا نہیں ہے جیسے کہ عرض کا قیام۔ جوہر ایک کے ساتھ ہے۔ حاشاوکلہ۔ بلکہ ایسا ہے جیسے مصنوع کا قیام صانع کے ساتھ ہے۔ صانع مصنوع کا قیوم ہے۔ اگرچہ وہاں اتصاف ہے اور یہاں اتصاف نہیں لیکن وہ قیام ایسا ہے جیسے شے کا اپنی ذات کے ساتھ قیام ہوتا ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں زیادہ ہونا ثابت ہے اور یہاں زیادہ ہونا متصور نہیں۔ لیکن وہ زیادہ ہونا غیریت کی حد تک نہیں پہنچاتی۔ (مکتوب ۱۱۴ دفتر سوم) صوفیہ کی ایک بڑی بھاری جماعت نے صفات کو عین ذات کہا ہے اور صفات کی زیادتی کا انکار کیا ہے۔ لاہو سے منع کر کے لاغیرہٗ کا اثبات فرمایا ہے لیکن کمال اس بات میں ہے کہ لاہو کی تصدیق کے باوجود لاغیرہٗ کا اثبات کیا جائے اور باوجود زیادتی کے غیریت کو سلب دیکھا جائے۔ یہ کمال انبیاء کے علوم کے مذاق کے موافق اور فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کی صائب رائے کے مطابق ہے۔ اس مرتبہ میں وہ ذاتی انکشاف جو حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفات مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے۔ علم حضوری کی قسم سے ہے اس لیے کہ علم حضوری نفس عالم کے حضور سے مراد ہے اس لیے الگ نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ کوئی صورت رنگ نہیں ہوتیا اور ان کا حضور نفس ثابت ہے اس لیے علم حضوری کی قسم سے ہے اور وہ انکشاف جو صفت علم سے تعلق رکھتا ہے۔ علم حصولی کی قسم سے ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ علم حصول کی قسم سے ہے اس لیے کہ علم حصولی میں معلوم کی صورت حاصلہ سے مراد ہے اور اس فقیر کے نزدیک محقق ومکشوف ہوا ہے کہ واجب تعالیٰ کے علم میں کسی قسم کی صورت منقش نہیں اور اس کا علم کسی صورت معلومہ کا محل نہیں تو پھر عالم تعالیٰ کی ذات میں کس طرح حاصل ہو سکے بلکہ، اس کے علم کے ساتھ ایک خاص تعلق اور انکشاف ہے بغیر اس بات کے علم میں معلوم کی صورت ثابت ہو کیونکہ خانہ علم، تمام نقوش اور علمیہ صورتوں سے خالی اور مصفا ہے۔

حق تعالیٰ کی واجبی صفات

(مبداء ومعاد) حضرت حق سبحانہ تعالیٰ مثل سے منزہ ہے۔ کوئی چیز اس کی مانند نہیں۔ حق تعالیٰ کا احاطہ بے چوان اور بے چگون ہے اور نہ وہ شہود میں آ سکتا ہے اور نہ کسی پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اس کا احاطہ کیا ہے۔ اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ اس احاطہ کی مثال ہے نہ کہ حقیقت بلکہ اس کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس کا قرب ومعیت کس طرح کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی واجبی صفات تین قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کی صفات اضافی ہیں مثلاً خالقیت اور

رزاقیت۔ دوسری حقیقی لیکن اضافت کی جھلک لیے ہوئے مثلاً علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام، تیسرے محض حقیقی مثلاً زندگی۔ اس میں اضافی کی ہرگز ملاوٹ نہیں۔ اضافت سے ہماری مراد جہان کا لگاؤ ہے۔ علم کی صفت باوجود جامعیت کے صفت حیات کے تابع ہے۔ صفات وشیونات کا دائرہ حیات پر جا ختم ہوتا ہے۔ وصول مطلوب کا دروازہ یہی ہے چونکہ صفت حیات صفت علم سے بڑھ کر ہے اس واسطے ضروری ہے کہ مراتب علم طے کرنے کے بعد اس تک پہنچیں۔

اسماء کا مظہر

(مکتوب ۵۸ دفتر سوم) کیونکہ شے کا آئینہ اور مظہر اسی شے کے مبائن اور مقابل ہوتا ہے اور وجود کا مبائن اور مقابل عدم ہی ہے پس حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے علم عدم میں اپنے اسماء میں سے ہر ایک اسم کا مظہر تعین فرمایا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز کیا اعیان اور کیا اعیان کے آثار موجود نہیں بلکہ ان کا ثبوت مرتبہ حس و وہم ہے۔ صور علمیہ متکثرہ (جو ممکنات کے حقائق ہیں اور جن کو اس نے اعیان ثابتہ تعبیر کیا ہے) حق تعالیٰ کے ظاہر وجود کے آئینہ میں کہ جس کے سوا خارج میں کوئی وجود نہیں منعکس ہو کر خارج سے نمودار ہوئی اور خارج میں دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن درحقیقت ایک ذات تعالیٰ کے سوا خارج میں کوئی موجود نہیں جس طرح اشیاء کا خارج میں وجود نہیں اسی طرح اس میں ان کا نمود بھی نہیں۔ مرتبہ خارج اسی طرح ہے بے رنگی پر ہے نہ اس میں غیر کا وجود ہے نہ نمود، اگر نمود ہے تو مرتبہ وہم میں ہے اور اگر ثبوت ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت سے مرتبہ وہم ہی میں ہے۔ حاصل کلام کہ نمود وہمی کو نمود خارجی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح شخص کی صورت ہے جو آئینہ میں منعکس ہوئی ہے کہ خارج میں صورت کا نہ تو ثبوت ہے نہ نمود بلکہ اس کا ثبوت و نمود دونوں مرتبہ خیال میں ہیں۔

حق تعالیٰ کی صفات ثمانیہ

(مکتوب ۲۹۴ دفتر اول) واجب الوجود کی صفات ثمانیہ حقیقیہ میں اول صفت حیوٰۃ اور اخیر میں صفت تکوین ہے۔ تین قسم ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق عالم کے ساتھ غالب ہے اور اس کی اضافت و نسبت مخلوق کی طرف زیادہ تر ہے جیسے کہ تکوین' اہل سنت والجماعت کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ تکوین اضافہ میں سے ہے اور حق یہی ہے۔ کہ وہ صفات حقیقیہ سے ہے صرف اضافت اس پر غالب ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو عالم کے ساتھ اضافت و نسبت تو رکھتی ہے مگر پہلی قسم سے کم تر جیسے علم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر و کلام اور تیسری قسم سب اقسام سے اعلیٰ ہے جس کا کسی وجہ سے عالم کے ساتھ تعلق نہیں ہے اور اس میں اضافت و نسبت کی بو تک نہیں ہے جیسے کہ حیات یہ صفت تمام کی اُمّ اور ان سب کی اصل

اور سب سے اسبق ہے- اس صفت کے زیادہ قریب صفت العلم ہے جو حضرت خاتم الرسل ﷺ کے تعین کا مبداء ہے اور دوسری صفات اور مخلوقات ؑ کے تعینات مبادی ہیں-

صفات کی جزئیات

ہر صفت تعلقات متعددہ کے اعتبار سے بہت سی جزئیات رکھتی ہے جیسے کہ تکوین کہ اس سے تعلقات متعددہ کے اعتبار سے پیدا کرنا' رزق دینا' زندہ کرنا اور مارنا جزئیات پیدا ہوئی ہیں- اس لیے یہ جزئیات بھی اپنے کلیات کی طرح مخلوقات کے تعینات کے مبادی ہیں اور جس شخص کا مبداء تعین وہ کُلّی ہے- دوسرے تعینات (کے اشخاص) جن کے مبادی اس کلی کے جزئیات ہیں اسی شخص کے تابع ہوں گے اور اس کے قدم کے نیچے زندگی بسر کریں گے- اسی سبب سے کہتے ہیں کہ فلاں محمد رسول ﷺ کے زیر قدم ہے اور فلاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم اور فلاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے- جب ان جزئیات کو بطریق مسلک ترقی واقع ہو تو اپنی کلیات سے ملحق ہو جاتی ہیں اور ان کا شہود کلیات کا شہود وہی ہو جاتا ہے فرق صرف اصالت و تبعیت کا رہ جاتا ہے- تابع جو کچھ پاتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اصل کے وسیلہ کے بغیر ممکن نہیں- یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے زیر قدم آ جائیں اور ہمیشہ آپ کے قدم کے نیچے رہیں کیونکہ حضرت محمد ﷺ کا رب' رب الارباب ہے اور ان تمام کلیات کا اصل ہے پس وہ ان جزئیات کے لیے اصل الاصل ہوگا- معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ کا شہود بے پردہ تعینات ہے اور دوسروں کا شہود پردہ تعینات میں ہے خواہ پردہ تعین محمدی میں ہو- اسی واسطے کہتے ہیں کہ تجلی ذات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے اور دوسروں کی تجلی پردہ صفات میں ہے- اور جائز نہیں کہ کلی جزئیات ترقی کر کے اور اپنے کلّی سے خروج کر کے دوسرے کلّی کے ماتحت آ جائیں اور ان کا شہود اس دوسری کلّی کا شہود ہو مثلاً وہ لوگ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہیں منتقل ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدم کے نیچے داخل نہیں ہو سکتے- ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے زیر قدم آ جائیں جاننا چاہئے کہ ہر دو شہود (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے یہ مراد نہیں کہ دونوں ایک ہی وقت میں ثابت ہوتے ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ اگر سالک اصل الاصل تک ترقی کر کے پہنچ جائے تو اس کا شہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح جو نزول کے بعد اس معلت سے مشرف ہوں گے- حقیقت محمدی کے پردے میں ہے اور یہ ترقی بہت مشکل اور محال کے نزدیک ہے- اس ترقی کے لیے خدا تعالیٰ کا بڑا فضل درکار ہے اور عالم اسباب میں محمدی مشرب پیر کی شفقت ہونی چاہئے- اور اگر اپنے اصل سے ترقی

نہ کرے اور اپنی حقیقت سے حقیقت الحقائق تک نہ پہنچے تو اس کا شہود اپنی مخصوصہ حقیقت کے پردہ میں ہے- آگاہ رہو کہ جس طرح حقیقت الحقائق سے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف راہ ہے جو منازل کثیرہ کے طے کرنے کے بعد وہاں تک وصول میسر ہوتا ہے اسی طرح تمام حقائق کلیات سے بھی حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف راہ ہے- جس میں بہت سے مرحلے طے کرنے کے بعد وصول حاصل ہوتا ہے حاصل کلام یہ کہ حقیقت الحقائق کی راہ میں وصل عریاں ہے-

ایک باطل نظریہ

(مکتوب ۱۰۰ دفتر اول) آپ نے (یعنی ملا حسین کشمیریؒ) لکھا ہے کہ شیخ عبدالکبیر نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے-

فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی ہرگز تاب نہیں ہے- بے اختیار میری فاروقی رگ جوش میں آ جاتی ہے اور اس میں توجیہہ وتاویل کی فرصت نہیں دیتی- ان باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی مگر ہم تو محمدؐ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی اور صدر الدین قونیوی اور عبدالرزاق کاشی کا کلام- ہم کو نص (قرآنی) سے کام ہے نہ فص سے- فتوحات مدینہ یعنی احادیث نے ہم کو فتوحات مکیہ سے لاپرواہ کر دیا ہے- حق تعالیٰ قرآن مجید میں اپنی تعریف علم غیب سے کرتا ہے اور اپنے آپ کو عالم غیب فرماتا ہے- حق تعالیٰ کے علم غیب کی نفی کرنا حقیقت میں حق تعالیٰ کی تکذیب ہے اگر منصورؒ "انا الحق" اور بسطامیؒ "سبحانی" کہتے ہیں تو وہ معذور ہیں اور غلبہ احوال میں مغلوب ہیں لیکن اس قسم کا کلام اجمال پر مبنی نہیں بلکہ علم سے تعلق رکھتا ہے اور تاویل کا محتاج ہے- اور کسی عذر کے لائق نہیں اور کوئی تاویل اس مقام میں مقبول نہیں کیونکہ مستوں کے کلام کی تاویل کی جاتی ہے- اس قسم کے کلام کے اظہار سے اگر متکلم کا مقصود خلق خدا کی ملامت ہے اور نفرت ہے تو یہ بھی بہت بری اور مکروہ بات ہے کیونکہ خلق کی ملامت حاصل کرنے کے لیے اور بہت سے طریقے ہیں- ایسی باتوں کی کیا ضرورت ہے جو کفر تک پہنچا دیں-

حق تعالیٰ کی صفات

(مکتوب ۱ دفتر سوم) کیونکہ ظل اپنی اصل سے ضلل ہے نہ کہ اپنے نفس سے- چونکہ عالم حق تعالیٰ کے افعات کا ظلالی اور عکوس ہے اس لیے جو اس کے اصول ہیں عالم کی نسبت عالم سے زیادہ

قریب ہوں گے۔ ایسے ہی افعال چونکہ حق تعالیٰ کی صفات کے ظلال ہیں اس لیے صفات عالم اور عالم کے اصول کی نسبت جو افعال ہیں عالم سے زیادہ اقرب ہوں گے کہ اصل الاصل ہیں۔ چونکہ صفات بھی حق تعالیٰ کی ذات کے ظلال ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات تمام اصولوں کا اصل ہے اس لیے حق تعالیٰ کی ذات اور عالم افعال اور صفات کی نسبت عالم سے زیادہ اقرب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ

(مبداء و معاد) اللہ تعالیٰ نہ جہان کے اندر ہے اور نہ اس سے باہر ہی ہے۔ نہ جہان سے ملا ہوا اور نہ الگ ہے اسی واسطے جو بقائے حق آخرت میں حاصل ہونا ہے اسے بھی بلا کیف ہی لکھا ہے جو عقل اور وہم کے احاطہ سے باہر ہے دنیا میں بھی یہ بھید خواص الخواص پر منکشف کیا ہے اگر چہ اسے رویت تو نہیں کہہ سکتے لیکن پھر بھی رویت ہی کی طرح ہے۔

توحید

(مکتوب ۱۱۱ دفتر اول) توحید سے مراد یہ ہے کہ دل کی ماسوائے حق کی توجہ سے خلاصی ہوجائے۔ جب تک دل ماسوائے حق میں گرفتار ہے۔ خواہ تھوڑا ہی ہو توحید والوں میں سے نہیں۔ اس دولت کے حاصل ہونے کے بغیر ایک کہنا اور ایک جاننا ارباب حصول کے نزدیک فضول ہے۔ ہاں اس ایک کہنے اور ایک جاننے جو تصدیق ایمان میں معتبر ہے کے بغیر چارہ نہیں لیکن اس کے اور معنی ہیں۔ لا معبود الا اللہ اور لاموجود الا اللہ کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ ایمان کی تصدیق علمی ہے اور وجدانی حال ہے جس کی نسبت حال سے پہلے گفتگو کرنا منع ہے۔ بعض مشائخ نے جو اس بارہ میں گفتگو کی ہے دو حالت سے خالی نہیں یا تو معذور ہیں اور غلبہ حال میں مستوں کی طرح ہیں یا احوال لکھنے اور ظاہر کرنے سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ دوسروں کے احوال کے لیے کسوٹی بن جائیں اور اس کے احوال کی کجی اور درستی احوال کے ترازو سے وزن کرلیں۔ ان دو حالتوں کے سوا اسرار کا ظاہر کرنا منع ہے۔

(مکتوب ۶۷ دفتر اول) جان لے اور آگاہ ہو کہ ہمارا اور تمہارے جہاں والوں یعنی آسمان وزمین اعلیٰ واسفل والوں کا پروردگار صرف وہ بے چون و بے چگون ہے۔ پروردگار ایک ہی ہے۔ شبیہ و مانند سے منزا اور شکل و مثال سے مبرا ہے۔ پدر و فرزند ہونا اللہ تعالیٰ کے حق میں ہے اس بارگاہ میں ہمسر اور ہم مثل ہونے کیا مجال ہے۔ اتحاد اور حلول کی آمیزش اس کی شان میں بری ہے، پوشیدہ

ہونے اور ظاہر ہونے کا گمان اس جناب پاک کے حق میں قبیح ہے۔ وہ زمانی نہیں ہے کیونکہ زمانہ اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ نہ وہ مکانی ہے کیونکہ مکان اسی کا بنایا ہوا ہے۔ اس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں اور اس کے بقا کی کوئی انتہا نہیں۔ سب قسم کا خیر و کمال اس کی ذات میں ثابت ہے اور سب قسم کا نقص و زوال اس سے مسلوب ہے پس عبادت کے مستحق اور پرستش کے لائق وہی حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔

(مکتوب ۲۳۰ دفتر اول) اللہ تعالیٰ بے چون اور بے چگون ہے اور جو کچھ دیدہ دانش اور شہود و مکاشفہ میں آئے اس کا غیر ہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے۔

(مکتوب ۲۳۴ دفتر اول) حق سبحانہٗ کی حقیقت وجود محض ہے کہ اور کوئی امر اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے اور وہ وجود تعالیٰ ہر خیر و کمال منشاء اور ہر حسن و جمال کا مبداء ہے اور وہ وجود خیر حقیقی اور بسیط ہے جس کی طرف ترکیب کو ہرگز راہ نہیں ہے۔ نہ ذہنی طور پر نہ خارجی طور پر اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصور میں آنا محال ہے اور ذات تعالیٰ پر از روئے مواطات کے محمول ہے نہ از روئے اشتقاق کے اگرچہ حمل کی نسبت کو بھی اس مقام میں فی الحقیقت کچھ گنجائش نہیں ہے کیونکہ تمام نسبتیں وہاں ساقط ہو گئی ہوئی ہیں اور وہ وجود جو عام و مشترک ہے وہ اس وجود خاص کے ظلوں میں سے ایک ظل ہے اور یہ ظل ذات تعالیٰ و تقدس پر محمول ہے اور اشیاء پر تشکیک کے طور پر از روئے اشتقاق کے نہ از روئے مواطات کے اور اس ظل سے مراد تنزلات کے مرتبوں میں حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کا ظہور ہے اور ظل سے افراد میں سے اولیٰ و اقدام و اشرف وہ فرد ہے جو ذات اللہ تعالیٰ پر از روئے اشتقاق کے محمول ہے پس اصالت کے مرتبہ میں اللہ تعالیٰ وَجُوْدٌ کہہ سکتے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ موجود اور اس ظل کے مرتبہ میں اللہ تعالیٰ موجود صادق ہے نہ اللہ تعالیٰ وجود اور چونکہ حکما اور صوفیہ کے ایک گروہ نے جو وجود کی عینت کے قائل ہیں اور اسی فرق کی حقیقت سے واقف نہیں ہوئے اور ظل کو اصل سے جدا نہیں کیا اس لیے حمل اشتقاق اور حمل معاملات دونوں کو ایک ہی مرتبہ میں ثابت کیا ہے۔ حق وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے الہام سے ثابت و تحقیق کیا ہے۔

(مکتوب ۲۴۷ دفتر اول) میں نے اپنے رب کو ارادوں کے توڑنے سے نہیں پہچانا بلکہ ارادوں کے توڑنے کو اپنے رب کے ساتھ پہچان لیا ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ اپنے ماسوائے پر دلیل ہے نہ کہ برعکس اس لیے کہ دلیل اپنے مداول سے اظہر ہوتی ہے اور حق تعالیٰ سے بڑھ کر اور کون سی چیز اظہر ہے کیونکہ تمام اشیاء اس کے ساتھ اور اسی سے ظاہر ہوئی ہیں پس وہ اپنی ذات اور اپنے ماسوا پر دلیل ہے اور اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ ہی کے ساتھ پہچانا اور اشیاء کو اس کے ساتھ پہچانا۔ حق سبحانہٗ کے

وجود میں کوئی پوشیدگی اور اس کے ظہور میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور وہ تمام بدیہات سے زیادہ روشن ہے اور یہ بات سوائے اس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اس کی آنکھوں پر پردہ ہو کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اور تمام اشیاء حواس ظاہری سے محسوس ہیں اور ضروری طور پر معلوم ہے کہ ان سب کا وجود اسی ذات پاک کی طرف سے ہے اور بعض لوگوں کو اس کا علم حاصل نہ ہونا کسی مرض کے عارض ہونے کے سبب سے ہے جو مطلوب میں مضر نہیں ہے۔

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے اور حق تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہے اور ان کے ساتھ قرب ومعیت رکھتا ہے۔ اس احاطہ اور قرب و معیت سے وہ مراد نہیں ہے جو ہمارے فہم قاصر میں آسکے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جناب پاک کے لائق نہیں اور جو کچھ کشف وشہود سے معلوم کرتے ہیں اس سے بھی منزہ اور پاک ہے کیونکہ ممکن کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت سے سوائے نادانی اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہے۔ اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز اس سے متحد ہو سکتی ہے۔ جب فقر تمام ہو جائے اور محض نیستی حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا نہ یہ کہ فقیر خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے کیونکہ یہ کفر اور زندقہ ہے اور تغیر وتبدل کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کی طرف راہ نہیں ہے۔ حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات وافعال میں بھی غنی ہے اور کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے ظہور میں بھی محتاج نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نقصان کی تمام صفتوں اور حدوث کے نشانات سے منزہ اور مبرا ہے۔ نہ جسم وجسمانی ہے اور نہ مکانی اور زمانی اور صفات کمال اس کے لیے ثابت ہیں۔ حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لیے قدم اور ازلیت ثابت نہیں ہے۔ جو کسی غیر کے قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہوا ہے وہ کافر ہے۔ حق تعالیٰ قادر مختار ہے اور ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزا اور مبرا ہے۔

(مکتوب ۹ دفتر دوم) ہمارا اپنا تراشہ ہوا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو خواہ عقل ووہم کے ساتھ سب حق تعالیٰ کا مخلوق ہے جو عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق وہی خدائے بے چون اور بے چگون ہے جس کے دامن ادراک سے ہماری عقل ووہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور ہماری کشف وشہد کی آنکھ اس کی عظمت و جلال کے مشاہدے سے خیرہ اور تباہ ہے۔

(مکتوب ۹ دفتر دوم) عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ اگر ممکن میں حیات ہے تو اسی واجب تعالیٰ کی حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو اسی کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت

ہے تو اسی کی قدرت کا آئینہ ہے اعلیٰ ہذا القیاس لیکن اس کی ذات کا عالم میں نہ کوئی آئینہ ہے نہ کوئی مظہر بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کو علم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں اور کسی چیز میں شراکت نہیں اگر چہ وہ مناسبت اسم میں ہو یا وہ شارکت صورت میں ہو (اللہ تعالیٰ سب جہاں سے غنی ہے تمام ممکنات کا قیوم حق تعالیٰ ہی ہے-)

(مکتوب ۶۷ دفتر دوم) حق تعالیٰ نہ جسم نہ جسمانی' نہ جوہر نہ عرض' نہ محدود نہ متناہی' نہ طویل نہ عریض نہ دراز نہ کوتاہ' نہ فراخ نہ تنگ ہے بلکہ واسع ہے نہ اس وسعت کے ساتھ جو ہمارے فہم میں آ سکے اور محیط ہے نہ اس احاطہ سے جو ہمارے ادراک میں آ سکے اور قریب ہے نہ اسی قرب سے جو ہماری عقل میں آ سکے اور ہمارے ساتھ ہے نہ اس معیت سے جو مشہور و معروف ہے- ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ واسع اور محیط ہے اور قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ان صفات کی کیفیات ہم نہیں جانتے کہ کیا ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں- مذہب مجسم میں قدم رکھتا ہے-

حق تعالیٰ کا کوئی مثل اور برابر نہیں- نہ اس کی عورت ہے نہ کوئی بیٹا' حق تعالیٰ کی ذات وصفات بے چون بے چگون اور بے شبہ اور بے مانند ہیں- اس قدر ہم جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہے اور اپنی صفات کاملہ کے ساتھ جن سے اس نے اپنی تعریف کی ہے منصف ہے لیکن جو کچھ ہمارے فہم و ادراک اور عقل و تصور میں آ سکے حق تعالیٰ اس سے منزہ اور برتر ہے- حق تعالیٰ کے اسماء توفیق ہیں یعنی صاحب شرع سے سننے پر موقوف ہیں- شرع میں حق تعالیٰ کی ذات پر جس کا اطلاق آیا ہے اس اسم کا اطلاق کرنا جائز ہے- اور جس کا نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے اگر چہ اس اسم میں کمال کے معنی پائے جاتے ہوں. مثلاً جواد کا اطلاق کرنا چاہئے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں آیا ہے- اور سخی نہیں کہنا چاہئے کیونکہ اس اسم کا اطلاق شرع میں نہیں آیا-

(مکتوب ۱۴ دفتر سوم) واجب جلشانہ' کی ماہیت اپنی خودی سے موجود ہے نہ وجود کے ساتھ اور وجود کا اثبات اور وجوب کا اطلاق اس بارگاہ میں عقل کی منتزعات (اپنے پاس سے بنائی ہوئی کوئی چیز) کی قسم سے ہے- اور جس وجوب وجود منتزعات کی قسم سے ہے- امتناع عدم بھی اس بارگاہ میں منتزعات میں سے ہے لیکن جہاں ذات بحت ہے وہاں جس طرح وجوب کی نسبت نہیں امتناع کی نسبت بھی نہیں- جب وجوب وجود کی نسبت پیدا ہوئی تو امتناع عدم کی نسبت بھی جو اس کے مقابل ہے ظاہر ہو گئی اور عبادت کے استحقاق کی نسبت بھی جو وجوب پر متفرع و مشتمل ہے- ظہور میں آ گئی-

(مکتوب ۱۷ دفتر سوم) حق تعالیٰ منعم علی الاطلاق ہے- اگر وجود ہے تو اس کا بخشا ہوا ہے- اور

اگر بقاء ہے تو اسی کی عطا ہے اور اگر صفات کاملہ ہیں تو اسی کی رحمت شاملہ سے حاصل ہیں- زندگی اور توانائی دیکھنے اور سننے اور کہنے کی طاقت سب اسی کی طرف سے ملی ہیں- اور ہر طرح کے انعام و کرام جو حدوشمار سے باہر ہیں سب اسی کی طرف پہنچے ہیں- وہی سختی اور تنگی دور کرتا ہے- اور وہی دعا کو قبول اور بلا کو دفع کرتا ہے- وہ ایسا رزاق ہے کہ اپنی کمال مہربانی سے گناہوں کے باعث بندوں کی روزی بند نہیں کرتا- وہ ایسا ستار ہے کہ اپنی عفوودرگزر سے برائیوں کے ارتکاب کے باعث بندوں کی پردہ دری نہیں کرتا وہ ایسا حلیم ہے کہ ان کے عذاب ومواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا- وہ ایسا کریم ہے کہ اپنی عام بخشش کو دوست ودشمن سے ہٹا کر نہیں رکھتا- دائمی زندگی اور ہمیشہ کی لذت ونعمت اور بقاورضائے مولیٰ جلشانہٗ پہ موقوف ہے غرض اللہ تعالیٰ کے انعام وکرام واحسان سورج سے زیادہ ظاہر اور چاند سے زیادہ روشن ہیں- وہ حمد جو بندوں کی اپنی طرف سے ہے وہ سراسر ہجو ہے اور ان کی مدح نری قدح ہے- حق تعالیٰ کی تعظیم وتکریم جو اسی بارگاہ سے ہمیں پہنچی ہے وہ یہی شریعت حقہ ہے- اگر تعظیم قلبی ہے تو وہ بھی شریعت حقہ میں بیان ہو چکی ہے اور اگر زبانی ثناء ہے تو وہ بھی ظاہر ہے- اعضا کے اعمال وافعال کو بھی صاحب شریعت نے مفصل طور پر بیان فرمادیا ہے- پس حق تعالیٰ کے شکر کا ادا کرنا شریعت کے بجالانے میں منحصر ہے خواہ وہ شکر قلبی ہو یا بدنی- اعتقادی ہو یا عملی- حق تعالیٰ کی تعظیم عبادت جو شریعت کے برخلاف ادا کی جائے وہ اعتماد کے لائق نہیں بلکہ بسا اوقات اسی عبادت سے ضد حاصل ہوتی ہے اور وہ واہمہ نیکی درحقیقت برائی ہوتی ہے- شریعت کے دو جزو ہیں- ایک اعتقادی اور دوسرا عمل اعتقاد دین کا اصل ہے اور عمل اس کی فرع- جو شخص اعتقاد کا منکر ہو وہ اہل نجات میں سے نہیں ہے- اس کے حق میں عذاب آخرت سے خلاصی متصور نہیں- اور جس شخص میں عمل مفقود ہو اس کے لیے نجات کی امید ہے اس کا معاملہ حق تعالیٰ کی مرضی کے سپرد ہے خواہ معاف کرے خواہ گناہوں کے موافق عذاب دے-

(مکتوب ۲۶ دفتر سوم) حق تعالیٰ نفس وجود اور وجود کے تمام توابع کمالات یعنی حیات وعلم و قدرت وسمع وبصر وارادہ وکلام وتکوین میں اپنی ذات پاک کے ساتھ کافی ہے اور ان کمالات کے حاصل ہونے میں ان صفات زائدہ کا محتاج نہیں اگرچہ صفات زائدہ کاملہ بھی اسی کے لیے ثابت ہیں پس حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ وجود کے ساتھ- اسی طرح اپنی ذات کے ساتھ زندہ ہے- نہ حیات کے ساتھ- جو اس کی صفت ہے اور نہ اپنی ذات کے ساتھ دانا ہے نہ صفت علم کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ بینا ہے نہ صفت بصر کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ سننے والا ہے نہ صفت سمع کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ توانا ہے نہ صفت قدرت کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ ارادہ کرنے والا

ہے نہ صفت ارادہ کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ کلام کرنے والا ہے نہ صفت کلام کے ساتھ اور اپنی ذات کیساتھ کائنات کی ایجاد کا مبداء ہے نہ تکوین کی صفت کے ساتھ اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور باقی تمام صفات کے ذریعے سے ہے۔

(مکتوب ۵۷ دفتر سوم) اور حق تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنے سے اس واسطے منع کیا گیا ہے حق تعالیٰ فکر و تخیل سے ماوراء ہے۔ حق تعالیٰ کو حق تعالیٰ ہی سے پا سکتے ہیں۔

عشق رسول ﷺ

ایک دفعہ چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا میں نے محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے سرور کائنات ﷺ سے ہے کہا:

''آنحضرت ﷺ کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمدؐ کا رب ہے۔''

(مبدا و معاد)

حضرت مجدد الف ثانی بارگاہ رسالت میں

دین و دنیا کے سردار

(مکتوب ۹ دفتر اول) محبوبوں کو اس مقام (مقام عبدیت) سے مشرف فرماتے ہیں اور محبت شہود کے ذوق سے لذت پاتے ہیں۔ بندگی میں لذت حاصل ہونا اور ان کے ساتھ انس حاصل کرنا محبوبوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ محبوب کا انس محبوب کے مشاہدہ میں ہے۔ محبوبوں کا انس محبوب کی بندگی میں اس انس میں ان کو اس دولت سے مشرف کرتے اور اس نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اس میدان کے تیز رفتار شہسوار دین و دنیا کے سردار اولین و آخرین کے سردار حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جس کسی کو محض اپنے فضل سے یہ دولت بخشنا چاہتے ہیں۔ اس کو آنحضرت ﷺ کی کمال متابعت عنایت فرماتے ہیں۔ اور اس وسیلہ سے اس کو بلند درجے پر لے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ بعض مبتدیوں میں آنحضرت ﷺ کی اتباع اگرچہ بعض امور میں ہو۔ مجمل طور پر اس معنی کے حاصل ہونے کا باعث ہے بلکہ منتہی میں بھی اتباع ہی ہے اور محبوبوں میں ان ذاتی فضلی معنوں کا ظہور بھی آنحضرت ﷺ کی اتباع سے وابستہ ہے بلکہ میں کہتا ہوں وہ ذاتی معنی بھی آنحضرت ﷺ کی ذاتی مناسبت کی وجہ سے ہے اور وہ اسم جو اس کا رب ہے اسی خصوصیت کے حق میں اس اسم کے مناسب واقع ہے جو آنحضرت ﷺ کا رب ہے وہاں سے یہ سعادت حاصل کی ہے۔

(مکتوب ۱۰ دفت اول) دین و دنیا کے سردار آنحضرت ﷺ مرادیت اور محبوبیت کے مقام کے باوجود محبین اور مریدین سے ہوئے ہیں۔ اسی واسطے آپ کے حال کی نسبت یوں خبر دی گئی ہے کہ رسول ﷺ ہمیشہ غم کرنے اور دائمی فکر کرنے والے تھے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس قدر مجھے ایذا دی گئی ہے کسی اور نبی کو ویسی ایذا نہیں دی گئی۔

ولایت کا بلند ترین درجہ

(مکتوب ۲۱ دفتر اول) اور ولایت کے بہت سے درجے ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ ہر نبی کے قدم پر ایک ولایت ہے جو اسی نبی سے مخصوص ہے اور اس کے درجات میں سے بلند اور اعلیٰ درجہ وہی درجہ ہے جو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے کیونکہ وہ تجلی ذاتی جس میں اسماء وصفات، شیون و اعتبارات کا اثبات کے طور پر اور نہ نفی کے طور پر کچھ اعتبار ہے وہ سرور کائنات ﷺ کی ولایت ہی سے

مخصوص ہے اور اس مقام میں تمام موجودی اور اعتباری پردوں کا زائل ہو جانا علمی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے پس اس وقت "وصل عریانی" حاصل ہو جاتا ہے اور وجہ حقیقی ثابت ہوتا ہے۔ نہ ظنی اور تخمینی' اس عزیز الوجود مقام سے آنحضرت ﷺ کے کامل تابعداروں کو بڑا حصہ حاصل ہوتا ہے۔ پس تم آنحضرت ﷺ کی تابعداری لازم پکڑو۔ مشائخ نقشبندیہ کے نزدیک یہ حضور۔ حضور ذاتی دائمی ہے پس ان بزرگوں کا کمال تمام کمالات سے بڑھ کر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے ان کاملین کے طریقہ میں نہایت ابتداء میں درج ہے۔ یہ بزرگوار اس امر میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے پیرو ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام کو نبی ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ حاصل ہو جاتا تھا جو دوسروں کو انتہا میں بھی مشکل ہی حاصل ہو سکے۔ اور یہ بات ابتداء میں انتہا درج ہونے کے سبب ہے۔ پس جس طرح ولایت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام پیغمبروں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایتوں سے بڑھ کر ہے اسی طرح ان بزرگواروں کی ولایت بھی تمام اولیاء قدس سرہم کی ولایت سے بڑھ کر ہے اور کس طرح بڑھ کر نہ ہو جب ان کی ولایت حضرت صدیقؓ کی طرف سے منسوب ہے۔

اللہ کے محبوب

(مکتوب ۴۱ دفتر اول) حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جو چیز کہ خوب اور مرغوب ہے وہ حق تعالیٰ کے مطلوب اور محبوب کے لیے ہے۔ آنحضرت ﷺ کی امت کو صراط مستقیم کہا اس کے ماسوائے کو ٹیڑھے راستوں میں داخل فرمایا۔ اور ان کی تابعداری سے منع فرمایا سب ہدایتوں سے بہتر ہدایت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور میری تعلیم و تادیب اچھی طرح کی اور باطن ظاہر کو پورا کرنے والا ہے اور بال بھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتے مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خطرہ دور کرنا کرنا طریقت اور حقیقت ہے یعنی اگر یہ معنی تکلف اور بناوٹ سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلف کے بغیر حاصل ہے تو حقیقت ہے۔ پس حقیقت میں باطن جس کو طریقت اور حقیقت کہتے ہیں۔ ظاہر کو جو شریعت ہے پورا اور کامل کرنے والا ہے اور صوفیہ کے نزدیک جو ذات ہے وہ ان علماء کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے باطنی معارف اور شریعت کے ظاہری علوم کے درمیان پورے اور کامل طور پر موافقت کا ہونا یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے امور بھی مخالفت کی مجال نہ رہے مقام صدیقیت ہے جو تمام مقامات ولایت سے بالاتر ہے۔ یہ بات مقرر اور ثابت ہے کہ جس چیز میں محبوب کے اخلاق اور خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ محبوب کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ چیز محبوب کی ہو جاتی ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کی تابعداری میں کوشش کرنا مقام

محبوبیت تک لے جانے والا ہے۔

اولاد آدم کے سردار اور امت کے شافع

(مکتوب ۴۴ دفتر اول) تحقیق حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول۔ آدم کی اولاد کے سردار ہیں۔ قیامت کے دن اوروں کی نسبت زیادہ تابعداروں والے ہوں گے اور اللہ کے نزدیک سب اولین و آخرین سے بزرگ ہیں اور (وہ) پہلے جو قبر سے باہر نکلیں گے اور اول ہیں جو شفاعت کریں گے اور اول ہیں جن کی شفاعت قبول ہوگی اور اول ہیں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے دروازہ کھول دے گا اور قیامت کے دن لوائے حمد اٹھانے والے ہیں جس کے نیچے حضرت آدم اور باقی انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور وہ مبارک ذات ہیں جنہوں نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہم ہی آخرین ہیں اور ہم ہی آگے بڑھنے والے ہیں اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا اور میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور میں پیغمبروں کا پیش رو ہوں اور کچھ فخر نہیں۔ میں محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو ان میں سے بہتر خلقت میں مجھے پیدا کیا۔ پھر ان کو دو گروہ بنایا اور مجھے ان میں اچھے گروہ میں کیا۔ پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہتر قبیلے سے بنایا۔ پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا اور مجھے ان سے بہتر گھر والوں میں پیدا کیا۔ پس میں از روئے نفس اور گھر کے ان سب سے بہتر ہوں اور میں سب لوگوں سے اول نکلوں گا اور میں ان کا خطیب ہوں جب وہ خاموش کرائے جائیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں جب وہ روکے جائیں گے۔ اور میں ان کو خوش خبری دینے والا ہوں جب وہ ناامید ہو جائیں گے۔ کرامت اور جنت کی کنجیاں اور لوائے حمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولا آدم سے بزرگ ہوں۔ ہزار خادم میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار موتیوں کی طرح ہوں گے (یعنی حور و غلمان) اور جب قیامت کا دن ہوگا میں انبیاء کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے اس بات کا فخر نہیں ہے۔

اگر حضور ﷺ کی ذات پاک نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ مخلوق (خلقت) کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

اور آپ نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور کیچڑ میں تھے یعنی ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

جب آنحضرت ﷺ خدائے تعالیٰ کے محبوب ہیں تو حضور ﷺ کے تابعدار بھی آپ کی تابعداری کے باعث محبوبیت کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ محب اور عاشق اور اس شخص کو بھی جس میں اپنے محبوب کی عادتیں اور خصلتیں دیکھتا ہے اپنا محبوب ہی جانتا ہے۔

حضور ﷺ کی صحبت

(مکتوب ۵۸ دفتر اول) حضرت سید البشر ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کے طریق پر وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو امت کے کامل اولیاء کرام کو انتہا میں بھی حاصل ہونا مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی (غلام) جو ایک ہی دفعہ حضرت خیر البشر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا حضرت اویس قرنیؒ سے جو سب تابعین سے بہتر ہیں کئی درجے افضل ہے۔ حضرت عبداللہؒ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ معاویہؓ افضل ہے یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ گرد وغبار جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاویہؓ کے گھوڑے کے ناک میں پڑا ہے وہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی گناہ بہتر ہے۔

ہلاکت ہے اس شخص کے لیے

(مکتوب ۵۹ دفتر اول) یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر حاصل ہو چکی ہے کہ ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس نے ان کی (صحابہ کرام) مخالفت کی اور ان سے الگ ہو گیا۔ ان کے اصول سے منہ پھیرا۔ ان کے گروہ سے نکل گیا پس وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ پس رویت اور شفاعت کا منکر ہوا اور صحبت کی فضیلت اور صحابہ کرام کی بزرگی اس سے مخفی رہی۔

اور اہل بیت رسول ﷺ اور اولاد بتولؓ کی محبت سے محروم رہا۔

اہل بیت کرام

(مکتوب ۵۹) اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جو اس پر سوار ہوا بچ گیا اور جو اس سے پیچھے ہٹا رہا وہ ہلاک ہو گیا۔

شریعتِ محمدی

(مکتوب ۷۷ دفتر اول) ہمارے پیغمبر ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے اور جو کتاب حضور ﷺ پر نازل ہوئی اس میں تمام آسمانی کتابیں شامل ہیں پس اس شریعت کی تابعداری گویا تمام شریعتوں کی تابعداری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کی ولایت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایتوں پر حاوی ہے پس ان ولایتوں تک پہنچنا اس ولایت خاصہ کے اجزاء میں سے کسی ایک جز و تک پہنچنا ہے اور اس ولایت تک نہ پہنچنا اس ولایت تک نہ پہنچنے کا باعث حضور ﷺ کی کمال متابعت میں کمی

کرنا ہے اور کمی کے کئی درجے ہیں اس لیے درجات ولایت میں تفاوت حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کمال اتباع میسر ہو جائے تو اس ولایت تک پہنچنا ممکن ہے۔

(مکتوب ۹۷) پس اس شریعت کو سچا جاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا درحقیقت تمام شریعتوں کی تصدیق کرنا اور ان کے موافق عمل بجالانا ہے۔

(مکتوب ۱۵۲ دفتر اول) مشائخ مستقیم الاحوال شریعت وحقیقت کے تمام مراتب میں حق تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کے اطاعت جانتے ہیں اور اس اطاعت کے سوا (جو کچھ ہے) گمراہی خیال کرتے ہیں۔

میراث

(مکتوب ۱۶۵ دفتر اول) آنحضرت ﷺ کی ظاہری میراث عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے اور باطنی میراث عالم امر سے جہاں کہ سراسر ایمان ومعرفت اور رشد وہدایت ہے۔ میراث ظاہری کی بڑی نعمت کا شکریہ ہے کہ باطنی میراث سے آراستہ ہوں اور باطنی میراث سے آراستہ ہونا آنحضرت ﷺ کی اتباع اور اطاعت بجالائیں کیونکہ متابعت آنحضرت ﷺ کی کمال محبت کی فرع ہے۔

حقیقت محمدؐی

(مکتوب ۲۰۹ دفتر اول) آنحضرت ﷺ کے رحلت فرمانے سے ہزار اور چند سال کے بعد ایک زمانہ آتا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرماتی ہے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہو جاتی ہے۔ اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو جاتا ہے اور ذات احد جلشانہٗ کا مظہر بن جاتی ہے اور دونوں اسم مبارک اپنے مسمّیٰ کے ساتھ متحقق ہو جاتے ہیں اور پہلا مقام حقیقت محمدی سے خالی رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا ﷺ نزول فرمائیں اور شریعت محمدی ﷺ کے مطابق عمل کریں اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقت محمدی کے مقام میں جو خالی تھا قرار پکڑے گی۔

محمد رسول اللہ ﷺ تمام مخلوقات کی طرح عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہیں۔ اور حقیقت محمدی شان العلیم سے مراد ہے (کیونکہ عالم خالق کی تربیت کرنے والا ہے) اور وہ جو ان کے عالم امر کی تربیت فرماتا ہے وہ معنی ہے اس شان کے وجود اعتباری کا مبداء ہے اور حقیقت احمدی سے معنی سے کنایہ ہے جو اس شان کا مبداء ہے اور حقیقت سبحانی بھی اسی معنی سے مراد ہے۔

اور وہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آنحضرت ﷺ کو حاصل تھی جیسے اس

مرتبہ کی نسبت خبر دی گئی ہے اور فرمایا" میں نبی تھا جب کہ آدم ابھی پانی اور کیچڑ میں تھے-" وہ باعتبار حقیقت احمدی کے تھی جس کا تعلق عالم امر سے ہے اور اسی اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو کلمۃ اللہ تھے اور عالم امر سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے آنحضرت علیہ السلام کی تشریف آوری کی خوشخبری اسم احمد سے دی ہے اور فرمایا ہے کہ خوش خبری دینے والا ایک رسول کی جوان کے بعد آئے گا اور ان کا نام احمد ہے اور وہ نبوت جو عنصری پیدائش سے تعلق رکھتی ہے وہ صرف حقیقت محمدی کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے اور اس مرتبہ میں آپ کی تربیت کرنے والا وہ شان اور اسی شان کا مبداء ہے یہی وجہ ہے کہ دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت کی نسبت زیادہ اتم ہے کیونکہ اس مرتبہ میں آپ کی دعوت عالم امر سے مخصوص تھی اور آپ کی تربیت روحانیوں پر منحصر تھی اور اس مرتبہ آپ کی دعوت خلق وامر کو شامل ہے اور آپ کی تربیت احیاء و ارواح پر مشتمل ہے- حاصل کلام یہ کہ اس جہان سے آپ کی عنصری پیدائش کو آپ کی مُلکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تا کہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ مناسبت جو افادہ اور بشریت ظاہر کرنے کے لیے تاکید سے امر فرماتا ہے-" میں تمہاری طرح بشر ہوں اور میری طرف وحی کی جاتی ہے (اس میں) لفظ مثلکم کا لانا تاکید بشریت کے لیے ہے اور وجود عنصری سے رحلت کر جانے کے بعد حضور ﷺ کی روحانیت کی جانب غالب ہوگئی اور بشریت کی مناسبت کم ہوگئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہوگیا-

ہزار سال کے بعد

اور حضور ﷺ کے زمانے سے جب ہزار سال گزرے جو بڑی لمبی مدت اور دراز زمانہ ہے تو روحانیت کی طرف اس طرح غالب ہوئی کہ بشریت کی تمام جانب کو اپنے رنگ میں رنگ دیا حتی کہ عالم خلق نے عالم امر کا رنگ اختیار کر لیا پس ناچار حضور ﷺ کے عالم خلق سے جس چیز نے اپنی حقیقت کی طرف رجوع کی تھی یعنی حقیقت محمدی عروج کر کے حقیقت احمدی سے لاحق ہوگئی اور حقیقت محمدی حقیقت احمدی سے متحد ہوگئی - اس جگہ حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی سے مراد حضور ﷺ کے خلق وامر کا تعین امکانی ہے نہ تعین وجوبی کا تعین امکانی اس کا ظل ہے کیونکہ تعین وجوبی سے عروج کے کچھ معنی نہیں اور اس تعین کے ساتھ متحد ہونا معقول نہیں ہے- جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو حضرت خاتم الرسل ﷺ کی شریعت کی متابعت کریں گے- اور اپنے مقام سے عروج فرما کر تبعیت کے طور پر حقیقت محمدی کے مقام پر پہنچیں گے اور حضور ﷺ کے دین کو تقویت دیں گے-

کعبہ اولیائے امت کے طواف کے لیے آتا ہے۔

حقیقت محمدی تنزیہ اور تقدیس کی بلندی سے محمد ﷺ کے نزول کرنے کے مقامات کی نہایت ہے اور کعبہ کی حقیقت عروج کعبہ کے مقامات کی نہایت ہے اور حقیقت محمدی کے عروج کی نہایت کو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ جب حضور ﷺ کی امت میں سے کامل اولیاء کو آنحضرت ﷺ کے عروجات سے پورا پورا حصہ حاصل ہے تو پھر اگر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے۔

کیفیت معراج النبی ﷺ

(مکتوب ۲۱۰ دفتر اول) حضرت رسالت خاتمیت ﷺ شب معراج میں عروج کے مرتبے طے کرنے اور وصولی کی منزلیں قطع کرنے کے بعد جو کئی ہزار برسوں میں میسر ہو سکیں جب اپنے دولت خانہ میں واپس آئے تو دیکھا کہ بستر خواب ابھی گرم ہے اور کوزہ میں وضو کا پانی ابھی حرکت میں ہے۔

آخرت کی نجات

(مکتوب ۲۴۹ دفتر اول) آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی خلاصی سید الاولین و آخرین ﷺ کی متابعت سے وابستہ ہے۔ آپ کی متابعت سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام میں پہنچتے ہیں۔ اور آپ ہی کی متابعت سے تجلی ذات سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور آپ ہی کی متابعت سے مرتبہ عبدیت میں جو کمال کے مراتب سے اوپر اور مقام محبوبیت کے حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز فرماتے ہیں۔ اور آپ کے کامل تابعداروں کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح فرماتے ہیں اور اُولوالعزم پیغمبر آپ کی متابعت کی آرزو کرتے ہیں اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو آپ ہی کی تابعداری کرتے اور حضرت عیسیٰ روح اللہ کے نازل ہونے اور حضرت حبیب اللہ ﷺ کی متابعت کا قصہ مشہور و معلوم ہے۔ آپ کی امت آپ کی متابعت کے سبب خیر الامم ہے اور اس میں اکثر اہل جنت ہیں۔ قیامت کے دن آپ کی تابعداری کی بدولت تمام امتوں سے پہلے آپ کے امتی بہشت میں جائیں گے اور ناز و نعمت حاصل کریں گے۔

رویت

(مکتوب ۲۸۳ دفتر اول) شب معراج میں آنحضرت ﷺ کی رویت دنیا میں واقع نہیں ہو

بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ اس رات چونکہ دائرہ مکان وزماں اور تنگی مکان سے باہر نکل گئے اس لیے ازل وابد کو آن واحد میں معلوم کر لیا اور ہدایت ونہایت کو ایک ہی نقطہ میں متحد دیکھا اور ان اہل بہشت کو جو کئی ہزار سال کے بعد بہشت میں جائیں گے بہت پہلے دیکھ لیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جو فقرائے صحابہ رضی اللہ عنہم علیہم اجمعین سے پانچ سو سال کے بعد بہشت میں جائیں گے۔ دیکھا کہ مدت کے گزرنے کے بعد بہشت میں آ گئے اور آنحضرت ﷺ نے اس توقف کی وجہ پوچھی۔ پس وہ رویت جو اس مقام میں واقع ہوئی وہ رویت آخرت ہے اور اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو رویت کے عدم وقوع پر ہوا ہے اور اس کو رویت دینوی پر محمول اور ظاہر پر مبنی ہے۔

تجلی ذات

(مکتوب ۲۹۴ دفتر اول) تجلی ذات محمد رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے۔ اور دوسروں کی تجلی پردہ صفات میں ہے یا پردہ رب الارباب میں کہ محمد ﷺ کا رب ہے جو سوائے صفت الحیات کے تمام اسماء و صفات سے برتر ہے۔

مخلوقات حمد سے قاصر ہے

(مکتوب نمبر ۱ دفتر دوم) وہ ذات پاک (اللہ) آپ ہی حامد اور آپ ہی محمود ہے۔ تمام مخلوقات حمد مقصود کے ادا کرنے سے عاجز ہے کیونکر نہ ہو' جبکہ وہ رسول ﷺ بھی آپ کی حمد سے عاجز ہیں جو قیامت کے دن لوائے حمد کے اٹھانے والے ہیں جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام ہوں گے۔ وہ رسول ظہور میں تمام مخلوقات سے افضل واکمل اور مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ حسن وجمال وکمال کے جامع ہیں۔ ان کا قدر سب سے بلند اور ان کی شان و شرف سب سے عظیم ان کا دین سب سے مضبوط اور ان کی ملت سب سے زیادہ راست و درست ہے۔ حسب میں سب سے زیادہ کریم اور نسب میں سب سے زیادہ شریف اور خاندان میں سب سے زیادہ معزز اور بزرگ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ان کا پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو خلقت (مخلوق) کو پیدا نہ کرتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کو ظاہر فرماتا۔ وہ نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے قیامت میں وہ تمام نبیوں کے امام اور خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے۔ انہوں نے اپنے حق میں یوں فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن ہم ہی پیچھے چلنے والے اور ہم ہی آگے جانے والے ہیں۔ میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا اور میں ہی اللہ تعالیٰ کا حبیب اور خاتم النبین ہوں لیکن مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ جب قیامت کے دن

لوگ قبروں سے نکلیں گے سب سے اول میں ہی نکلوں گا اور جب وہ گروہ در گروہ جائیں گے تو ان کا ہانکنے والا میں ہی ہوں گے اور جو بند کیے جائیں گے تو ان کی شفاعت میں ہی کروں گا اور جب وہ رحمت و کرامت سے ناامید ہوں گے تو میں ہی ان کو خوش خبری دوں گا - اس دن تمام کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی -"

محبوبیت ذاتیہ اور مقام رضا کے اوپر

(مکتوب ۷ دفتر دوم) محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت خاتم الرسل ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے - مقام رضا مقام محبت و حُبّ کے اوپر ہے کیونکہ محبت میں نسبتیں اجمالی اور تفصیلی طور پر پائی جاتی ہیں اور مقام رضا میں نسبتیں حذف ہوتی ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات کے مناسب ہے - مقام رضا کے اوپر حضرت خاتم الرسل ﷺ کے سوا کسی کا قدم نہیں جو شاید اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک ایسا وقت ہے جس میں کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کو دخل نہیں - اسی مقام کی نسبت کی خبر دی گئی ہے - حدیث میں وارد ہے کہ " اے محمد ﷺ میں اور تو اور تیرے سوا جو کچھ بھی ہے سب تیرے لیے پیدا کیا ہے پھر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ یا اللہ تو ہے اور میں نہیں اور میں نے تیرے سوا سب کچھ ترک کر دیا شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے - آج محمد رسول اللہ ﷺ کی شان کو کیا پا سکیں اور ان کی بزرگی و عظمت اس جہان میں کیا پہچان سکیں کیونکہ سچ جھوٹ کے ساتھ اور حق باطل کے ساتھ اس جہان میں ملا ہوا ہے - قیامت کے دن ان کی بزرگی معلوم ہو گی جبکہ پیغمبروں کے امام ہوں گے اور ان کی شفاعت کریں گے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے -

امہات المومنین

(مکتوب ۵۰ دفتر دوم) آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات نبی ﷺ کے ساتھ ایک ہی جگہ میں ہوں گی اور ایک ہی میوہ کھائیں گی لیکن ہر ایک کا مزہ و لذت جدا جدا ہو گا - اگر علیحدہ نہ ہو تو حضور ﷺ کے سوا تمام بنی آدم پر امہات المومنین کی فضیلت لازم آتی ہے -

حضور ﷺ کی ولادت سعید

(مکتوب ۶۸ دفتر دوم) لکھا ہے کہ عبداللہ (بن عبدالمطلب) کے نطفہ نے حضرت محمد ﷺ کی صورت کا مادہ تھا حضرت آمنہ کے رحم میں قرار پکڑا تو تمام روئے زمین کے بت سرنگوں ہو گئے اور تمام

شیطان اپنے کام سے بند ہو گئے- فرشتوں نے ابلیس کے تخت کو اوندھا کر کے دریا میں ڈال دیا اور چالیس دن تک عذاب کیا- اور آنحضرت ﷺ کی ولادت کی رات کسریٰ کے محل میں زلزلہ آ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے- اور فارس کی آگ جو ہزار سال سے روشن تھی اور کبھی نہ بجھی تھی- بجھ گئی-

بشریت کی حقیقت

(مکتوب ٦۴ دفتر سوم) جن مجحوبوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بشر کہا ہے اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا وہ منکر ہو گئے اور جن سعادت مندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیان کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور نجات پا گئے-

نور اولین

(مکتوب ٦٧ دفتر سوم)" جو چیز خدا تعالیٰ نے اول پیدا کی وہ میرا نور ہے-" اور " جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اول پیدا کیا وہ عقل ہے-"

نور کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور نوری فرمایا ہے اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ یہ مرتبہ حقیقت محمدی ہے اور تعین اول ہے- یہ حقیقت و تعین اول وہ نہیں جو صوفیہ کے درمیان متعارف ہے- کیونکہ وہ تعین متعارف اگر اس تعین کا ظل بھی ہو جائے تو غنیمت ہے- اسی طرح عقل سے بھی وہ عقل مراد نہیں جس کو فلاسفہ نے ایجاب کے طور پر حق تعالیٰ سے صادر اول یعنی عقل فعال کہا ہے- جاننا چاہئے کہ جہاں تعینی ہے وہاں امکان کی بو اور عدم کی آمیزش پائی جاتی ہے جو وجود تعالیٰ کے تعین و تمیز کے باعث ہے- مرتبہ دوم جو نور صرف ہے اور لاتعین سے متعین ہے یہ نور صرف دائرہ تعین میں داخل نہیں اس لیے عدم کی ظلمت سے منزا اور مبرا ہے- اگر یہ نور نہ ہوتا تو تجلی بھی حاصل نہ ہوتی- میرے خیال میں کعبہ ربانی کی حقیقت یہی نور ہے تو پھر اوروں کے مسجود ہونے سے اس کی کیا تعریف کی جائے- جاننا چاہئے کہ یہ نور دوسرے انوار کی طرح ہرگز ہرگز امکان کی آمیزش نہیں رکھتا- نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی جوہر و عرض کی قسم سے ہے بلکہ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جس پر نور کے سوا کچھ اطلاق نہیں کر سکتے- اگرچہ وجوب وجود ہی ہو کیونکہ وہ وجوب بھی اس سے کمتر ہے-

(مکتوب ٧٧ دفتر سوم) مرتبہ علیہ نور صرف کے بعد جس کو اس فقیر نے حقیقت کعبہ ربانی معلوم کیا اور لکھا ہے ایک نہایت ہی اعلیٰ مرتبہ ہے جس کو قرآن مجید کی حقیقت کہتے ہیں- کعبہ معظمہ قرآن مجید کے

حکم سے آفاق کا قبلہ بنا ہے اور سب کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا ہے- امام قرآن ہے اور ماموم یعنی مقتدی پیش قدم کعبہ معظمہ- یہ مرتبہ مقدسہ حضرت ذاتی تعالیٰ وتقدس کے بے چون وسعت کا مبداء ہے اور اس بارگاہ کی بے چون اور بے چگون امتیاز کا مبداء بھی یہی بلند مرتبہ ہے-

محبوبیت

(مکتوب ۸۷ دفتر سوم) وہ محبوبیت جو حضرت خاتم الرسل ﷺ کا حصہ ہے تمام فضائل ومراتب قرب پر غالب آ گئی ہے اور سب سے پیش قدم اور برتر کر دیا ہے- قرب کے ہزار مراتب محبوبیت کی ایک نسبت کے برابر نہیں ہو سکتے- محب اپنے محبوب کو اپنی جان سے زیادہ عزیز جانتا ہے- دوسروں کے لائق نہیں کہ اس کی شراکت کریں (مکتوب ۸۸ دفتر سوم) کیونکہ افراد انسانی میں سے فرد کامل محبت کے حاصل ہونے میں حضور ﷺ ہی تھے- حضور ﷺ اگر چہ محبوب ہوئے ہیں لیکن چونکہ محبت کی نسبت درمیان میں آ گئی ہے- اس لیے محب کی طرح فریفتہ اور گرفتار ہوا ہے-

محبت

(مکتوب ۹۳ دفتر سوم) حدیث قدسی ہے- " اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت ظاہر نہ کرتا" - چونکہ حضرت خاتم الرسل ﷺ کا مبداء تعین- تعین اول (جو حضرت خلیل علیہ السلام کا مبداء یقین ہے) کے دائرہ کا مرکز ہے اس لیے ولایت محمدی جس کا منشاء محبت ہے ولایت خلیلی کا مرکز ہے جس کا منشا خلت ہے اور ولایت خلیلی باوجود اصلیت کے ولایت محمدی اور ذات تعالیٰ کے درمیان حاجز وحائل نہیں ہے کیونکہ دائرہ کا مرکز دائرہ سے سبقت ذاتی رکھتا ہے- ولایت محمدی ہمیشہ کے لیے ہی مرکز ہے-

اسم احمد ﷺ

(مکتوب ۹۳ دفتر سوم) احمد آنحضرت ﷺ کا دوسرا نام ہے جو آسمان والوں میں مشہور ہے جیسا کہ علماء نے کہا ہے- یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو اہل سموات میں سے ہوئے ہیں- آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے کی خوش خبری اسم احمدؐ سے دی ہے اور اسم مبارک کو ذات احد جلشانہٗ کے ساتھ بہت ہی تقرب حاصل ہے اور دوسرے اسم سے ایک درجہ حضرت ذات جلشانہٗ کے نزدیک تر ہے یہ اسم- اسم مبارک احد سے ایک حلقہ میم سے جدا ہوا ہے جو اس محبت کا مبداء ہے اور جو تمام ظہور و اظہار کا باعث ہوا ہے- نیز یہ میم جو اسم احمد میں مندرج ہے قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے جو

سورتوں کے اول میں نازل ہوئے ہیں اور یہ پوشیدہ اسرار میں سے ہیں- اس حرف مبارک میم کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک خاص خصوصیت حاصل ہے جو انکی محبوبیت کا باعث ہوئی ہے- اوران کو سب پر برتری اورفوقیت دی ہے-

(مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم) ہمارے پیغمبر خاتم الرسل ﷺ اس ملاحت کے باعث جوان میں موجود تھی خالق زمین وآسمان کے محبوب ہیں اورزمین وآسمان کوان ہی کے طفیل پیدا فرمایا ہے- جاننا چاہئے کہ پیدائش محمدی تمام افرادانسانی کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فردکی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجودعنصری پیدائش کے حق عالی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے-خلقت من نور الله میں حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اوردوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی- کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے- ممکنات عالم کے صحیفہ کوخواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن وہاں آنحضرت ﷺ کا وجودمشہود نہیں ہوتا-

جب آنحضرت کا وجود عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں بلکہ اس سے برتر ہے تو یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا- نیز عالم شہادت میں ہرایک شخص کا سایہ اس کے وجودکی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے- اور جب جہان میں آنحضرت ﷺ سے زیادہ لطیف کوئی نہیں تو پھران کا سایہ کیسے متصور ہوسکتا ہے وہی نور ہے جس نے عالم عنصری میں بہت سی پشتوں سے رحموں میں منتقل ہونے کے بعد بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے بموجب جب صورت انسانی میں جواحسن تقویم سے ظہورفرمایا ہے اوراس کا نام محمدؐ اوراحمد ہوا ہے- یہاں احمد کا قرب جواحد کے ساتھ ہے معلوم کرنا چاہے اور جاننا چاہے کہ ان کے درمیان کون سا واسطہ ہے- وہ صفت علم ہی ہے جوایک ایسا امر ہے جومطلوب کے ساتھ اتحاد رکھتا ہے پھرحجاب ہونے کی کیا گنجائش ہے نیزعلم کے لیےایک ایسا ذاتی حسن ہے جوصفات میں سے کسی اور کے لیے حسن ثابت نہیں ہے- اس حسن کا پورا پورا ادراک علم آخرت سے وابستہ ہے جورویت کا مقام ہے- جب خدا تعالیٰ کودیکھیں گے- حضرت محمد ﷺ کے جمال کو بھی پائیں گے- اگرچہ اس جہان میں حسن کا دوتہائی حصہ حضرت یوسف علیہ السلام کوعطا ہوا اور باقی تیسرا حصہ سب میں تقسیم ہوا لیکن عالم آخرت میں سارا حسن- حسن محمدی ہے اورتمام جمال- جمال محمدی ہے جوخدا تعالیٰ کومحبوب ہے- صفت علم کے حسن کے ساتھ کسی دوسری صفت کے حسن کوکسی طرح شراکت ہوسکتی ہے- جبکہ اس کا حسن مطلوب کے ساتھ متحد ہونے کے باعث عین

مطلوب ہے۔ دوسری صفت کے لیے چونکہ اس قسم کا اتحاد نہیں ہے اس لیے ایسا حسن بھی نہیں۔ پس پیدائش محمدی باوجود حدوث کے قدم ذات کی طرف منسوب ہے اور اس کا وجوب ذات تعالیٰ تک منتہی ہے۔ اس کا حسن۔ حسن ذات تعالیٰ ہے جس میں حسن کے سوا اور کسی چیز کی آمیزش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ جمیل مطلق کی محبت کا تعلق ہے اور حق تعالیٰ کی محبوب ہے (اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے۔) محبوب مطلق آنحضرت ﷺ ہی ہیں جو محبّ کی ذات کی طرح ہمیشہ محبوب ہیں۔ حق تعالیٰ خاتم الرسل ﷺ کے ساتھ غالب محبت ہے آنحضرت ﷺ کے بغیر کوئی شخص نظر نہیں آتا جو نفس اسم الٰہی کا ظہور ہو مگر قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ظہور قرآن کا منشاء صفات حقیقیہ میں سے ہے اور ظہور محمدی کا منشاء صفات اضافیہ میں سے واضح ہے کہ اس دولت خاصہ محمدی میں اگرچہ کوئی دوسرا شریک نہیں لیکن اس قدر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تخلیق تکمیل کے بعد آنحضرت ﷺ کی دولت خاصہ سے کچھ بقیہ رہ گیا تھا۔ غرض وہ بقیہ آنحضرت ﷺ کی امتؐ دولت مندوں میں سے ایک کو پس خوردہ کے طور پر عطا فرمایا اور اس کو خمیر مایہ بنا کر اس کے وجود اور ذات کو اس سے گوندھا ہے اور آنحضرت ﷺ کی تبعیت اور وراثت کے طور پر آنحضرت کی دولت خاصہ میں شریک کیا (حدیث ہے)" میرا بھائی یوسف صباحت والا تھا اور میں ملاحت والا ہوں۔" قرآن کے حروف مقطعات سب کے سب ثابت ہیں۔ (مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) اس محبت کے غلبہ میں کہا کرتا تھا کہ میری محبت حق تعالیٰ کے ساتھ اس لیے ہے کہ حق تعالیٰ محمد ﷺ کا رب ہے۔

اللہ سے محبت

(مبداء ومعاد) ایک دفعہ چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا۔ میں نے اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے سرور کائنات ﷺ سے ہے کہا کہ آنحضرت محمد ﷺ کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے۔ حاضرین سن کر حیران رہ گئے لیکن مخالفت نہ کر سکتے تھے یہ بات رابعہؒ کی بات کا بالکل نقیض ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھ پر اس درجہ غالب ہے کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی یہ دونوں باتیں سکر سے ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے مگر رابعہؓ نے محض مستی کی حالت میں کہی ہے اور میں نے ہوش کے آغاز میں۔ رابعہؒ کی محبت مرتبہ صفات میں ہے۔

(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) غرض کشف صحیح اور الہام سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ اس راہ کے حق میں سے کوئی دقیقہ اور اس گروہ کے معارف میں سے کوئی معرفت آنحضرت ﷺ کی متابعت کے واسطہ

اور وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کے فیوض اور برکات آنحضرت ﷺ کی طفیل وجمعیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے - مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ اس سے مقصود ذاتی اور مدعو اول (سب سے اول بلایا ہوا) آنحضرت ﷺ ہی ہیں اور دوسروں کو خواہ مراد ہوں یا مرید حضور ہی کی طفیل بلایا ہے چونکہ دوسرے سب ان کے طفیلی ہیں اور وہ اس دعوت کے اصل مقصود ہیں اس لیے سب ان کے محتاج ہیں اور ان ہی کے ذریعے فیض و برکات اخذ کرتے ہیں - سب ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے وسیلے کے بغیر کمال حاصل نہیں کرسکتے - جب ان سب کا وجود ان کے وجود کے وسیلے کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا تو دوسرے کمالات جو وجود کے تابع ہیں ان کے وسیلے کے بغیر کس طرح متصور ہوسکتے ہیں - ایسا محبوب رب العالمین ایسا ہی ہونا چاہئے - مکشوف ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی محبوبیت حق تعالیٰ کی اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جو شیون واعتبارات کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات محبت سے تعلق رکھتی ہے - اور جس محبت کے سبب حق تعالیٰ کی ذات محبوب ہے - برخلاف دوسروں کی محبت کے محبوبیت کے جو اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جس کا تعلق شیون واعتبارات کے ساتھ ہے اور اسماء وصفات یا اسماء وصفات کے ظلال انبیاء کرام اور ملائکہ عظام کے ہر ایک فرد سے افضل ہیں اسی طرح کل ہونے کی حیثیت سے کل سے افضل ہیں کیونکہ اس بارگاہ جلشانہٗ سے ظل تک فیض کا پہنچنا اس اصل ہی کے واسطہ اور طفیل سے ہے - اس فقیر پر منکشف ہوا ہے کہ حقیقت محمدی جو حقیقۃ الحقائق ہے اس حُبّ کا تعین اور ظہور ہے جو ظہورات کا مبداء اور مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے - فتوحات مکیہ والے (ابن عربی) نے تعین اول جو حقیقت محمدی ہے حضرت اجمال علم کہا ہے بڑی باریک نظر سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حُبّ ہے جس کو حقیقت ابراہیمی کہتے ہیں جب محمد رسول اللہ ﷺ کا کمال لطافت کے باعث سایہ ظل نہ تھا تو خدائے محمد ﷺ کا سایہ ظل کس طرح ہوسکے -

حقیقت احمدی

(مبداء ومعاد) جناب سرور کائنات ﷺ کے عہد مبارک سے کچھ اوپر ہزار سال بعد ایسا زمانہ آتا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے مل کر ایک ہوجائے - اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو اور وہ ذات احد کا مظہر بنے اور دونوں نام مسمّیٰ کو حاصل کریں - اور پہلا مقام حقیقت محمدی سے خالی ہوجائے جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں اور شریعت محمدی پر عمل کریں - اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج کرکے حقیقت محمدی کے خالی شدہ

مقام میں قرار کرے گی - قرآنی حقیقت اور کعبہ ربانی کی حقیقت دونوں حقیقت محمدی سے اوپر ہیں - یہی وجہ ہے کہ قرآنی حقیقت - حقیقت محمدی کی امام اور کعبہ ربانی کی حقیقت - حقیقت محمدی کا سجود ہے -

ماضی و مستقبل

جناب سرور کائنات ﷺ نے شب معراج مقامات عروج میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھا اور نوح علیہ السلام کے طوفان کو موجود اہل بہشت میں دیکھا - اور اہل دوزخ کو دوزخ میں - پانچ سو سال جو دنیا کے آدھے دن کے برابر ہے - بہشت میں داخل ہونے کے بعد ایک غنی صحابی عبدالرحمن بن عوفؓ کو بہشت میں آتے ہوئے دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے ان سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے دشوار گزار راستوں کا ذکر کیا - یہ سب کچھ ایک گھڑی میں مشہود ہوا اس میں ماضی اور مستقبل کی گنجائش نہ تھی - (مبداء و معاد)

مسئلہ غرانیق

(مکتوب ۲۷۳ دفتر اول) مروی ہے کہ ایک دن حضرت سید البشر ﷺ مجلس لگائے ہوئے تھے - قریش کے سردار اور کفار کے رئیس بھی اس مجلس میں حاضر تھے اور بہت سے صحابہ کرام بھی موجود تھے - حضرت سید البشرؐ نے سورہ نجم پڑھنا شروع کی - جب ان کے باطل خداؤں کا ذکر آیا تو آنحضرت ﷺ کے کلام (آواز) کے ساتھ شیطان نے اپنا کلام کافروں کے بتوں کی تعریف میں (کچھ) اس طرح ملا دیا کہ حاضرین نے اس کو آنحضرت ﷺ ہی کا کلام سمجھا اور اس میں کچھ تمیز نہ کر سکے تو کفار نے جو وہاں موجود تھے شور مچا دیا اور کہنے لگے محمد ﷺ نے ہمارے ساتھ صلح کر لی ہے اور ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے - حاضرین اہل اسلام بھی اس کلام سے متحیر ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کو شیطان لعین کے کلام سے اطلاع نہ ہوئی - فرمایا کہ یہ واقعہ ہے - اصحاب کرام نے عرض کیا اثنائے کلام میں اس قسم کے فقرے حضور ﷺ کی زبان سے نکلے ہیں - آنحضرت ﷺ بہت متفکر اور غمگین ہوئے - اسی اثنا میں جبرائیل امین حاضر ہوئے اور وحی لائے کہ وہ کلام القائے شیطانی تھا اور کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گزرا ہے جس کے کلام میں شیطان نے القا نہ کیا ہو پس بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کر دیا ہے اور اپنے کلام کو محکم کیا ہے -

بشریت

(مکتوب ۶۴ دفتر سوم) جن محجوبوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا وہ منکر ہو گئے اور جن سعادت مندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیان کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور نجات پا گئے -

صحابہ کرام - باطل فرقے اور اہل بیت کرام اور حضرت مجدد الف ثانیؒ

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کی محبت

(مکتوب ۳۶ دفتر دوم) حضرت امیر (علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ) کی محبت اہل سنت والجماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا اہل سنت سے خارج ہے- اس کا نام خارجی ہے اور جس نے حضرت امیرؓ کی محبت میں افراط کو اختیار کیا ہے اور جس قدر محبت مناسب ہے اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے- اور محبت میں غلو کرتا ہے اور حضرت خیرالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب اور تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے وہ رافضی ہے- پس حضرت امیر المومنین کی محبت میں افراط و تفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے- اہل سنت والجماعت متوسط ہیں اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے- اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں-

(مکتوب ۷ دفتر اول) حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں اس واسطے آیا ہوں کہ کہ تجھ کو آسمانوں کا علم سکھاؤں- جب میں اچھی طرح متوجہ ہوا تو تمام خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے درمیان اس مقام کو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مخصوص پایا-

(مکتوب ۱۱ دفتر اول) چنانچہ امامان اہل بیت میں سے سوائے امام الشہیدین اور امام زین العابدینؒ کے اس مقام میں قرار و ثبات نہیں رکھتے لیکن عبور اس میں واقع ہوا ہے- بڑی باریک نظر سے معلوم کر سکتے ہیں اور یہ کہ اس مقام سے نامناسب دیکھا تھا-

حضرت احمد بن حنبلؒ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے-

"اے علی! تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے جس کو یہودیوں نے یہاں تک دشمن سمجھا کہ ان کی ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے اس قدر دوست رکھا اور ان کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھے-" یعنی ابن اللہ کہا- حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ دو شخص میرے حق میں ہلاک ہوں گے-

ایک وہ جو میری محبت میں افراط کرے گا اور جو کچھ مجھ میں نہیں ہے میرے لیے ثابت کرے گا- دوسرا شخص جو میرے ساتھ دشمنی کرے گا اور عداوت سے مجھ پر بہتان لگائے گا-" وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہل سنت کو حضرت امیرؓ کے محبوں سے نہیں جانتا اور حضرت امیرؓ کی محبت کو رافضیوں سے مخصوص کرتا ہے- حضرت امیرؓ کی محبت رفض نہیں ہے بلکہ خلفائے ثلاثہ پر تبرّیٰ اور بے زاری رفض ہے اور اصحاب کرام سے بے زار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے- یعنی آل محمد ﷺ کی محبت رفض نہیں ہے جیسے کہ جاہل لوگ گمان کرتے ہیں- اگر اس محبت کو رفض کہتے تو پھر مذموم نہیں کیونکہ رفض کی مذمت دوسروں کے تبرّیٰ کے باعث ہوتی ہے نہ کہ ان کی محبت کے باعث پس رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے محب اہل سنت والجماعت ہیں اور حقیقت میں اہل بیت کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں نہ کہ شیعہ جو اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو گروہ اہل بیت کا خیال کرتے ہیں اگر یہ لوگ یعنی شیعہ اہل بیت کی محبت پر کفالت کریں اور دوسروں پر تبرّیٰ نہ کریں اور پیغمبر ﷺ کے تمام اصحاب کی عزت و توقیر بجالائیں اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کریں تو اہل سنت والجماعت میں داخل ہوں گے- خارجیوں اور رافضیوں سے باہر ہو جائیں گے- کیونکہ اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا خروج ہے اور اصحاب پر تبرّیٰ کرنا رفض ہے- اہل بیت کی محبت اور تمام اصحاب کی تعظیم و توقیر تسنن بھی اہل سنت والجماعت بنتا ہے- غرض خروج و رفض کی بنا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے بغض پر ہے اور تسنن کی بنیاد آنحضرت ﷺ کے بغض پر ہے- عاقل، منصف ہرگز اصحاب کے بغض کو ان کی محبت پر اختیار نہیں کرے گا پیغمبر الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث سب کو دوست رکھے گا-

(مکتوب ۱۰۵ دفتر دوم) حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میری بغض کے باعث ان سے بغض رکھا-" اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے جبکہ یہ محبت ان بزرگوار وں کے نزدیک ایمان کی جزو ہے اور خاتمہ محبت کے راسخ ہونے سے وابستہ ہے- اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری اور باطنی عالم تھے اکثر اہل بیت کی محبت پر ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے اس کی بڑی رعایت کرنا چاہئے- ان کی مرض الموت میں فقیر حاضر تھا جب ان کا معاملہ آخر تک پہنچا اور اس جہان کا شعور کم ہو گیا تو اس وقت فقیر نے ان کی بات کو انہیں یاد دلایا اور محبت کی نسبت پوچھا تو اسی بے خودی میں آپ نے فرمایا کہ اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں- اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا-

اہل بیت اور اہل سنت والجماعت

اہل بیت کی محبت اہل سنت والجماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس معنی سے غافل اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں۔ مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب اختیار کیا ہے اور افراط کے ماسوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم دیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے۔ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حد وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا متوطن ہے جو اہل سنت والجماعت کو نصیب ہوا ہے۔ تعجب ہے کہ خوارج کو اہل سنت ہی نے قتل کیا ہے اور اہل بیت کے دشمنوں کو جڑ سے اکھیڑا ہے۔ اس وقت رافضیوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اگر تھا بھی تو عدم کا حکم رکھتا تھا۔ شاید اپنے گمان فاسد میں اہل بیت کے محبوں کو رافضی تصور کرتے ہیں اور اہل سنت کو روافض کہتے ہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ کبھی اہل سنت کو خارجیوں سے گنتے ہیں اس لیے کہ افراط محبت نہیں رکھتے۔ کبھی نفس محبت کو ان سے محسوس کر کے ان کو رافضی جانتے ہیں۔ اسی واسطے یہ لوگ اپنی جہالت کے باعث اہلِ سنت کے اولیائے عظام کو اہل بیت کی محبت کا دم مارتے ہیں اور آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حُبّ کا اظہار کرتے ہیں اور خلفائے ثلاثہ کی تعظیم وتوقیر میں کوشش کرتے ہیں خارجی جانتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان نامناسب جرأتوں پر ہزار ہا افسوس ہے۔ یہ افراط محبت ہی کا باعث ہے کہ اصحاب ثلاثہ وغیرہ کے تبریٰ کو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی محبت کی شرط جانتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہئے کہ یہ کون سی محبت ہے کہ جس کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کی بے زاری اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے سب وطعن پر موقوف ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا گناہ یہی ہے کہ اہل بیت کی محبت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے تمام اصحاب کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں اور باوجود لڑائی جھگڑوں کے جو ان کے درمیان واقع ہوئے ان میں سے کسی کو برائی سے یاد نہیں کرتے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی تعظیم اور عزت وتکریم کے باعث جو نبی ﷺ اپنے اصحاب کی کیا کرتے تھے سب کو ہوا وتعصب سے دور جانتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اہل حق کو حق پر اور اہل باطل کو باطل پر کہتے ہیں لیکن اس کے بطلان کو ہوا وحرص سے دور سمجھتے ہیں اور رائے اجتہاد کے حوالے کرتے ہیں۔ رافضی اس وقت اہل سنت سے خوش ہوں گے جبکہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے اصحاب پر تبریٰ کریں اور ان بزرگواروں کے حق میں بدظن ہو جائیں جس طرح خارجیوں کی خوشنودی اہل بیت کی عداوت اور آل نبی ﷺ کے بغض سے وابستہ ہے۔

اصحاب کرام کے لڑائی جھگڑے

اہل سنت کے نزدیک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑوں کے وقت تین گروہ تھے۔ ایک گروہ نے دلیل واجتہاد کے ساتھ حضرت امیر (علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ) کی جانب کی حقیقت کو معلوم کرلیا تھا۔ دوسرے گروہ نے بھی دلیل واجتہاد کے ساتھ دوسری طرف حقیقت کو دریافت کرلیا تھا اور تیسرا گروہ متوقف رہا اور کس طرف کی دلیل کے ساتھ ترجیح نہ دی۔ پس پہلے گروہ نے اپنے اجتہاد کے جانب مخالف کی امداد کی اور تیسرا گروہ توقف میں رہا۔ اس نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا خطا سمجھا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا اور جو کچھ ان پر واجب ولازم تھا بجالائے پھر ملامت کی کیا گنجائش ہے اور طعن کی کیا مناسبت ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی منقول ہے۔ ''یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں۔'' اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کو حق پر اور دوسرے کو خطا پر بھی نہ کہنا چاہیے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے۔ ''جب میرے اصحاب کا ذکر ہو اور ان کی لڑائی جھگڑوں کا تذکرہ آجائے تو تم اپنے آپ کو سنبھال رکھو۔ اور ایک کو دوسرے پر اختیار نہ کرو۔'' لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل سے جو ان پر ظاہر ہوئی ہوگی اس بات پر ہیں کہ حضرت امیر (علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ) حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر لیکن یہ خطائے اجتہادی کی طرح طعن وملامت سے دور اور تشنیع وتحقیر سے مبراو پاک ہے۔ حضرت امیرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے بھائی ہمارے باغی ہوگئے۔ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ فاسق کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر وفسق سے روکتی ہے۔

اہل سنت اور رافضی دونوں حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کو خطا پر سمجھتے ہیں اور دونوں حضرت امیرؓ کی حقیقت کے قائل ہیں لیکن اہل سنت حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کو خطا پر سمجھتے ہیں اور دونوں حضرت امیرؓ کی حقیقت کے قائل ہیں لیکن اہل سنت حضرات امیرؓ کے محاربین کے حق میں لفظ خطا سے جو تاویل سے پیدا ہوتا ہے زیادہ اور کچھ اطلاق پسند نہیں کرتے اور زبان کو ان کی طعن وتشنیع سے نگاہ میں رکھتے ہیں اور حضرت خیرالبشر علیہ الصلوٰۃ السلام کے حق صحبت کی محافظت کرتے ہیں۔ حدیث شریف ہے کہ ''میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو'' تاکید کے واسطے اس کلمے کو دوبارہ فرمایا۔'' اور میرے اصحاب کو اپنی ملامت کے تیر کا نشانہ نہ بناؤ۔'' نیز فرمایا۔'' میرے

اصحاب ستاروں کی مانند ہیں- ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے-" پس سب کو معزز و مکرم جاننا چاہئے اور ان کی لغزشوں کو نیک وجہ سے محمول کرنا چاہئے- اس مسئلہ میں اہل سنت کا مذہب یہی ہے- رافضی اس بارے میں غلو کرتے ہیں اور حضرت امیرؓ کے محاربوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ہر طرح کے طعن اور ہر قسم کی گالیوں سے اپنی زبان کو آلودہ کرتے ہیں- اگر ان کا مقصود حضرت امیرؓ کی جانب حقیقت اور ان کے محاربوں کی خطا کا اظہار ہے تو جو کچھ اہل سنت نے اختیار کیا ہے کافی اور حد اعتدال پر ہے اور دین کے بزرگواروں پر طعن لگانا جو رافضیوں نے اختیار کیا ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کو گالی دینا اپنا دین وایمان تصور کیا ہے دیانت داری اور دین داری سے دور ہے- یہ عجب دین ہے جس کا جز واعظم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کو گالی دینا ہے- تمام بدعتی گروہوں میں سے جو بدعتیں اختیار کر کے اہل سنت سے جدا ہو گئے ہیں- رافضیوں اور خارجیوں کے فرقے اصل معاملے اور حق سے دور جا پڑے ہیں- بھلا وہ لوگ جو دین کے بزرگواروں کے سب وطعن کو اپنے دین کا جز واعظم تصور کرتے ہیں حق ان کے نصیب کیا ہوگا-

رافضیوں کے فرقے

رافضیوں کے بارہ فرقے ہیں سب کے سب اصحاب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافر کہتے ہیں اور خلفائے راشدین کو گالیاں دینا عبادت جانتے ہیں- یہ لوگ اپنے اوپر لفظ رفض کے اطلاق کرنے سے کنارہ کرتے ہیں اور اپنے سوا اور لوگوں کو رافضی جانتے ہیں کیونکہ احادیث میں رافضیوں کے حق میں بہت وعید آئی ہے- کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ رفض کے معنی سے بھی اجتناب کرتے اور اصحاب کرام رضوان اللہ اجمعین پر تبریٰ اختیار نہ کرتے- عجب معاملہ ہے اگر رسول اللہ ﷺ کی اہل بیت کی محبت رسول اللہ ﷺ کی محبت کا باعث ہے تو چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی دشمن جانیں- اور اہل بیت کے دشمنوں کی نسبت ان کو زیادہ سب ولعن کریں- ابو جہل جو رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے جس نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکالیف رسول اللہ ﷺ کو پہنچائیں ہیں- کبھی نہیں سنا کہ اس گروہ میں سے کسی نے اس کو سب ولعن کیا ہو یا اس کو برا کہا ہو- حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب مردوں سے پیارے ہیں اپنے خیال فاسد میں اہل بیت کا دشمن تصور کر کے ان کی سب وطعن میں زبان دراز کرتے ہیں اور نامناسب امور کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں- یہ کون سی دیانت داری اور دینداری ہے خدا تعالیٰ نہ کرے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور تمام صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے دشمنی کریں- اور نبی ﷺ کی آل کے ساتھ بغض وعداوت رکھیں- کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اہل بیت کے دشمنوں کو سب

کرتے اور اصحاب کرام کے نام مقرر نہ کرتے اور بزرگان دین سے بدظن نہ ہوتے تاکہ ان کی مخالفت جو اہل سنت کے ساتھ ہے دور ہو جاتی کیونکہ اہل سنت بھی اہل بیت کے دشمنوں کو دشمن جانتے ہیں اور ان کی طعن و تشنیع کے قائل ہیں- یہ اہل سنت کی خوبی ہے کہ شخص معین کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہوا اسلام و توبہ کے احتمال پر جہنمی نہیں کہتے اور طعن اور اطلاق اس پر پسند نہیں کرتے- عام طور پر کافروں پر لعنت کرتے ہیں لیکن فرد معین پر بھی لعنت پسند نہیں کرتے جب تک اس کے خاتمہ کی برائی قطعی سے معلوم نہ ہو لیکن رافضی بے تحاشا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو لعنت اور اکابر صحابہ کو سب و طعن کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دے-

تقیہ

ان لوگوں نے شاید پیغمبر علی الصلوٰۃ والسلام کی اہل بیت کو اپنی طرح تصور کیا ہے- اور ان کو بھی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا دشمن خیال کیا ہے- ان لوگوں نے تقیہ کے باعث جو خود کیا کرتے ہیں اہل بیت کے بندگواروں کو منافق اور مکار خیال کیا ہے اور حکم کیا ہے کہ حضرت امیر تقیہ کے طور پر خلفائے ثلاثہ کے ساتھ تیس سال تک منافقانہ صحبت رکھتے رہے اور ناحق ان کی تعظیم و تکریم کرتے رہے- اس بحث میں دو مقام ہیں جن میں اہل سنت اور مخالفوں میں بڑا اختلاف ہے- مقام اول: یہ کہ اہل سنت خلفاء رابعہ کی خلافت کی حقیقت کے قائل ہیں اور چاروں کو برحق خلفاء جانتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں جن میں مغیبات یعنی امور غائبانہ کی نسبت خبر دی گئی ہے کہ " خلافت میرے بعد تیس سال تک ہے اور یہ مدت حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر تمام ہو جاتی ہے پس اس حدیث کے مصداق چاروں خلفاء ہیں اور خلافت کی ترتیب برحق ہے اور مخالف لوگ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی خلافت کو تعصب اور تغلب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حضرت امیرؓ کے سوا امام برحق کسی کو نہیں جانتے اور اس بیعت کو جو حضرت امیرؓ سے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر واقع ہوئی تھی تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور اصحاب کرام کے درمیان منافقانہ صحبت خیال کرتے ہیں اور مدارات میں ایک دوسرے کو مکار تصور کرتے ہیں- کیونکہ ان کے زعم میں حضرت امیرؓ کے موافق لوگ ان کے مخالفوں کے ساتھ تقیہ کے طور پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا تھا اس کے برخلاف اپنی زبان سے ظاہر کرتے تھے اور مخالف بھی چونکہ ان کے زعم میں حضرت امیرؓ اور ان کے دوستوں کے دشمن تھے اس لیے ان کے ساتھ بھی منافقانہ محبت کرتے تھے اور دشمنی کو دوستی کے لباس میں ظاہر کرتے تھے پس ان کے خیال میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب منافق اور مکار تھے اور جو ان کے باطن میں ہوتا تھا اس کے

خلاف ظاہر کرتے تھے پس چاہیئے کہ ان کے نزدیک اس امت میں سے بدترین اصحاب کرام ہوں اور تمام صحبتوں میں سے بدتر صحبت حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہو جہاں سے یہ "اخلاق و ضمیمہ" پیدا ہوئے اور تمام قرنوں سے برا اصحاب کرام کا قرن ہو جو نفاق و عداوت۔ بغض و کینہ سے پر تھا حالانکہ حق تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ان کو خیر امت فرماتا ہے۔ یہ لوگ جب اس امت کے سابقین کو اس قسم کے اخلاق و ضمیمہ سے متصف کرتے ہیں تو لواحقین میں کیا خیریت پائیں گے۔ ان لوگوں نے شاید ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور اصحاب کرام کی افضلیت اور اس امت کی خیریت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں نہیں دیکھا یا دیکھا ہے مگر ان کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن و احادیث اصحاب کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے۔ جب اصحاب مطعون ہوں گے تو وہ دین جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے نیز مطعون ہوگیا۔ نعوذ باللہ من ذالک ان لوگوں کا مقصود دین کا ابطال اور شریعت غرا کا انکار ہے۔ ظاہر میں اہل بیت رسول علیہ السلام کی محبت کا اظہار کرتے ہیں مگر حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا انکار کرتے ہیں۔ کاش! کہ حضرت امیرؓ اور ان کے دوستوں کو مسلّم رکھتے اور تقیہ کے ساتھ جو اہل مکر اور نفاق کی صفت ہے متصف نہ کرتے وہ لوگ جو حضرت امیرؓ کے دوست ہوں یا دشمن۔ جب تیس سال تک ایک دوسرے کے ساتھ نفاق اور مکر و فریب کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ہوں ان میں کیا خیریت ہوگی۔ اور وہ کس طرح اعتماد کے لائق ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ

حضرت ابو ہریرۃؓ کو جو طعن کرتے ہیں نہیں جانتے کہ اس طعن میں نصف احکام شرعیہ پر طعن آتا ہے کیونکہ علماء مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام (میں) تین ہزار احادیث وارد ہوئی ہیں یعنی تین ہزار احکام شرعیہ ان احادیث سے ثابت ہوئے ہیں جن میں سے ایک ہزار پانچ سو حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایات سے ثابت ہوئی ہیں پس اس کا طعن نصف احکام شرعیہ کا طعن ہے اور حضرت امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کے راوی آٹھ سو صحابہ اور تابعین سے زیادہ ہیں جن میں سے ایک حضرت ابن عباسؓ ہیں اور ابن عمرؓ بھی ان ہی سے روایت کرتے ہیں اور جابرؓ بن عبداللہ اور انس بن مالک ان ہی کے راویوں میں سے ہیں۔ اور وہ حدیث جو حضرت ابو ہریرۃؓ کے طعن میں حضرت امیرؓ سے نقل کرتے ہیں وہ جھوٹی حدیث ہے۔

جیسے کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے اور وہ حدیث کہ جس میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

حضرت ابو ہریرہ کے حق میں فہم کے لیے دعا کی ہے علماء میں مشہور و معروف ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی چادر بچھائے تاکہ میں اس میں اپنا کلام گراؤں اور پھر وہ اس کو اپنے بدن سے لگائے تو اس کو کوئی چیز نہ بھولے گی پس میں نے اپنی چادر بچھادی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا کلام اس میں گرایا اور میں نے چادر کو اٹھا کر سینے سے لگایا۔ اس کے بعد کچھ نہ بھولا۔ پس صرف اپنے ظن ہی سے دین کے ایک بزرگ شخص کو حضرت امیر کا دشمن جاننا اور اس کے حق میں سب وطعن جائز رکھنا انصاف سے دور ہے۔ یہ سب افراط محبت کی باتیں ہیں جن سے ایمان کے دور ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر بالفرض حضرت امیرؓ کے حق میں تقیہ جائز بھی سمجھا جائے تو حضرت امیرؓ کے ان اقوال میں کیا کہیں گے جو بطریق تواتر شیخین کی افضلیت میں منقول ہیں۔ اور ایسے ہی حضرت امیرؓ کے ان کلمات قدسیہ کا کیا جواب دیں گے جو ان کی خلافت و مملکت کے وقت خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے حق میں ہونے میں صادر ہوئے ہیں کیونکہ تقیہ اسی قدر ہے کہ اپنی خلافت کی حقیقت کو چھپالے اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا باطل ہونا ظاہر نہ کرے لیکن خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے کا اظہار کرنا اور شیخین کی افضلیت کا بیان کرنا تقیہ کے سوا ایک علیحدہ امر ہے۔ نیز احادیث حد شہرت کو پہنچ چکی ہیں بلکہ تواتر المعنی ہوگئی ہیں جو حضرات خلفائے ثلاثہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں سے اکثر کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ان احادیث کا جواب کیا کہیں گے کیونکہ تقیہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جائز نہیں اس لیے پیغمبروں پر لازم ہے۔ نیز وآیات قرآنی جو اس بارے میں نازل ہوئی ہیں ان میں بھی تقیہ متصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو انصاف دے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ تقیہ جبانت یعنی بزدلی اور نامردی کی صفت ہے۔ اسد اللہؓ کے ساتھ اس کو نسبت دینا نامناسب ہے۔ بشریت کی رو سے ایک ساعت یا دو ساعت یا ایک دو دن کے لیے تقیہ اگر جائز سمجھا جائے تو ہو سکتا ہے۔ جناب اسد اللہ میں تیس سال تک اس بزرگی کی صفت کا ثابت کرنا اور تقیہ پر مصر سمجھنا بہت برا ہے۔ جب صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ ہے تو پھر بھلا دشمنوں اور منافقوں کی صفات پر اصرار کرنا کیسا ہوگا۔ کاش یہ لوگ اس امر کی برائی سمجھتے۔ شیخینؓ کی تقدیم و تعظیم سے اس لیے بھاگے ہیں' اس میں حضرت امیرؓ کی اہانت ہے اور تقیہ اختیار کرلیا ہے۔ اگر تقیہ کی برائی جو ارباب نفاق کی صفت ہے سمجھتے تو ہرگز تقیہ کو جائز قرار نہ دیتے اور دو بلاؤں میں سے آسان کو اختیار کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ شیخینؓ کی تقدیم و تعظیم میں حضرت امیرؓ کی کچھ اہانت نہیں۔ حضرت امیرؓ کی خلافت کی حقیقت بھی بجائے خود ہے۔ اور ان کی ولایت کا درجہ اور ہدایت و ارشاد کا رتبہ بھی اپنے حال پر ہے اور تقیہ کے ثابت کرنے میں نقص و توہین لازم ہے کیونکہ یہ

صفت ارباب نفاق کے خاصوں اور مکاروں اور فریبیوں کے لوازم سے ہے- مقام دوم: یہ کہ اہل سنت والجماعت حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و ہوس سے دور جانتے ہیں- کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت سے پاک ہو چکے تھے- اوران کے روشن سینے عداوت وکینہ سے صاف ہو گئے تھے- حاصل کلام یہ کہ ہر ایک صاحب رائے اور صاحب اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے- اس لیے بعض امور میں آرا کے اختلاف کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت ومنازعت واقع ہوئی اور ہر ایک کے لیے اپنی رائے کی تقلید بہتر تھی پس ان کی مخالفت موافقت کی طرح حق کے لیے تھی نہ کہ نفس امارہ کی ہوا و ہوس کے لیے اہل سنت کے مخالف لوگ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑنے والوں کو کافر کہتے ہیں اور طرح طرح کے طعن وتشنیع ان کے حق میں جائز سمجھتے ہیں جب اصحاب کرام بعض امور اجتہادیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخالفت کرلیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی رائے کے برخلاف حکم کیا کرتے تھے اوران کا یہ اختلاف مذموم اور قابل ملامت نہ ہوتا تھا-

اور باوجود وحی کے ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا تو حضرت امیرؓ کے ساتھ بعض امور اجتہادیہ میں مخالفت کرنا کیوں کفر ہو اور ان کے مخالف کیوں مطعون ہوں- حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے مسلمان ایک جم غفیر ہیں جو سب کے سب اصحاب کبار ہیں اور جن میں سے بعض کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کو کافر اور برا کہنا آسان نہیں (چھوٹا منہ بڑی بات) قریباً نصف دین اور شریعت کو انہوں نے تبلیغ کیا ہے- اگر ان پر طعن آئی تو نصف دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے- یہ بزرگوار اگر کسی طرح قابل طعن ہو سکتے ہیں جبکہ ان میں سے کسی روایت کو کسی امیر اور وزیر نے رد نہیں کیا- صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے اور شیعہ بھی اس کو مانتے ہیں (فقیر نے احمد تبتی سے اکابر شیعہ میں سے تھا سنا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ کتاب بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح کتاب ہے-) اس میں حضرت ابوبکرؓ کے دوستوں کی بھی روایات ہیں اور مخالفوں کی بھی- موافقت ومخالفت کے باعث کسی کو راجح ومرجوع نہیں جانا- جس طرح حضرت امیرؓ سے روایت کرتا ہے اسی طرح حضرت معاویہؓ سے بھی- اگر حضرت معایہؓ اور اس کی روایت میں کسی قسم کا طعن ہوتا تو ہرگز اس روایت کو اپنی کتاب میں درج نہ کرتا- اس طرح جو حدیث کے نقاد اور صراف گزرے ہیں کسی نے اس وجہ سے حدیث کی روایت میں فرق نہیں کیا اور حضرت امیرؓ کو طعن کا باعث نہیں بنایا- جاننا چاہئے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت امیر تمام امور خلافیہ میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر- اگرچہ محاربہ میں حق بجانب امیرؓ تھے کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ

صدر اول کے احکام خلافیہ میں علماء' تابعین اور آئمہ مجتہدین نے حضرت امیرؓ کے غیر کا مذہب اختیار کیا ہے اور ان کے مذہب پر حکم نہیں کیا- اگر حضرت امیرؓ کی جانب ہی حق مقرر ہوتا تو ان کے برخلاف حکم نہ کرتے قاضی شریح نے جو تابعین میں سے ہیں اور صاحب اجتہاد ہوا اپنے حضرت امیرؓ کے مذہب پر حکم نہیں کیا اور حضرت امام حسنؓ کی شہادت کو نسبت نبوت یعنی فرزندی نسبت کے باعث منظور نہیں کیا- اور مجتہدین نے قاضی شریح کے قول پر عمل کیا ہے اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت جائز نہیں سمجھتے-

حضرت عائشہ صدیقہؓ

حضرت عائشہ صدیقہؓ جو حبیب رب العالمین کی محبوب اہلیہ تھیں اور لب گور تک آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقبولہ و منظورہ رہیں اور مرض الموت کے ایام بھی ان ہی کے حجرے میں بسر کیے اور ان ہی کی گود میں جان دی اور ان ہی کے پاک حجرے میں مدفون ہوئے- اس شرف و فضیلت کے علاوہ حضرت صدیقہ علیہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ بھی تھیں- پیغمبر علیہ والصلوٰۃ والسلام نے آدھا دین ان کے حوالے کیا تھا اور اصحاب کرام مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ان سے مشکلات کا حل طلب کیا کرتے تھے- اس قسم کی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت امیرؓ کی مخالفت کے باعث طعن کرنا اور ناشائستہ حرکات کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے سے دور ہے- حضرت امیرؓ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد اور چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہؓ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ- محبوب اہلیہ اور مقبولہ ہیں-

ایک اہم واقعہ

اس سے چند سال پہلے فقیر کا یہ طریق تھا کہ اگر طعام پکاتا تھا تو اہل عبا کی ارواح پاک کو بخش دیا کرتا تھا- اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت امیرؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت امامینؓ رضی اللہ عنہما کو ملا لیتا تھا- ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں- فقیر نے سلام عرض کیا تو فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور فقیر کی طرف سے منہ پھیر لیا- پھر فقیر کو فرمایا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر کھانا کھاتا ہوں- جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر بھیج دیا کرے- اس وقت فقیر نے معلوم کیا کہ حضور ﷺ کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ فقیر اس طعام میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کو شریک نہ کرتا تھا- بعد ازاں حضرت صدیقہؓ کو بلکہ تمام ازواج مطہرات جو سب اہل بیت ہیں شریک کر لیا کرتا تھا اور تمام اہل بیت کو اپنا وسیلہ بناتا تھا-

پس وہ آزار وایذا جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہؓ کے سبب سے پہنچتی ہے منصف عقل مندوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ بات اس صورت میں ہے جب کہ امیرؓ کی محبت اور تعلیم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و تعظیم اور قرابت کے باعث ہو اور اگر کوئی حضرت امیرؓ کی محبت کو مستقل طور پر اختیار کرے اور حضرت پیغمبر علیہ والصلوٰۃ والسلام کی محبت کو اس میں دخل نہ دے تو ایسا شخص محبت سے خارج ہے اور گفتگو کے لائق نہیں - اس کی غرض دین کو باطل کرنا اور شریعت کو گرانا ہے - ایسا شخص چاہتا ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ کے بغیر کوئی اور راستہ اختیار کرے اور حضرت محمد ﷺ کو چھوڑ کر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف آجائے تو یہ سراسر کفر اور زندقہ ہے - حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس سے بےزار اور اس کے کردار سے آزار میں ہیں - حضرت پیغمبر علی الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب - اصہار (سسر) اور ختنین (دامادوں) کی دوستی بعینہ حضرت پیغمبر علیہ والصلوٰۃ والسلام کی دوستی ہے اور ان کی عزت و تکریم پیغمبر ﷺ کی تعظیم و تکریم کے باعث ہے - رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ "جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا -" ایسے ہی جو شخص ان کا دشمن ہے وہ پیغمبر ﷺ کی دشمنی کے باعث ان کو دشمن جانتا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "جس نے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا" یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب سے متعلق ہے وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے اسی طرح ان کا بغض بعینہ میرا البغض ہے -

(مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) ازواج مطہرات بہشت میں اسی طرح طعام و شراب سے تناول فرمائیں گے - لیکن وہ معاملہ جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوگا ان کے ساتھ نہ ہوگا اور وہ لذت و سرور جو آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوگا ان کو نہ ہوگا - اگر وہاں ان کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام امور میں شرکت ہو تو آنحضرت کی افضلیت کی طرح ان کی بھی سب پر لازم آئے گی کیونکہ وہاں کی افضلیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثرت ثواب کے لحاظ سے ہے -

(مکتوب ۵۰ دفتر دوم) آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات امہات المومنین نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنت میں ہوں گی اور ایک میوہ کھائیں گی لیکن ہر ایک کا مزہ و لذت جدا جدا ہوگا - اگر علیحدہ نہ ہو تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام نبی آدم پر امہات المومنین کی فضیلت لازم آتی ہے۔

(مکتوب ۳۶ دفتر دوم) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے - ایک گروہ تھا جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ - حضرت صفیہؓ اور حضرت حفصہ

تھیں۔ دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمیٰؓ اور باقی ازواج مطہرات تھیں تو حضرت ام سلمیٰؓ والے گروہ نے حضرت ام سلمیٰؓ کو کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو کہیں کہ وہ لوگوں کو بتا دیں کہ جہاں میں ہوا کروں وہیں تحائف لایا کریں پس حضرت ام سلمیٰؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہہ دی تو آپ نے فرمایا اے ام سلمیٰؓ اس بارے میں مجھے ایذا نہ دے کیونکہ عائشہؓ کے کپڑے کے سوا اور کسی عورت کے کپڑے میں میرے پاس وحی نہیں آئی۔ حضرت ام سلمیٰؓ نے اس بات کو سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اس بات سے توبہ کرتی ہوں پھر حضرت ام سلمیٰؓ کے گروہ نے حضرت فاطمہ زہراؓ کو بلایا اور حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ یہی بات رسول اللہ ﷺ سے کہیں۔ جب حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے بیٹی! کیا تو اس چیز کو دوست نہیں رکھتی جس کو میں دوست رکھتا ہوں۔ عرض کیا کیوں نہیں۔ پھر فرمایا کہ اس کو یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دوست رکھ۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی عورتوں میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں کی جتنی کہ حضرت خدیجہؓ کی حالانکہ میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ ان کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور بسا اوقات بکری ذبح کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھیج دیا کرتے تھے اور جب کبھی میں کہتی کہ کیا خدیجہ جیسی عورت دنیا میں نہیں ہوئی تو حضور ﷺ فرماتے کہ وہ تھی جیسی کہ تھی اور اس سے میری اولاد تھی۔

(مکتوب ۵۰ دفتر دوم) فقیر حضرت صدیق اکبرؓ کو وراثت کے طور پر ناف تک داخل ہوا ہوا معلوم کرتا ہے۔ اور حضرت فاروقؓ بھی اس دولت سے سرفراز ہیں اور امہات المومنین میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی ازواج کے علاقہ کے باعث آنحضرت ﷺ کے پاس دیکھتا ہے۔

(مکتوب ۶۷ دفتر دوم) علماء اہل سنت حضرت عائشہ صدیقہ علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ الزہراؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کو بتول کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کتاب غنیۃ میں حضرت فاطمہؓ کو مقدم رکھتے ہیں لیکن جو کچھ فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ علم و اجتہاد میں پیش قدم ہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ زہد و انقطاع میں بڑھ کر ہیں۔ اس واسطے حضرت فاطمہؓ کو بتول کہتے تھے۔ جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور حضرت عائشہؓ اصحاب کے فتاوے کا مرجع تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرام کو جو مشکل علم میں پیش آتی تھی عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں اس کا حل طلب کرتے تھے۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ

اصحاب کبار اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں- ان پر طعن وتشنیع کرنا نامناسب ہے- اور ان کی طعن مطعن ولعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے- حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ وہ صحابہ ہیں کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بعد خلافت کو چھ اشخاص کے مشورہ پر چھوڑا تو ان میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو داخل کیا- اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لیے کوئی واضح دلیل نہ پائی تو طلحہؓ اور زبیرؓ نے اپنے اختیار سے خلافت کا حصہ چھوڑ دیا- یہ وہی طلحہؓ ہیں جنہوں نے اپنے باپ کو اسی بے ادبی کے باعث جو آنحضرت ﷺ کی نسبت اس سے صادر ہوئی تھی قتل کر کے سر کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آیا تھا- قرآن مجید میں اسی فعل پر اس کی تعریف وثنا بیان کی گئی ہے- اور یہ وہی زبیرؓ ہیں جن کے قاتل کے لیے مخبر صادق ﷺ نے درزخ کی وعید فرمائی ہے اور یوں ارشاد ہوا ہے- "زبیرؓ کا قاتل دوزخ میں ہے-" حضرت زبیرؓ پر لعن طعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں پس اکابرین اور بزرگواران اسلام کی طعن ومذمت سے ڈرنا چاہیے- یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کا بول بالا کرنے اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سر توڑ کوششیں کی ہیں- اور رات دن ظاہر و باطن میں دین کی تائید میں مال وجان کی پرواہ نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اپنے خویش واقارب اور مال واولاد- گھر بار وطن کھیتی باڑی - باغ ودرخت اور نہروں کو چھوڑ دیا- اور رسول اللہ ﷺ کی جان کو اپنی جانوں پر اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنے اموال واولاد اور اپنی جانوں پر اختیار کیا- یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرف صحبت حاصل کیا- اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں برکات نبوت سے مالا مال ہوئے- وحی کا مشاہدہ کیا اور فرشتہ کے حضور سے مشرف ہوئے اور خوارق ومعجزات کو دیکھا حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا- اور ان کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی کے نصیب نہیں ہوا حتیٰ کہ دوسروں کا احد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ان کے ایک آدھ مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا- یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم میں ان الفاظ میں تعریف کی گئی- "یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے-" امور اجتہادیہ میں اگر اختلاف حق تعالیٰ کے نزدیک جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوتا رہا- ناپسند اور نامقبول ہوتا تو البتہ منع ہوتا اور اختلاف کرنے والوں پر وعید نازل ہوتی- بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختلاف رائے کے علاوہ اس قسم کے اختلاف کے مقام اور بھی بہت ہیں- وہ اختلاف بھی اس قسم کا تھا جو کاغذ لانے میں کہا گیا-

مرض الموت میں کاغذ لانے کا مسئلہ

آنحضرت ﷺ نے مرض الموت میں کاغذ طلب فرمایا تھا۔ تاکہ ان کے لیے کچھ لکھیں بعض نے کہا کہ کاغذ لانا چاہیئے اور بعض نے کاغذ لانے سے منع کیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھے جو کاغذ کے لانے میں راضی نہ تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ ہمارے لیے اللہ کی کتاب ہی کافی ہے۔ اس سبب سے طعن لگانے والوں نے حضرت فاروق اعظمؓ پر عیب لگایا ہے اور طعن و تشنیع کی زبان دراز کی ہے حالانکہ درحقیقت کوئی محل طعن نہیں کیونکہ فاروق اعظمؓ نے معلوم کرلیا تھا کہ وحی کا زمانہ ختم ہوگیا ہے اور آسمانی احکام تمام ہو چکے ہیں اور احکام کے ثبوت میں رائے اور اجتہاد کے سوا کسی امر کی گنجائش نہیں رہی۔ اب آنحضرت ﷺ جو کچھ لکھیں گے امور اجتہادیہ میں سے ہوگا جس میں دوسرے بھی شامل ہیں۔ پس بہتری اسی بات میں دیکھی کہ اس قسم کے سخت درد میں حضور ﷺ کو تکلیف نہ دینی چاہیئے اور دوسروں کی رائے و اجتہاد پر کفایت کرنی چاہیئے یعنی قرآن مجید جو قیاس و اجتہاد کا ماخذ ہے احکام نکالنے والوں کے لیے کافی ہے۔ احکام وہاں سے نکال لیں گے۔ کتاب اللہ کی خصوصیت اسی واسطے ہوسکتی ہے جبکہ قرآن سے معلوم کیا ہو کہ یہ احکام جن کے لکھنے کے درپے ہیں ان کا ماخذ کتاب میں ہے۔ نہ سنت میں تاکہ سنت کا ذکر کیا جاتا۔ حضرت حضرت فاروق اعظمؓ کا منع کرنا شفقت اور مہربانی کا باعث تھا تاکہ آنحضرت ﷺ کی شدت درد میں کسی امر کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ جس طرح کہ آنحضرت ﷺ کا کاغذ لانے کے لیے فرمانا بھی استحسان کے لیے تھا نہ کہ وجوب کے لیے تاکہ دوسرے لوگ استنباط کے رنج سے آسودہ ہو جائیں۔ اگر ایتونی وجوب کے لیے ہوتا تو اس کی تبلیغ میں مبالغہ فرماتے اور صرف اختلاف ہی سے روگردانی نہ کرتے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے شاید اس وقت سمجھا ہو کہ یہ کلام آپ سے درد کے باعث بلاقصد و اختیار نکل گئی ہے جیسا کہ لفظ اکتب سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کچھ نہیں لکھا تھا اور نیز فرمایا کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ جب دین کامل ہو چکا تھا اور نعمت پوری ہوگئی تھی اور رضائے مولیٰ حاصل ہو چکی تھی تو پھر گمراہی کے کیا معنی۔ اور ایک ساعت میں کیا لکھیں گے جو گمراہی کو دور کردے گا۔ کیا جو کچھ تیئس[۲۳] سال کے عرصے میں لکھا گیا ہے کافی نہیں۔ اور وہ گمراہی کو دور نہیں کرسکتا۔ جو ایک ساعت میں باوجود شدت درد کے لکھیں گے وہ گمراہی دور کرے گا۔ اسی سبب سے حضرت فاروق اعظمؓ نے جان لیا ہوگا کہ یہ کلام آپ سے بشریت کے لحاظ سے بلاقصد نکل گئی ہے۔ اس بات کی تحقیق کرو اور ازسرنو دریافت کرو۔ اسی اثنا میں مختلف باتیں شروع ہوگئیں اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اٹھ جاؤ اور مخالفت نہ کرو کیونکہ پیغمبر ﷺ کے حضور میں نزاع اور جھگڑا اچھا

نہیں پھر اس امر کی نسبت کوئی کلام نہ کی اور نہ دوات و کاغذ کو یاد کیا۔

اگر وہ اختلاف جو اصحاب کرام امور اجتہادیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا کرتے تھے اگر نعوذ باللہ ہوا و تعصب کی بو ہوتی تو یہ اختلاف سب کو مرتدوں میں داخل کر دیتا اور اسلام سے باہر نکال دیتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور بد معاملگی کرنا کفر ہے۔ حاصل کلام یہ کہ قرن اول کے اصحاب تکلفات اور عبارتوں میں آرائش سے مستغنی تھے۔ ان کی کوشش ہمہ تن باطن کے درست کرنے میں ہوتی تھی اور ظاہر کی طرف سے نظر ہٹا رکھتی تھی۔ اس زمانے میں حقیقت و معنی کے طور پر آداب بجالاتے تھے نہ فقط صورت و لفظ کے اعتبار پر۔ رسول اللہ ﷺ کے امر کا بجالانا ان کا کام اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت سے بچنا ان کا معاملہ تھا۔ ان لوگوں نے اپنے ماں باپ اور اولاد و ازواج کو رسول اللہ ﷺ پر فدا کر دیا تھا اور کمال اعتقاد و اخلاص کے باعث آنحضرت ﷺ کی لعاب مبارک کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ آب حیات کی طرح اس کو پی جاتے تھے اور فصد کے بعد حضور ﷺ کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے پی جانے کا ارادہ کرنا مشہور و معروف ہے۔ اگر اس قسم کی عبارت جو اس زمانے کے لوگوں کے نزدیک کہ کذب و مکر سے پر ہے بے ادبی کا موجب ہو۔ ان بزرگواروں سے آنحضرت ﷺ کی نسبت صادر ہوئی ہو تو اس پر نیک ظن کرنا چاہئے اور عبارت کے مطلب کو دیکھنا چاہئے اور الفاظ خواہ کسی قسم کے ہوں ان سے قطع نظر کرنی چاہئے۔ سلامتی کا طریق یہی ہے۔

اہل بیت کے فضائل

ابن عبداللہ المعروف با بن عبیداللہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "جس نے علیؓ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا" اور جس نے علیؓ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی"

ترمذی نے حاکم سے روایت کی اور بریدہ نے اس کو صحیح کیا ہے۔

فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت کرنے کا امر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ان کے نام کیا ہیں؟ فرمایا ایک ان میں علیؓ ہیں اس بات کو تین بار فرمایا۔ دوسرے ابوذرؓ اور تیسرے مقدادؓ اور چوتھے سلمان فارسیؓ ہیں۔

طبرانی اور حاکم نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ علیؓ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔

شیخین نے براء سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حضرت امام حسینؓ آپ کے کندھوں پر سوار ہیں اور آپ فرما رہے ہیں۔ یا اللہ! میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ۔

بخاری نے حضرت ابو بکرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے سنا جبکہ وہ منبر پر تھے اور حضرت امام حسنؓ آپ کے پہلو میں تھے اور کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی ان کی طرف۔ فرمایا۔ یہ میرا بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔

ترمذی نے اسامہؓ اور زیدؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ آپ کی ران پر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں۔ یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ یا اللہ! میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ اور جو لوگ ان سے محبت رکھیں ان کو بھی دوست رکھ۔

ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں سے کون کون آپ کو زیادہ عزیز ہیں تو آپ نے فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ

مسعود بن مخرمہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے۔ جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور ایک روایت میں ہے کہ جو چیز اس کو متردد کرتی ہے اور جس چیز سے اس کو ایذا پہنچے مجھے بھی پہنچتی ہے۔

حاکم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا فاطمہ مجھے تجھ سے زیادہ پیاری ہے اور تو میرے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دن اپنے تحائف اور ہدایا لاتے تھے اور اس سبب سے رسول اللہ ﷺ کی رضامندی طلب کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی ازواج کے دو گروہ تھے (تفصیل گزشتہ صفحات میں آ چکی ہے۔ ایک گروہ نے ام المومنین حضرت ام سلمٰی سے پھر حضرت فاطمۃ الزہرا سے سفارش کرائی کہ جس زوجہ محترمہ کے ہاں حضور ﷺ کی باری ہو لوگ وہاں تحائف لے کر آیا کریں لیکن آپ نے حضرت ام سلمٰیؓ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کیا اور حضرت فاطمہؓ کو نصیحت فرمائی کہ حضرت عائشہ کو دوست رکھو۔ مرتب)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر سخت غضب فرماتا ہے جس نے میری اولاد کے حق میں ایذا دی۔

حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے اچھا وہ

مخلص ہے جو میرے بعد میرے اہل بیت کے ساتھ بھلائی کرے۔

ابن عساکر نے حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے اہل بیت کے ساتھ احسان کیا میں اس کو قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا۔

ابن عدی اور دیلمی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے صراط پر وہ شخص زیادہ ثابت قدم ہوگا جس کی میرے اہل بیت اور اصحاب کے ساتھ زیادہ محبت ہوگی۔

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ برقول ایمان کنی خاتمہ

اگر دعوتم ردکنی در قبول
من ودست و دامان آل رسول

(مکتوب ۳۶ دفتر دوم)

خلافت و امامت

(مکتوب ۶۷ دفتر دوم) خلافت و امامت کی بحث اہل سنت والجماعت کے نزدیک اگرچہ دین کے اصول میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اعتقاد کے ساتھ کچھ تعلق رکھتی ہے لیکن چونکہ شیعہ نے اس بارے میں بڑی زیادتی اور افراط و تفریط کی ہے اس لیے علمائے حق نے اس بحث کو علم کلام کے متعلق کیا ہے۔ حضرت خاتم الرسل ﷺ کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ ذوالنورین ہیں۔ بعد ازاں حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔ حضرات شیخینؓ کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے چنانچہ اس کو آئمہ بزرگوار ان کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ جن میں شافعیؒ۔ شیخ ابو الحسن اشعری جو اہل سنت کے رئیس ہیں فرماتے ہیں کہ شیخینؓ کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے سوائے جاہل اور متعصب کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھے ابوبکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دے وہ مفتری ہے۔ اس کو کوڑے لگاؤں گا جس طرح مفتری کو لگاتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر گیلانیؒ اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے عروج واقعہ ہوا۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میرے بعد میرا خلیفہ علیؓ ہو۔ فرشتوں نے کہا اے محمد ﷺ جو کچھ خدا چاہے وہی ہوگا۔ تیرے بعد خلیفہ حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ حضرت

امیرؓ نے فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ دنیا سے باہر نہیں گئے جب تک میرے ساتھ یہ عہد نہ کرلیا کہ میرے وفات کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ ہوگا۔ بعد ازاں عمرؓ۔ بعد ازاں حضرت عثمانؓ اور اس کے بعد تو خلیفہ ہوگا۔ حضرت امام حسنؓ حضرت امام حسینؓ سے افضل ہیں۔

علمائے اہل سنت والجماعت حضرت عائشہ صدیقہؓ کو علم واجتہاد میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ پر فضیلت دیتے ہیں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بتول کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت عبدالقادر گیلانی قدس سرہ "غنیۃ" میں حضرت فاطمہؓ کو مقدم سمجھتے ہیں لیکن جو کچھ فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ علم واجتہاد میں پیش قدم ہیں اور حضرت فاطمہؓ زہد وانقطاع میں بڑھ کر ہیں۔ اسی واسطے حضرت فاطمہؓ کو بتول کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت عائشہؓ اصحاب کے فتاویٰ کا مرجع تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب جو مشکل علم پیش آتی تھی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں اس کا حل طلب کرتے تھے۔ وہ لڑائی جھگڑے جو اصحاب کرام کے درمیان واقع ہوئے ہیں جمل اور صفین کا لڑائی جھگڑا۔ ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا وتعصب سے دور سمجھنا چاہئے علماء نے فرمایا ہے کہ ان لڑائیوں میں حق بجانب امیرؓ تھے اور مخالفوں کا اجتہاد صواب سے دور تھا مگر طعن کے لائق نہیں ہیں اور ملامت کی کوئی گنجائش نہیں چہ جائیکہ فسق یا کفر کی طرف منسوب کیا جائے۔ اس شخص کا رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہی نہیں جس نے اصحاب کی عزت نہ کی۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ

(مکتوب ۹۹ دفتر دوم) منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سکرات موت کے وقت جب حضرت فاطمہؓ نے ان کی بے قراری اور بے آرامی دیکھی تو حضرت فاطمہ زہراؓ جن کو آنحضرت ﷺ نے فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے فرمایا تھا۔ کمال شفقت ومہربانی آنحضرت ﷺ کے ساتھ رکھتی تھیں نہایت بے قرار اور بے آرام ہوگئیں۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان کی اس بے قراری اور بے ارامی کو دیکھا تو حضرت زہراؓ کی تسلی کے لیے فرمایا کہ تیرے باپ کے لیے یہی ایک محنت اور تکلیف ہے۔ اس سے آگے کوئی تکلیف ومصیبت نہیں یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ چند روزہ محنت کے عوض دائمی سخت عذاب دور ہو جائے۔ ایسا معاملہ دوستوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اس طرح نہیں کرتے اور ان کے گناہوں کا کفارہ کما حقہ اس جگہ فرماتے ہیں بلکہ ان کی جزا آخرت پر ڈال دیتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

(مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم) حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اس راہ کے اصلوں کے پیشوا اور ان کے سرگردہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ ہیں اور یہ عظیم مرتبہ ان ہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرات حسنینؓ بھی اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ میرے خیال میں حضرت امیرؓ وجود عنصری یعنی پیدائش سے پہلے بھی اسی مقام کی پناہ میں رہے ہیں جیسے کے وجود عنصری کے بعد ہیں۔ اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے ان ہی کے وسیلے سے پہنچتا ہے کیونکہ اس راہ کا اخیری نقطہ یہی ہے۔ اور اس مقام کا مرکز ان ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت امیرؓ کا دور تمام ہوا۔ یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرات حسنینؓ کے سپرد ہوا۔ اور ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب وتفصیل وار قرار پایا۔ ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور ایسے ہی ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب وتفصیل وار قرار پایا۔ ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرما چکنے کے بعد جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا رہا ان ہی بزرگواروں کے واسطہ اور حیولہ سے ہی پہنچتا رہا۔ گو اپنے زمانہ کے اقطاب ونجبا ہی ہوئے ہیں لیکن سب کا ملجاء و ماویٰ یہی بزرگوار ہوئے ہیں کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نوبت آ پہنچی اور منصب مذکور اس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا۔ مذکورہ بارہ اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہ کے سوا اور کوئی شخص اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں تمام اقطاب ونجبا کو فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہ کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔

(مکتوب ۵۹ دفتر اول) (خواہ بزرگ اولیاء کرام ہوں) جو شخص اس گروہ سے نکل گیا وہ خود بھی گمراہ ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ پس رویت وشفاعت کا منکر ہوا اور صحبت کی فضیلت اور صحابہ کی بزرگی اس سے مخفی رہی اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ اور اولاد بتولؓ کی محبت سے محروم رہا اور اس بڑی نیکی سے رک گیا جو اہل سنت والجماعت نے حاصل کی۔ (مکتوب ۵۹ دفتر اول) اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی مثال کشتی نوح علیہ السلام کی طرح ہے جو اس پر سوار ہوا بچ گیا اور جو پیچھے ہٹا رہا وہ ہلاک ہوگیا۔ اور جو کچھ لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ہیں سب بہتر حکمتوں اور نیک گمانوں پر محمول ہیں۔ وہ حرص و ہوا اور جہالت سے نہ تھے بلکہ وہ اجتہاد اور علم کی رو سے تھے اور اگر ان میں سے کسی نے اجتہاد میں خطا کی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک (ایسے) خطا وار کے لیے ایک درجہ ہے۔ یہی افراط وتفریط کے درمیان سیدھا راستہ ہے۔

اصحاب کے حق میں طعنہ

(مکتوب ۸۰ دفتر اول) اصحاب کے حق میں طعن کرنا درحقیقت پیغمبر خدا ﷺ پر طعنہ لگانا ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے اصحاب کو طعنہ لگانے والے ان کی اتباع سے محروم ہیں۔ جیسے کہ شیعہ اور خارجیہ اور معتزلہ جو خود مذہب نیا رکھتے ہیں۔ ان کا رئیس اصل بن عطا حضرت امام بصریؒ کے شاگردوں میں سے تھا جو ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کے باعث امام سے جدا ہو گیا۔

حضرت امیرؓ کی بیعت

کیونکہ حضرت امیرؓ نے خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ عنہ اجمعین کی عزت و تعظیم کی ہے اور ان کو اقتداء کے لائق جان کران سے بیعت کی ہے پس خلفائے راشدین کا انکار کرنا اور حضرت امیرؓ کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افترا ہے۔ بلکہ وہ انکار درحقیقت حضرت امیرؓ کا انکار ہے اور ان کے افعال و اقوال کا صریح رد ہے اور تقیہ کے احتمال کو حضرت اسد اللہ کے حق میں دخل دینا بھی بے وقوفی ہے۔ عقل صحیح اس کو ہرگز جائز نہیں سمجھتی کہ حضرت اسد اللہ باوجود کمال معرفت اور شجاعت کے خلفائے ثلاثہ کو تیس سال تک پوشیدہ رکھیں اور ان کے برخلاف کچھ ظاہر نہ کریں اور منافقانہ صحبت ان کے ساتھ رکھیں حالانکہ کسی ادنیٰ مسلمان سے اس قسم کا نفاق متصور نہیں ہو سکتا۔ وہاں تقیہ کو دخل دینا زندقہ تک پہنچا دیتا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ اور قاضی ابو بکرؒ نے تصریح کی ہے کہ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کے حق میں فسق و ضلال کا گمان جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کفر پر نہ تھے جیسے کہ بعض غالی رافضیوں کا خیال ہے اور نہ فسق پر تھے۔ حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو یعنی حضرت ابو بکرؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمانؓ اور عمر بن العاص کو گالی دی اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی پر تھے اس کے سوا کوئی اور گالی دی جس طرح لوگ ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوا کیونکہ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کفر پر نہ تھے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور بہت سے اصحاب کرامؓ ان میں ہی سے تھے۔ طلحہؓ اور زبیرؓ جمل کی لڑائی میں امیر معاویہؓ کے خروج سے پہلے تیرہ ہزار مقتولوں کے ساتھ ہوئے پس ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر سوائے اس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اس کے باطن میں خبث ہو کوئی مسلمان دلیری نہیں کر سکتا۔

حضرت امیر معاویہؓ

اور یہ جو بعض فقہا کی عبارتوں میں "جور" کا لفظ حضرت معاویہؓ کے حق میں واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ جور کرنے والا امام تھا- تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کی خلافت کے زمانے میں وہ خلافت کے حق دار نہ تھے نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق وضلالت ہے تا کہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو- اور نیز استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے خلاف وہم پیدا ہو پرہیز کرتے ہیں اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے بلکہ صحیح تحقیق ہو چکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے جیسے کہ "صواعق" میں ہے اور حضرت مولانا جامیؒ نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے- خطا پر جو کچھ زیادہ خطا ہے- اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ وہ لعنت کا مستحق ہے الخ یہ بھی نامناسب کہا ہے- اس کی تردید کی کیا حاجت ہے- اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتا تو بے شک جائز تھا- لیکن حضرت معاویہؓ کے حق میں کہنا برا ہے- احادیث نبوی میں معتبر اور ثقات کی سند سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبرﷺ نے معاویہؓ کے حق میں دعا کی ہے کہ "یا اللہ اس کو کتاب وحساب سکھا اور عذاب سے بچا" دوسری جگہ دعا میں ہے "یا اللہ تو اس کو ہادی اور مہدی بنا-" امام مالکؒ نے جو تابعین میں سے ہیں اور اپنے ہم عصر علمائے مدینہ میں سے زیادہ عالم ہیں معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کو گالی دینے والے کے لیے قتل کا حکم دیا ہے- حضرت معاویہؓ تنہا اس معاملہ میں نہیں ہے کم وبیش آدھے اصحاب کرام اس کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہیں پس حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے- اس بات کو سوائے زندیق کے جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کرتا- اس فتنے کے برپا ہونے کا منشاء حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے- حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جو اول مدینہ سے باہر نکلے تھے تاخیر قصاص کے باعث نکلے- اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی اس امر میں ان کے ساتھ موافقت کی اور جنگ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور طلحہؓ اور زبیر بھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قتل ہوئے- حضرت عثمانؓ کے قصاص کے باعث ہوا ہے- اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے شام سے آ کر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگ صفین کیا (بقول امام غزالیؒ) وہ جھگڑا امر خلافت پر نہیں ہوا بلکہ قصاص کے پورا کرنے کے لیے حضرت امیرؓ کی خلافت کے ابتداء میں ہوا ہے کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت امیر معاویہؓ کو فرمایا تھا کہ جب تو لوگوں کا والی بنے تو ان کے ساتھ نرمی کر- شاید اس بات سے حضرت امیر معاویہؓ کو خلافت کی طمع پیدا ہو گئی ہو لیکن وہ اس اجتہاد

میں خطا پر تھے- اور حضرت امیرؓ حق پر کیونکہ ان کی خلافت کا وقت حضرت امیرؓ کی خلافت کے بعد تھا- حضرت امام غزالیؒ اور ابن حجر اور شیخ ابوشکور سلمیؒ کے اقوال میں موافقت اس طرح پر ہے کہ اس منازعت کا منشاء قصاص کی تاخیر ہو اور پھر خلافت کا طمع پیدا ہو گیا ہو- بہر تقدیر اجتہاد اپنے محل میں واقع ہوا ہے- اگر خطا پر ہے تو ایک درجہ اور حق والے کے لیے دو درجے بلکہ دس درجے-

یزید بدبخت فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے- اس کی لعنت میں توقف کرنا اہل سنت کے مقررہ اصول کے باعث ہے کیونکہ انہوں نے معین شخص کے لیے اگرچہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی مگر جب یقینا معلوم کریں کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسے کہ ابولہب جہنمی اور اس کی عورت نہ یہ کہ وہ لعنت کے لائق نہیں- جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے-

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے- " کہ جب فتنے اور بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو چاہیئے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے پس جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے- اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض و نفل قبول نہ کرے گا-

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل

(مکتوب ۲۵۱ دفتر اول) اور حضرت مہدی موعود کہ ان کا رب صفت العلم ہے حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں گویا ایک قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امیرؓ کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدیؓ کے سر پر- چونکہ حضرت امیر ولایت محمدی کے حامل ہیں اس لیے مشائخ اولیاء کے اکثر سلسلے ان سے منتسب ہوئے- حضرت امیر کے کمالات حضرات شیخینؓ کے کمالات کی نسبت اکثر اولیائے عزیمت یعنی گوشہ نشینوں پر جو کمالات ولایت سے مخصوص ہیں زیادہ تر ظاہر ہوئے ہیں اگر شیخین کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا اکثر اولیائے عزلت کا کشف حضرت امیرؓ کی افضلیت کا حکم کر دیتا کیونکہ حضرت شیخینؓ کے کمالات انبیاء علیہم والسلام کے کمالات کے مشابہ ہیں اور صاحبان ولایت کا ہاتھ ان کے کمالات کے دامن سے کوتاہ ہے اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات کے درجات کی بلندی کے باعث نصف راہ میں ہے-

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ لکھا ہے کہ حضرت امیرؓ کا نام بہشت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے- دل میں گزرا کہ حضرات شیخینؓ کے لیے اس مقام کی کیا خصوصیات ہوں گی- توجہ تام کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں امت کا داخل ہونا ان دو بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا- گویا حضرت صدیق اکبرؓ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں اور حضرت عمر

فاروقؓ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں۔

(مکتوب ۹۶ دفتر دوم) حضرت امیرؓ نے خلافت کی خواہش کے لیے حضرت معاویہؓ کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں کیا بلکہ باغیوں کے ساتھ لڑائی کرنا فرض سمجھ کر مقابلہ کیا۔ قرآن حکیم کا حکم ہے کہ تم باغی گروہ سے یہاں تک لڑو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پھر آئے۔ حاصل کلام یہ کہ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے باغی ہیں جو سب کے سب صاحب تاویل اور صاحب الرائے واجتہاد تھے۔ اگر اس اجتہاد میں خطاوار بھی ہوں تو بھی طعن وملامت اور تفسیق وتکفیر سے دور اور پاک ہیں۔ اس طرح کاغذ لانے میں حضرت فاروق اعظمؓ کا توقف کرنا رد وانکار کے باعث نہ تھا۔ پناہ بخدا ایسے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزیروں اور ہم نشینوں سے جو خلق عظیم کے ساتھ متصف ہیں اس قسم کی بے ادبی کس طرح ہو سکتی ہے بلکہ ادنیٰ صحابی سے جو ایک یا دو بار حضرت خیر البشر ﷺ کے شرف صحبت سے مشرف ہو چکا ہو اس قسم کی بے ادبی کی امید نہیں ہو سکتی بلکہ آنحضرت ﷺ کی امت کے عام لوگوں سے جو دولت اسلام سے کامیاب ہو چکے ہیں اس قسم کے رد وگمان کا گمان نہیں ہو سکتا تو پھر ان لوگوں سے جو بزرگ اور وزیر اور ندیم اور تمام مہاجرین وانصار میں سے اعلیٰ درجے والے ہوں کس طرح اس امر کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ حضرت فاروقؓ کا مطلب استفہام اور استفسار یہ تھا کہ اگر آپ کوشش واہتمام کے ساتھ کاغذ طلب فرمائیں تو لایا جائے۔ اگر اس بارہ میں کوشش نہ فرمائیں تو ایسے نازک وقت پر آپ کو تکلیف نہ دی جائے کیونکہ اگر امر وحی سے آپ نے کاغذ طلب فرمایا ہوتا تو تاکید ومبالغہ سے کاغذ طلب فرمائیں گے اور جو کچھ آپ کو حکم ہوگا لکھیں گے کیونکہ وحی کی تبلیغ نبی پر واجب ہے۔ اگر یہ مطلب امر وحی سے نہیں ہے بلکہ چاہتے ہیں کہ فکر واجتہاد کی رو سے کچھ لکھیں تو وقت یاوری نہیں کرتا کیونکہ پایہ اجتہاد آپ کے رحلت فرما جانے کے بعد بھی باقی ہے۔ آپ کی امت کے مستنبط اور مجتہد لوگ کتاب اللہ سے جو دین کا اصل اصول ہے احکام اجتہاد نکال لیں گے۔ اور جب حضور ﷺ کی موجودگی میں جو وحی کے نزول کا وقت تھا متہلوں اور مجتہدوں کے استنباط واجتہاد کی گنجائش تھی تو آپ کے رحلت فرمانے کے بعد جو وحی کے ختم ہونے کا زمانہ ہے۔ علماء کا اجتہاد واستنباط بطریق اولیٰ مقبول ہوگا۔ جب آنحضرت ﷺ نے اس بارہ میں اہتمام نہ فرمایا بلکہ اس امر سے اعراض فرمایا تو معلوم ہوا کہ آپ کا فرمانا وحی کی رو سے نہ تھا اور وہ توقف جو مجرد استفسار کے لیے ہو مذموم نہیں ہے۔ سوچنا چاہئے کہ اگر حضرت فاروقؓ کا غذ لانے سے منع کرنا کفر کا باعث ہوتا تو حضرت صدیق اکبرؓ جو نص قرآنی کے ساتھ بہترین امت میں سے ہیں اور زیادہ متقی ثابت ہو چکے ہیں حضرت عمرؓ کی خلافت پر تنقیص وتصریح کرتے اور مہاجرین وانصار جن کی تعریف حق تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید

میں فرمائی ہے اور ان سے راضی ہوا ہے اور ان کو جنت کا وعدہ دیا ہے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے اور پیغمبرﷺ کا جانشین نہ بناتے خلفائے ثلاثہ بلکہ تمام اصحاب کرام کی بزرگی اور بلندی درجات کتاب وسنت کی رو سے محسوس ومشاہد اور ان بزرگواروں پر طعن کرنے والے جھوٹی اور ملمع دلیلوں کے ساتھ ان پر طعن وقدح کرتے ہیں۔ گمراہ ہور ہے ہیں اوروں کو بھی گمراہ کرر ہے ہیں۔ شرع میں کہیں نہیں کہ رسول اللہﷺ کے دشمنوں یعنی ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کو گالی دینا اور طعن لگانا عبادت وکرامت ہے میں داخل ہے بلکہ ان کے احوال سے اعراض کرنا اچھا ہے۔

(مکتوب ۱۷ دفتر دوم) حضرت خیر البشرﷺ کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا وہوس۔ جب جاہ وریاست اور طلب رفعت ومنزلت سے دور سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ نفس امارہ کی رذیلہ اور کمینہ خصلتیں ہیں اور ان کے نفوس حضرت خیر البشرﷺ کی صحبت میں پاک وصاف ہو چکے تھے البتہ اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ ان لڑائی جھگڑوں میں جو حضرت امیرؓ کی خلافت میں واقع ہوئے حق حضرت امیرؓ کی جانب تھا اور ان کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا خطائے اجتہادی کی طرح طعن وملامت سے دور ہے پھر فسق کی طرف منسوب کرنے کی کیا مجال ہے۔ کیونکہ اصحاب سب کے سب عدول ہیں اور سب کی روایات مقبول ہیں۔ پس سب کو دوست جاننا چاہئے کیونکہ ان کی دوستی حضرت پیغمبر علیہ السلام کی دوستی کا نتیجہ ہے۔ رسول خداﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور ان کی بغض ودشمنی سے بچنا چاہئے کیونکہ ان کا بغض آنحضرتﷺ کا بغض ہے۔ رسول خداﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا اس نے گویا میرے بغض کے باعث ان کے ساتھ بغض رکھا۔ ان بزرگواروں کی تعظیم وتوقیر میں حضرت خیر البشرﷺ کی تعظیم وتوقیر ہے اور ان کی بے قدری میں رسول اللہﷺ کی بے قدری ہے۔ غرض حضرت خیر البشرﷺ کی صحبت کی تعظیم کے باعث ان سب کی تعظیم وتوقیر بجالانا چاہئے۔ حضرت شیخ شبلیؒ نے فرمایا کہ جس نے اصحاب کی عزت نہ کی وہ رسول کے ساتھ ایمان نہیں لایا۔

کم بخت یزید

(مکتوب ۵۴ دفتر اول) اور کم بخت یزید اصحاب سے نہیں ہے اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے جو کام اس بدبخت نے کیا ہے کوئی کافر فرنگ بھی نہیں کرتا۔

صحابہ کا انکار

(مکتوب ۸۰ دفتر اول) بعض (صحابہ کرام) کا انکار کرنے سے بعض کی متابعت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزت وتعظیم کی ہے اور ان کو اقتدار کے لائق جان کر ان سے بیعت کی پس خلفائے راشدین کا انکار کرنا حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افتراء ہے بلکہ وہ انکار درحقیقت حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کا انکار ہے اور ان کے افعال واقوال کا صریح رد ہے اور تقیہ کے احتمال کو حضرت اسد اللہ کرم اللہ وجہہ کے حق میں دخل بھی بے وقوفی ہے۔ عقل صحیح ہرگز اس کو جائز نہیں سمجھتی کہ حضرت اسد اللہ باوجود کمال معرفت وشجاعت کے خلفائے راشدین کو تیس سال تک پوشیدہ رکھیں اور ان کے برخلاف کچھ ظاہر نہ کریں۔

(مکتوب ۹۶ دفتر دوم) یہ شبہ (کاغذ پیش نہ کرنے کا) اور اس قسم کے شبہات جو بعض لوگ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور باقی اصحاب کرام پر وارد کرتے ہیں اور اس قسم کی تشکیکات اور شبہات سے ان کو رد کرنا چاہتے ہیں اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف ومرتبہ کو قبول کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا وہوس سے پاک وصاف ہو چکے تھے اور ان کے سینوں سے عداوت و کینہ نکل چکا تھا اور ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہی وہ اسلام اور دین کے بزرگوار ہیں جنہوں نے کلمہ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سید انام کی مدد اور دین متین کی تائید کے لیے رات دن اور ظاہر و باطن، گھربار، کھیتی باری، کیاری باغ وانہار وغیرہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں چھوڑ دیا اپنی جان ومال اور اولاد کی محبت پر رسول اللہ ﷺ کی محبت کو ترجیح دی۔ ان بزرگواروں نے وحی وفرشتہ کا مشاہدہ کیا تھا اور معجزات وخوارق کو دیکھا تھا۔ ان کا غیب شہادت سے ان کا علم عین سے بدل چکا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرماتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔" تورات اور انجیل سے ان کی یہی مثال ہے۔ جب تمام اصحاب کرام ان کرامات اور فضائل میں شریک ہیں تو خلفائے راشدین جو تمام اصحاب سے افضل واعلیٰ ہیں ان کی فضیلت وبزرگی کس قدر ہو گی۔ یہی وہ حضرت فاروق اعظمؓ ہیں جن کی شان میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے۔" اے نبی! تجھ کو اللہ تعالیٰ اور تیرے تابعدار مومن کافی ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیات کریمہ کی شان نزول حضرت فاروق اعظمؓ کا اسلام ہے۔ نظر انصاف کے ساتھ دیکھنے اور حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کے قبول کرنے اور اصحاب کرام کے

درجات کی بلندی اور بزرگی معلوم کرنے کے بعد امید ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے تشکیکات پیدا کرنے والے لوگ ان شبہات کو مغالطوں اور زر سے منڈھی ہوئی خیالی باتوں کی طرح بے اعتبار اور خوار خیال کریں گے- اور اگر ان شبہات میں غلطی کی تجویز نہ کریں اور ان کو خیالی اور وہمی باتوں کی طرح نہ سمجھیں تو کم ازکم اتنا ضرور جان لیں گے کہ ان شبہات اور تشکیکات کا ماحصل ہیچ و پوچ ہے بلکہ اسلام کی ہدایت اور ضرورت کے برخلاف ہے اور کتاب وسنت کے مقابلے میں مردود اور مطرود ہے- (اس سلسلے میں چند مقدمات)

مقدمہ اول: یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام منطوقات ومعقولات یعنی اقوال وگفتار کے مطابق نہ تھے- وماینطق عن الھوی نص قرآنی سے مخصوص ہے جیسے کہ مفسرین نے بیان کیا ہے- اگر آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال وگفتار وحی کے موافق ہوتے تو حق تعالیٰ کی طرف سے بعض اقوال پر اعتراض وارد نہ ہوتا اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی- اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب کرکے فرماتا

"اللہ تعالیٰ نے تجھ کو معاف کردیا کہ تو نے ان کو کیوں اذن دیا"

مقدمہ دوم: احکام اجتہادیہ اور عقلیہ میں آیات کریمہ "اے داناؤ عبرت پکڑو" اور آیت کریمہ "کام میں ان سے مشورہ کیا کرو-" کے بموجب اصحاب کرام کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ گفتگو کی گنجائش اور رد و بدل مجال تھی کیونکہ اعتبار و مشورہ کا امر کرنا رد و بدل کے حاصل ہونے کے بغیر متصور نہیں- جنگ بدر کے قیدیوں اور فدیہ کے بارے میں اختلاف واقع ہوا تھا تو حضرت فاروقؓ نے قتل کا حکم دیا تھا اور وحی حضرت فاروقؓ کے حکم کے موافق آئی اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی- آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے "اگر عذاب نازل ہوتا تو عمرؓ اور سعدؓ بن معاذ کے بغیر کوئی نجات نہ پاتا کیونکہ حضرت سعدؓ نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا حکم دیا تھا-

مقدمہ چہارم: حضرت فاروقؓ بلکہ خلفائے ثلاثہ کے لیے کتاب وسنت میں جنت کی خوش خبری ہے- احادیث میں جنت کی بشارت ہے- ثقہ راویوں کی کثرت تواتر تک پہنچ چکی ہے جن کا انکار کرنا سراسر جہالت ہے- ان احادیث کے راوی سب کے سب صحابہ اور تابعین ہیں- ان بزرگوار کی بشارت کے لیے قرآن مجید کافی ہے-

مقدمہ پنجم: کاغذ لانے میں حضرت فاروقؓ کا توقف کرنا رد و بدل وانکار کے باعث نہ تھا- حضرت فاروقؓ کا استفہام اور استفسار سے مطلب یہ تھا کہ اگر آپ کوشش واہتمام کے ساتھ کاغذ طلب فرمائیں تو لایا جائے- اگر کوشش نہ فرمائیں تو ایسے نازک وقت میں آپ کو تکلیف نہ دینی چاہئے کیونکہ اگر امر وحی

سے کاغذ طلب فرمایا ہے تو تاکید اور مبالغہ سے کاغذ طلب فرمائیں گے اور جو کچھ حکم ہوگا لکھیں گے کیونکہ وحی کی تبلیغ نبی پر واجب ہے۔جب آنحضرت ﷺ نے اس بارے میں اہتمام نہ فرمایا بلکہ اس امر سے اعراض فرمایا تو معلوم ہوا کہ آپ کا فرمانا وحی کی رو سے نہ تھا وہ توقف جو بمجرد استفسار کے لیے ہو مذموم نہیں ہوتا۔اگر حضرت فاروقؓ نے استفسار اور استفہام کے لیے کاغذ لانے میں توقف فرمایا ہو تو کیا مضائقہ ہے۔

مقدمہ ششم: آنحضرت ﷺ کے شرف صحبت کے حاصل ہونے کے باعث اصحاب کرام کے ساتھ حُسنِ ظن ضروری ہے۔اور اس امر کا جاننا ضروری ہے کہ تمام زمانوں سے بہتر زمانہ نبی ﷺ کا زمانہ تھا اور ان کے اصحاب انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے بعد تمام نبی آدم سے بہتر تھے تاکہ یقین ہو جائے کہ نبی ﷺ کے رحلت فرمانے کے بعد بہترین زمانہ میں وہ لوگ ہیں جو انبیاء کرام کے بعد تمام نبی آدم سے بہتر ہیں باطل عمل پر اجتماع نہ کریں گے۔کافروں اور فاسقوں کو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین نہ بنا جائیں گے۔اگر حضرت فاروقؓ کا کاغذ لانے سے منع کرنا کفر کا باعث ہوتا تو حضرت صدیق اکبرؓ جو نص قرآنی کے ساتھ اس بہترین امت میں سے زیادہ متقی ثابت ہو چکے ہیں اور حضرت عمرؓ کی خلافت پر تنقیص وتصریح نہ کرتے۔مہاجرین وانصار حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے اور پیغمبر ﷺ کا جانشین نہ بناتے۔

نوٹ: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے حالات زندگی میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک طالب علم حضرت امیر معاویہؓ سے بسبب منازعت حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کدورت رکھتا تھا۔ اس نے آپ کے مکتوبات شریف میں لکھا دیکھا کہ حضرت امام مالک کے نزدیک اصحاب کبار کے منکر کی ایک ہی سزا ہے خواہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کا انکار کرے یا امیر معاویہؓ کا۔اس پر وہ طالب علم معترض ہوا۔اس نے رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے (حضرت مجددؒ) نے اس کو حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں پیش کیا (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) انہوں نے فرمایا۔خبردار ان مکتوبات پر اعتراض نہ کرنا اور جنگ باہمی کے اسرار کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکے۔

صحابہ کرام کا مقام ومرتبہ مکتوبات کی روشنی میں

حضرت صدیق اکبرؓ کا بلند مقام

(مکتوبات ۱۰ دفتر اول) اس مقام کے اوپر دو مقامات بھی جن کا اب ذکر ہوتا ہے تکمیل وارشاد کے مقامات ہیں- اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا جب اس مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا یہ حضرت فاروق اعظمؓ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے- اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام ظاہر ہوا- بندہ اس مقام پر بھی پہنچا اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کو ہر مقام میں اپنے ساتھ پاتا تھا اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے- اس مقام سے اوپر سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا- اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر نہ آیا تھا ظاہر ہوا- وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا- جس طرح کہ صفہ کو سطح زمین سے بلند بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے- وہ مقام رنگین اور منقش تھا- حضرت خواجہ بزرگ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ حضرت صدیق اکبرؓ کے مقام میں ہیں- ابو المکارم رکن الدین شیخ علاؤ الدولہؒ اپنی بعض تصنیفات میں فرماتے ہیں کہ عالم وجود کے اوپر بادشاہ وجود کا عالم ہے اور مقام صدیقیت مقام بقاء سے ہے جو عالم کی طرف توجہ رکھتا ہے-

(مکتوب ۸/ دفتر اول) مقام ولایت سے اوپر مقام شہادت ہے اور ولایت کو شہادت سے وہی نسبت جو تجلی صوری کو تجلی ذاتی سے ہے بلکہ ولایت وشہادت کا درمیانی بُعد ان دونوں تجلیوں کے درمیانی بعد سے کئی درجے زیادہ ہے- اور صرف مقام شہادت سے اوپر مقام صدیقیت ہے اور اس مقام سے اوپر سوائے مقام نبوت کے اور کوئی مقام نہیں- اور ممکن نہیں کہ مقام صدیقیت اور نبوت کے درمیان کوئی اور مقام ہو-

(مکتوب ۵۹ دفتر اول) تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں سے افضل حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں- امام شافعیؒ جو اصحاب کے حالات سے بخوبی واقف ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگ بہت بے قرار ہو گئے پس ان کو حضرت ابو بکرؓ سے بہتر کوئی شخص آسمان

کے سایہ تلے نہ ملا - پس انہوں نے والی بنالیا - یہ صریح ولایت ہے اور اس بات پر کہ تمام صحابہ حضرت صدیق اکبرؓ کے افضل ہونے پر متفق ہیں اور ان کے افضل ہونے میں یہ اجماع صدر اول میں ہوا - یہ اجماع قطعی ہے جس میں انکار کو دخل نہیں ہے -

(مکتوب ۸۰ دفتر اول) اور مقرر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے دن تینتیس ہزار اصحاب حاضر تھے جنہوں نے رضا و رغبت سے حضرت صدیق اکبرؓ سے بیعت کی - اتنے اصحاب کی گمراہی پر جمع ہونا محال ہے - حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی - اور جو توقف ابتداء میں حضرت امیرؓ سے واقع ہوا ہے وہ اس واسطے ناراض ہوئے ہیں کہ ہم کو مشورہ میں بلایا نہیں گیا ورنہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ابوبکرؓ بہتر ہے - اور ان کا نہ بلانا شاید کسی حکمت پر مبنی ہوگا مثل اس کے کہ اہل بیت کو حضرت امیرؓ کے موجود ہونے سے مصیبت کے صدمہ اول کے وقت تسلی ہو -

(مکتوب ۲۰۲ دفتر اول) وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل جانے اس کا امر دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل - صرف چند سال ہوئے کہ اس فقیر نے ایک مکتوب میں لکھا تھا - وہ شخص جو حضرت امیرؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل کہے اہل سنت والجماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے - سنت کا اجماع اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ تمام انسانوں سے افضل ہیں اور وہ بڑا ہی احمق ہے جو اس اجماع کے خلاف کرے -

حضرت علی المرتضیٰ

(مکتوب ۲۵۱ دفتر اول) چونکہ حضرت امیرؓ ولایت محمدی کا بوجھ اٹھانے (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) والے ہیں اس لیے اقطاب وابدال واوتاد (جو اولیائے عزلت میں سے ہیں حد کمالات ولایت کی جانب ان میں غالب ہے -) کے مقام تربیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی امداد و اعانت کے سپرد ہے - قطب الاقطاب یعنی قطب مدار کا سر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے قدم کے نیچے ہے - قطب مدار ان ہی کی حمایت و رعایت سے اپنے ضروری امور کو سرانجام دیتا ہے اور مداریت سے عہدہ برا ہوتا ہے - حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور امامینؓ بھی اس مقام میں حضرت امیرؓ کے ساتھ شریک ہیں - (حدیث شریف) طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا - جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے - حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں سے برے لوگ وہ ہیں جو میرے اصحاب پر دلیر ہیں -

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کمالات محمدی کے حاصل ہونے اور ولایت مصطفوی

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درجوں پر پہنچنے کے باوجود گزشتہ انبیاء کے درمیان ولایت کی طرف ابراہیم علیٰ انبیاء وعلیہ والصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور دعوت کی طرف میں جو مقام نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت ذوالنورینؓ دونوں طرف میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیرؓ دونوں طرف میں حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حکمۃ اللہ ہیں اس لیے نبوت کی جانب سے ولایت کی طرف ان میں غالب اور حضرت امیر بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی طرف غالب ہیں اور خلفاء اربعہ کے تعینات کے مبادی جہات کے اختلاف کے بموجب اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت العلم ہے اور وہ صفت باعتبار اجمال حضرت محمد ﷺ کا رب ہے۔ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ مراتب کے اختلاف کے موافق نبوت محمدی ﷺ کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت امیرؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مناسبت اور جانب ولایت غلبہ کے باعث ولایت محمدی کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت ذوالنورینؓ کو برزخیت کے اعتبار سے ہر دو طرف کے بوجھ اٹھانے والا فرمایا ہے۔

(مکتوب ۲۵۱ دفتر اول) اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ گویا بہشت تمام حضرت صدیق اکبرؓ کے نور سے بھرا ہوا ہے حضرت صدیق اکبرؓ حضرت پیغمبر کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف علو وسفل یعنی بلندی اور پستی کا ہے حضرت صدیق اکبرؓ کی نسبت کیا بیان کیا جائے کہ حضرت عمرؓ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں جیسے کہ حضرت مخبر صادق ﷺ نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔

(مکتوب ۱۲۲ دفتر اول) اس بلند طریق کے سرحلقہ حضرت صدیق اکبرؓ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تحقیقی طور پر تمام بنی آدم سے افضل ہیں اور اسی اعتبار سے اس طریق کے بزرگ واروں کی عبارتوں میں آیا ہے کہ ہماری نسبت تمام سے بڑھ کر ہے کیونکہ ان کی نسبت جس مراد خاص حضور اور آگاہی ہے۔ بعینہ حضرت صدیق اکبرؓ کی نسبت اور حضور ہے جو تمام آگاہیوں سے بڑھ کر ہے اور اس طریق میں نہایت کو ابتداء میں درج کرتے ہیں۔

(مکتوب ۳۹ دفتر دوم) کوئی شخص ایسا نہیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سبقت لے گیا ہو اور اس امت کے سابقوں کے سابق اور اس وقت کے پہلوں کے پہلے وہی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ذریعے افضلیت واسبقیت کی دولت سے مشرف ہوئے اور ان ہی کے واسطے دوسروں سے بڑھ گئے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ حضرت فاروقؓ کو خلیفہ فاروقؓ کہا کرتے تھے۔ اور خطبہ میں خلیفۃ الرسول اللہ یعنی رسول اللہ کے خلیفے کا خلیفہ پڑھا کرتے تھے۔ اس معاملے کے شہسوار حضرت صدیق اکبرؓ ہیں اور حضرت فاروقؓ ان

کے ردیف ہیں کیا ہی عمدہ ردیف ہے جو شہسوار کے ساتھ ہم راہی اختیار کرے اور خاص خاص اوصاف میں ان کے شریک ہے۔

(مکتوب ۹۶ دفتر دوم) تمام اہل تفسیر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ لا یستوی حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو انفاق و مقاتلہ میں سب سابقین سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا مومنین سے جب انہوں نے درخت کے نیچے تیری بیعت کی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔

(مکتوب ۹۹ دفتر دوم) صدیق اکبرؓ اسی واسطے افضل ہیں کہ ایمان میں تمام سابقین میں سے اسبق اور بڑھے ہوئے ہیں اور خدمات لائقہ میں اپنے مال و جان کو بکثرت خرچ کیا۔ بعض لوگ دوسروں کے بکثرت مناقب و فضائل پر نظر کر کے حضرت صدیق اکبرؓ کی افضلیت میں توقف کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اگر افضلیت کا سبب مناقب و فضائل کا بکثرت ہونا ہوتا تو امت کے بعض لوگ جو بہت سے فضائل رکھتے ہیں اپنے نبی سے افضل ہوتے ہیں جس میں یہ فضائل نہیں پس معلوم ہوا کہ افضلیت کا باعث ان فضائل و مناقب کے سوا کچھ اور امر ہے اور وہ امر اس فقیر کے خیال میں دین کی سب سے بڑھ کر تائید کرنی اور دین رب العالمین کی مدد میں سب سے زیادہ مال و جان کا خرچ کرنا ہے۔ چونکہ پیغمبر تمام امت سے اسبق ہے اس لیے سب سے افضل ہے۔ اسی طرح جو شخص ان امور میں اسبق ہے تمام مسبوقوں سے افضل ہے۔ سابق یعنی پہلا شخص گویا امر دین کے لاحقوں یعنی پچھلوں کا استاد و معلم ہے۔ لاحقین سابقین کے انوار سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور ان کی برکات سے فیض پاتے ہیں۔ اس امر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس اعلیٰ دولت کے مالک حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔ جو دین کی تائید اور حضرت سید المرسلین ﷺ کی درد اور فساد کے رفع کرنے کے لیے لڑائی جھگڑے اور مال و جان کے خرچ کرنے اور اپنی عزت و جاہ کے پرواہ نہ کرنے میں تمام سابقین میں سے اسبق اور بڑھے ہوئے ہیں اس لیے دوسروں سے افضلیت ان ہی پر مسلم ہوگی۔

(مکتوب ۱۷ دفتر دوم) ایمان میں سب سے سابق ہونا۔ دین کی تائید اور مذہب کی ترقی کے لیے سب سے زیادہ مال و جان کو خرچ کرنا ہے کیونکہ سابق گویا دین کے امر میں لاحق کا استاد ہے اور لاحق جو کچھ پاتا ہے سابق دولت سے پاتا ہے۔ یہ تینوں صفتیں کامل طور پر حضرت صدیق اکبرؓ ہی میں منحصر ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں جو سب سے اول ایمان لائے اور مال و جان سب کچھ قربان کر دیا اور یہ

دولت اس امت میں ان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوئی- رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا کہ لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جس نے مجھ پر ابو بکرؓ بن ابو قحافہ سے بڑھ کر مال و جان میں احسان کیا ہو- اگر میں کسی کو دوست بنانا چاہتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلامی دوستی افضل ہے-" اس مسجد میں میں ابو بکرؓ کے دریچہ کے سوا جتنے اور دریچے ہیں سب کو میری طرف سے بند کر دو-" اور فرمایا ہے-" اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا- تم نے مجھے جھٹلایا اور ابو بکرؓ نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری ہمدردی اور غم خواری کی- کیا تم میرے لیے میرا دوست نہیں چھوڑتے" حضرت علی المرتضیٰؓ امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اس امت میں سب سے افضل ہیں- جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے وہ مفتری ہے- میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں-

(مکتوب ۳۴ دفتر سوم) میری امت میں سے زیادہ رحم کرنے والا میری امت پر ابو بکرؓ ہے-

حضرت ابن عباس اور دوسرے مفسرین کا اجماع ہے اس امر پر کہ آیات کریمہ **ویسجنبوا الاتقی** حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی اور اتقیٰ سے مراد حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ خیر الامم کا اتقیٰ فرماتا ہے تو پھر خیال کرنا چاہئے کہ اس کی تکفیر و تفسیق یعنی کافر- فاسق اور گمراہ کہنا کس قدر برا ہے- امام فخر الدین رازیؒ نے اسی آیات سے حضرت صدیق اکبرؓ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے حضرت امیرؓ نے بھی حضرات شیخینؓ کی افضلیت کا حکم کیا ہے- امام ذہبی نے جو بزرگ محدثین میں سے ہیں فرمایا ہے کہ اس نقل کو حضرت امیرؓ سے اسی آدمیوں سے زیادہ نے روایت کیا ہے اور عبدالرزاق نے بھی جو اکابر شیعہ میں سے ہے اس نقل کے مطابق حضرات شیخینؓ کی افضلیت کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ میں شیخین کو اس لیے افضل جانتا ہوں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے خود اپنے آپ پر ان کو فضیلت دی ہے ورنہ میں کبھی ان کو فضیلت نہ دیتا- میرے لیے اتنا ہی گناہ کافی ہے کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محبت رکھوں اور ان کی مخالفت کروں-

(مکتوب ۷۷ دفتر سوم) اور وہی اس عجز کے مصدر ہیں جو تمام عارفوں کے سردار اور تمام صدیقوں کے رئیس ہیں علم کیا ہے جو اس عجز سے سبقت لے جاسکے اور وہ کونسا قادر اور زور آور ہے جو اس عاجز یعنی حضرت صدیقؓ سے آگے ہو سکے- ہاں جب حضرت صدیقؓ کے خواجہ حضرت محمد ﷺ کے حق میں اس طرح کہتا ہے تو پھر اگر حضرت صدیقؓ کے حق میں اس طرح کہہ دے تو کیا عجب ہے اور اس کا کیا علاج کیا جائے (شیخ محی الدین عربی)

(مکتوب ۵۹ دفتر اول) تمام اصحابہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں افضل حضرت ابو بکر صدیقؓ

ہیں۔(امام شافعیؒ کا قول پہلے درج ہو چکا ہے۔)

(مکتوب ۲۵۶ دفتر اول) اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ایمان امت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو البتہ غالب آ جائے چونکہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ایمان کے متعلق تمام امت کے متعلقات سے برتر ہے اس لیے راجح و غالب ہے۔(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی خلافت و مملکت کے زمانہ میں اور آپ کے تابعداروں میں سے ایک جم غفیر کے درمیان یہ بات بطریق تواتر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تمام امت سے افضل ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ اس بات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی آدمیوں سے کچھ زیادہ نے روایات کیا ہے اور ان میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے۔اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے یہ کیسے جاہل ہیں۔امام ذہبیؒ اور حضرت علیؓ سے صحیح کیا ہے۔آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ مجھے ان دونوں پر فضیلت دیتے ہیں اور جس کو پاؤں گا کہ مجھے ان پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہوگی جو مفتری کی ہوتی ہے۔"اور جو شخص سب کو برابر جانے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے وہ ابو الفضول اور احمق ہے اور کیسا ابو الفضول ہے جو اہل حق کے اجماع کو فضول جانتا ہے۔یہ جو صاحب فتوحات مکیہ نے کہا ہے کہ ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے۔فضیلت میں مساوات پر دلالت نہیں کرتا۔کیونکہ خلافت امر دیگر ہے اور افضلیت کی بحث دیگر۔اگر مان بھی لیا جائے تو یہ بات اور اس قسم کی باتیں اس کی شطحات کی قسم سے ہیں جو تمسک کے لائق نہیں۔

(مکتوب ۲۶۰ دفتر اول) جاننا چاہئے کہ منصب نبوت حضرت خاتم الرسل علیہ وآلہ والصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے اس منصب کے کمالات سے تابعداری کے باعث آپ کے تابعداروں کا بھی کامل حصہ حاصل ہوا ہے۔یہ کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ ہیں تابعین اور تبع تابعین میں بھی اس دولت نے کچھ کچھ اثر کیا ہوا ہے۔اس کے بعد یہ کمالات پوشیدہ ہو گئے ہیں اور ولایت ظلی کے کمالات جلوہ گر ہوئے ہیں۔

(مکتوب ۲۱ دفتر اول) کیونکہ صحابہ کرام کو نبی ﷺ کی پہلی صحبت میں وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو دوسروں کو انتہا میں بھی بمشکل حاصل ہو سکے۔

(مکتوب ۲۱۰ دفتر اول) اس لیے کہ ان کا ایمان شہودی ہے۔(صحبت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے) اور دوسروں کو یہ دولت ہرگز نصیب نہیں ہوئی اور تمام اصحاب اس فضیلت میں برابر ہیں پس سب کو بزرگوار جاننا چاہئے۔اور نیکی سے یاد کرنا چاہئے کیونکہ اصحاب سب کے سب عادل ہیں اور روایت اور

تبلیغ احکام میں سب برابر ہیں- ایک کی روایت کو دوسرے کی روایت پر کوئی زیادتی نہیں ہے- قرآن مجید اٹھانے والے یہی لوگ ہیں اور آیات متفرقہ کو ان کے عادل ہونے کے بھروسا پر ہر ایک سے دو آیات یا تین آیات کم وبیش اخذ کر کے جمع کیا ہے- اگر اصحاب میں سے کسی پر طعن کریں تو وہ قرآن مجید کے طعن تک پہنچتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے- کہ بعض آیات کا حامل وہی ہو اور ان مخالفتوں اور جھگڑوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا پس ہمیں چاہئے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں اور اس قسم کا مقولہ امام اجل حضرت امام جعفر صادقؒ سے بھی منقول ہے-

(مکتوب ۵۸ دفتر اول) حضرت عبداللہؓ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ معاویہؓ افضل ہے یا عمر بن عبدالعزیزؒ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ گرد و غبار جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں پڑا ہے وہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی گناہ بہتر ہے-

(مکتوب ۵۹ دفتر اول) بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو ستاروں کی مانند فرمایا ہے اور اہل بیت کو کشتی نوح علیہ السلام کی طرح - اس میں اشارہ ہے کہ کشتی کے سوار کے لیے ستاروں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے تا کہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جائے اور ستاروں کی رعایت کے بغیر نجات محال ہے اور اس بات کو اچھی طرح معلوم کریں کہ بعض کا انکار کرنا سب کے انکار کو مستلزم ہے کیونکہ حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کی فضیلت میں سب صحابہ مشترک ہیں اور صحبت کی فضیلت تمام فضیلتوں اور کمالات سے بڑھ کر ہے- یہی وجہ ہے کہ حضرت اویس قرنیؒ جو تمام تابعین میں سے اچھا ہے ایک ادنیٰ صحابہ کے درجے کو نہیں پہنچا- پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہوگی کیونکہ ان کا ایمان صحبت اور نزول وحی کی برکت سے شہودی ہو گیا تھا اور صحابہ کے (علاوہ) کسی کو اس درجہ کا ایمان نصیب نہیں ہوا- اور اعمال ایمان پر مترتب ہوتے ہیں اور کمال ایمان کے کمال کے موافق حاصل ہوتا ہے- جو کچھ ان کے درمیان لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ہیں سب بہتر حکمتوں اور نیک گمانوں پر محمول ہیں- وہ حرص و ہوا اور جہالت سے نہ تھے بلکہ وہ اجتہاد اور علم کی رو سے تھے اور اگر ان میں سے کسی نے اجتہاد میں خطا کی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطا وار کے لیے بھی ایک درجہ ہے اور یہی افراط و تفریط کے درمیان سیدھا راستہ ہے جس کو اہل سنت والجماعت نے اختیار کیا ہے- یہی بچاؤ والا اور مضبوط راستہ ہے-

(مکتوب ۲۴ دفتر سوم) جب حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے حق میں صحیح حدیثوں کی رو سے تواتر معنی کی حد تک پہنچ چکی ہیں جنت کی بشارت آ چکی ہے تو پھر کفر و گمراہی کا احتمال ان سے دور ہو چکا ہے نیز حضرات

شیخینؓ اہل بدر سے صحیح احادیث کی رو سے بہشتی ثابت ہو چکے ہیں اور حضرت عثمانؓ جو جنگ بدر میں حاضر نہ تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی اہلیہ محترمہ یعنی آنحضرت ﷺ کی بیٹی بیمار تھیں۔ ان کی تیمارداری (دیکھ بھال) کے لیے آنحضرت ﷺ ان کو مدینہ منورہ میں چھوڑنے آئے تھے اور فرمایا تھا کہ جو اہل بدر کو فضیلت حاصل ہوگی تم کو بھی وہی حاصل ہوگی اور بیعت رضوان میں حضرت عثمانؓ کے حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا اور ان کی طرف سے خود بیعت فرمائی تھی جیسے کہ مشہور ہے۔ نیز قرآن مجید بھی ان حضرات کی بزرگی کی شہادت دیتا ہے اور ان کے بلند درجات کی خبر دیتا ہے۔ جو شخص کتاب و سنت سے آنکھیں بند کر کے ضد و تعصب کرے وہ مبحث سے خارج ہے۔ ہائے افسوس! اگر حضرت صدیق اکبرؓ میں کفر و گمراہی کا احتمال متصور ہوتا تو اصحاب پیغمبرؐ باوجود اس قدر عادل اور زیادہ ہونے کے ان کو پیغمبر ﷺ کا جانشین نہ بناتے۔ حضرت صدیقؓ کی تکذیب میں اس خیر القرون زمانہ کے تینتیس ہزار اصحاب کی تکذیب ہے۔ اس بات کو ادنیٰ آدمی بھی پسند نہیں کرتا جب اس زمانے کے تینتیس ہزار آدمی باطل پر جمع ہوں۔ گمراہ اور گمراہ کنندہ کو پیغمبر کا جانشین بنادیں تو اس زمانہ میں کون سی خیریت رہی ہوگی آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ "میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ہی بغض کے باعث ان سے بغض رکھا۔" گزشتہ انبیاء علیہ السلام کی کتابوں میں ان کی (حضرت ابو بکر صدیقؓ) بلکہ تمام صحابہ کے اوصاف اور شمائل کا ذکر آیا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان کی تعریف توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی" اور تمام امتوں میں سے اس بہتر امت کے سردار اور رئیس بھی وہی ہیں۔ جب ان کو کافر اور گمراہ جانیں تو پھر اوروں کا کیا حال ہے۔

(مکتوب ۲۵ دفتر اول) چاہیئے کہ نبی ﷺ کی متابعت اور ان کے خلفائے راشدین مہدیین کی متابعت کو لازم پکڑیں کیونکہ وہ ہدایت کے ستارے اور ولایت کے آفتاب ہیں پس جس شخص کو ان کی تابعداری کا شرف حاصل ہوا۔ وہی دونوں جہانوں میں بڑھ کر کامیاب ہوا اور جو ان کی مخالفت پر پیدا ہوا وہ سخت گمراہ ہو گیا۔

مقام صدیقیت

(مکتوب ۴۱) مقام صدیقیت جو تمام مقامات ولایت سے بالاتر ہے اور مقام صدیقیت سے بڑھ کر مقام نبوت ہے۔ جو علوم نبی ﷺ کو وحی کے ذریعے پہنچے ہیں حضرت ابو بکرؓ کو الہام کے طور پر

منکشف ہوئے ہیں۔ ان دونوں علوم کے درمیان صرف وحی اور الہام کا فرق ہے پھر مخالفت کی کیا مجال ہوگی اور مقام صدیقیت کے سوا اور جس قدر مقامات ہیں ان میں ایک قسم کا شکر مستحق ہے۔ صحو تام صرف مقام صدیقیت میں ہے۔

وحی اور الہام میں فرق

وحی میں قطع ہے۔ الہام میں ظن کیونکہ وحی بذریعہ فرشتہ ہے۔ اور فرشتے معصوم ہیں ان میں خطا کا احتمال نہیں اور الہام میں اگرچہ محل عالی رکھتا ہے جسے قلب کہتے ہیں اور قلب عالم امر سے ہے لیکن قلب کا عقل اور نفس کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ثابت ہے اور نفس اگرچہ تزکیہ کے ساتھ مطمئنہ ہو جائے لیکن اپنی صفات ہرگز نہیں بدلتا۔ اسی واسطے اس مقام میں خطا کی مجال ظاہر ہے۔ ترقی کا حاصل ہونا نفس کی مخالفت کے باعث ہے۔ اگر نفس میں مخالفت نہ رہی تو ترقی کیسے ہوگی۔

حضرت صدیق اکبرؓ سے نسبت

(مکتوب ۳۱۳ دفتر اول) کسی نے (خواجہ محمد ہاشم) سے سوال کیا کہ اس طریق کی نسبت سے حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب ہے برخلاف دوسرے طریقوں کے۔ اگر مدعی کہے کہ دوسرے بھی اکثر طریق حضرت امام جعفر صادقؓ تک پہنچتے ہیں اور حضرت امام جعفر صادقؓ حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب ہیں۔ اور وہ دوسرے سلسلے حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف کیوں منسوب نہ ہوں؟

جواب: حضرت امام صادقؓ حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی نسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیرؓ (حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ) سے بھی اور حضرت امام دونوں اعلیٰ نسبتوں کی جمع کے باوجود ہر ایک نسبت کے کمالات جدا اور دوسرے سے متمیز ہیں۔ بعض صدیقی مناسبت کے باعث حضرت امامؓ سے نسبت صدیقیہ حاصل کی اور حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب ہو گئے اور بعض نے امیری (حضرت علیؓ) کی مناسبت کے باعث نسبت حضرت امیرؓ سے اخذ کی اور حضرت امیرؓ کی طرف منسوب ہو گئے۔ یہ فقیر ایک دفعہ پرگنہ بنارس میں گیا ہوا تھا جہاں دریائے گنگا اور جمنا باہم ملتے ہیں۔ وہاں دونوں پانیوں کے ملنے کے باوجود محسوس ہوتا ہے کہ گنگا کا پانی الگ ہے اور جمنا کا پانی جدا دونوں کے درمیان برزخ ہے جو دونوں پانیوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتا اور جو لوگ دریائے گنگا کے پانی کی طرف ہیں وہ اس جمع ہوئے پانی سے گنگا کا پانی پیتے ہیں اور جو لوگ دریائے جمنا کے پانی کی طرف ہیں وہ دریائے جمنا کا پانی پیتے ہیں۔ پس حضرت امیرؓ کی نسبت بعینہ حضرت صدیق اکبرؓ کی نسبت ہے اور پھر ان میں کیا فرق ہے۔

نسبت کے متحد ہونے کے باوجود محل و مقام کے تعدد کی خصوصیات اپنے حال پر ہیں-ایک ہی پانی مختلف مکانوں کے باعث الگ الگ خصوصیات پیدا کر لیتا ہے پس جائز ہے کہ ہر ایک کی خصوصیت کی طرف نظر کر کے ہر ایک طریقہ اس کی طرف منسوب ہو-

حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت

(مکتوب ۲۴ دفتر سوم) حضرت صدیق اکبرؓ کی مدح میں قرآن مجید بھرا ہوا ہے اور سورہ ولیل کی تین آیات خاص ان ہی کے فضائل میں نازل ہیں اور بے شمار اور بے حساب صحیح احادیث ان کے فضائل و کمالات میں مروی ہیں- (مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) جاننا چاہئے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی حقیقت اسمائے الٰہی جلشانہٗ میں سے ان کا رب جو ان کا مبداتعین ہے کسی امر کے توسط کے بغیر حقیقت محمدی کا ظل ہے- اس طرح پر کہ جو کچھ اس حقیقت میں موجود ہے اس ظل میں تبعیت و وراثت کے طور پر ثابت ہے اسی واسطے حضرت صدیق اس امت کے وارثوں میں اکمل و افضل ہیں-رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے-"جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا میں نے اسی چیز کو ابوبکرؓ کے سینے میں ڈالا" اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ حقیقت اسرافیلی یہی حقیقت محمدی ہے لیکن احباب وظلیت کے طریق پر نہیں جیسے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی حقیقت اس حقیقت کا ظل ہے بلکہ یہاں دونوں اصالت رکھتی ہیں-کوئی ظلیت درمیان میں حائل نہیں فرق صرف کلیّت اور جزئیت کا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کل ہیں- اسی واسطے وہ حقیقت آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی سے مسمّی ہے اور ملائکہ کرام کے حقائق اس حقیقت اسرافیلی سے پیدا ہوئے ہیں-

(مبداء و معاد) چنانچہ امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ جو انبیاء کے بعد تمام بنی نوع انسان سے افضل ہیں کا انتہائی عروج قدم نبی کے تلے تک ہے جو تمام انبیاء سے ادنیٰ ہے-

امامت

(مکتوب ٦٠ دفتر دوم) امامت دین کے فروغ میں سے ہے نہ شریعت کے اصول سے- ضروریات دینی اور ہیں جو اعتقاد و عمل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کا متکفل علم کلام اور علم فقہ ہے- ضروریات کو چھوڑ کر فضولیات میں مشغول ہونا اپنی عمر کو بے ہودہ باتوں میں صرف کرنا ہے-اگر امامت کی بحث دین کی ضروریات اور شریعت کے اصول سے ہوتی جیسے کہ شیعہ نے گمان کیا ہے تو چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں استخلاف کا تعین فرما کر خلیفہ کی تشخیص فرماتے اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

بھی ایک کی خلافت کا امر فرما جاتے اور تنصیص اور تصریح کے طور پر ایک کو خلیفہ کرتے۔ جب کتاب و سنت میں اس امر کا اہتمام مفہوم نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ امامت کی بحث دین کی فضوت میں سے ہے نہ کہ دین کے اصول سے۔

اطاعت و متابعت رسول اللہ ﷺ

(مکتوب ۵۲ دفتر اول) حق سبحانہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت فرمایا ہے پس خدائے تعالیٰ کی وہ اطاعت جو رسول کی اطاعت کے سوا ہو وہ حق تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے اور اس مطلب کی تاکید و تحقیق کے لیے کلمہ قد اطاع اللہ آیا تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان جدائی ظاہر نہ کرے اور ایک دوسرے پر اختیار نہ کرے۔ اور دوسرے مقام میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ان لوگوں کے حال پر شکایت کرتا ہے جو ان دونوں اطاعتوں کے درمیان تفرقہ ظاہر کرتے ہیں۔

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں اور کہتے ہیں کہ بعض پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ درمیان سے رستہ نکالیں۔ حقیقت میں یہی لوگ کافر ہیں۔''

چنانچہ منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے زمانے میں خرقان کے نزدیک اترا ہوا تھا۔ اس نے اپنے وکیلوں کو شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی خدمت میں بھیجا اور التماس کی کہ اگر شیخ سے توقف معلوم ہو تو یہ آیات کریمہ **واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** پڑھ دینا۔ جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف معلوم کیا تو انہوں نے آیات مذکورہ پڑھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ میں **اطیعو اللہ** میں اس قدر گرفتار ہوں کہ **اطیعو الرسول** سے شرمندہ ہوں تو پھر اولی الامر کا کیا ذکر ہے۔ حضرت شیخ نے حق تعالیٰ کی اطاعت کو اس کے رسول کی اطاعت کے سوا سمجھا یہ بات استقامت سے دور ہے۔ مشائخ مستقیم الاحوال اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور شریعت و طریت و حقیقت کے تمام مراتب میں حق تعالیٰ کی اطاعت کی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں جانتے ہیں۔ اور اس اطاعت کو جو اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے سوا ہے عین گمراہی خیال کرتے ہیں نیز منقول ہے کہ شیخ مہلہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ ایک مجلس میں بیٹھے تھے اور خراسان کے بزرگ سادات سے سید اجل بھی اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً اسی اثنا میں ایک مجذوب مغلوب الحال آ نکلا۔ حضرت شیخ نے اس کو سید اجل پر مقدم کیا۔ سید کو یہ بات ناپسند معلوم ہوئی۔ شیخ نے سید کو فرمایا کہ تمہاری تعظیم رسول علیہا الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے باعث ہے اور اس مجذوب کی تعظیم حق تعالیٰ کی محبت کے سبب ہے۔ مستقیم الاحوال

بزرگ اس قسم سے تفرقہ کو جائز نہیں سمجھتے اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت پر حق تعالیٰ کی محبت کے غلبہ کو شکر حال سے جانتے ہیں۔فضول اور بے ہودہ خیال کرتے ہیں۔لیکن اس قدر ضرور ہے کہ مرتبہ کمال میں جو مرتبہ ولایت ہے حق تعالیٰ کی محبت غالب ہے اور مقام تکمیل میں جہاں کہ مقام نبوت سے نصیب و حصہ ہے رسول اللہ ﷺ کی محبت غالب ہے۔

متابعت کی اقسام

(مکتوب ۵۴ دفتر دوم) آنحضرت ﷺ کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجے اور مرتبے رکھتی ہے۔

پہلا درجہ: عوام کے لیے یعنی تصدیق قلبی کے بعد اور اطمینان نفس سے پہلے وجود درجہ ولایت سے وابستہ ہے احکام شرعیہ اور سنت سینہ کی متابعت ہے اور علمائے ظاہر اور عابد و زاہد جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا۔چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار پر ہی اڑا ہوتا ہے یہ درجہ متابعت کی صورت پر مخصوص ہے۔یہ صورت آخرت کی نجات اور خلاصی کا موجب ہے اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوش خبری دینے والی اور اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔

دوسرا درجہ: آنحضرت ﷺ کے اقوال و اعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے مثلاً تہذیب اور اخلاق اور بری صفتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا رفع کرنا وغیرہ جو مقام طریقت کے متعلق ہیں۔یہ درجہ ارباب سلوک کے ساتھ مخصوص ہے۔

تیسرا درجہ: آنحضرت ﷺ کے ان احوال و اذواق و مواجید کی اتباع ہے جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ درجہ ارباب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے۔ سجو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہیں۔جب مرتبہ ولایت ختم ہو جاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے ہٹ جاتا ہے تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے متابعت کی حقیقت ہوتی ہے منافق و مسلم دونوں نماز کو ادا کرتے ہیں۔منافق چونکہ باطن کا انکار رکھتا ہے اس لیے نماز کی صورت بجالاتا ہے اور مسلمان باطنی اتباع کے باعث نماز کی حقیقت سے آراستہ ہے۔

پس صورت و حقیقت باعتبار اقرار اور انکار باطن کے ہے۔

چوتھا درجہ: نفس کے مطمئن ہونے اور اعمال صالحہ کی حقیقت بجالانے کا درجہ چوتھا درجہ ہے۔علمائے راسخین کے ساتھ مخصوص ہے۔جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہے۔

اگرچہ اولیاء اللہ کو بھی قلب کی تمکین کے بعد تھوڑا سا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے لیکن کمال اطمینان نفس کو

کمالاتِ نبوت کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے- جن کمالات سے علمائے راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے- علمائے راسخین نفس کی کمال اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے- جو اتباع کی حقیقت ہے متحقق ہوتے ہیں- عالم راسخ وہ شخص ہے جس کو کتاب وسنت کی متشابہات کی تاویلات سے بہت سے حصہ حاصل ہے اور حروف مقطعات کے اسرار کو جو قرآنی سورتوں کے اول ہیں بخوبی جانتا ہو- متشابہات کی تاویل پوشیدہ اسرار میں سے ہے- اس اسرار کے مالک انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں- متابعت کا یہ درجہ جو نفس کے اطمینان اور صاحب شریعت کی متابعت کی حقیقت تک پہنچنے پر موقوف ہے- کبھی فنا و بقاء اور سلوک وجذبہ کے وسیلے کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے- اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات وظہورات سے کچھ بھی درمیان میں نہیں آتا-

پانچواں درجہ: آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کے ان کا اتباع ہے- جس کے حاصل ہونے میں علم و عمل کا دخل نہیں بلکہ ان کا حاصل ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر موقوف ہے- یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے- اس درجہ کے مقابلہ میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں- یہ کمالات اصل میں اولعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں یا ان لوگوں کے ساتھ جن کی تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں-

چھٹا درجہ: آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنحضرت ﷺ کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں- ان کمالات کا فیضان بھی محض محبت پر موقوف ہے جو تفضل واحسان سے برتر ہے- یہ درجہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے- متابعت کے (آخری) پانچ درجے مقامات عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں- ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے-

ساتواں درجہ: وہ ہے جو نزول وہبوط سے تعلق رکھتا ہے- یہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس کا مقام نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے- تمکین قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور اجزاء وقالب کا اعتدال بھی جو طغیان وسرکشی سے باز آگئے ہوتے ہیں- یہ درجہ ان اجزاء کا کل ہے- اس مقام میں تابع اپنی متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے- اور تابع ومتبوع کی تمیز دور ہو جاتی ہے- معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون اور تبعیت کس کے لیے ہے- اپنے آپ کو نبی ﷺ کا طفیلی اور وارث جانتا ہے- اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے- طفیلی اور وارث اور اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ وارد ہوتا ہے- اور طفیلی اور وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں- تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی ضمنی ہم نشین کامل تابعدار

وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں ہیں- درجوں کے اختلاف کے بموجب مجمل طور پر تابع ہے- علمائے ظاہر پہلے درجے پر ہی خوش ہیں- انہوں نے متابعت کو صورت شریعت پر موقوف رکھا ہے- اس کے سوا کوئی اور امر وخیال نہیں کرتے اور طریقہ صوفیہ کو جو درجات متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے بے کار تصور کرتے ہیں-

حضور ﷺ کی میراث

(مکتوب ۱۶۵ دفتر اول) آنحضرت ﷺ کی ظاہری میراث عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے اور باطنی میراث عالم امر سے جہاں کہ سراسر ایمان ومعرفت ورشدہ ہدایت ہے- میراث ظاہری کی بڑی نعمت کا شکریہ ہے کہ باطنی میراث سے آراستہ ہوں اور باطنی میراث سے آراستہ ہونا آنحضرت ﷺ کی کامل تابعداری کے سوا حاصل نہیں ہوتا کیونکہ کمال متابعت آنحضرت ﷺ کی کمال محبت کی فرع ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ حضور کے دشمنوں کے ساتھ کمال بغض رکھیں اور ان کی شریعت کے مخالفوں کے ساتھ عداوت کا اظہار کریں- محبت میں مداہنت وچاپلوسی روا نہیں کیونکہ محب اپنے محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا اور اپنے محبوب کے مخالفوں کے ساتھ کسی طرح بھی صلح پسند نہیں کرتا- محبت وبیگانگت باہم جمع نہیں ہوتی- دوضدوں کا جمع ہونا محال ہے- ایک کی محبت دوسرے کی عداوت کو مستلزم ہے- متاع دنیا سراسر غرور وفریب ہے- اور آخرت کا ابدی معاملہ اسی پر مترتب ہے چند روز زندگی کو اگر سید الاولین وآخرین ﷺ کی تابعداری میں بسر کیا جائے تو نجات ابدی کی امید ہے ورنہ کچھ نہیں خواہ کوئی ہو اور عمل خیر ہی کیوں نہ بجا لایا ہو- متابعت کی اس بڑی دولت کا حاصل ہونا پورے طور پر دنیا کے ترک کرنے پر موقوف نہیں ہے- تاکہ مشکل نظر آئے بلکہ اگر زکوٰۃ مفروضہ بھی بالفرض ادا ہو جائے تو حضرت کے نہ پہنچنے میں کلی ترک کا حکم رکھتا ہے کیونکہ مال مزکی ضرر نکل جاتا ہے پس دنیاوی مال سے ضرر دور کرنے کا علاج اس حال سے زکوٰۃ نکالنا ہے اگرچہ ترک کلی افضل ہے لیکن زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی اس کا کام کر جاتا ہے

(مکتوب ۱۹۱ دفتر اول) ہمیشہ کی سعادت اور دائمی نجات انبیاء کی متابعت پر وابستہ ہے- اگر بالفرض ہزار سال تک عبادت کی جائے- کٹھن ریاضتیں اور سخت مجاہدے بجالائے جائیں مگر جب تک ان بزرگواروں کی تابعداری کے نور سے منور نہ ہوں جو کے بدلے بھی نہیں خریدتے اور دوپہر کے سونے کے ساتھ جو سراسر غفلت اور بےکاری ہے اور جو کہ ان بزرگواروں کے حکم سے واقع ہو برابر نہیں کرتے بلکہ ان کو صاف میدان کے سراب کی طرح جانتے ہیں خداوند جلشانہ کی کمال عنایت یہ ہے کہ شرعی تکلیفوں اور دینی امور میں بڑی آسانی اور سہولت کو مدنظر فرمایا ہے- زکوٰۃ میں چالیس حصوں میں سے

ایک حصہ فقراء اور مساکین کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اس کو بھی بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے چارپائیوں پر منحصر کیا ہے- تمام عمر میں ایک ہی حج کو فرض کیا ہے اس کے علاوہ خرچ اور سواری اور راستہ کے امن کو اس کے لیے شرط قرار دیا ہے اور مباح کے دائرے کو وسیع کیا ہے- چار عورتیں نکاح کے ساتھ اور لونڈیاں جس قدر چاہیں مباح فرمائی ہیں اور طلاق کو عورتوں کی تبدیلی کا وسیلہ بنایا ہے- اور کھانے پینے کے چیزوں میں سے بہتوں کو مباح کیا اور تھوڑی کو حرام کیا ہے اور وہ بھی بندوں کی بہتری اور فائدے کے لیے- بدمزہ شراب کو حرام کیا ہے تو بے شمار خوش مزہ اور خوشبودار شربتوں کو مباح کیا ہے- عرق لونگ اور عرق دار چینی میں خوش مزہ اور خوشبودار ہونے کے اس قدر فائدے اور نفع ہے کہ بیان سے باہر ہیں- اگر ریشمی کپڑوں کو حرام کیا ہے کئی قسم کے قیمتی اور زیب و زینت والے کپڑے حلال کیے ہیں پشمینہ کا لباس عام طور پر مباح فرمایا ہے- یہی حال چاندی اور سونے کا ہے کہ ان سے عورتوں کے زیور مردوں ہی کے فائدے کے لیے بنتے ہیں-

(مکتوب ۲۴۹ دفتر اول) آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی خلاصی حضرت سید الاولین و آخرین ﷺ کی متابعت پر وابستہ ہے- آپ ہی کی متابعت سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام میں پہنچتے ہیں اور آپ ہی کی متابعت سے تجلی ذات سے مشرف ہوتے ہیں- اور آپ ہی کی متابعت سے مرتبہ عبدیت میں جو کمال کے مراتب سے اوپر مقام محبوبیت کے حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز فرماتے ہیں اور آپ کے کامل تابعداروں کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح فرماتے ہیں اور اولوالعزم پیغمبر آپ کی متابعت کی آرزو کرتے ہیں- اگر حضرت موسیٰ علیہ والسلام آپ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو آپ ہی کی تابعداری کرتے اور عیسیٰ روح اللہ کے نازل ہونے اور حضرت حبیب اللہ ﷺ کی متابعت کرنے کا قصہ مشہور و معلوم ہے- آپ کی امت آپ کی متابعت کے سبب خیر الامم ہوئی اور اس میں سے اکثر اہل جنت ہیں- قیامت کے دن آپ کی تابعداری کی بدولت تمام امتوں سے پہلے آپ کے امتی بہشتوں میں جائیں گے اور ناز و نعمت حاصل کریں گے-

صوفیوں کے طریق سے حظ وافر اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جس میں تقلید کی فطرت اور متابعت کی جبلت زیادہ ہو- یہاں کام کا دارومدار تقلید پر ہے- اسی مقام پر کام متابعت سے وابستہ ہے- انبیاء کرام کی تقلید اعلیٰ درجات پر پہنچاتی ہے اور نیک لوگوں کی متابعت اعلیٰ عروج پر پہنچاتی ہے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ میں چونکہ یہ فطرت زیادہ تھی اس لیے بلا توقف صدیق نبوت کی سعادت حاصل کی اور صدیقوں کے سردار بن گئے ابوجہل لعین میں چونکہ تقلید اور متابعت کا مادہ کم تھا اسی واسطے اس سعادت سے مشرف نہ ہوا اور ملعونوں کا پیشوا بن گیا-

(مبداء و معاد)

قرآن حکیم مکتوبات شریف کی روشنی میں

قرآن کے احکام

(مکتوب ۵۵ دفتر دوم) قرآن مجید کے تمام احکام شرعیہ بلکہ تمام گزشتہ شریعتوں کا جامع ہے۔ اس شریعت کے بعض احکام شریف اس قسم کے ہیں جو نص کی عبارت اور اشارات اور دلالت اور اقتضا سے مفہوم ہوتے ہیں۔ اس قسم کے احکام کے فہم میں تمام خاص و عام اہل لغت برابر ہیں۔ دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اجتہاد اور استنباط سے مفہوم ہوتے ہیں۔ یہ فہم آئمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے جن میں سے اول آنحضرت ﷺ بقول جمہور پھر آنحضرت ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ اجمعین پھر آنحضرت ﷺ کی امت کے تمام مجتہدین ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو وحی کا زمانہ تھا احکام اجتہادیہ خطا صواب کے درمیان متردد نہ تھے بلکہ وحی قطعی کے ساتھ حق باطل سے اور صواب خطا سے الگ اور ممیز ہو جاتا تھا کیونکہ پیغمبر کو خطا پر ثابت و برقرار رکھنا جائز نہیں برخلاف ان احکام کے جو زمانہ وحی کے ختم ہو جانے کے بعد مجتہدوں کے استنباط کے طریق پر حاصل ہوئے ہیں اور جو خطا و صواب میں متردد ہیں۔ اسی واسطے وہ احکام اجتہادیہ جو وحی کے زمانے میں مقرر ہوئے ہیں یقینی طور پر مفید ہیں جن سے مل و اعتقاد کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور زمانہ وحی کے بعد کے احکام ظن کا موجب ہیں جو مفید عمل ہیں لیکن اعتقاد کا موجب نہیں۔ قرآن مجید کے تیسری قسم کے احکام اس قسم کے ہیں جن کے سمجھنے سے انسان کی طاقت عاجز ہے۔ جب تک احکام کے نازل کرنے والے جلشانہ کی طرف سے اطلاع نہ ملے ان احکام کو سمجھ نہیں سکتے۔ پیغمبر کے سوا کسی اور کو یہ اطلاع نہیں دیتے۔ یہ احکام اگرچہ کتاب ہی سے ماخوذ ہیں لیکن چونکہ ان احکام کا مظہر پیغمبر ہے اس لئے یہ احکام سنت کی طرف منسوب ہوئے ہیں کیونکہ ان کا مظہر سنت ہے جس طرح احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں اسی اعتبار سے کہ قیاس ان احکام کا مظہر ہے۔ پس سنت و قیاس دونوں احکام کے مظہر ہیں اگرچہ ان دونوں مظہروں کے درمیان بہت فرق ہے۔ ایک آراء کی طرف منسوب ہیں جس میں خطا کی مجال ہے اور دوسرا حق تعالیٰ کے اعلام سے موید ہے۔ جس میں خطا کی گنجائش نہیں قسم اخیر اپنی اصل کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے۔ گو احکام کو ثابت کرنے والی فقط وہی کتاب عزیز ہے۔

قرآن کریم اور پاکیزگی

(مکتوب ۴ دفتر سوم) آیہ کریمہ "بے شک یہ قرآن کریم ہے پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا اس کو ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاک لوگ۔" آیت کریمہ کی مراد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہ رمز جو اس مقام میں فقیر کے فہم میں آئی ہے کہ قرآنی پوشیدہ اسرار کو ہاتھ نہیں لگاتے مگر وہ لوگ جو تعلقات بشریت کی آلودگی سے پاک ہو گئے ہوں جب قرآنی اسرار کا مس کرنا پاک لوگوں کے نصیب ہو تو پھر اوروں کا کیا حال ہے۔ دوسری رمز یہ ہے کہ قرآن کو نہ پڑھیں مگر وہ لوگ جن کے نفوس ہوا و ہوس سے پاک ہو گئے ہوں۔ شرک جلی اور خفی۔ انفسی اور آفاقی خداؤں سے صاف ہو گئے ہوں۔ مبتدی سلوک کے حال کے مناسب ذکر اور ماسوائے مذکور کی نفی سے یہاں تک کہ ماسویٰ کچھ نہ رہے اور حق تعالیٰ کے سوا اس کی کچھ مراد نہ ہو اور اگر تکلف کے ساتھ بھی ان اشیاء کو یاد دلائیں تو اس کو یاد نہ آئیں۔ جب ایسا حال ہو جاتا ہے تو شرک سے پاک اور انفسی اور آفاقی خداؤں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس وقت لائق ہے کہ ذکر کی جگہ قرآن کی تلاوت کرے اور تلاوت کی بدولت مدارج حاصل کرے۔ اس مذکورہ حالت کے حاصل ہونے سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت ابرار کے اعمال میں داخل ہے۔ اور اس حالت کے حاصل ہونے کے بعد تلاوت قرآن مجید مقربین کے اعمال میں شمار ہوتی ہے جیسے کہ ذکر کرنا اس نسبت کے حاصل ہونے سے پہلے مقربین کے اعمال میں گنا جاتا ہے۔ ابرار کے اعمال عبادات کی قسم سے ہیں اور مقربین کے اعمال تفکرات کی قسم سے۔

تفکر کے معنی

باطل سے حق کی طرف جانے کے ہیں۔ جس قدر فرق ابرار اور مقربین کے درمیان ہے۔ اسی قدر عبادت و تفکر کے درمیان ہے۔ جاننا چاہئے کہ مبتدی کا وہ ذکر جو مقربین کے اعمال میں شمار ہوتا ہے وہ ہے جو اس مخص کامل و مکمل سے حاصل کیا ہوا اور اس کا مقصود سلوک طریقت ہو ورنہ وہ ذکر بھی ابرار کے اعمال میں گنا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے حروف و کلمات

(مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم) محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام اپنے اپنے درجات کے موافق اور انبیاء کے بعض تابعدار گو تھوڑے ہی ہوں مقام نفس امری کے نہایت تک پہنچتے ہیں اور وہاں ہر ایک کے لئے درجات کے اختلاف کے بموجب خاص محل اور علیحدہ مقام ہے۔ قرآن مجید کے حروف و

کلمات بھی وہاں مشہود ہوتے ہیں- اس اثنا میں کہ ایک مرتبہ مقدسہ کے ساتھ حروف وکلمات قرآنی کی معیت کا ملاحظہ کیا گیا- معلوم ہوا کہ اس معیت کو دوسروں کی معیت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں- یہ معیت بہت ہی بلند ہے کچھ بھی ادراک و سمجھ میں نہیں آسکتی کیونکہ بطن بطون یعنی باطن کے باطن پر وابستہ ہے- مخلوق کے فہم کی وہاں کچھ گنجائش نہیں- معلوم ہوتا ہے کہ کلام نفسی یہی حروف وکلمات ہیں- سبحان اللہ! یہی حروف وکلمات قرآنی جب اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے تو اس کا ظہور اس جہاں میں برخلاف دوسری صفات قدیمہ کے بہ نفس خود ہوگا- کیونکہ اس صورت میں حروف کلمات اس کلام قدیم کا نفس ہیں اور عارضی تقدیم وتاخیر کے سوا کہ وہ بھی آلہ تکلم کے قصور کے باعث ہے کوئی اس کا روپوش نہیں ہے- پس خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اشیاء سے زیادہ قریب قرآن مجید ہے اور حق تعالیٰ کی صفات سے زیادہ ظاہر بھی- یہی صفت ہے جس کو ظلیت کی گرد بھی نہیں لگی- اور تقدیم وتاخیر کے خس وخاشاک کو محجوبوں کی آنکھ میں ڈال کر اپنی اصالت کے ساتھ عالم ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے- یہی وجہ ہے کہ تمام عبادات سے افضل قرآن مجید کی تلاوت ہے اور اس کی شفاعت دوسروں کی شفاعت سے زیادہ مقبول ہے خواہ کسی ملک مقرب کی شفاعت ہو خواہ نبی مرسل کی اور وہ نتائج وثمرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مترتب ہوتے ہیں تفصیل سے باہر ہیں- بسا اوقات تلاوت کرنے والے کو ایسے بلند درجات تک لے جاتا ہے کہ وہاں تک بھی گنجائش نہیں ہو سکتی- تمام منزلہ کتابوں کے حروف وکلمات اس دولت میں شریک ہیں البتہ اس قدر فرق نظر کشفی میں پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید گویا مرکز دائرہ ہے اور تمام کتب منزلہ اس دائرے کا محیط ہیں-

پس قرآن مجید سب کا اصل اور تمام کتابوں سے اشرف ہے-

قرآن کریم کی تجلیات

(مکتوب ۱۱۸ دفتر سوم) مرفوع حدیث میں ہے "قرآن مجید کی ہر ایک آیت کے لئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر ایک حرف کے لئے ایک حد اور ہر ایک حد کے لئے ایک مطلع ہے-" عوارف میں "مطلع" سے مراد یہ ہے کہ ایک آیت کے نزدیک متکلم کے شہود پر اطلاع ہو کیونکہ ہر ایک آیت متکلم کے اوصاف میں سے کسی وصف اور اس کی نعت میں سے کسی نعت کی امانت گاہ ہے- پس آیات کی تلاوت اور ان کے سننے سے تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور آئینے بن کر عظیم جلال کی خبر دیتی ہیں- اللہ کے کرم سے جو کچھ میرے دل میں گزرتا ہے- وہ یہ ہے کہ ظہر سے مراد نظم قرآن ہے جو حد اعجاز تک پہنچنے والی ہے اور بطن صفائے فہم کے اختلاف کے بموجب ہر ایک معنی اور پوشیدہ سر پر اس کی تفسیر وتاویل سے مراد ہے اور حد سے مراد مراتب کلام کی نہایت ہے جو متکلم کا شہود ہے اور وہ تجلی لفظی ہے جو عظیم جلال کی خبر دیتی ہے اور

مطلع وہ ہے جو تجلی لفظی سے برتر ہے اور وہ تجلی ذاتی ہے جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے خالی ہے۔ نبی علیہ نے کلام کی حد اور اس کی صفت کے آئینے کی تجلی ہے اور اس کے مراتب کمال کی نہایت ہے۔ اس تجلی کے موراء پر اطلاع تب ہوتی ہے جب اس تجلی سے تجلی ذاتی کی طرف ترقی کریں۔ پس اس جگہ ذات تک پہنچنا صفت کلام کے ذریعے اور نظم قرآنی کی تلاوت کے وسیلے سے ہے۔ پس دو قدموں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ایک نظم قرآنی یعنی صفت کی طرف دلالت کرنے والا ہے۔ دوسرا قدم صفت کا اپنے موصوف کی طرف۔ عارف قدس سرہ نے فرمایا۔" میں دو قدم چلا اور واصل ہو گیا۔" لیکن شیخ قدس سرہ نے صرف پہلے قدم کا ذکر کیا ہے اور اس سیر کو اسی کے ساتھ قدم کیا ہے اور تلاوت کے فائدے کو اسی سے مقید کیا ہے۔ اور کچھ بیان نہیں کیا۔ اس کے بعد شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ امام جعفر صادق ؑ کی نسبت منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ نماز میں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب اس کا باعث پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ایک آیت کا تکرار کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کے متکلم کو سنا پس جب صوفی کے لئے توحید کا نور چمکتا ہے اور وعدہ وعید سننے کے وقت اپنے کانوں کو اس طرف لگاتا ہے اور اس کا دل ماسوئ اللہ سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے تو اس وقت تلاوت میں اپنی اور غیر کی زبان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت کی طرح دیکھتا ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے انی انا اللہ کا خطاب سنایا تھا۔ جب اس کا سننا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کا سنانا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہو جاتا ہے تو اس کے کان آنکھ ہو جاتے ہیں اور آنکھیں کان بن جاتی ہیں اور اس کا علم سراسر عمل اور اس کا عمل بالکل علم ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اول سے اور اول آخر سے بدل جاتا ہے۔ پس جب صوفی اس وصف کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود دائی اور اس کا سماع ہر دم نیا ہوتا ہے (کلام شیخ یہاں ختم ہوتا ہے)

تبصرہ

شیخ قدس سرہ نے اس جگہ توحید میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ تخیلی کو تحقیقی بنا دیا ہے اور غلبہ حال میں بندہ سے صادر ہونے والے کلام کو اللہ تعالیٰ سے صادر ہونے والے کلام کی طرح سمجھا ہے۔ حالانکہ اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ شیخ قدس سرہ نے ان اقوال سے غلبہ حال کے وقت توحید والوں سے توحید کے بارہ میں صادر ہوتے ہیں انکار کیا ہے۔ اور حلول واتحاد کی آمیزش سے ڈر کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت پہ محمول کیا ہے لیکن اس جگہ حلول کی آمیزش سے نہیں ڈرا بلکہ اتحاد و غیبت کا حکم کیا ہے۔ اس مقام میں حق بات یہ ہے کہ غلبہ حال میں اتحاد و غیبت کا حکم کرنا تخیلی ہے تحقیقی نہیں خواہ اتحاد ذات میں ہو یا صفات و افعال میں۔

قرآن کریم میں قرب ومعیت

(مبداء ومعاد) مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ قرآن شریف میں قرب ومعیت اور احاطہ حق سبحانہ تعالیٰ (کے) جو الفاظ آتے ہیں یہ متشابہات قرآنی ہیں جیسے ہاتھ چہرہ وغیرہ۔ اسی طرح لفظ اول وآخر۔ ظاہر وباطن وغیرہ۔ گو ہم اللہ تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن قرب کے معنی نہیں جانتے کہ قرب کیا ہے اسی طرح ہم اسے اول کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اول سے کیا مراد ہے۔ قرب واولیت کے معنی ہمارے علم وفہم میں آتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے منزہ وبرتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف وشہود میں آسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اللہ تعالیٰ کا قرب ومعیت جو بعض صوفیا نے بطریق کشف دریافت کیا ہے اور ان کشفی معنوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو قریب اور مع جانتے ہیں ٹھیک نہیں بلکہ وہ مذہب مجسمہ میں قدم رکھتے ہیں۔ بعض علماء نے جو اس کی تاویل کی ہے وہ قرب سے مراد علمی قرب لی ہے لیکن ہم تاویل کو جائز قرار نہیں دیتے اس کی تاویل علم حق کے حوالے کرتے ہیں اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

(مبداء ومعاد) اس کام میں میرا امام کلام اللہ اور میرا پیر قرآن مجید ہے۔ اگر قرآن شریف کی ہدایت نہ ہوتی تو معبود حقیقی کی عبادت تک راہ نہ کھلتی۔ اس راہ میں ہر ایک لطیف والطف انا اللہ پکار کر سالک کو اپنی پرستش میں کر لیتا ہے۔ اگر چون ہے تو اپنے آپ کو بے چون ظاہر کرتا ہے۔ اگر تشبیہ سے تو تنزیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے یہاں امکان اور وجوب آپس میں خلط ملط ہیں اور حدوث وقدم گڈ مڈ۔ اگر باطل ہے تو حق کی صورت میں ظاہر ہے اگر گمراہی ہے تو ہدایت کی شکل میں نمودار ہے۔ بے چارہ سالک اندھے مسافر کی طرح ہے کہ ہر ایک کو ھذا ربی (یہی میرا پروردگار ہے) لکھتا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جلشانہٗ اپنے آپ کو زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا اور مشرق ومغرب کا پروردگار بتاتا ہے۔ جب مجھے عروج کے وقت یہ خیالی معبود پیش کیے گئے تو میں نے سب کا انکار کیا اور سب زائل ہو گئے اس واسطے "میں غروب اور زائل ہونے والوں سے پیار نہیں کرتا" کہتے ہوئے سب سے منہ پھیرا اور سوائے ذات واجب الوجود کے کسی تو قبلہ توجہ نہ بنایا۔

حقیقت قرآنی اور کعبہ ربانی

حقیقت قرآنی اور کعبہ ربانی کی حقیقت دونوں حقیقت محمدی سے اوپر ہیں یہی وجہ ہے کہ حقیقت قرآنی حقیقت محمدی کی امام اور کعبہ ربانی کی حقیقت قرآنی حقیقت سے بڑھ کر ہے۔ وہاں سر بسر بے صفتی اور بے رنگی ہے اور شیون واعتبارات کی وہاں گنجائش نہیں۔ تنزیہ وتقدیس کی وہاں مجال نہیں۔ یہ

ایسی معرفت ہے جس کے بارے میں کسی اہل اللہ نے لب کشائی نہیں کی اور رمزو اشارے کے طور پر بھی اس کے متعلق بات نہیں کی۔ مجھے اس معرفت عظمیٰ سے مشرف کیا ہے اور ابنائے جنس میں ممتاز فرمایا ہے۔ یہ سب کچھ حبیب خدا ﷺ کے صدقے مجھے نصیب ہوا۔

متشابہات اور حروف مقطعات

(مکتوب ۲۷۶ دفتر اول) ابتداء میں یہ فقیر سمجھتا تھا کہ متشابہات کی تاویل صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ آخرکار جب حضرت سبحانہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے متشابہات کی تاویلات کا تھوڑا سا حال اس فقیر پر ظاہر کیا اور اس مسکین کی استعداد کی زمین میں اس دریائے محیط سے ایک چھوٹی سے نہر چلا دی تو معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو بھی متشابہات کی تاویلات کا بہت سے حصہ حاصل تھا۔

حق تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید کو دو قسم پر فرمایا ہے۔ ایک محکمات دوسری متشابہات۔ قسم اول شرائع اور احکام کا منشاء اور مبداء ہے اور قسم ثانی حقائق و اسرار کے علم کا مخزن ہے اور وجہ (چہرہ) اور قدم اور ساق (پنڈلی) اور اصابع (انگلیاں اور انامل (پورے) جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں سب متشابہات میں سے ہیں اور ایسے حروف مقطعات جو قرآنی سورتوں کے اول میں واقع ہوئے ہیں سب متشابہات میں سے ہیں جن کی تاویل پر علمائے راسخین کے سوا کسی کو اطلاع نہیں دی گئی۔ یہ خیال نہ کریں کہ تاویل مراد قدرت سے ہے جس کی تعبیر ید سے کی ہے یا مراد ذات ہے۔ جس کی وجہ سے تعبیر کیا ہے بلکہ ان کی تاویل پوشیدہ اسرار سے ہے جو اخص و خواص پر ظاہر کیے گئے ہیں۔ یہ فقیر قرآن مجید کے حروف مقطعات کے نسبت کیا لکھے کیونکہ ان حروف میں سے ہر ایک حرف عاشق و معشوق کے درمیان پوشیدہ اسرار کا ایک بحر مواج ہے اور محب و محبوب کے باریک اور دقیق رازوں اور رمزوں کی ایک پوشیدہ رمز ہے اور محکمات اگرچہ کتاب کی امہات یعنی اصل ہیں لیکن ان کے نتائج اور ثمرات جو متشابہات ہیں کتاب کے اصل مقاصد میں سے ہیں۔ امہات نتائج کے حاصل ہونے کے لئے وسائل سے زیادہ نہیں پس کتاب کا لب یعنی مغز متشابہات ہیں اور محکمات اس کا تشر یعنی پوست۔ وہ متشابہات ہی ہیں جو رمزو اشارہ کے ساتھ اصل بیان کرتی ہیں اور اس مرتبہ کی حقیقت معاملہ کا نشان بتاتی ہیں برخلاف متشابہات گویا حقائق ہیں اور محکمات متشابہات کی نسبت ان حقائق کی صورتیں ہیں۔ عالم راسخ وہ شخص ہے جو لب یعنی مغز کو تشر یعنی پوست کے ساتھ جمع کر سکے اور حقیقت کو صورت کے ساتھ ملا سکے۔ علمائے قشر یہ قشر کے ساتھ خوش ہیں اور حروف محکمات پر ہی کفایت کئے ہوئے ہیں اور علمائے راسخین محکمات کے علم کو حاصل کر کے متشابہات کی تاویل سے بھی حظ وافر حاصل کر لیتے ہیں اور صورت و حقیقت کو جو محکم و متشابہ ہیں جمع کر لیتے ہیں لیکن وہ شخص جو محکمات کے

علم اوران کے موافق عمل کے بغیر متشابہات کی تاویل ڈھونڈے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑے ایسا جاہل ہے جس کو اپنی جہالت کی خبر بھی نہیں ہے اور ایسا گمراہ ہے جس کو اپنی گمراہی کی بھی خبر نہیں وہ نہیں جانتا کہ یہ جہان صورت اور حقیقت سے مرکب ہے اور جب تک یہ جہان قائم ہے کوئی حقیقت صورت سے الگ نہیں ہو سکتی - اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں-" اپنے رب کی عبادت کرحتیٰ کہ تجھے یقین یعنی موت آ جائے جیسے کہ مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کو موت کے زمانے تک منتہیٰ کیا جو اس جہان کا منتہا ہے-

......جو شخص مر گیا اس کی قیامت آ گئی......

حروف مقطعات

(مکتوب ۳۱۱ دفتر اول) یہ اسرار حروف مقطعات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جو قرآن کی آیات متشابہات میں سے ہیں جن کی تاویل علمائے راسخین کو اطلاع دی ہے- حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاروبار کا مبداء الف کی حقیقت ہے اور اس حقیر کے معاملے کا مبداء بھی تبعیت و وراثت کے طور پر یہی الف کی حقیقت ہے لیکن حضرت کلیم اللہ کی بازگشت میم کی حقیقت کی طرف ہے اور اس حقیر کی بازگشت ہائے دو چشمی کی طرف ہے- اب میرا مرجع و مقام بھی ہائے کی حقیقت ہے- یہ حقیقت وہی ہے جس کو غیب ہویت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حقیقت رحمت کا خزانہ ہے جو دنیا میں فراخ کیا ہوا ہے- ننانوے حصے رحمت کے جو آنحضرت ﷺ کے لئے ذخیرہ کئے ہوئے ہیں ان سب کا مستقر اور مستودع یہی حقیقت ہے گویا اس کا ایک چشمہ دنیا کی رحمت کا خزانہ ہے اور اس کا دوسرا چشمہ آخرت کی رحمت کا گنجینہ ہے- ارحم الراحمین کی صفت اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے- اس مقام میں جمال صرف کا ظہور ہے جس میں جلال کی ذرہ ملاوٹ نہیں- دوستوں کی دنیا میں جو محنت و اندوہ دیتے ہیں- یہ جمالی تربیت ہے جو جلال کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے اور دشمنوں کو دنیا میں جو نعمت و سرور دیتے ہیں یہ جلال کا ظہور ہے جو جمال کی صورت میں ظاہر ہوا ہے- یہی اللہ تعالیٰ کا مکر ہے- حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اسم مبارک اللہ ہے اور اس فقیر کا رب اسم مبارک رحمٰن ہے-

(مکتوب ۳۵ دفتر دوم) تاویل متشابہات کا علم ان معاملات سے مراد ہے جو پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے- امتوں میں سے بہت ہی کم کسی کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس علم کا حصہ بخشتے ہیں مگر امید ہے کہ عالم آخرت میں بکثرت لوگ تبعیت کے طور پر اس دولت سے فائدہ اٹھائیں گے-

(مکتوب ۳۹ دفتر دوم) قرآن کے حروف مقطعات ان کے اسرار کی رمزیں ہیں اور فرقانی

متشابہات ان کے درجات وصل کے خزانے ہیں۔ اصل کے وصول نے ان کو ظل سے فارغ کر دیا ہے اور ارباب ظلال کو ان کی خاص حریم سے دور کر دیا ہے۔ یہی لوگ مقرب ہیں۔

آیت کریمہ اللہ نور السموات والارض

(مکتوب ۲۳۴ دفتر اول) اس بیان میں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنے نفس کو پہنچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا) کے معنی بھی ظاہر ہو گئے کیونکہ جس نے اپنی حقیقت کو شرارت و نقص کے ساتھ پہچان لیا اور جان لیا کہ ہر خیر و کمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے وہ حضرت واجب الوجود کی طرف سے عاریت کے طور پر ہے پس وہ ضرور ہی حق سبحانہٗ کو خیر و کمال و حسن و جمال سے پہچان لے گا۔ اس تحقیق سے آیت کریمہ نور السموات والارض کے تاویلی معنی بھی واضح ہو گئے کیونکہ جب ظاہر ہو چکا کہ ممکنات سب کے سب عدمات ہیں جو سراسر ظلمت و شرارت ہیں اور ان میں خیر و کمال اور حسن و جمال حضرت وجود کی طرف سے ہے۔ جو نفس ذات تعالیٰ ہے اور ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا عین ہے تو بالضرور آسمانوں اور زمینوں کا نور حضرت وجود ہی ہوگا جو واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت ہے۔ اور چونکہ یہ نور آسمانوں اور زمینوں میں ظلال کے واسطہ سے ہے اس لئے ان وہم کرنے والوں کے وہم کے دور کرنے کے لئے جو بے واسطہ سمجھتے ہیں اور اس نور کے لئے مثال بیان کی۔ (جس نے قرآن تفسیر اپنی رائے سے کی وہ کافر ہو گیا) اور تاویل میں صرف احتمال کافی ہے بشرطیکہ کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ ممکنات کے ذوات و اصول عدمات ہیں اور ان کی ناقص اور ذلیل صفات ان عدمات کی مقتضی ہیں جو مختار مطلق جل شانہٗ کے ایجاد سے وجود میں آئے ہیں اور صفات کاملہ ان میں حضرت وجود تعالیٰ کے کمالات کے ظل سے رعایت کے طور پر بیان جو انعکاس کے طور پر ظہور پا کر قادر و مختار جلشانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں اور اشیاء کے حسن و قبح کے مصداق یہ ہے کہ جو چیز آخرت سے تعلق رکھتی ہے اور آخرت کے لئے ذریعہ اور وسیلہ ہے اگرچہ بظاہر اچھی دکھائی نہ دے۔

(مکتوب ۱۱ دفتر دوم) (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) نور وہ ہے جس سے چیزیں روشن ہوتی ہیں۔ آسمان اور زمین حق تعالیٰ کے ساتھ روشن ہوئے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے ان کو عدم کے اندھیرے سے نکالا ہے۔ وجود اور اس کے تابع کے ضلال کے ساتھ متصف کر کے منور کیا ہے۔ اگرچہ زمین و آسمانوں کا نور اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ نور ظلال کے پردوں سے ملا ہوا ہے اور ظلیت کے واسطہ کے بغیر ان میں ظہور نہیں فرمایا۔ یہ سب ظہورات عرشی کے انوار سے مقتبس ہیں جنہوں نے ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ میں پوشیدہ ہو کر ظہور فرمایا ہے جس طرح ایک بڑے مشعل سے چھوٹے چھوٹے

چراغوں کو جلا کر اطراف و اکناف کو ان چراغوں سے روشن کر لیں- آسمانوں اور زمین کو جو اس نور سے روشن ہوئے ہیں مشکوٰۃ کی طرح تصور کرنا چاہیئے- اور اس نور کو چراغ کی مانند ہونا چاہیئے جو اس مشکوٰۃ میں رکھا ہوا ہے- مشکوٰۃ پر کاف تمثیل کا آنا مصباح پر مشکوٰۃ کے شامل ہونے کے لئے ہے اور زجاجہ سے اسماء و صفات کا پردہ ملاحظہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ نور اسماء و صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے اور شیون و اعتبارات سے معرا نہیں اور حق تعالیٰ کی صفات کا زجاجہ حسن و وجوب اور جمال قدم میں ستاروں کی طرح روشن ہے اور وہ مصباح جو اس مشکوٰۃ میں رکھنا ہے زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے جو عرش کے اس ظہور جامع سے مراد ہے جس ظہور کی رمزوں میں سے استوا ایک رمز ہے کیونکہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمینوں سے تعلق رکھتے ہیں اس ظہور جامع کے اجزاء کی طرح ہیں- وہ ظہور جامع چونکہ لامکانی اور بے جہت ہے- اس واسطے اس کو شرقیة لا غربیة کہہ سکتے ہیں- اس مبارک درخت کی تعریف اور اس درخت کے تیل کی صفائی اور روشنی کا بیان جس کے ساتھ اس کو تمثیل دی گئی ہے-

قاب قوسین او ادنیٰ کے اسرار

(مکتوب ۹۱ دفتر دوم) مقام قاب قوسین او ادنیٰ کا سر عظیم یہ ہے کہ جب انسان کامل سیر الی اللہ کے تمام ہونے کے بعد سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے تو اخلاق اللہ سے متخلق ہو جاتا ہے اور جب مجمل طور پر اس سیر کو بھی تمام کر لیتا ہے اور اسماء صفات کے عکسوں کے ظہور کے دائرہ جو سیر فی اللہ کے ساتھ وابستہ ہے تمام کر لیتا ہے تو اس امر کے لائق ہو جاتا ہے کہ محبوب ظلیت کی آمیزش اور حالیت و محلیت کے وہم کے بغیر اصالت کے طور پر اس میں ظہور فرمائے- چونکہ محبوب کے صفات ذاتیہ اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں اس لئے عاشق کی نظروں میں ذات کی ظہور کے ساتھ صفات کا ظہور بھی ہوگا اور دو قوسین یعنی قوس ذات اور قوس صفات حاصل ہو جائیں گی- یہ مقام اعلیٰ مقام قاب قوسین ہے- جو ظہور اصلی کے متعلق ہے- جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں- اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے عاشق صادق کا تعلق و گرفتاری معشوق کی ذات کے ساتھ یہاں تک ہو جائے کہ اسم صفت سے گزر جائے تو اس وقت اسم و صفت بالکل انکی نظر سے دور ہو جاتے ہیں اور ذات کے سوا کچھ ملحوظ و مشہود نہیں ہوتا- اگرچہ صفات موجود ہوں لیکن اس کی مشہود نہیں ہوتے تب او ادنیٰ کا سر ظاہر ہوتا ہے اور قوسین کا کچھ اثر نہیں رہتا-

معارف المعارف میں ایک آیت کریمہ کی تشریح

(مکتوب ۱۱۷ دفتر سوم) عوارف کے دوسرے باب میں آیت کریمہ کے معنی میں فرمایا ہے (جس

کا ترجمہ یہ ہے۔)" اس میں نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کا دل حاضر ہے اور جس نے توجہ کے ساتھ کانوں کو اس طرف لگایا۔" کہ واسطی نے کہا ہے کہ قوم مخصوص کے لئے نصیحت ہے سب لوگوں کے لئے نہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔" کیا جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا" اور واسطی نے یہ بھی کہا ہے کہ مشاہدے سے فراموشی پیدا ہوتی ہے اور حجابوں سے فہم حاصل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کی تجلی کرتا ہے تو وہ اس کے لئے جھک جاتی ہے اور پست ہو جاتی ہے۔ شیخ قدس سرہ (صاحب معارف) نے فرمایا ہے کہ یہ قول جو واسطی نے کہا ہے بعض اقوام کے حق میں صحیح ہے حالانکہ یہ آیت اس امر کے برخلاف دوسری قوم کے لئے حکم کرتی ہے اور وہ لوگ ارباب تمکین ہیں جن کے لئے مشاہدہ اور فہم جمع ہوتے ہیں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ جو کچھ واسطیؒ نے اول کہا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی فنا کے بعد ان کو بقا بخشی ہے اور اہل تلوین کے لئے نہ فنا ہے نہ بقاء اور نہ حیات جو دوبارہ ان کو دی گئی ہو کیونکہ وہ وسط راہ میں ہوتے ہیں اور فناء و بقا منتہیوں کے احوال ہیں اور دوسرا قول اس نے جو آیت کے بیان میں ذکر کیا ہے تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حجاب اور استتار (پردہ اور حجاب میں آنے) کے وقت اہل تلوین کے لئے نصیحت ہے نہ کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے وقت کیونکہ یہ ذہول و فراموشی کے اوقات ہیں پس یہ قول پہلے قول کے منافی ہے۔

واسطیؒ نے آیت کے معنی میں بیان کیا ہے کہ نصیحت ارباب تمکین کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ وہ لوگ ہیں جو موت کے بعد زندہ ہیں نہ کہ اہل تلوین۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اہل تلوین کے بیان میں اس کا دوبارہ ذکر کرنا ایک مستقل معرفت ہے جس کا آیت کے بیان سے کچھ تعلق نہیں۔

جو کچھ میرے نزدیک ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں دونوں فریقوں کے حال کا بیان ہے یعنی من کان له قلب میں ارباب قلوب کا حال ہے جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں ان ہی کو اصحاب تلوین کہتے ہیں اور القی السمع و ھو شھید میں اہل تمکین کا حال بیان کیا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عین شہود کی حالت میں فہم کے لئے کانوں کو لگا رکھا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ قوم اول کے لئے بعض وقتوں میں نصیحت ہے اور دوسری قوم کے لئے تمام احوال میں نصیحت ہے۔

نماز مومن کی معراج ہے

(مکتوب ۶۷ دفتر دوم) عقائد کے درست ہونے کے بعد شرع کے اوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا جو عمل سے تعلق رکھتا ہے نہایت ضروری ہے۔ پنج وقتی نماز بلافتور تعدیل ارکان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان فرق نماز ہی کا ہے۔ جب نماز بطریق مسنون ادا ہو

جائے اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ آ جاتی ہے- کیونکہ نماز اسلام، پنجگانہ اصول میں سے ہے- دوسرا اصول ہے- پہلا اصول خدا اور رسول پر ایمان لانا ہے- اصل دوئم نماز ہے- اصل سوم زکوٰۃ کا ادا کرنا- چوتھا اصل ماہ رمضان کے روزے پانچواں اصل بیت اللہ کا حج- پہلا اصل ایمان سے تعلق رکھتا ہے- باقی چار اعمال سے تعلق رکھتے ہیں- تمام عبادات کی جامع اور سب سے فاضل تر نماز ہے- قیامت کے دن پہلے نماز کا حساب ہوگا- اگر نماز کا محاسبہ درست ہو گیا تو باقی محاسبے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آسانی سے گزر جائیں گے-

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ منتہی نماز میں قرآن پڑھنے اور تسبیحات کے کہنے کے وقت اپنی زبان شجرہ موسوی کی طرح معلوم کرتا ہے- اور اپنے قویٰ اور اعضاء کو آلات اور وسائل جانتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نماز ادا کرتے وقت باطن وحقیقت- ظاہر وصورت سے پورے طور پر تعلق توڑ کر عالم غیب کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں اور غیب کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت حاصل کر لیتے ہیں- اب نماز سے فارغ ہو کر پھر اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ امور اربعہ مذکورہ کا پورے اور کامل طور پر بجالانا منتہی کے نصیب ہے اور عامی اور مبتدی کو ان امور کے کامل اور پورے طور پر بجالانے کی توفیق کم حاصل ہوتی ہے اگرچہ یہ ممکن اور جائز ہے (جیسا قرآن مجید میں ہے) نماز بھاری ہے مگر خاشعین پر (نہیں)-

(مکتوب ۷ ادفتر سوم) پانچوں نمازوں کا ادا کرنا جو دین کا ستون ہیں نماز تمام عبادات سے بہتر عبادت ہے اور ایمان کی طرح فی حد ذاتہ حسن وخوب ہے- برخلاف دوسری عبادات کے کہ ان کا حسن و خوبی ذاتی نہیں- طہارت کاملہ کے بعد جیسے کہ شرع کی کتب میں ظاہر ہو چکا ہے بڑی کوشش اور اہتمام سے نماز کو ادا کرنا چاہئے اور قرأت، رکوع، قومہ اور جلسہ اور تمام ارکان میں بڑی احتیاط کرنا چاہئے تا کہ کامل طور پر ادا ہوں- رکوع وسجود وقومہ وجلسہ میں سکون وطمانیت یعنی آرام کو لازم جاننا چاہئے- سستی اور بے پروائی سے ادا نہ کرنا چاہئے- نماز کو اول وقت میں ادا کریں- سستی و جہالت سے تاخیر کو پسند نہ کریں- بندہ مقبول وہی ہے جو مولیٰ کا امر ہوتے ہی اس کا امر بجالائے- امر کے ادا کرنے میں دیر کرنا بے ادبی اور سرکشی ہے- نماز تہجد بھی اس راہ کی ضروریات میں سے ہے- کوشش کریں کہ ترک نہ ہونے پائے- اگر ابتدا میں یہ امر مشکل نظر آئے اور اس وقت بیداری میسر نہ ہو سکے تو اپنے خدمت گاروں میں سے کسی کو اس امر کے لئے مقرر کر دیں کہ اس وقت آپ کو جگا دیا کرے اور آپ کو نیند میں نہ رہنے دے- چند روز کے بعد بیداری کی عادت ہو جائے گی- کوشش کریں کہ کم از کم دو رکعت نماز چاشت ہمیشہ کے لئے ادا ہو سکیں اور نماز چاشت کی اکثر رکعتیں تہجد کی طرح بارہ رکعتیں ہیں- وقت اور حال کے

موافق جتنی ادا ہوسکیں غنیمت ہے۔

(مکتوب ۲۹ دفتر اول) اعمال مقربہ یعنی وہ عمل جن سے بارگاہ الٰہی میں قرب حاصل ہوتا ہے۔ فرض ہیں ' فرضوں کے مقابلے میں نفلوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرضوں میں سے ایک فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نفلوں کے ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ نفل خالص نیت سے ادا کئے جائیں اور خواہ وہ نفل از قسم نماز و روزہ و ذکر و فکر وغیرہ وغیرہ ہوں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فرائض کے ادا کرنے کے وقت سنتوں میں سے کس سنت اور مستحبات میں سے کسی مستحب کی رعایت کرنا یہی حکم رکھتا ہے پس مستحب کی رعایت کرنا اور مکروہ سے بچنا اگرچہ تنزیہی ہو۔ ذکر اور فکر اور مراقبہ و توجہ سے کئی درجے بہتر ہے پھر مکروہ تحریمی کا کیا ذکر ہے ہاں اگر رعایت اور اجتناب کے ساتھ یہ امور جمع ہوں ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔

(مکتوب ۸۵ دفتر اول) سب عبادات سے جامع اور سب طاعتوں سے زیادہ مقرب نماز کا ادا کرنا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو ترک کیا اس نے دین کو گرا دیا اور جس کسی کو ہمیشہ کے لئے نماز کے ادا کرنے کی توفیق بخشیں اس کو برائیوں اور بے حیائیوں سے ہٹا رکھتے ہیں "نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔" اسی بات کی موید ہے اور جو نماز ایسی نہیں ہے اور صرف صورت نماز کی ہے۔ جس میں حقیقت کچھ نہیں لیکن حقیقت کے حاصل ہونے تک صورت کو بھی نہ چھوڑنا چاہئے وہ اکرم الاکرمین اگر صورت حقیقت کے ساتھ اعتبار کرے تو اس سے کچھ دور نہیں۔ پس آپ پر واجب ہے کہ ہمیشہ نماز کو جماعت کے ساتھ خشوع وخضوع سے ادا کریں کیونکہ نجات اور خلاصی کا یہی سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تحقیق خلاصی پائی ان لوگوں نے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔

نماز خفتن

(مکتوب ۲۹ دفتر اول) پس نماز خفتن کو آدھی رات کے بعد ادا کرنا اور اس تاخیر کو قیام لیل یعنی نماز تہجد کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت برا ہے کیونکہ حنفیہ کے نماز نماز خفتن کا ایسے وقت میں ادا کرنا مکروہ ہے۔ ظاہراً اس کراہت سے ان کی مراد کراہت تحریمہ ہے کیونکہ نماز خفتن کا ادا کرنا آدھی رات تک ان کے نزدیک مباح ہے اور نصف رات کے بعد مکروہ پس وہ مکروہ جو مباح کے مقابل ہے مکروہ تحریمی ہی ہے اور شافعیہ کے نزدیک نماز خفتن کا اس وقت ادا کرنا جائز ہی نہیں۔ پس قیام لیل یعنی تہجد اور اس میں ذوق و جمعیت کے حاصل ہونے کے لئے اس امر کا مرتکب ہونا بہت برا ہے۔ اس غرض کے لئے وتر کے ادا کرنے میں تاخیر کرنا بھی کافی ہے اور یہ تاخیر بھی مستحب ہے۔ وتر بھی اچھے وقت میں ادا ہو جاتے ہیں۔

تہجد اور صبح کے وقت جاگنے کی غرض بھی حاصل ہو جاتی ہے- پس اس عمل کو ترک کر دینا چاہئے اور گزشتہ نمازوں کو پھر ادا کرنا چاہئے- حضرت امام اعظم (ابوحنیفہ) نے وضو کے آداب میں سے ایک ادب ترک ہونے کے باعث اپنی چالیس برس کی نمازوں کو قضا فرمایا-

وضو کا پانی

مستعمل پانی جس سے حدث اور ناپاکی کو دور کیا ہو یا اس کی قربت یعنی عبادت وثواب کی نیت سے استعمال کیا ہو- وضو کے وقت مناسب نہ سمجھیں کہ لوگ اس کو پئیں کیونکہ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک وہ پانی نجس اور مغلظ ہے اور فقہا نے اس پانی کو پینے سے منع کیا اور اس کا پینا مکروہ لکھا ہے- ہاں وضو کے باقی ماندہ پانی کا پینا شفا فرمایا ہے- اگر کوئی از روئے اعتقاد کے طلب کرے تو اس کو وہ پانی دیں-

سجدہ

شیخ نظام تھانیسریؒ نے لکھا ہے کہ بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر کفایت نہیں کرتے انہیں اس فعل کی برائی آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے ان کو منع کریں اور بڑی تاکید کریں کہ اس قسم کے افعال سے بچنا ہر ایک شخص کے لئے ضروری ہے خاص کر اس شخص کے لئے جو خلق کا مقتدا اور پیشوا بنا ہوا ہو- اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اس کے پیرو اور تابعدار اس کے افعال کی اقتدا کریں گے اور بلاوجہ مصیبت میں پڑ جائیں گے-

(مکتوب ۵۲ دفتر اول) اور نماز صبح کی دو رکعتوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جو سنتوں میں سے ایک سنت ہے کئی درجہ اس بات سے بہتر ہے کہ تمام رات نفل میں قیام کریں اور صبح کی نماز با جماعت ادا کریں- فرض جب تک نفس صاف نہ ہو جائے اور سرداری کے مالیخولیا کی پلیدی سے پاک نہ ہو جائے تب تک نجات محال ہے- اس مرض کے دور کرنے کا فکر ضروری ہے تاکہ ہمیشہ کی موت تک نہ پہنچا دے-

نماز میں لذت

(مکتوب ۱۳۷ دفتر اول) عبادات میں لذت حاصل کرنا اور ان کے ادا کرنے میں تکلف کا رفع ہونا حق تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے- خاص کر نماز ادا کرنے میں جو غیر منتہی کو میسر نہیں ہے اس سے زیادہ خاص کر نماز فریضہ کے ادا کرنے میں کیونکہ ابتدا میں نماز نفلی کے ادا کرنے میں لذت بخشتے ہیں اور نہایت انہاک یہ نسبت فرائض سے وابستہ ہو جاتی ہے اور نوافل کے ادا کرنے میں اپنے آپ کو بے کار جانتا ہے- اس کے نزدیک فرائض کا ادا کرنا ہی بڑا کام ہے- جاننا چاہئے کہ وہ لذت جو نماز کے ادا کرنے

کے وقت حاصل ہوتی ہے نفس کا اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے- عین اس لذت کو حاصل کرنے کے وقت نالہ و فغاں میں ہے- سبحان اللہ کی عجیب مرتبہ ہے اور نیز جان لیں کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں رویت کے رتبہ کی طرح ہے- دنیا میں نہایت قرب نماز میں ہے اور آخرت میں نہایت قرب رویت کے وقت اور جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں اور نماز اصل مقصد ہے-

(مکتوب ۱۹۱ دفتر اول) رات دن کے آٹھ پہر میں سترہ رکعت نماز کی تکلیف فرمائی ہے کہ ان کے ادا کرنے کا سارا وقت ایک ساعت کے برابر نہیں ہوتا- اس کے علاوہ قرأت میں جس قدر میسر ہو سکے اسی پر کفایت کی ہے- اور اگر قیام مشکل ہو تو قعود تجویز فرمایا ہے- اور قعود کے مشکل ہونے کے وقت پہلو کے بل لیٹ کر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے اور جب رکوع سجود مشکل ہو تو ایماء و اشارہ کا ارشاد فرمایا ہے- اور وضو میں اگر پانی کے استعمال پر قدرت نہیں ہو سکتی تو تیمم کو خلیفہ بنایا ہے-

(مکتوب ۲۶۰ دفتر اول) دوسرے وہ عمل جو فرض واجب و سنت ہیں ان کا بجالانا قالب سے تعلق رکھتا ہے- جو عالم خلق سے ہے اور اعمال نافلہ عالم امر کا نصیب ہے پس وہ قرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے اعمات کے اندازہ کے موافق ہوگا پس ناچار وہ قرب جو فرائض کے ادا کرنے کا ثمرہ سے عالم خلق کا نصیب ہے اور وہ قرب جو ادائے نوافل کا ثمرہ ہے عالم (امر) کے نصیب ہے اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں- عالم خلق زیادتی عالم امر پر اس تفاوت سے سمجھ لینی چاہئے- اکثر لوگ چونکہ اس معنی سے بے نصیب ہیں فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں-

صوفیہ خام اور نماز

صوفیہ خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کو بجالانے میں سستی کرتے ہیں چلہ اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا ایک جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے- ہاں آداب شرعیہ کو مدنظر رکھ کر ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے- علمائے بے سرانجام بھی نوافل کی ترویج میں سعی کرتے ہیں مثلاً نماز عاشورہ کو جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحت تک نہیں پہنچی جماعت اور جمعیت تام سے ادا کرتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایات نفلی جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں اور فرض کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں جانتے ہیں- ایسا کم ہے کہ فرض مستحب وقت میں ادا کریں بلکہ اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی بھی چنداں قید نہیں رکھتے- جماعت میں ایک دو آدمیوں پر قناعت کرتے ہیں- بسا

اوقات تنہا ہی کفایت کرتے ہیں جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہو تو پھر عوام کا کیا حال بیان کیا جائے۔ اس عمل کی کم بختی سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ اور اسی فعل کی ظلمت سے بدعت وہوا ظاہر ہو گئی ہے۔ نیز نوافل کا ادا کرنا ظلی قرب بخشتا ہے اور فرائض کا ادا کرنا اصلی۔ جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے۔ نیز نوافل کا ادا کرنا ظلی قرب بخشتا ہے اور فرائض کا ادا کرنا اصلی۔ جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے۔ ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لئے ادا کئے جاتے ہیں وہ بھی قرب اصل کے ممد معاون ہیں اور فرض کے ملحقات میں سے ہیں پس ناچار فرائض کا ادا کرنا عالم خلق کے مناسب ہے۔ جو اصل کی طرف متوجہ ہے اور نوافل کا ادا کرنا عالم امر کے مناسب ہے جس کا منہ ظل کی طرف ہے۔ فرائض اگرچہ سب کے سب اصلی قرب بخشتے ہیں۔ لیکن ان میں افضل واکمل نماز ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ نماز مومنوں کی معراج ہے۔ اور بندہ کو زیادہ قرب نماز میں ہوتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ وہ وقت خاص جو حضرت پیغمبر ﷺ کو حاصل تھا جس کی تعبیر لی مع اللہ وقت سے کی ہے فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہوا ہے۔ نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے اور نماز ہی فحشاء و منکر سے روکتی ہے وہ نماز ہی ہے جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی راحت ڈھونڈتے ہیں جیسے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "اے بلالؓ مجھے آرام دے۔" اور نماز ہی دین کا ستون ہے اور نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔

نماز کی فضیلت

(مکتوب ۲۶۱ دفتر اول) معلوم ہوا کہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے۔ نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور (ایسا) جزو ہے جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کر لیا ہے اور تمام مقربہ اعمال سے برتر ہو گئی ہے اور دولت رویت جو سرور عالم ﷺ کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی۔ دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہاں کے مناسب آپ کو وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی۔ اس واسطے حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز مومنوں کی معراج ہے نیز فرمایا کہ سب سے اعلیٰ قرب جو بندے کو (اپنے) رب سے ہوتا ہے وہ نماز میں ہے۔ حضور ﷺ کے کامل تابعداروں کو اس میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے۔ اگرچہ رویت نہیں کیونکہ یہ جہاں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا چہرہ مقصود سے نقاب کون کھولتا۔ اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگساری ہے اور نماز ہی بیماروں کے لئے راحت بخش ہے۔ راحت دے مجھے اے بلالؓ۔ اسی ماجرا کی رمز ہے اور فرمایا۔ "نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔" اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔

وہ ذوق ومواجید اور علوم ومعارف اور مقامات وانوار اور تلوینات وتمکنات اور تجلیات اور غیر متکفیہ اور ظہورات متلونہ وغیر متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے بے خبر کے باعث ظاہر ہوں ان کا منشاء ظلال وامثال بلکہ وہم وخیال ہیں نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے نماز ادا کرنے کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے۔ اور عالم آخر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے حصہ حاصل کر لیتا ہے اور ظلیت اور آمیزش کے بغیر اصل سے فائدہ پا لیتا ہے کیونکہ عالم دنیا کمالات ظلی پر منحصر ہے اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت سے مخصوص ہے پس معراج سے چارہ نہ ہوگا اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے۔ یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کے سبب کہ شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی روایت کی دولت سے مشرف ہوئے اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئے اور اس سعادت سے فیض یاب ہوئی۔ اس گروہ میں سے بعض نے جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہ نہ کیا اور اس کے مخصوصہ کمالات پر اطلاع نہ بخشی انہوں نے اپنی امراض کا علاج اور امور سے کیا اور اپنی مرادوں کو حاصل ہونا اور اشیاء پر وابستہ جانا بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور غیریت پر رکھی اور روزہ کو نماز سے افضل جانا صاحب فتوحات مکیہ (ابن عربی) کہتا ہے کہ روزہ میں جو کھانے پینے کی ترک ہے وہ صفات صمدیت سے مستحق ہے اور نماز میں غیر اور غیریت کی طرف آنا اور عابد ومعبود کا جاننا ہے یہ نماز کی حقیقت سے ناواقف ہونے کا ہی باعث ہے کہ اس طائفہ میں سے جم غفیر یعنی بہت سے لوگوں نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین سماع ونغمہ اور وجد وتواجد سے حاصل کی اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردے میں مطالعہ کیا۔ اسی واسطے رقص ورقاص کو اپنی عادت بنالیا حالانکہ انہوں نے سن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اور کسی شے کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے (اس قسم کی باتیں اہل سکر کے حوالہ میں سے مسئلہ توحید وجودی پر منتفی ہیں) اگر نماز کے کمالات کی حقیقت کچھ بھی ان پر منکشف ہو جاتی تو ہرگز سماع ونغمہ کا دم نہ مارتے اور وجد وتواجد کو یاد کرتے جس قدر فرق نماز ونغمہ میں ہے۔ اسی قدر فرق نماز کے مخصوصہ کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے کمالات میں ہے۔ یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں اور آخریت جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوا ہے شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سبب سے فرمایا ہے کہ ان میں سے اول بہتر ہیں یا ان میں آخر، یہ نہ فرمایا کہ ان کے اول بہتر ہیں یا ان کے واسطہ کیونکہ آخر کو اول کے ساتھ زیادہ مناسبت دیکھی جو تردد کا محل ہے اور دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا کہ اس امت میں سے بہترین اول ہیں یا آخر اور درمیان میں کدورت اور تیرگی ہے۔ ہاں اس امت کے متاخرین میں اگرچہ وہ نسبت بلند نہیں ہے لیکن قلیل بلکہ اقل ہے اور متوسطوں میں وہ نسبت بلند نہیں ہے لیکن کثیر بلکہ اکثر ہے۔

نماز اور کعبہ

(مکتوب ۲۶۴ دفتر اول) میں خیال کرتا ہوں کہ نماز میں اس دولت کا حاصل ہونے کا عمدہ ذریعہ کعبہ ہے جو حقائق الٰہی جلشانہ کے ظہورات کا مقام ہے نمازی کا توجہ کرنا ہے پس کعبہ ایک عجوبہ ہے جو صورت وحقیقت میں دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں سے آخرت سے ہے اور نماز نے بھی اس کے وسیلے سے یہ نسبت پیدا کر لی ہے اور صورت وحقیقت میں دنیا وآخرت کی جامعیت ہے اور یہ ثابت ہو چکا کہ وہ حالت جو نماز ادا کرنے کے وقت میسر ہوتی ہے ان تمام حالات سے جو نماز کے سوا حاصل ہوں برتر ہے کیونکہ وہ حالات اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں دائرہ ظل سے باہر ہیں۔ اور مشاہدہ میں آتا ہے کہ وہ حالت جو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے موت کے وقت ظاہر ہوگی۔ وہ نماز کی حالت سے برتر ہوگی کیونکہ موت احوال آخرت کے مقدمات میں سے ہے اور جو حالات آخرت کے زیادہ نزدیک ہے وہ دنیا اکمل واتم ہے کیونکہ اس جگہ صورت کا ظہور ہے اور وہاں حقیقت کا ظہور ہے دونوں میں کس قدر فرق ہے اس مقام (دنیا) میں صرف نماز ہی ہے جو اصل سے کچھ حصہ رکھتی ہے اور مطلوب کی بولاتی ہے۔ (ورنہ) فقیر جب دنیا کو پورے طور پر ملاحظہ کرتا ہے تو محض خالی پاتا ہے اور مطلوب کی کچھ بو اس کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔

نماز اور وضو

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) (نماز کے لئے) اول وضو کے کامل طور پر کرنے سے چارہ نہیں ہے ہر عضو کو تین بار تمام وکمال طور پر دھونا چاہئے تاکہ وضو بروجہ سنت ادا ہو اور سر کا مسح (سارے سر کا مسح) کرنا چاہئے۔ کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط کرنی چاہئے۔ اور بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف خلال کرنا لکھا ہے۔ اس کی رعایت رکھیں۔ کامل طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہئے جو مومن کی معراج ہے اور کوشش کرنا چاہئے کہ فرض نماز جماعت کے بغیر ادا نہ ہونے پائے بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ ترک نہ کرنا چاہئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہئے اور قرأت میں قدر مسنون کو مدنظر رکھنا چاہئے اور رکوع وسجود میں طمانیت ضروری ہے۔ فرض ہے یا واجب (بقول مختار) قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی جگہ پر آجائیں اور سیدھا کھڑا

ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے- کیونکہ فرض ہے یا واجب جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے درست بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسے کہ قومہ میں اور رکوع وسجود کی کمتر تسبیحات تین بار ہیں اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار- شرم کی بات ہے کہ انسان اکیلا ہونے کی حالت میں باوجود طاقت اول تسبیحات پر کفایت کرے- اگر زیادہ نہ کر سکے تو پانچ یا سات بار تو کہے- سجدہ کرنے کے وقت اول وہ اعضاء زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں پس اول دونوں زانو زمین میں رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک بعد ازاں پیشانی- زانو اور ہاتھ رکھنے کے وقت دائیں طرف سے شروع کرنا چاہئے اور سر اٹھانے کے وقت اول ان اعضاء کو اٹھانا چاہئے جو زمین کے نزدیک ہیں پس پہلے پیشانی اٹھانی چاہئے- قیام کے وقت اپنی نظر سجدہ کی جگہ پر اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر- سجدہ کے وقت نوک بینی پر جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر اور دونوں بغلوں کی طرف رکھنا چاہئے- نظر کو پراگندہ ہونے سے روک رکھیں- اور مذکورہ بالا جگہوں پر نگاہ لگائے رکھیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ نماز جمعیت کے ساتھ میسر ہوگئی اور خشوع والی نماز حاصل ہوگئی- ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا کھلا رکھنا اور سجود کے وقت انگلیوں کو ملانا سنت ہے- اس کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ انگلیوں کا کھلا رکھنا یا ملانا بے تقریب اور بے فائدہ نہیں ہے-

نوافل کی بدعت

(مکتوب ۲۸۸ دفتر اول) جاننا چاہئے کہ اکثر خاص وعام لوگ اس زمانہ میں نوافل کے ادا کرنے میں بڑا اہتمام کرتے ہیں اور فرض نمازوں میں سستی کرتے ہیں اور ان میں سنتوں اور مستحبوں کی رعایت کم کرتے ہیں نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل وخوار (اس لئے) فرائض کو اوقات مستحبہ میں بمشکل ادا کرتے ہیں اور جماعت مسنونہ کی تکثیر بلکہ نفس جماعت میں کوئی تقید نہیں رکھتے- نفس فرائض کو غفلت اور سستی سے ادا کرنا غنیمت سمجھتے ہیں اور روز عاشورہ- شب برات اور ماہ رجب کی ستائیسویں رات اور ماہ رجب کے اول جمعہ کی رات کو جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہے بڑا اہتمام کرتے ہیں اور نوافل بڑی جمعیت کے ساتھ جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس کو نیک اور مستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ شیطان کی تسویلات یعنی مکروفریب ہیں جو سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے- بقول شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ نوافل کو جماعت سے ادا کرنا اور فرض نماز کو ترک کرنا شیطان کا مکروہ فریب ہے جاننا چاہئے کہ نوافل کو جمعیت تمام کے ساتھ ادا کرنا ان مکروہ اور مذمومہ بدعتوں میں سے ہے جن کے حق میں حضرت رسالت مآب

ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جس نے اس دین میں نئی بات نکالی وہ ردّ ہے۔" نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا فقہ کی بعض روایات میں مطلق طور پر مکروہ ہے۔ اور بعض روایات میں کراہت تداعی اور تجمع پر مشروط ہے پس اگر بغیر تداعی کے دو آدمی مسجد کے گوشے میں نفل کی جماعت سے ادا کریں تو بغیر کراہت کے روا ہے اور تین آدمیوں میں مشائخ میں اختلاف ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بلا اتفاق مکروہ ہے۔ اور بعض روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ فتاویٰ سراجیہ میں تراویح اور کسوف کی نماز کے سوا اور نوافل کو جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ شیخ امام سرخسی نے فرمایا ہے کہ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جبکہ تداعی کے طریق پر مکروہ ہے لیکن جب ایک یا دو اقتدا کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے۔ چار میں بلاخلاف کراہت ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے لیکن جب اذان و اقامت کے بغیر گوشہ مسجد میں ادا کیے جائیں تو مکروہ نہیں فتاویٰ شافعیہ میں ہے کہ ماہ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں۔ پس وہ نماز جو عاشورہ۔ شب برات اور لیلۃ الرغائب میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دو دو تین تین سو سے زیادہ آدمی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ فقہا کے اتفاق سے مکروہ کے مرتکب ہیں اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑا بھاری گناہ ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو حسن یعنی نیک و بہتر سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ تداعی سے مراد ہے نماز نفل ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے کو خبر دینا۔ جاننا چاہئے کہ ادائے نوافل کو بنیاد اخفا اور پوشیدگی پر ہے تاکہ سمعہ و ریا کا گمان نہ گزرے اور جماعت اس کے منافی ہے۔ فرائض ادا کرنے میں اظہار اعلان مطلوب ہے کیونکہ ریا و سمعہ کی آمیزش سے پاک ہے پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے یا ہم یہ کہتے ہیں سے کثرت اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے اور ان مکروہ جماعتوں میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہوگا بلکہ منکر اور ممنوع ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ فتنہ سویا ہوتا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ پس اسلام کے والیوں' قاضیوں اور محتسبوں کو لازم ہے کہ اس اجتماع سے منع کریں اور اس بارہ میں بہت ہی زجر و تنبیہ کریں تاکہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ جڑ سے اکھڑ جائے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص وقت

(مکتوب ۲۹۳ دفتر اول) اس فرمان کی پہلے تو توضیح درج ہو چکی ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے بھی یہی کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو باوجود استمرار وقت کے ایک خاص اور نادر وقت بھی حاصل تھا اور وہ وقت

ادائے نماز کا وقت تھا۔حضرت ابوذر غفاریؓ بھی وراثت اور تبعیت کے طور پر اسی دولت سے مشرف ہوئے ہوں گے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے کامل تابعداروں کو آنحضرت ﷺ کے تمام کمالات سے وراثت کے طور پر کامل حصہ حاصل ہوتا ہے۔

نماز،نعمتِ عظمیٰ

(مکتوب ۳۰۴ دفتر اول) جاننا چاہئے کہ نماز میں تکبیر اولیٰ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ عابدوں اور نمازیوں کی نماز سے مستغنی اور برتر ہے اور وہ تکبیریں جو ارکان کے بعد میں ہیں اور اس امر کی رموز و اشارات ہیں کہ یہ رکن جو ادا ہوا ہے حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی عبادت لائق نہیں ہے رکوع کی تسبیح میں چونکہ تکبیر کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے آخر رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم نہ فرمایا۔برخلاف دونوں سجدوں کے کہ باوجود ان تسبیحات کے اول و آخر تکبیر کہنے کا امر کیا ہے تاکسی کو یہ وہم نہ ہو کہ سجود میں نہایت فروتنی اور پستی اور نہایت ذلت و انکسار ہے حق عبادت ادا ہو جاتا ہے اور اسی وہم کو دور کرنے کے لئے تسبیح میں لفظ اعلیٰ اختیار کیا ہے اور تکبیر کا تکرار بھی مسنون ہوا اور نماز مومن کی معراج ہے اس لئے آخر نماز میں ان کلمات کے پڑھنے کا حکم فرمایا جن کے ساتھ آنحضرت ﷺ شب معراج میں مشرف ہوئے تھے پس نمازی کو چاہئے کہ نماز کو اپنا معراج بنائے اور نہایت قرب نماز میں حاصل کرے۔حدیث پاک میں ہے "سب سے زیادہ قرب جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے وہ نماز میں ہوتا ہے اور نمازی چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے اور نماز ادا کرتے وقت حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کر کے حق تعالیٰ کا رعب و ہیبت اس پر چھا جاتا ہے اس لئے تسلی کے واسطے نماز کو دو سلاموں پر ختم کرنے کا امر فرمایا اور حدیث نبویؐ میں ہر فرض کے بعد سو ۱۰۰ دفعہ تسبیح و تحمید اور تکبیر و تحلیل کا حکم ہے۔فقیر کے علم میں اس کا بھید یہ ہے کہ ادائے نماز میں جو قصور اور کوتاہی واقع ہوئی ہے اس کی تلافی تسبیح و تکبیر کے ساتھ کی جائے اور اپنی عبادت کے ناتمام اور نالائق ہونے کا اقرار کیا جائے اور جب حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت کا ادا کرنا میسر ہو جائے تو اس نعمت کی حمد و شکر بجالانا چاہئے اور حق تعالیٰ کے سوا اور کسی کو عبادت کا مستحق نہ بنانا چاہئے۔جب نماز اس طرح شرائط و آداب کے ساتھ ادا ہو جائے اور بعد ازاں ان کلمات طیبہ کے ساتھ تقصیر و کوتاہی کی تلافی کی جائے تو امید ہے کہ وہ نماز حق تعالیٰ کے نزدیک قبول کے لائق ہو گی اور نمازی عذاب سے نجات پا جائے گا۔

(مکتوب ۳۰۵ دفتر اول) تجھے واضح ہو کہ نماز کے کامل اور پورے طور پر ادا کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز کے فرائض اور واجبات اور سنت و مستحب جن کی تفصیل کتب فقہ میں بیان کی گئی ہے سب کے

سب ادا کیے جائیں۔ یہ ان چاروں امور کے سوا اور کوئی امر نہیں ہے جس کا نماز کے تمام اور کامل کرنے میں دخل ہو نماز کا خشوع بھی ان چار امور میں مندرجہ ذیل ہے۔ دل کا خشوع و خضوع اور حضور بھی ان پر وابستہ ہے۔ بعض لوگ ان امور کے صرف جان لینے کو کافی سمجھتے ہیں اور عمل میں سستی اور سہل انگاری کرتے ہیں اس لیے نماز کے کمالات سے بے نصیب رہتے ہیں بعض لوگ حق تعالیٰ کے ساتھ حضور قلب میں بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن اعمال ادبیہ جوارح میں کم مشغول ہوتے ہیں اور صرف سنتوں اور فرضوں پر کفایت کرتے ہیں۔ یہ لوگ نماز کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ یہ لوگ نماز کے کمال کو غیر نماز میں ڈھونڈتے ہیں کیونکہ حضور قلب کو نماز کے احکام سے نہیں جانتے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے، نماز حضور قلب کے سوا کامل نہیں ہوتی، ممکن ہے اس حضور قلب سے مراد یہ ہو کہ ان امور رابعہ کے ادا کرنے میں دل کو حاضر رکھا جائے تا کہ ان امور میں کسی امر کے بجالانے میں فتور واقع نہ ہو اور اس حضور کے سوا اور کوئی حضور اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا۔ آنحضرت ﷺ کا سہواً عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار رکعتوں کی نماز فرض کی دو رکعتوں پر بھول کر سلام دے دی جیسے کہ مروی ہے پس منتہی کی نماز پر دنیاوی نتائج وثمرات کے باوجود آخرت کا بڑا بھاری اجر بھی مترتب ہے برخلاف نماز مبتدی اور عامی کے..... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ منتہی نماز میں قرآن پڑھنے اور تسبیحات و تکبیرات کے کہنے کے وقت اپنی زبان شجرہ موسوی کی طرح معلوم کرتا ہے اور اپنے قویٰ اور اعضاء کو آلات اور وسائل جانتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نماز ادا کرتے وقت باطن وحقیقت وظاہر وصورت سے پورے طور پر تعلق توڑ کر عالم غیب کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں اور غیب کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت حاصل کر لیتے ہیں۔ اب نماز سے فارغ ہو کر پھر اصل سوال کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ امور اربعہ مذکورہ کا پورے اور کامل طور پر بجالانا منتہی کے نصیب ہے۔ عامی اور مبتدی کو ان امور کے کامل اور پورے طور پر بجالانے کی توفیق کم حاصل ہوتی ہے اگرچہ ممکن اور جائز ہے۔

اشارہ سبابہ

(مکتوب ۳۱۲ دفتر اول) اشارہ سبابہ کے جواز کے بارے میں احادیث نبوی ﷺ بہت وارد ہیں اور فقہ حنفی کی بعض روایات بھی اس بارہ میں آئی ہیں جیسے کہ مولانا علم اللہ مرحوم نے اپنے رسالے میں لکھی ہیں جب فقہ حنفی کی کتابوں میں اچھی طرح مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کے جواز کی روایات اصول کی روایتوں اور ظاہر مذہب کے برخلاف ہیں۔ اور یہ جو امام محمد شیبانی نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اشارہ کیا کرتے تھے اس واسطے ہم بھی اشارہ کرتے ہیں اور ہم بھی کرتے ہیں جس طرح نبی کیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے کہا ہے کہ یہ میرا اور ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ امام شیبانیؒ کا یہ قول روایات نوادر سے ہے نہ

روایات اصول سے جیسے کہ فتاویٰ غرائب میں ہے اور محیط میں اس طرح آیا ہے کہ دائیں ہاتھ کا سبابہ انگلی سے اشارہ کریں یا نہ کریں- اصل میں امام محمدؒ نے اس مسئلہ کا ذکر ہی نہیں کیا البتہ مشائخ کا اس میں اختلاف ہے- بعض نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کریں اور بعض نے کہا ہے کہ اشارہ کریں- اور امام محمدؒ نے روایت اصول کے سوا ایک حدیث نبی ﷺ سے روایت کی ہے آنحضرت ﷺ اشارہ کرتے تھے پھر امام محمدؒ نے کہا ہے کہ یہ میرا اور امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے- بعض نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مستحب ہے- پھر کہا ہے کہ فتاویٰ غرائب میں فقہا نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے اور سراجیہ میں اس طرح ہے کہ نماز میں اشهد ان لا اله الا الله کے وقت کا اشارہ مکروہ ہے اور یہی مختار ہے اور کبریٰ سے بھی اسی طرح روایت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے اور فتویٰ غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت سبابہ سے اشارہ نہ کرے- یہی مختار ہے اور اسی پر ٹی ہے- جامع الرموز میں ہے کہ نہ اشارہ کرے اور نہ عقد کرے اور یہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول ہے جیسے کہ زاہدی میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور ہمارے اصحاب سے روایت ہے کہ سنت ہے- تارتار خانیہ سے خزانتہ الروایات میں مذکور ہے کہ جب تشہد میں لا اله الا الله پر پہنچے تو دائیں ہاتھ کی سبابہ انگلی سے اشارہ کرے لیکن امام محمدؒ نے اصل میں اس کو ذکر نہیں کیا البتہ مشائخ کا اس میں اختلاف ہے- بعض کہتے ہیں کہ نہ اشارہ کرے اور اسی طرح کبریٰ میں ہے اور اس میں فتویٰ ہے- بعض کہتے ہیں کہ اشارہ کرے اور غاثیہ سے روایت ہے کہ تشہد کے وقت سبابہ سے اشارہ نہ کرے یہی مختار ہے-

جب روایات معتبرہ میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہے اور اس کی کراہت پر فتویٰ دیا ہو اور اشارہ و عقد سے منع کرتے ہوں اور اس کو اصحاب کا ظاہر اصول کہتے ہیں تو پھر ہم مقلدوں کو مناسب نہیں کہ احادیث کے موافق عمل کر کے اشارہ کرنے میں جرأت کریں اور اس قدر علمائے مجتہدین کے فتاویٰ کے ہوتے ہوئے امر محرم اور مکروہ اور منہی کے مرتکب ہوں- حنفیہ میں اس امر کا مرتکب دو حال سے خالی نہیں ہے یا جانتا ہے کہ علماء مجتہدین کو اشارہ کے جواز کی معروفہ و مشہور احادیث کا علم نہ تھا جن سے اشارہ جواز ثابت نہیں ہوتا ہے یا وہ گمان کہ احادیث کا عالم جانتا ہے لیکن ان بزرگواروں کے حق میں ان احادیث کے مطابق عمل پسند نہیں کرتا- یہ دونوں شق فاسد ہیں- ان کے سوائے بے وقوف یا دشمن متعصب کے اور کوئی پسند نہیں کرتا- خیال کرتا ہے کہ انہوں نے احادیث کے برخلاف اپنی آراء کے موافق حرمت و کراہت کا حکم کیا ہے یہ دونوں شق فاسد ہیں- ان کو سوائے بے وقوف یا دشمن متعصب کے اور کوئی پسند نہیں کرتا- اور جو ترغیب الصلوٰۃ میں ہے کہ تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا علمائے متقدم کی

سنت ہے لیکن علمائے متاخرین نے منع کیا ہے- اس واسطے کہ جب رافضیوں نے اس میں مبالغہ کیا تو سنیوں نے ترک کر دیا- سنی سے رافضی کی تہمت کا دور کرنا روایات معتبرہ کے مخالف ہے کیونکہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول عدم اشارہ اور عدم عقد ہے پس اشارہ علمائے ماتقدم کی سنت ہے اور ترک کی وجہ تہمت کی نفی کا باعث نہیں ہے ان اکابر دین کے ساتھ ہمارا یہاں تک حسن ظن ہے کہ جب تک اس بارہ میں حرمت یا کراہت کی دلیل ان پر ظاہر نہیں ہوئی تب تک انہوں نے حرمت و کراہت کا حکم نہیں کیا- جب اشارہ کی سنت واستحباب کے ذکر کے بعد کہتے ہیں کہ فقہانے ذکر کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگواروں کے نزدیک اشارہ کی سنیت کے دلائل صحت کو نہیں پہنچے بلکہ اس کے خلاف ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوتا ہے-

حاصل کلام یہ کہ ہم کو اس دلیل کا علم نہیں ہے- اور یہ امر ان بزرگواروں کے حق میں قدح کا موجب نہیں ہے...... اور اپنے علم کو ان بزرگواروں کے علم پر ترجیح دینا حنفیہ کے ظاہر اصول کو باطل کرنا اور روایات معتبرہ ملفٰی بہا کو درہم برہم کرنا اور شاذ و نادر کہنا ہے...... جہاں تک ہو سکے انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ رکھنا سنت ہے جیسے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ "جہاں تک ہو سکے اپنے اعضاء کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے"...... اگر جواز اور عدم جواز اور حل و حرمت میں تعارض واقع ہو تو عدم جواز اور حرمت کی جانب ترجیح ہوگی اور اس مسئلہ میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں موافقت ممکن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تمام روایات کو مختلف اوقات میں کیا ہو میں کہتا ہوں کہ بہت سی روایات میں لفظ کان واقع ہوا ہے جو منطقیوں کے غیر کے نزدیک ادویات کلیہ میں سے ہے- اس صورت میں توفیق و موافقت ناممکن ہے-

(مکتوب ۲۰ دفتر دوم) جب نماز درست ہو جائے نجات کی بڑی بھاری امید ہے کیونکہ نماز کے قائم ہونے سے دین قائم ہو جاتا ہے اور مراتب کی بلندی کا معراج پورا ہو جاتا ہے-

(مکتوب ۶۹ دفتر دوم) مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ چوروں میں سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے- حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! نماز سے کس طرح چراتا ہے- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز میں چوری یہ ہے کہ رکوع و سجود کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا- رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز ادا کرتے دیکھا کہ رکوع و سجود پورا نہیں کرتا تو فرمایا کہ اللہ سے نہیں ڈرتا- اگر تو اسی حالت میں مر گیا تو دین محمدیؐ پر تیری موت نہ ہوگی یعنی تو دین محمد ﷺ کے برخلاف مرے گا- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کی نماز پوری نہیں ہوگی جب تک رکوع کے بعد سیدھا کھڑا نہ ہو اور اپنی پیٹھ کو ثابت نہ رکھے اور اس کا ہر عضو اپنی جگہ قرار نہ پکڑے- اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا ہے کہ جو شخص دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت اپنی پشت کو درست نہیں کرتا اور ثابت نہیں رکھتا اس کی نماز تمام نہیں ہوتی۔ حضرت رسالمآب ﷺ ایک نمازی کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ احکام وارکان و قومہ و جلسہ بخوبی ادا نہیں کرتا تو فرمایا کہ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو قیامت کے دن تو میری امت میں نہ اٹھے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ ایسا شخص ہے جو رکوع و سجود کو بخوبی ادا نہیں کرتا۔ زیدؓ بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع و سجود کو بخوبی ادا نہیں کرتا۔ اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو کب سے اس طرح کی نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ چالیس سال سے فرمایا کہ اس چالیس سال کے عرصے میں تیری کوئی نماز نہیں ہوئی اگر مر گیا تو نبی ﷺ کی سنت پر نہ مرے گا منقول ہے کہ جب بندہ مومن نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اس کے رکوع و سجود کو بخوبی بجالاتا ہے اس کی نماز بشاش اور نورانی ہوتی ہے۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور نماز اپنے نمازی کے لئے دعا کرتی ہے اور کہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی......اور اگر نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا تو وہ نماز سیاہ رہتی ہے۔ فرشتوں کو نماز سے کراہت آتی ہے اور اس کو آسمان پر نہیں لے جاتے۔ وہ نماز اس نمازی پر بددُعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری کسی مردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اس کو سو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے وقت صفوں کو برابر کرنا چاہئے نمازیوں میں سے کوئی شخص آگے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ سب ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ حدیث پاک ہے کہ صفوں کو درست کرنا نماز کی اقامت ہے۔

نماز اور حجاب

(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ نماز میں داخل ہوتا ہے تو وہ حجاب جو بندے اور خدا کے درمیان ہے دور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے اور اس سے بہت سا حصہ منتہی کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ حجاب کا دور ہونا منتہی کے ساتھ مخصوص ہے پس واسطہ اور حیلولہ کا اٹھ جانا اور دور ہونا ثابت ہے۔ یہ معرفت اس فقیر کی خاص لدنی معرفتوں میں سے ہے جو محض فضل و کرم سے اس فقیر کو عطا فرمائی ہے۔

نماز اور لطائف

(مبداء و معاد) نماز پڑھتے وقت جو کہ مومن کے لئے معراج ہے صاحب رجوع کے تمام لطائف بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر بالکل خلقت کی طرف۔ لیکن فرائض و سنن ادا کرتے وقت چھ لطیفے بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے اور نفل ادا کرتے وقت صرف عمدہ سے عمدہ لطیفے۔

نماز اور روح

(مبداء و معاد) نماز کے وقت خواہ قالب غافل ہو روح مع اپنے مراتب بارگاہ قدس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس واسطے نماز مومن کی معراج ہے۔ واضح رہے کہ یہ رجوع واصل جو بالتمام واقع ہوتا ہے۔ دعوت کا سب سے کامل مقام ہے۔

وتر کی نماز

(مبداء و معاد) میں وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کیا کرتا تھا اور کبھی پچھلے حصے میں ایک رات مجھ پر ظاہر کیا کہ تاخیر کی صورت میں ادائے وتر کی نیت ہے جو نمازی سو جاتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں ادا کروں گا تو کراماً کاتبین رات بھر وتر ادا کرنے تک اس کی نیکیاں درجہ کرتے رہتے ہیں پس وتر کو جتنی دیر سے ادا کریں اتنا ہی اچھا ہے۔ باوجود اس بات کے کہ مجھے وتر کی تعجیل و تاخیر سے سوائے متابعت نبوی کے ساتھ مقصود نہیں۔ میں کسی فضیلت کو متابعت نبوی کے برابر نہیں سمجھتا جناب سرور کائنات ﷺ وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کرتے تھے اور کبھی آخری حصے میں اپنی سعادت اس بات میں جانتا ہوں کہ کسی کام میں آنحضرت ﷺ سے تشبیہ حاصل کروں۔ خواہ تشبیہ بحسب صورت ہی ہو۔ مجھے ان کی کوتاہ اندیشی پر تعجب آتا ہے۔ ہم تو جو بھر متابعت کے بدلے ہزار شب بیداری کو بھی نہ خریدیں۔ جب ہم ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں معتکف ہوئے تو یاروں کو بلا کر کہا سوائے متابعت اور کچھ نیت نہ کرنا کیونکہ ہماری قطع تعلق کچھ وقعت نہیں رکھتی ہم ایک متابعت کو سو گرفتاری سے قبول کرتے ہیں لیکن غیر متابعت سے ہزار قطع تعلق کو بھی قبول نہیں کرتے۔

حقیقت صلوات

(مکتوب ۷۷ دفتر سوم) اس مرتبہ مقدسہ کے اوپر ایک اور نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے جس کو حقیقت صلوٰۃ کہتے ہیں جس کی صورت عالم شہادت میں منتہی نمازیوں کے ساتھ قائم ہے اور یہ جو قصہ معراج میں

آیا ہے۔

قف یا محمد فان الله یصلی (اے محمدؐ) ٹھہر جا کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھ رہا ہے۔ پس وہی عابد اور معبود ہے حقیقت کعبہ بھی اسی کا جزو ہے اور حقیقت قرآن بھی اسی کا حصہ کیونکہ صلوٰت مراتب عبادات کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت ثابت ہیں کیونکہ معبودیت صرف اس کے لئے ثابت ہے اور حقیقت صلوات جو تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ میں اس مرتبہ مقدسہ کی عبادت ہے جو اس کے اوپر ہے۔ دوسری عبادات صلواۃ کی تکمیل میں مدد دیتی ہیں اور اس کے نقص کی تلافی کرتی ہیں۔

رمضان المبارک تمام خیرات و برکات کا جامع مہینہ

(مکتوب ۱۶۲ دفتر اول) ماہ مبارک رمضان تمام خیرات و برکات کا جامع ہے اور جو خیر و برکت ہے وہ حضرت ذات ہی کی طرف سے پہنچی ہے اور اس کے شیونات کا نتیجہ ہے پس اس مبارک کی خیرات و برکت ان کمالات ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جن کی جامع شان کلام ہے اور قرآن مجید اسی شان جامع کی تمام حقیقت کا حاصل ہے پس اس ماہ مبارک کو قرآن مجید کے ساتھ پوری پوری مناسبت ہے کیونکہ قرآن مجید تمام کمالات کا جامع ہے اور یہ مہینہ ان تمام خیرات کا جامع ہے جو ان کمالات کے نتائج و ثمرات ہیں اسی مناسبت کے باعث قرآن مجید اسی مہینہ میں نازل ہوا اور (اس مہینے میں قرآن نازل ہوا۔ القرآن) اس مہینے میں شب قدر اس مہینے کا خلاصہ اور زبدہ ہے وہ رات گویا اس کا مغز ہے اور یہ مہینہ اس کا پوست پس جس کا یہ مہینہ جمعیت سے گزر جائے اور اس مہینہ کے خیرات و برکات سے فائدہ مند ہو جائے اس کا تمام سال جمعیت کے ساتھ خیر و برکت سے بھرا گزرتا ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص تم سے روزہ افطار کرنا چاہے تو اس کو تمر (کھجور) سے افطار کرنا چاہئے اس میں برکت ہے۔

تمر (کھجور) کی برکت

آنحضرت ﷺ نے روزہ تمر سے افطار کیا ہے اور تمر کا موجب یہ ہے کہ اس کا درخت ایک ایسا درخت ہے جو انسان کی طرح جامعیت اور عدلیت کے طور پر پیدا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ پیغمبر ﷺ اس نخل کو بنی آدم کی عمہ (پھوپھی) فرمایا ہے کیونکہ وہ حضرت آدمؑ کی بقیہ مٹی سے پیدا کی گئی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا نام برکت اور اسی جامعیت کے اعتبار سے ہو پس اس کے پھل سے جو تمر ہے افطار کرنا صاحب افطار کی جزو بن جاتا ہے اور اس کی جامع حقیقت اس جزئیت کے اعتبار سے اس کھانے والے کی حقیقت

کا جزو ہو جاتی ہے اور اس کا کھانے والا اس اعتبار سے انگنت شمار کمالات کا جامع ہو جاتا ہے جو اس تمر کی حقیقت جامع میں مندرج ہے یہ مطلب اگرچہ اس کے مطلق کھانے میں حاصل ہو جاتا ہے لیکن افطار کے وقت جو روزہ دار کے شہوات مانع اور لذات فانیہ سے خالی ہونے کا وقت ہے اس کا کھانا زیادہ تاثیر کرتا ہے اور یہ مطلب کامل اور پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے یہ جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کی بہتر سحری تمر سے ہے اس اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ اس کی غذا میں جو صاحب غذا کی جزو ہو جاتی ہے اس کی حقیقت کی تکمیل بنے نہ کہ غذا کی حقیقت اور جب یہ مطلب روزہ میں مفقود ہے تو اس کی تلافی کے لئے تمر کی سحور پر ترغیب فرمائی کہ گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ رکھتا ہے اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطار کے وقت تک رہتی اور غذا کا یہ فائدہ جو مذکور ہو چکا ہے اس تقدیر پر مترتب ہوسکتا ہے جبکہ وہ غذا تجویز شرعی کے مطابق واقع ہو اور شرعی حدود سے سر مو تجاوز نہ ہو اور نیز اس فائدہ کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے جبکہ اس کا کھانے والا صورت سے گزر کر حقیقت تک جا پہنچا ہوا اور ظاہر سے باطن تک پہنچ گیا ہو تا کہ غذا کا ظاہر اس کے باطن کو مدد دے اور غذا کا باطن اس کے باطن کو کمل کرے ورنہ صرف ظاہری اور اوپر ہی موقوف ہے اور اس کا کھانے والا عین قصور میں ہے جلدی افطار کرنے اور سحری دیر سے کھانے میں حکمت یہی ہے کہ صاحب غذا کے لئے غذا کی تکمیل ہو جائے۔

رمضان المبارک کی اہمیت

(مکتوب ۴۵ دفتر اول) اس مہینے کو قرآن مجید کے ساتھ (جو تمام ذاتی اور شیونی کمالات کا جامع ہے اور اس کا دائرہ اصل میں داخل ہے جس میں کسی ظلیت کو راہ نہیں اور قابلیت اولیٰ یعنی حقیقت محمدیہ اس کا ظل ہے) بڑی مناسبت رکھتا ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے اس مہینے میں قرآن مجید کا نزول واقع ہوا اس مناسبت کے باعث یہ مہینے بھی تمام خیرات و برکات کا جامع ہے جو برکت و خیر کی تمام سال میں ہر شخص کو پہنچتی ہے خواہ وہ کسی راہ سے پہنچے اس مبارک مہینے کی بے نہایت برکتوں کے دریا کا ایک قطرہ ہے اس مہینے تمام سال کی جمعیت ہے اور اس مہینے کا تفرقہ تمام سال کا تفرقہ ہے۔ پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس پر یہ مہینہ خوشی خوشی گزر گیا اور نیز قرآن مجید کہ ختم کرنا اس مہینے اسی واسطے سنت ہوا ہے تا کہ تمام اصلی کمالات اور ظلی برکات حاصل ہو جائیں۔

پس جس نے ان دونوں کو جمع کیا امید ہے کہ وہ اس مہینے کی برکات اور خیرات سے محروم نہ رہے گا وہ برکتیں جو اس مہینے سے واسطہ ہیں وہ اور ہیں اور وہ خیرات جو اس مہینے کی راتوں کے متعلق ہیں وہ اور ہیں اور ممکن ہے کہ اسی حکمت کے سبب یہ حکم ہوا ہو کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں دیر کرنا اولی و

افضل ہے۔ تاکہ دونوں وقتوں کے حصوں کے درمیان پورا پورا امتیاز حاصل ہو جائے۔

(مکتوب ۴۵ دفتر اول) جاننا چاہئے کہ رمضان کا مہینہ بڑا بزرگ ہے۔ عبادت نفلی از قسم نماز و روزہ صدقہ وغیرہ جو اس مہینہ میں ادا کی جائے دوسرے مہینوں کے فرض ادا کرنے کے برابر ہے۔ اور اس مہینے کے فرضوں کا ادا کرنا دوسرے مہینے کے ستر فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص اس مہینہ میں روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کو بخش دیتے ہیں اور اس کی گردن کو دوزخ سے آزاد کر دیتے ہیں اور اس کو روزہ دار کے اجر کے برابر اجر عطا کرتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ اجر کو کم کردیں۔ اور ایسے ہی اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کی خدمت میں کمی کرے تو حق تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کی گردن دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں آنحضرت ﷺ قیدیوں کو آزاد کر دیا کرتے تھے اور جو کچھ آپؐ سے کوئی مانگتا اس کو دے دیتے تھے۔ اگر کسی شخص کو اس مہینے میں خیرات اور اعمال صالحہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو تمام سال تک توفیق اس کے شامل حال رہتی ہے اور اگر یہ مہینہ پراگندگی سے گزرا تو تمام سال ہی پراگندہ گزرتا ہے۔ اس مہینے کی ہر رات میں کئی ہزار دوزخ کے لائق اشخاص کو آزاد کر دیتے ہیں اور اس مہینے میں بہشت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیر ڈالے جاتے ہیں اور رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا اور سحرگی کو دیر سے کھانا سنت ہے۔ اس بارہ میں آنحضرت ﷺ بڑا مبالغہ کرتے تھے اور شاید سحرگی کی تاخیر اور افطار کی جلدی میں اپنے عجز و احتیاج کا اظہار ہے جو مقام بندگی کے مناسب ہے۔ کھجور چھوہارہ سے افطار کرنا سنت ہے تراویح کا ادا کرنا اور قرآن مجید کا ختم کرنا سنت موکدہ ہے اور اس سے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کے ظہور کے وقت ہندوستان کا ماحول کفار اور مشرکین

(مرتب) جب حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ظاہر ہوئے اس وقت نام نہاد اسلامی حکومت کے باوجود ہندو اکثریت نہ صرف تجارت سیاست و معیشت اور ملک کے انتظامی شعبوں پر مسلط تھی بلکہ انہوں نے اپنے مذہبی عقائد کو بھی برتری دے رکھی تھی اور اسلام کی روح اوہام اور بے عملی اور مذہب سے عملی بے اعتنائی کے باعث دبیز پردوں میں چھپ چکی تھی۔ بحیثیت مجموعی مسلمان اسلامی شعائر سے غافل ہو چکے تھے اور سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے حکومت وقت ہندو مذہب کی تقویت اور اسلامی تعلیمات سے عملی انحراف کے لئے ہندوؤں کی سرپرستی کر رہی تھی۔ شہنشاہ اکبر کے دور میں یہ سلسلہ اپنے عروج تک پہنچ چکا تھا اور تاریخ کے مطابق دین الٰہی کی ملحدانہ اثر پذیری سے اسلام کو مذہبی اور سیاسی طور پر زوال اور تاریکی میں دھکیلا جا رہا تھا۔ ایک مورخ

کے مطابق دربار اکبری کے رنگ میں رنگے ہوئے مسلمانوں میں ایک بہت بڑا ملحد گروہ پیدا ہو چکا تھا۔ جو توحید رسالت کے بغیر اسلام کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ فلسفیانہ انداز فکر رکھنے والے خود ساختہ دانشوروں نے ابطال نبوت پر کتابیں لکھیں تاکہ حکومت کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ درحقیقت یہ نبوت محمدی کا براہ راست انکار اور کتاب وسنت کو ختم کرنے کی سازش تھی اور تیزی سے کامیابی کے ساتھ ترویج دے کر کامیابی کی راہ ہموار کی جارہی تھی۔ زمانہ ساز اور دنیا پرست صوفیوں نے طریقت کو شریعت سے علیحدہ اور آزاد ٹھہرا دیا تھا جس سے جمہور مسلمان گمراہ ہو رہے تھے احکام قرآن وحدیث کی پابندی کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔ الہام اور ابہام میں تمیز نہ رہی تھی۔ وساوس شیطانی اور کشف میں کوئی امتیاز نہیں باقی نہ رہا تھا۔ صوفیاء نے متقدمین کے شطحیات کی غلط سلط توجیہات قائم کر کے کتاب وسنت اور توحید رسالت کے بارے میں مضحکہ خیز نظریات پھیلا کر اسلام کا حلیہ مسخ کر دیا تھا۔ علمائے سوء کی بہت بڑی تعداد حکومت وقت کی ہم نوائی میں مصروف تھی۔ ایسے تاریک اور حوصلہ شکن ماحول اور خوفناک حالات میں حضرت مجدد الف ثانی نے کتاب وسنت کی برتری قائم کرنے اور احیائے اسلام کے لئے زبردست جہاد کا آغاز کیا۔ ہر عمل اور ہر فیصلے کا معیار کتاب وسنت کو بنایا جو اس دور میں انتہائی کٹھن کام تھا۔ اسلام اور کفر کو نمایاں کر کے ان کا فرق واضح کیا جو کہ آپس میں گڈمڈ کر دیئے گئے تھے۔ انہوں نے ہر محاذ پر ملحد اور کفر پرست طبقات کا مردانہ وار مقابلہ کیا جس کی جھلکیاں ان کے مندرجہ ذیل مکتوبات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں:

(مکتوب ۱۶۳ دفتر اول) اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کو ثابت وقائم کرنا دوسرے کے دور ہو جانے کا باعث ہے اور ان دو ضدوں کے جمع ہونے کا احتمال محال ہے۔ پس جب اپنے پیغمبر ﷺ کو جو خلق عظیم سے موصوف ہیں کفار کے ساتھ جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان پر سختی کرنا خلق عظیم میں داخل ہے۔ پس اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی خواری میں ہے۔ جس نے اہل کفر کو عزیز رکھا اس نے اہل اسلام کو خوار کیا ان کے عزیز رکھنے سے یہ مراد نہیں کہ ان کی تعظیم کریں اور بلند بٹھائیں بلکہ اپنی مجالس میں جگہ دینا اور ان کی ہم نشینی کرنا اور ان کے ساتھ گفتگو کرنا سب اعزاز میں داخل ہے۔ کتوں کی طرح ان کو دور کرنا چاہئے اور اگر کوئی دنیاوی غرض ان کے متعلق ہو جو ان کے بغیر حاصل نہ ہوتی ہو تو پھر بے اعتباری کے طریق کو مدنظر رکھ کر بقدر ضرورت ان کے ساتھ میل جول رکھنا چاہئے۔ کمال اسلام تو یہ ہے کہ اس دنیاوی غرض سے بھی درگزر کریں اور ان کی طرف نہ جائیں حق تعالیٰ نے اہل کفر کو اپنا اور اپنے پیغمبر ﷺ کا دشمن فرمایا ہے پس ان خدا اور رسول کے دشمنوں کے ساتھ ملنا جلنا اور محبت کے کرنا بھاری گناہ ہے۔ کم از کم ضرر ان کی ہم نشینی اور ملنے جلنے میں یہ ہے کہ احکام شرعی کے جاری

کرنے اور کفر کی رسموں کو مٹانے کی طاقت مغلوب ہو جاتی ہے اور دوستی کا حیا اس کا مانع ہو جاتا ہے۔ یہ ضرر حقیقت میں بہت بڑا ضرر ہے۔ خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی والفت کرنا خدائے تعالیٰ اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی تک پہنچا دیتا ہے۔ ایک شخص گمان کرتا ہے کہ وہ اہل اسلام میں سے ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان وتصدیق رکھتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ اس قسم کے برے اعمال اس کی اسلام کی دولت کو پاک وصاف لے جاتے ہیں۔ ان نابکاروں کا کام اسلام اور اہل اسلام پر ہنسی ٹھٹھہ کرنا ہے۔ ہر وقت اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اگر قابو پائیں تو ہم کو اسلام سے باہر کر دیں یا سب کو قتل کر دیں (۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں یہ ہولناک مناظر ہم دیکھ چکے ہیں۔ مرتب) یا کفر میں لوٹا دیں۔ پس اہل اسلام کو بھی شرم آنا چاہئے کہ حیا ایمان سے ہے اور مسلمانی کی عار ضروری ہے۔ ہمیشہ ان کی خواری کے درپے رہنا چاہئے۔ ہندوستان میں اہل کفر سے جزیہ منسوخ ہونے کا باعث یہی ہے کہ اہل کفر اس ملک کے بادشاہوں کے ساتھ ہم نشین ہیں۔ ان سے جزیہ لینے کا اصل مقصد ان کی ذلت اور خواری ہے اور یہ خواری اس حد تک ہے کہ جزیہ کے ڈر سے اچھے کپڑے نہ پہن سکیں اور شان وشوکت سے نہ رہ سکیں اور مال کے جانے کے ڈر سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہیں۔ بادشاہوں کو کیا لائق ہے کہ جزیہ لینے سے منع کریں۔ .... حق تعالیٰ نے جزیہ کو ان کی خواری کے لئے وضع کیا ہے اس سے مقصود ان کی رسوائی اور اہل اسلام کی عزت اور غلبہ ہے۔ اہل کفر کے ساتھ بغض وعناد رکھنا دولت اسلام کے حاصل کرنے کی علامت ہے۔ حق تعالیٰ نے کلام مجید میں ان کو نجس اور دوسری جگہ رجس فرمایا ہے پس چاہئے کہ اہل اسلام کی نظروں میں اہل کفر نجس اور پلید دکھائی دیں۔ جب ایسا دیکھیں گے اور جانیں گے تو ضرور ان کی صحبت سے پرہیز کریں گے اور ان کے ساتھ ہم نشینی کرنے کو برا سمجھیں گے۔ ان سے کچھ پوچھنے اور اس کی موافق عمل کرنے میں ان دشمنوں کی کمال عزت ہے۔ بھلا جو کوئی ان سے ہمت طلب کرے اور ان کے ذریعے دعا مانگے وہ کیا فائدہ دے گی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں۔ ان دشمنوں کی دعا باطل اور بے حاصل ہے۔ مقبولیت کا یہاں کیا احتمال ہے۔ ہاں اس قدر فساد ضرور لازم آتا ہے کہ ان کتوں کی عزت بڑھ جاتی ہے اگر یہ دعا بھی کریں تو اپنے بتوں کو درمیان میں وسیلہ لائیں گے تو خیال کرنا چاہئے کہ یہ معاملہ کہاں تک پہنچ جاتا ہے اور مسلمانی کی بو بھی نہیں رہنے دیتا۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ جب تک تم سے کوئی دیوانہ ہو جائے مسلمانی تک نہیں پہنچتا۔ اس دیوانہ پن سے مراد یہ ہے کہ کلمہ اسلام کو بلند کرنے کے لئے نفع وضرر سے درگزر کیا جائے مسلمانی کے ساتھ جو کچھ بھی ہو جائے ہونے دو۔ اگر اس کے ساتھ کچھ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں کیونکہ مسلمانی خدائے تعالیٰ اور اس کے پیغمبر

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضامندی ہے اور رضائے مولیٰ سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔

کفار کو عذاب

(مکتوب ۲۱۴ دفتر اول) پس کفار کے بارے میں حق تعالیٰ نے کفر موقت کے لئے ہمیشہ کا عذاب موافق ومناسب جزا فرمائی ہے تو معلوم ہوا کہ کفر موقف کی ہم مثل یہی ہمیشہ کا عذاب ہے۔

کفار کی سختی

(مکتوب ۱۶۵ دفتر اول) اور کفار کے ساتھ جو خدا اور رسول ﷺ کے دشمن ہیں دشمن ہونا چاہئے اور کسی وجہ سے ان کو عزت نہ دینی چاہئے اور ان بدبختوں کو اپنی مجلس میں داخل نہ ہونے دینا چاہئے اور ان سے انس ومحبت نہ کرنی چاہئے اور ان کے ساتھ شدت وسختی کا طریق برتنا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے کسی امر میں ان کی طرف رجوع نہ کرنا چاہئے اور اگر بالفرض کوئی ضرورت پڑ جائے تو قضائے حاجت انسانی کی طرح چاروناچار اپنی ضرورت ان سے پوری کرنی چاہئے۔

(مکتوب ۱۹۳ دفتر اول) اسلام اور اہل اسلام کی عزت کفر کی خواری میں ہے۔ جزیہ سے مقصود کفار کی خواری اور ان کی اہانت ہے۔ جس قدر اہل کفر کی عزت ہو اسی قدر اسلام کی ذلت ہے۔ اسی سررشتہ کو اچھی طرح نگاہ میں رکھنا چاہئے۔ اکثر لوگوں نے اس رشتہ کو گم کر دیا ہے اور بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' اے نبی ﷺ کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور ان کے ساتھ سختی سے معاملہ کریں۔ کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ان پر سختی کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔ کفر کی باتی رسمیں جو پہلے زمانے میں پیدا ہوئی تھیں اس وقت بادشاہ اسلام کو اہل کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی۔ مسلمانوں کے دلوں پر بہت گراں اور بھاری معلوم ہوتی ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہ اسلام کو ان بدمذہبوں کی رسموں کی برائی سے مطلع کریں اور ان کے دور کرنے میں کوشش کریں۔ شاید بادشاہ کو ان بقایا رسوم کی برائی کا علم نہ ہو اور اگر وقت کے لحاظ سے مناسب سمجھیں تو بعض علمائے اسلام کو اطلاع دیں تاکہ وہ آکر اہل کفر کی برائی ظاہر کریں کیونکہ احکام شرعی کی تبلیغ کے لئے خوارق وکرامات کا اظہار کرنا کچھ درکار نہیں۔ قیامت کے دن کوئی عذر نہ سنیں گے دل میں کسی نہ کسی امر کی تمنا ضرور ہوا کرتی ہے لیکن اس فقیر کی تمنا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے اور ان بدبختوں کی اہانت کی جائے اور ان کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل کیا جائے۔ یہ فقیر یقیناً جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عمل سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب اور کوئی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار آپ کو اس عمل کے لئے ترغیب دیتا

ہے اور اس کام کو بجالانا اسلام کے نہایت ضروری کاموں میں سمجھتا ہے-ان بدبختوں اور ان کے جھوٹے خداؤں کی تحقیر اور توہین میں بہت کوشش کرنا چاہئے اور ظاہر و باطن میں جس قدر ہو سکے ان لوگوں کی بربادی کی کوشش کرنا چاہئے اور اس تراشیدہ و ناتراشیدہ بت کی طرح اہانت کرنا چاہئے-

ہندو اور کفر

(مکتوب ۴۶ دفتر دوم) ہندوستان کے ہندو بھی اپنے آپ کو ہندو کہلواتے ہیں اور لفظ کفر کے اطلاق سے کنارہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے بلکہ دار حرب کے رہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ دونوں کافر ہیں اور کفر کی حقیقت سے متحقق ہیں-

(مکتوب ۳ دفتر ۳) کفار بد کردار حق تعالٰی کے غیر کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بناتے ہیں-اس خیال فاسد سے کہ یہ بت حق تعالٰی کے نزدیک ان کے شفیع ہوں گے اور ان کے ذریعے اللہ تعالٰی کی جناب میں قرب پائیں گے-ان بے وقوفوں نے کہاں سے معلوم کیا کہ ان کو شفاعت کا مرتبہ حاصل ہوگا شریک بنانا نہایت ہی خواری اور رسوائی کا موجب ہے عبادت آسان امر نہیں ہے کہ ہر سنگ و جماد کے لئے کی جائے اور اپنے آپ کو عاجزانہ اور کمتر کو عبادت کا مستحق تصور کیا جائے الوہیت کے معنی کے بغیر عبادت کا استحقاق بھی نہیں-الوہیت کی صلاحیت وجوب وجود پر وابستہ ہے- جو وجوب وجود نہیں رکھتا الوہیت کے لائق اور عبادت کا مستحق نہیں-عجیب بے وقوف ہیں کہ وجوب وجود میں تو کسی کو حق تعالٰی کا شریک نہیں جانتے لیکن عبادت میں بہت سے شریک ثابت کرتے ہیں-یہ نہیں جانتے کہ وجوب وجود عبادت کے استحقاق کی شرط ہے-جب وجوب وجود میں شریک نہیں تو عبادت کے استحقاق میں شریک نہ ہوگا-عبادت کے استحقاق میں شریک بنانا گویا وجوب وجود میں شریک بنانا ہے-وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں' جو بت خانے گرانے اور غیر کی عبادت کے استحقاق کو رفع کرتے ہیں-مشرک ان بزرگواروں کی زبان میں وہ شخص ہے جو حق تعالٰی کے غیر کی عبادت میں گرفتار ہے اگرچہ وہ وجوب وجود کے شریک کی نفی کا قائل ہو کیونکہ ان کا اہتمام ماسوائے حق کی عبادت کی نفی ہے- جو عمل معاملہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں وجوب وجود کے شریک کی بھی نفی ہے پس جب تک ان بزرگواروں کی شرائع کے ساتھ جن میں ماسوائے اللہ کے استحقاق عبادت کی نفی ہے متحقق نہ ہوں شرک سے نہیں بچ سکتے- آفاقی انفسی خداؤں کی عبادت سے شرک سے نجات نہیں ملتی کیونکہ انبیاء کی شرائع ہی مطلب کی متکفل ہیں بلکہ ان کی بعثت سے مقصود ہی اس دولت کا حاصل ہونا ہے-ان بزرگواروں کی شرائع کے بغیر اس شرک سے نجات نہیں ملتی اور نہ ان کی مذہب کے التزام کے

بغیر توحید نہیں ہوتی - اس سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ شرک نہیں بخشا جاتا - باقی تمام شرعیات کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا - کیونکہ شرائع کا انکار اللہ تعالیٰ کا کفر و انکار ہے - جس طرح شرک نہیں بخشا جائے گا - باقی تمام شرعیات کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا - پھر کفر کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے غیر کی عبادت کا عدم استحقاق بدیہی ہے - شے کا مقصود اس شے کا معبود ہوتا ہے پس حق تعالیٰ کے معبود ہونے کی نفی اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کا غیر مقصود نہ ہو اور حق تعالیٰ کے سوا کوئی اس کی مراد نہ ہو -

مشرکین

(مکتوب ۲۲ دفتر سوم) یہ جو حضرت ابن عباسؓ سے نقل ہے کہ مشرک کتوں کی طرح نجس العین ہیں - اس قسم کی شاذ و نادر نقلیں دین کے بزرگواروں سے بہت آئی ہیں لیکن یہ سب تاویل اور توجیہہ پر محمول ہیں - یہ لوگ کس طرح نجس العین ہو سکتے ہیں جبکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کے گھر سے کھانا کھایا ہے اور مشرک کے برتن سے وضو کیا ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی نصرانی عورت کے گھڑے سے وضو کیا ہے - نجاست سے مراد خبث باطن ہے کیونکہ منقول ہے کہ کوئی پیغمبر کسی ایسے امر کا مرتکب نہیں ہوا جس کا انجام اس کی شریعت میں یا کسی دوسرے کی شریعت میں حرمت تک پہنچا ہو اور آخر میں حرام ہو گیا ہو اگر چہ وہ امر ارتکاب کے وقت مباح ہی کیوں نہ ہو مثلاً شراب جو پہلے مباح تھی اور پھر حرام ہوئی اس کو کسی پیغمبر نے نہیں پیا - اگر مشرکوں کو انجام کار ظاہری نجاست پر قرار پاتا اور کتوں کی طرح نجس العین ہوتے تو آنحضرت ﷺ جو محبوب رب العالمین ہیں ہرگز ان کے برتنوں کو ہاتھ نہ لگاتے چہ جائیکہ آب و طعام پیتے کھاتے نجس العین ہر وقت نجس العین ہے - پہلی اور پچھلی اباحت کی اس میں گنجائش نہیں - اگر مشرک نجس العین ہوتے تو چاہئے تھا کہ ابتداء ہی سے ایسے ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اول ہی سے ان کے اندازہ کے موافق معاملہ فرماتے آپ کو معلوم ہے کہ ان کی نجاست کے حکم کرنے اور ان کو نجس العین جاننے میں مسلمانوں پر کس قدر تنگی آئے گی اور کس قدر رنج و تکلیف میں پڑیں گے - آئمہ حنفیہ کا ممنون احسان ہونا چاہئے جنھوں نے مسلمانوں کے لئے مخلصی پیدا کر دی ہے اور حرام کے قائل ہیں از روئے عادت محال ہے کہ اپنے آپ کو اس کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکیں خاص کر ملک ہندوستان میں جہاں یہ ابتلا زیادہ تر ہے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا مشکل ہے اس مسئلہ میں کہ جس میں عام لوگ مبتلا ہیں بہتر یہی ہے کہ سب سے آسان اور سہل امر پر فتویٰ کریں - اگر اپنے مذہب کے موافق نہ ہو سکے تو جس مجتہد کے قول کے مطابق زیادہ آسانی اور سہولت ہو اس پر

فتویٰ دینا چاہئے۔ اگر مشرک نجس العین ہوتے تو چاہئے تھا کہ ایمان لانے سے بھی پاک نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ ان کی نجاست خبث باطن اور بداعتقادی کے باعث ہے جو دور ہو سکتی ہے۔ اور صرف باطن ہی موقوف ہے جو اعتقاد کا محل ہے اور اندرونی نجاست سے خبث اعتقاد ہوتا تاکہ دلیلیں باہم متعارض اور مختلف نہ ہوں اور ان کا ہاتھ لگانا یا چھونا کسی وقت مخذور و ممنوع نہ ہو۔ اس تصدیق اور طول کلامی سے اصلی مقصود یہ ہے کہ آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث کہ جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں اور وہمی نجاست کے باعث مسلمانوں کی بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث کہ جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں اور وہمی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں اور اس کو احتیاط خیال نہ کریں بلکہ احتیاط اس احتیاط کے ترک کرنے میں سے ہے۔

مساجد کا انہدام

(مکتوب ۹۲ دفتر سوم) کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد اور مندر تعمیر کر رہے ہیں چنانچہ تھانسیر میں حوض کرکھیت کے درمیان ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا۔ اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجالا رہے ہیں اور مسلمان کو اکثر اسلامی احکام کے جاری کرانے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اس دن نہ روٹی پکائے اور نہ فروخت کرے اور ماہ رمضان میں برملا نان و طعام پکاتے اور بیچتے ہیں مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی روک نہیں سکتا۔

سکھوں کے گرو گوبند سنگھ

(مکتوب ۱۹۳ دفتر اول) کافر لعین گوبند اور اس کی اولاد کا مارا جانا خوب ہوا اور ہنود مردود کی شکست کا باعث ہوا۔ خواہ کسی نیت سے قتل کیا ہو اور خواہ کسی غرض سے اس کو ہلاک کیا گیا ہو بہر حال کفار کی خواری اور اہل اسلام کی ترقی ہے۔ اس فقیر نے اس کافر کے قتل ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ بادشاہ وقت نے شرک کے سر کی کھوپڑی کو توڑا ہے۔ واقعی وہ بہت بت پرست اور اہل شرک کا رئیس اور اہل کفر کا امام تھا اور دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاؤں میں اہل شرک کو اس عبادت میں لعنت و نفرین فرمائی ہے۔

کفار اور جذبہ

(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) ہم نے بہت سے ہنود اور ملحدوں کو دیکھا ہے کہ جذبہ رکھتے ہیں لیکن چونکہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہیں اس لئے خراب وابتر ہیں اور جذب کی صورت کے سوا کچھ نصیب نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعض کفار ایک قسم کی محبوبیت رکھتے ہیں جو ان کے جذب کے حاصل ہونے کا باعث ہوئی ہو لیکن ان کو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں اس لئے خوار اور زیاں کار رہے ہیں اور اس جذب نے جحت کے سوا اور کچھ ان پر درست نہیں کیا ان کی استعداد کو جتلا دیا ہے جس کو وہ جہل و عداوت کے باعث قوت سے فعل یعنی پوشیدگی سے ظہور میں نہیں لائے۔

دو قومی نظریہ کا بنیادی تصور

(مکتوب ۶۷ دفتر اول) (ہردے رام ہندو کو جواب جس نے آپ کی خدمت میں دو خطوط لکھے تھے) جان لے اور آگاہ ہو کہ ہمارا تمہارا بلکہ جہاں والوں یعنی آسمانوں اور زمین، اعلیٰ واسفل والوں کا پروردگار صرف ایک ہی ہے اور وہ بے چون اور بے چگون ہے۔ شبیہ و مانند سے منزہ اور شکل و مثال سے مبرا ہے۔ پدر و فرزند ہونا اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ اس بارگاہ میں ہمسر اور ہم مثل ہونے کی کیا مجال ہے۔ اتحاد و حلول کی آمیزش اس کی شان میں بُری ہے اور کلون و بروز یعنی پوشیدہ ہونے اور ظاہر ہونے کا گمان اس جناب پاک کے حق میں قبیح ہے۔ وہ زمانی نہیں ہے کیونکہ زمانہ اس کا پیدا کیا ہے اور نہ وہ مکانی ہے کیونکہ مکان اسی کا بنایا ہوا ہے اس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں اور اس کے بقاء کی کوئی انتہا نہیں۔ سب قسم کا خیر و کمال اس کی ذات میں ثابت ہے اور سب قسم کے نقص و زوال اس سے مسلوب ہیں۔ پس عبادت کا مستحق اور پرستش کے لائق وہی حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔

رام کرشن وغیرہ جو ہندوؤں کے معبود ہیں اس کی کمینہ مخلوقات میں سے ہیں اور ماں باپ سے پیدا ہوئے رام جسرتھ کا بیٹا اور لچھمن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے۔ جب رام اپنی بیوی کو نگاہ نہ رکھ سکا تو پھر وہ دوسرے کی کیا مدد کرسکتا ہے۔ عقل اور دور اندیشی سے کام لینا چاہئے اور ان کی تقلید پر نہ چلنا چاہیئے بڑے عار کی بات ہے کہ کوئی تمام جہانوں کے پروردگار کو رام یا کرشن کے نام سے یاد کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عظیم الشان بادشاہ کو کمینہ خاکروب کے نام سے یاد کرے۔ رام اور رحمن کو ایک جاننا بڑی بے وقوفی ہے۔ خالق مخلوق کے ساتھ ایک نہیں ہوتا اور چون اور بے چون کے ساتھ متحد نہیں ہوتا رام اور

کے بعد کیا ہو گیا اور کرشن کے نام کو اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرتے ہیں اور رام اور کرشن کی یاد کو پروردگار کی یاد جانتے ہیں- ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے-

ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ایک لاکھ پچیس ہزار کے قریب گزرے ہیں سب نے خلقت کو خالق کی عبادت کرنے کی ترغیب دی اور غیر کی عبادت سے منع کیا ہے اور اپنے آپ کو بندہ عاجز جان کر اس کی ہیبت اور عظمت سے ڈرتے اور کانپتے رہے- ہندوؤں کے معبودوں نے خلقت کو اپنی عبادت کی ترغیب دی اور اپنے آپ کو معبود سمجھا ہے- اگرچہ پروردگار کے قائل ہیں لیکن اپنے آپ میں اس کا حلول واتحاد ثابت کیا ہے اور اسی باعث سے خلق کو اپنی عبادت کی طرف بلاتے ہیں- اور اپنے آپ کو معبود کہلایا ہے اور بے کھٹکے محرمات میں پڑے ہیں- اس خیال سے کہ کسی چیز سے ممنوع نہیں ہے- اپنی خلق میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے- اس قسم کے بے ہودہ اور فاسد خیالات بہت رکھتے ہیں- یہ لوگ خود بھی گمراہ ہو گئے اوروں کو بھی گمراہ کر دیا برخلاف پیغمبروں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ انہوں نے جن باتوں سے مخلوقات کو منع کیا ہے ان سے اپنے آپ کو بھی پورے اور کامل طور پر باہر رکھا ہے اور اپنے آپ کو انسانوں کے ساتھ ہی کہتے رہے-

نوٹ:

اس مکتوب میں حضرت مجددؒ نے واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ رام کی پوجا کرنے والی قوم اور رحمٰن کی توحید و رسالت پر ایمان رکھنے والی قوم بنیادی طور پر مذہب اور عقائد کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں- اُس کے علاوہ اجتماعی اور انفرادی زندگی کے تمام شعبوں میں بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں لہٰذا اصولی طور پر مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں جن میں کسی صورت اتحاد نہیں ہو سکتا کیونکہ دو ضدوں کا جمع ہونا ممکن نہیں حقیقت میں مکتوب گرامی دو قومی نظریہ کا بنیادی تصور ہے جس کی بنیاد ٹھوس اور تاریخی حقائق پر ہے (مرتب)

کفار کی ہجو

(مکتوب ۱۳۹ دفتر اول) جب کفار قریش نے اپنی کمال بدنصیبی سے اہل اسلام کی ہجو اور برائی میں کمال مبالغہ کیا تو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلامی شاعروں کو حکم دیا کہ کفار نگونسار کی ہجو کریں- وہ شاعر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے منبر پر چڑھ کر کھلم کھلا کفار کی ہجو میں اشعار پڑھتے تھے اور آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ جب تک وہ کفار کی ہجو کرتے رہتے، روح القدس ان کے ساتھ ہے- خلق کی

ملامت وایذا عشق کی غنیمت ہے۔

پہاڑ کی بلندی پر رہنے والے بت پرست

(مکتوب ۲۵۹ دفتر اول) ہمارے اصحاب ماتریدیہ نے بعض امور مثل وجود صانع کو اثبات اور اس کی وحدت میں عقل کے استقلال سے کیا مراد رکھی ہے کہ انہوں نے پہاڑ کی بلندی پر رہنے والے بت پرستوں کو ان دونوں وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت کے لئے مکلف کیا ہے اگرچہ اس کو پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی کفر اور خلود فی النار کا حکم دیا ہے۔ بہت مدت کے بعد خداوند تعالیٰ نے رہنمائی کی اور اس معمہ کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ میں بلکہ آخرت کے بعث واعیا کے بعد ان کو مقام حساب میں کھڑا رکھ کر گناہوں کے اندازہ کے موافق ان کو عتاب وعذاب دیں گے اور حقوق پورے کر کے غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدوم مطلق اور لاشے محض کر دیں گے پس خلود کس لئے اور مخلد کون ہوگا۔ اس معرفت غریبہ کو جب انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق کی اور اس کو قبول فرمایا۔ پس حق یہی ہے کہ مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دن محاسبہ کے بعد وہ معدوم کیا جائے گا اور فقیر کے نزدیک دار حرب کے مشرکین کے اطفال کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان سے وابستہ ہے۔ خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر۔ اگرچہ تبعیت دار السلام میں ہوتی ہے جیسے کہ اہل ذمہ کے لڑکوں کے لئے ہے ان کے حق میں ایمان مطلق مفقود ہے پس بہشت میں ان کا داخل ہونا متصور نہیں ہوتا اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف کے ثابت ہونے کے بعد مشرک پر منحصر ہے اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے پس ان کا حکم حیوانوں کی طرح نیست ونابود اور معدوم کر دیں گے اور ان مشرکوں کے حق میں بھی پیغمبروں کی فترت (دو پیغمبروں کا درمیانی زمانہ) کے زمانے میں ہوئے اور جن کو پیغمبر کی دعوت نصیب نہیں ہوئی یہی حکم ہے۔

بت پرست کفار اور مفلسی

(مکتوب ۲۳ دفتر سوم) دار الحرب کے کفار باوجود بت پرستی کے ان لوگوں (فلسفیوں) سے اچھے ہیں جو تنگی کے وقت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء کرتے ہیں اور بتوں کو حق تعالیٰ کے آگے سفارش کا وسیلہ بناتے ہیں۔ زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان بے وقوفوں کو حکماء اور دانا کہتے ہیں اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے اکثر احکام خاص کر الہیات میں جو ان کا اعلیٰ مقصد ہے

سراسر جھوٹے اور کتاب وسنت کے مخالف ہیں۔ یہ لوگ جو سرار جہل مرکب ہیں ان پر حکماء کا اطلاق کس طرح کیا جائے۔ ہاں اگر تہکم واستہزاد کے طور پر کیا جائے یا نابینا کے اطلاق کرنے کی قسم سے شمار کیا جائے تو زیبا ہے۔ ان بے وقوفوں میں سے بعض نے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق کو چھوڑ کر ان صوفیہ الٰہیہ کی تقلید پر جو ہر زمانے میں انبیاء کرام کے تابعدار رہے ہیں ریاضت ومجاہدات کا طریق اختیار کیا ہے اور اپنی صفائے وقت پر مغرور ہو کر اپنے خواب وخیال پر اعتماد کیا ہے اور اپنے خیالی کشفوں کو مقتداء بنا کر خود بھی گمراہ ہوگئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ ان نادانوں نے نہ جانا کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے جو گمراہی کو زیادہ کرتی ہے نہ کہ قلب کی صفائی جو ہدایت کا دروازہ ہے کیونکہ قلب کی صفائی انبیاء کرام کی متابعت سے وابستہ ہے اور نفس کا تزکیہ قلب کی صفائی موقوف پر ہے۔ وہ صفائی جو قلب کی سیاہی کے باوجود جو انوار وقدم کے ظہور کا محل ہے۔ نفس کو حاصل ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ چراغ روشن کر دیں تا کہ پوشیدہ دشمن یعنی ابلیس لعین اس کی روشنی میں بخوبی لوٹ مار کرے غرض ریاضت ومجاہدہ کا طریق نظر واستدلال کے طریق کی طرح اس وقت اعتبار واعتاد کے لائق ہوتا ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے ساتھ مل جائے جو حق تعالیٰ کی طرف تبلیغ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی تائید سے موئید ہیں۔

برصغیر کے مسلمان اور اسلام حضرت مجدد کے عہد میں

(مکتوب ۲۳ دفتر دوم) اسلام دن بدن غربت پیدا کرتا جاتا ہے اور مسلمان غریب ہوتے جاتے ہیں اور جوں جوں مرتے جائیں گے زیادہ غریب ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔

(مکتوب ۴۷ دفتر اول) بادشاہ کی نسبت جہان کے ساتھ ایسی ہے جیسے دل کی نسبت بدن کے ساتھ۔ اگر دل اچھا ہے تو بدن بھی اچھا ہے۔ اگر دل بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ ایسے ہی جہان کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر ہے اور اس کے بگڑنے سے جہان کا بگڑنا وابستہ ہے۔ آپ (شیخ فرید) جانتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں اہل اسلام کے سر پر کیا گزرا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں باوجود کمال غریب ہونے کے اہل اسلام پر اس قسم کی خرابی اور تباہی نہ گزری تھی کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہتے اور کفار اپنے طریق پر اور گزشتہ زمانہ میں کافر غلبہ پا کر دارالسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے اور اگر کرتے تھے تو قتل کیے جاتے تھے (اکبری دور کی طرف اشارہ ہے) ہائے افسوس حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کرنے والے ذلیل وخوار تھے اور ان کے منکر عزت واعتبار میں۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور دشمن ہنسی ٹھٹھا کر

کے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے- ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردے میں چھپا ہوا تھا اور حق کا نور باطل کے پردوں میں آ گیا تھا- (مکتوب ۵۱ دفتر اول) آج کل بے چارے اہل اسلام اس طرح گمراہی کے بھنور میں پھنسے ہیں کہ ان کی نجات کی امید بھی خیر البشر ﷺ کی اہل بیت کی کشتی سے ہے- آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح کی کشتی کی طرح ہے جو اس پر سوار ہو گیا بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہا ہلاک ہو گیا- اپنی تمام بلند ہمت اس بات پر لگائیں تاکہ یہ بڑی بھاری سعادت حاصل ہو جائے-

(مکتوب ۶۵ دفتر اول) مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام غریب ہی ظاہر ہوا ہے اور عنقریب غریب ہو جائے گا- پس غریبوں کے لئے خوشخبری ہے- اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں نڈر ہو کر کفر کے احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے رکے ہوئے ہیں اور شرائع کو بجالانے میں مذموم اور مطعون ہیں- داناؤں نے کہا ہے کہ شرع تلوار کے نیچے ہے اور شرع شریف کی رونق بادشاہوں پر منحصر ہے لیکن اب قضیہ برعکس ہو گیا ہے- ہائے افسوس! حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں شیخی کروں تو جہان میں کسی شیخ کا کوئی مرید نہ رہے لیکن بادشاہوں کی صحبت میں جایا کرتے اور تصرف سے ان کو مطیع کرتے تھے اور ان کے ذریعے شریعت کو رواج دیتے تھے (خان اعظم کے نام) اور زیادہ نہ سہی تو اس قدر تو ہو کہ اہل کفر کے وہ احکام جو اہل اسلام میں شائع ہیں معدوم ہو جائیں- اور اہل اسلام ان کے بے ہودہ اعمال سے محفوظ رہیں- پہلی سلطنت (اکبری دور) میں دین مصطفی ﷺ کے ساتھ دشمنی مفہوم ہوتی تھی اور اس سلطنت میں ظاہر طور پر وہ عناد نہیں (عہد جہانگیری) اگر ہے بے علمی کے باعث ہے- ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ عناد و دشمنی تک نوبت پہنچ جائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے-

(مکتوب ۸۱ دفتر اول) عرصہ تخمیناً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا رہی ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کے شہر میں صرف کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل ختم ہو جائیں- اسلام اور اہل اسلام کا کچھ اثر نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائر اسلامی کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے- گائے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے- سلطنت کے ابتداء میں اگر مسلمانی نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے اعتبار پیدا کر لیا تو بہتر ورنہ نعوذ باللہ اگر توقف ہو گیا تو مسلمانوں کے لئے کام بہت مشکل ہو جائے گا- الغیاث الغیاث ثم الغیاث

دنیا میں کافروں پر رحمت

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) میں کہتا ہوں کہ دنیا میں کافروں کو رحمت حاصل ہونا ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور درحقیقت ان کے حق میں استدراج اور مکر ہے- قرآن کریم پارہ ۱۸ ع ۴ -" کیا لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد سے ان کی مدد کیئے چلے جا رہے ہیں (اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کو فائدہ پہنچانے میں ہم جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ (اصل مطلب کو سمجھتے نہیں ہیں- پ ۹ ع ۱۳-" ہم انہیں اس طرح پر کہ ان کو خبر بھی نہ ہو آہستہ آہستہ (جہنم کی طرف گھسیٹ کر) لے جائیں گے- اور ہم (دنیا میں) مہلت دیتے ہیں- ہمارا داؤ بے شک (پکا) داؤ ہے-)

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات کی روشنی میں

(مبداء و معاد) جب مجھے راہ سلوک کی ہوس پیدا ہوئی تو اللہ جلشانہٗ کی عنایت نے مجھے خانوادہ نقشبندیہ کے ایک خلیفہ کی خدمت میں پہنچایا جن کی توجہ اور برکت سے خواجگان کا جذبہ جو بلحاظ فنا صفت قومیت میں جاملتا ہے حاصل ہوا اس جذبہ کے حاصل ہونے کے بعد سلوک شروع ہوا- یہ راہ میں نے اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانیت کی تربیت سے اس انجام تک طے کی-

سرہند شریف

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب ﷺ کے صدقہ شہر سرہند گویا میری جائے پیدائش ہے کہ میرے لئے ایک تاریک گہرے کنوئیں کو پر کر کے صفہ بلند بنایا ہے اور اکثر شہروں اور قصبوں پر اس کو بلندی بخشی ہے اس زمین میں اس قسم کا نور امانت کے طور پر رکھا گیا جو بے صفتی اور بے کیفی کے نور سے مقتبس ہے اور وہ نور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ کی پاک زمین سے ظاہر اور روشن ہے-

(مکتوب ۲۲ دفتر دوم) کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ نور امانت اس فقیر کے قلبی انوار کا لمعہ ہے جس کو وہاں اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا ہے جس طرح مشعل سے چراغ روشن کر لیں-

ہزار سال کی اہمیت اور مجدد الف ثانیؒ

(مکتوب ۲۰۹ دفتر اول) گزشتہ شریعتوں کا بھی یہی حال تھا کہ اولوالعزم پیغمبروں کے رحلت فرما جانے سے ہزار سال کے بعد انبیائے کرام اور مرسل عظام مبعوث ہوتے تھے جو ان پیغمبروں کی شریعت کو تقویت دیتے تھے اور ان کے حکم کو بلند کرتے تھے- اور جب (اس) اولوالعزم پیغمبر کی دعوت و شریعت کا

دور تمام ہو جاتا تھا تو دوسرا الوالعزم پیغمبر مبعوث ہو جاتا تھا اور نئے سرے سے اپنی شریعت ظاہر کرتا تھا چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت نسخ و تبدیل سے محفوظ ہے اس لئے حضور ﷺ کی امت کے علماء کو انبیاء کا مرتبہ عطا فرما کر شریعت کی تقویت اور ملت کی تائید کا کام ان کے سپرد فرمایا ہے۔ بلکہ ایک الوالعزم پیغمبر کو حضور ﷺ کا تابعدار بنا کر حضورؐ کی شریعت کو ترقی بخشی ہے اور جاننا چاہئے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے سے ہزار (سال) بعد حضور کی امت کے اولیاء جو ظاہر ہوں گے اگرچہ وہ قلیل ہوں گے مگر اکمل ہوں گے تاکہ شریعت کی تقویت پورے طور پر کر سکیں حضرت مہدیؓ جن کی تشریف آوری کی نسبت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت فرمائی ہے ہزار سال کے بعد پیدا ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ اس طبقہ کے اولیاء کے کمالات اصحاب کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کی مانند ہیں۔ اگرچہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت و بزرگی اصحاب کرام کے لئے ہے لیکن مناسب نہیں کمال مشابہت سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے سکیں۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے لیکن چونکہ کمال مشابہت کے باعث تردد کا مقام تھا (اس لئے ایک حدیث میں) کا یدریٰ فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اصحاب کے زمانہ کے بعد تابعین۔ اس کے بعد تبع تابعین کے زمانہ کو بہتر فرمایا ہے تو یہ دونوں قرن بھی یقیناً اس گروہ سے بہتر ہوں گے۔ اس قرن کا اس طبقہ سے بہتر ہونا اس اعتبار سے ہو کہ اولیاء اللہ کا ظہور کثرت سے ہوگا اور بدعتیوں اور بدکاروں اور گنہگاروں کا وجود کم ہوگا اور یہ امر ہرگز اس بات کے منافی نہیں کہ اس طبقہ کے اولیاء اللہ میں سے بعض افراد ان دونوں قرنوں کو اولیاء سے بہتر ہوں گے جیسے کہ حضرت امام مہدیؓ۔

پیدائش کا مقصود

(مکتوب ۲ دفتر دوم) میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایت محمدی ﷺ ولایت ابراہیمی کے رنگ میں رنگ جائے اور اس ولایت کا حسن ملاحت اس ولایت کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) میرا بھائی یوسف علیہ السلام صبیح تھا اور میں ملیح ہوں۔ اس انصباغ اور امتزاج سے محبوبیت کا مقام درجہ بلند تک پہنچ جائے۔ ملت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کے امر سے یقیناً اس دولت عظمیٰ کا حاصل ہونا مقصود ہوگا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلوات و برکات جیسے صلوات و برکات کا طلب کرنا اسی غرض کے لئے ہوگا۔ صباحت اور ملاحت دونوں حق تعالیٰ کے اس حسن ذاتی کا پتہ دیتی ہے جس میں صفات کی ملاوٹ نہیں

لیکن صفات وافعال و آثار کا حسن سب حسن صباحت سے مستفاد ہے جو بڑی برکت والا ہے گویا ملاحت دائرہ حسن کا مرکز ہے- ہمارے ادراک کے احاطہ اور ہمارے فہم کے دائرے سے باہر ہے پس صباحت و ملاحت بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں اور وہ کمالات جوان کے متعلق ہیں وہ بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی پیدائش سے (جو) مقصود سمجھتا تھا وہ حاصل ہو گیا ہے اور ہزار سال کی دعا قبول ہو گئی ہے- چونکہ صباحت نے ابھی ملاحت کا رنگ کرنا ہے اس لئے خلت ابراہیمی کے مقام نے بھی وسعت پیدا کی ہے اور محیط نے مرکز کا حکم حاصل کر لیا ہے- مقام محبت مرتبہ ملاحت سے مناسبت رکھتا ہے اور مقام خلت مرتبہ صباحت کے مناسب ہے- مقام محبت میں محبوبیت صرف حضرت خاتم الرسل ﷺ کے نصیب ہے اور محبیت خالص حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یاری اور ندیمی کی نسبت رکھتے ہیں- محب اور محبوب اور ہوتا ہے اور یار و ندیم اور ہر ایک کی نسبت الگ الگ ہے- یہ فقیر چونکہ ولایت محمدیہ ﷺ اور ولایت موسوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تربیت یافتہ ہے اس لئے وطن اور سکونت مقام ملاحت رکھتا ہے لیکن ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا غلبہ کے باعث محبوبیت کی نسبت ہے اور محبیت کی نسبت مغلوب و مستور- باوجود اس معاملہ کے میری پیدائش سے مقصود تھا ایک اور کارخانہ عظیم میرے حوالے فرمایا ہے- مجھے پیری اور مریدی کے واسطے نہیں لائے اور نہ میری پیدائش سے خلق کی تکمیل وارشاد مقصود ہے بلکہ معاملہ دیگر مطلوب ہے اس ضمن میں جس کو مناسبت ہو گی وہ فیض پالے گا ورنہ نہیں- معاملہ تکمیل وارشاد اس کارخانہ کے مقابلے میں راستہ میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح ہے- انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو ان کے باطنی معاملات کے ساتھ یہی نسبت تھی- اگرچہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات اور خصوصیات سے تبعیت اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو حصہ حاصل ہے-

روحانی عروج

(مکتوب نمبر ا دفتر اول) حضرت باقی باللہؒ کے نام پہلی مرتبہ جو عروج واقع ہوا اور سفر طے کرنے کے بعد جب عرش پر پہنچا عرش کے نیچے بہشت مشاہدہ میں آیا- جب مختلف لوگوں کے مقامات مشاہدہ کرنے کے لئے متوجہ ہوا تو ان کے مقامات نظر آئے اور ان اشخاص کو بھی ان کے درجات کے اختلاف کے موافق مکان، مرتبہ اور ذوق وشوق کے لحاظ سے ان مقامات میں دیکھا-

دوسری مرتبہ عروج واقعہ ہوا- بڑے بڑے مشائخ- آئمہ اہلِ بیت اور خلفائے راشدین کے

مقامات اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کا خاص مقام اور ایسے ہی درجہ بدرجہ تمام نبیوں اور رسولوں کے مقامات (کے علاوہ) فرشتوں کے مقامات عرش کے اوپر مشاہدہ میں آئے اور عرش پر اسی قدر عروج واقع ہوا کہ مرکز زمین سے لے کر عرش یا اس سے کچھ کم تک اور حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے مقام تک ختم ہوا اور اس مقام کے اوپر بلکہ تھوڑی سی بلندی میں چند مشائخ یعنی حضرت معروف کرخیؒ - شیخ ابوسعید خرازؒ تھے اور باقی مشائخ میں سے بعض اس مقام کے نیچے مقام رکھتے تھے اور بعض مشائخ اسی مقام میں سے تھے لیکن ذرا نیچے حضرت علاؤالدین سمنانیؒ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ (کے مقامات تھے) اور اس مقام کے اوپر امامان اہل بیت اور ان کے اوپر خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے اور تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقامات آنحضرت ﷺ کے مقام سے ایک طرف علیحدہ تھے اور ایسے ہی ملائکہ مقربین کے مقامات اس مقام سے دوسری طرف جدا تھے لیکن آنحضرت ﷺ کا مقام تمام مقامات سے بلند و برتر تھا۔

بقا اور وصل

(مکتوب ۲ دفتر اول) رمضان شریف کی چھٹی تاریخ کو ایسے بقا سے مشرف فرمایا اور ایسا احسان و اخلاص میسر ہوا کہ بندہ کیا عرض کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ استعداد کی نہایت وہیں تک ہے اور وہ وصل بھی جو حال کے مناسب تھا وہاں حاصل ہوا۔ اور جذبہ کی محبت اب تمام ہوگئی ہے اور سیر فی اللہ میں جو مقام جذبہ کے مناسب ہے قدم رکھا ہے۔ جس قدر فنا پورے طور پر ہوگی اسی قدر وہ بقا جو اس پر مترتب ہوگی زیادہ کامل ہوگی اور جس قدر بقا زیادہ کامل ہوگی اسی قدر صحو زیادہ ہوگا اور جس قدر صحو زیادہ ہوگا اسی قدر شریعت حقہ کے موافق علوم کا فیضان ہوگا کیونکہ کمال صحو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے تھا۔

ہزار سال بعد

(مکتوب ۲۳۴ دفتر اول) یہ علوم و معارف جن کی نسبت اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں جو ہزار کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و ممکنات کی حقیقت کو جیسے کہ ممکن اور لائق ہے بیان فرمایا ہے اور جو نہ ہی کتاب کے ساتھ مخالفت رکھتے ہیں اور نہ ہی اہل حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔

یہ وہ وقت ہے جب کہ پہلی امتوں میں ایسی ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا اور اس امت میں جو خیر الامم ہے اور اس امت کا پیغمبر خاتم

الرسل ﷺ نے ان علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا ہے اور علماء کے وجود سے کفایت کی ہے- اسی واسطے ہر صدی کے بعد اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد مقرر کرتے ہیں تا کہ شریعت کو زندہ کرے- خاص کر ہزار سال کے بعد جو کہ اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے اور جس طرح ہر پیغمبر پر اس وقت کفایت نہیں کی ہے اسی طرح اس وقت ایک تام المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گزشتہ امتوں کے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو- جاننا چاہئے کہ تمام المعروف عارف جب عروج کے مقامات اور نزول کے مراتب کو مفصل طور پر کرنے کے بعد عدم صرف میں نزول فرمائے گا اور حضرت وجود کی آئینہ داری کرے گا تو اس وقت تمام اسمائی اور صفاتی کمالات اس میں ظہور فرمائیں گے اور مفصل طور پر سب کو ایسے لطائف کے ساتھ ظاہر کرے گا کہ مقام اجمال جن کا متضمن ہے اور یہ دولت اس کے سوا کسی دوسرے کو میسر نہیں ہے اور آئینہ داری ایک قیمتی لباس ہے جو اس کے قد پر سیا ہوا ہے- اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ مراتب کے اختلاف کے موافق نبوت محمدی ﷺ کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت امیر (علی المرتضی کرم اللہ وجہہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مناسبت اور جانب داریت کے غلبہ کا باعث ولایت محمدی کے بوجھ کے اٹھانے والے ہیں اور حضرت ذوالنورینؓ کو برزخیت کے اعتبار سے ہر دو طرف کے بوجھ اٹھانے والا فرمایا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذوالنورینؓ کہیں اور چونکہ حضرت شیخین بار نبوت کے اٹھانے والے ہیں اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ مقام دعوت جو مرتبہ نبوت سے پیدا ہوا ہے ہمارے پیغمبر ﷺ کے بعد باقی تمام انبیاء کے درمیان ان میں اکمل اور اتم ہے اور ان کی کتاب قرآن مجید کے بعد تمام نازل شدہ کتابوں سے بہتر ہے- حضرات شیخین کے کمالات کی نسبت اکثر اولیائے عزلت یعنی گوشہ نشینوں پر جو کمالات نبوت سے مخصوص ہیں زیادہ ظاہر کرتے ہیں- اگر شیخین کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عزلت کا کشف حضرت امیرؓ (علی المرتضی کرم اللہ وجہہ) کی افضلیت کا حکم دیتا کیونکہ حضرت شیخین کے کمالات انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ ہیں اور صاحبان ولایت کا ہاتھ ان کے کمالات کے دامن سے کوتاہ ہے اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات کے درجوں کی بلندی کے باعث نصف راہ میں ہے- کمالات ولایت کمالات نبوت پر چڑھنے کے لئے بمنزلہ زینہ کے ہیں پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے اور مطالب کو مبادی کا کیا شعور- اس فقیر کو جب تک کہ اپنے پیغمبر ﷺ کی متابعت کے باعث مقام نبوت کے کمالات تک نہ پہنچایا اور ان کمالات سے کامل حصہ نہ دیا تب تک شیخینؓ کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہ بخشی اور تقلید کے سوائے کوئی راہ نہ دکھائی تھی- اس

فقیر کی نظر میں حضرات شیخینؓ کے لئے تمام صحابہ کے درمیان علیحدہ علیحدہ شان اور الگ درجہ ہے گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ شراکت نہیں رکھتے - یہ لوگ کمالات شیخین سے کیا حاصل کریں- یہ دو بزرگوار اپنی بزرگی و کلانی کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ و میں معدود اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں- حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو البتہ عمرؓ ہوتا - امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فاروقؓ کی ماتم پرسی کے دنوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صحابہ کی مجلس میں فرمایا کہ آج نو حصے علم فوت ہوگیا- وضاحت میں فرمایا کہ میری مراد علم سے علم باللہ ہے نہ کہ علم حیض و نفاس- حضرات شیخینؓ موت کے بعد بھی پیغمبر خداﷺ سے جدا نہ ہوئے- ان کا حشر بھی یکجا ہوگا پس ان کی فضیلت اقربیت کے باعث ہوگی- حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نبیﷺ کے زمانے میں کسی کو ابوبکرؓ و عمرؓ پھر عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے تھے پھر ہم نے نبیﷺ کے اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے یعنی ان کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت نہ دیتے تھے-

(مکتوب ۲۶۰ دفتر اول) جاننا چاہئے کہ منصب نبوت حضرتﷺ پر ختم ہو چکا ہے لیکن اس منصب کے کمالات تابعداری کے باعث آپ کے تابعداروں کو بھی کامل حصہ حاصل ہوا ہے- یہ کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ ہیں اور تابعین و تبع تابعین میں بھی اس دولت نے کچھ کچھ اثر کیا ہوا ہے- اس کے بعد یہ کمالات پوشیدہ ہوگئے ہیں اور ولایت ظلی کے کمالات جلوہ گر ہوئے ہیں لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سر نو تازہ ہو اور غلبہ اور شیوع پیدا کرے اور کمالات اصلیہ ظاہر ہوں اور ظلیہ پوشیدہ ہو جائیں اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر و باطن میں اسی نسبت علیہ کو رواج دیں گے-

غریبوں کے لئے خوش خبری

(مکتوب ۲۶۱ دفتر اول) اسلام غریب شروع ہوا اور پھر ویسا ہی غریب ہو جائے گا پس غربا کو خوش خبری ہے اور اس امت کی آخریت کا شروع آنحضرتﷺ کے رحلت فرما جانے کے بعد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار کی ابتداء ہے کیونکہ الف یعنی ہزار سال کے گزرنے کو امور کو تغیر میں بڑی خاصیت ہے اور اشیاء کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے اور چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں ہے اس لئے سابقین کی نسبت اسی ترو تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور الف ثانی میں از سر نو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے- اس معنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں-

حضرت محمد باقی باللہؒ

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) یہ فقیر سر سے پاؤں تک حضرت باقی باللہؒ کے احسانوں میں غرق ہے۔ فقیر نے اس طریق میں الف دبے کا سبق ان ہی سے لیا ہے اور اس راہ کے حروف تہجی ان ہی سے سیکھے ہیں اور اندراج النہایات فی البدایت کی دولت ان کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے اور سفر در وطن کی سعادت کو ان کی خدمت کے طفیل پایا ہے۔ ان کی شریف توجہ نے اس نا قابل کو دواڑھائی ماہ کے عرصے میں نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور ان بزرگواروں کا حضور خاص عطا فرمایا اور وہ تجلیات اور ظہورات و انوار' الوان' بے رنگیاں' اور بے کیفتیاں جو ان کی طفیل اس عرصہ میں ظاہر ہوئیں شرح و تفصیل سے باہر ہیں اور ان کی بزرگ توجہ کی برکت سے معارف توحید اور اتحاد اور قرب و معیت۔ احاطہ و سریان میں شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جو اس فقیر پر نہ کھلا ہو۔ وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مقدمات میں اور مبادی سے ہیں۔

اپنے پیر کے مرشدزادوں پر توجہ

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) ان بزرگواروں کا کارخانہ بہت بلند ہے اور ہر زراق اور رقاص کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس قسم کے بلند درجے والی دولت جناب کی حضور سے اس فقیر کو ملی ہو تو پھر اس کے عوض اگر تمام عمر کے لئے اپنے سر کو جناب کی بلند درگاہ کے خادموں سے پامال کرتا رہے تو بھی جناب کا حق ادا نہ ہو سکے۔ یہ فقیر تین مرتبہ حضرت ایشاں یعنی خواجہ بزرگوار کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا۔ اخیر دفعہ حضور نے فقیر کو فرمایا کہ بدن کی کمزوری مجھ پر غالب آ گئی ہے اور زندگی کی امید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے خبردار رہنا اور اسی وقت اپنے حضور میں آپ کو (بچوں کو) بلایا اور آپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے یعنی دودھ پیتے بچے تھے اور فقیر کو فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم کے بموجب حضور کی خدمت میں آپ (بچوں) کی طرف توجہ کی حتیٰ کہ اس توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی والدات کے لئے بھی غائبانہ توجہ کرو۔ حکم کے موافق غائبانہ توجہ کی گئی امید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ سے کئی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہوں گے۔

نوٹ: یہ مکتوب مرشد گرامی کے صاحبزادوں کے نام ہے۔

صاحبزادوں کو نصائح

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے اور حق تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہے اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے اسی احاطہ۔ قرب اور معیت سے وہ مراد نہیں ہے، جو ہمارے قاصر فہم میں آسکے کیونکہ وہ تعالیٰ کی جناب پاک کے لائق نہیں۔ اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز اس سے متحد ہوسکتی ہے اور جو کچھ صوفیہ کی بعض عبارات سے مفہوم ہوتا ہے وہ ان کی مراد کے خلاف ہے کیونکہ ان کی مراد اس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم گزرتا ہے یعنی اذا اتم الفقر فهو الله سے ہے۔ کہ جب فقر تمام ہو جائے اور محض نیستی حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ یہ کہ فقیر خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے کیونکہ یہ کفر اور زندقہ ہے۔ حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اناالحق کے معنی یہ نہیں کہ میں حق ہوں بلکہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق موجود ہے۔
صوفیہ نے جو تنزلات خمسہ ثابت کیے ہیں وہ مرتبہ وجوب میں تغیر و تبدل کی قسم سے نہیں ہیں کیونکہ یہ کفر اور گمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو حق تعالیٰ کے کمال کے مراتب ظہورات میں اعتبار کیا ہے اور حق تعالیٰ اپنے ذات وصفات و افعال میں بھی غنی ہے اور کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے اور بعض صوفیہ کی عبارت سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اسمائی و صفاتی ظہور میں ہمارا محتاج ہے۔ یہ بات فقیر پر بہت گراں ہے بلکہ جانتا ہے کہ ان کی پیدائش سے مقصود ان کے اپنے کمالات کا حاصل ہونا ہے نہ وہ کمال جو حق تعالیٰ کی طرف عائد ہو سکے پس جن و انسان کی پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے جو ان کا کمال نہیں۔ حدیث میں ہے کہ میں نے خلقت کو اس لیے پیدا کیا کہ پہچانا جاؤں اس جگہ بھی مراد ان کی معرفت ہے۔ حق تعالیٰ نقصان کی تمام صفتوں اور حدوث کے نشانوں سے منزہ اور مبرا ہے۔ نہ جسم نہ جسمانی اور نہ مکانی اور نہ زمانی اور صفات کمال اس کے لیے ثابت ہیں جن میں سے آٹھ صفات کمال وجود ذات تعالیٰ پر وجود زائید کے ساتھ موجود ہیں اور وہ یہ ہیں۔ حیات و علم و قدرت ارادہ و بصر و سمع و کلام و تکوین اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں۔
حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے۔ حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین عربی کاملین کے ارواح کے قدیم کا قائل ہے۔ اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہیے۔

ملاحسن کشمیری

(مکتوب ۲۷۹ دفتر اول) یہ " مکتوب شریف ملاحسن کشمیری کے نام ہے جن کی وساطت سے آپ حضرت باقی باللہؒ سے متعارف ہوئے۔"

فقیر آپ کی نعمت کا شکر ادا کرنے اور آپ کے احسان کا بدلہ دینے میں قصور و عاجزی کا اقرار کرتا ہے۔ یہ سب کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے اور یہ سب دید و داد اسی احسان سے وابستہ ہے۔ آپ کے حسن توسط اور وسیلہ نے فقیر کو وہ کچھ دیا ہے جو کسی نے دیکھا ہی نہیں اور آپ کے توسل کے یمن و برکت سے وہ کچھ بخشا ہے کہ کسی نے اس کا مزہ نہیں چکھا۔ خاص خاص عطیات اس قدر فرمائے کہ اکثر لوگوں کو بھی اس قسم کے عطیے حاصل نہیں ہوئے احوال و مقامات اور اذواق و موجید اور علوم و معارف اور تجلیات و مظہرات سب کو راہ عروج کے زینے بنا کر فقیر کو قرب کے درجوں تک پہنچا دیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کے اظہار میں جن کا ظہور عالم اسباب میں آپ کی اسی نعمت پر ہوا ہے۔ آپ کی نعمت کا شکر بھی شامل تھا۔ اس واسطے چند فقروں میں درج کر کے تحریر کیا گیا تا کہ آپ کی نعمت کا تھوڑا سا شکر ادا ہو جائے۔

حضرت مجدد کے علوم و معارف

(مکتوب ۲۶۷ دفتر اول) وہ علوم و معارف جن کا فیضان ہوتا ہے خداوند جل سلطانہ' کی توفیق سے ان میں سے اکثر دلکھے جاتے ہیں اور ہر اہل و نا اہل یعنی ہر کس و ناکس کے کانوں تک پہنچتے رہتے ہیں لیکن وہ خاص اسرار و دقائق جن کے ساتھ یہ فقیر متمیز ہے ان کا تھوڑا سا حصہ بھی ظہور میں نہیں لا سکتا۔ بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی اس مقولہ کی نسبت گفتگو نہیں کر سکتا بلکہ اپنے فرزند عزیز کے ساتھ بھی جو فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقامات سلوک و جذبہ کا نسخہ ہے ان اسرار و دقائق کی کوئی رمز بیان نہیں کرتا اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں بڑی کوشش کرتا ہے حالانکہ فقیر جانتا ہے کہ فرزند عزیز محرمان اسرار میں سے ہے اور خطا و غلط سے محفوظ ہے لیکن کیا کرے کہ معانی کی وقت اور باریکی زبان کو پکڑ لیتی ہے اور اسرار کی لطافت لبوں کو بند کر دیتی ہے (میرا سینہ بند ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔) نقد وقت ہے اور وہ اسرار اس قسم کے نہیں ہیں کہ فقیر ان کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان میں لائے ہی نہیں جا سکتے۔ (وہ) دولت کے کے چھپانے میں ہم کوشش کرتے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے چراغ نبوت سے مقتبس ہے اور ملائکہ ملائے اعلیٰ علی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بھی اس دولت میں شریک ہیں اور انبیاء

علیہم الصلوات والتسلیمات کے تابعداروں میں کسی کو اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ وہ بھی اس دولت میں میرا شریک ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ

" میں نے رسول خدا ﷺ سے دو طرح کے علم سیکھے ہیں ایک تو وہ علم ہے جس کو میں تمہارے سامنے منتشر اور بیان کرتا ہوں اور دوسرا وہ علم ہے اگر میں اس کو تمہارے پاس ظاہر کردوں تو میرا گلا کاٹ دو۔"

اور یہ دوسرا علم۔ علم اسرار ہے کہ جس علم تک کسی کا فہم نہیں پہنچتا۔

(مکتوب ۲۶۸ دفتر اول) علمائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں۔ وہ علم انبیائے علیہم الصلوات والتسلیمات سے باقی رہا ہے دو قسم کا ہے۔ ایک علم احکام دوسرے علم اسرار اور وارث عالم وہ شخص ہے جس کو ان دونوں علوم سے حصہ حاصل ہو نہ کہ وہ شخص جس کو ایک ہی قسم کا علم نصیب ہو اور دوسرا علم اس کے نصیب نہ ہو کہ یہ بات وراثت کے منافی ہے۔ کیونکہ کیونکہ وارث کو مورث کے سب قسم کے ترکہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ نہ کہ بعض کو چھوڑ کر بعض سے اور وہ شخص جس کو بعض معین سے حصہ ملتا ہے وہ قرض خواہوں میں داخل ہے کہ جس کا حصہ اسے حق کی جنس سے متعلق ہے اور ایسے ہی آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ پس جو شخص وارث نہ ہو وہ عالم بھی نہ ہوگا مگر یہ کہ اس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کریں اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ علم احکام کا عالم ہے اور عالم مطلق وہ ہے جو وارث ہو اور اس کو دونوں قسم کے علم سے پورا حصہ حاصل ہو۔ اکثر لوگوں کا گمان یہ ہے کہ علم اسرار علم توحید وجودی سے مراد ہے اور کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کے مشاہدہ کرنے اور حق تعالیٰ کے احاطہ اور سریان اور قرب و معیت سے کنائیہ ہے۔ جس طرح پر کہ ارباب احوال کے نزدیک مکشوف و شہود ہے۔ حاشا و کلا کہ اس قسم کے علوم و معارف عالم اسرار سے ہوں اور مرتبہ نبوت کے لائق ہوں۔

سلوک و طریقت کا اوّلین دور

(مکتوب ۲۹۰ دفتر اول) جب اس درویش کو اس راہ کی ہوس پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ کی ہدایت نے ہادی راہ ہو کر ولایت پناہ حقیقت آگاہ۔ ایسے طریق کی طرف ہدایت دینے والے جس کی بدایت میں نہایت مندرج ہے اور ایسا راستہ بتانے والے جو درجات ولایت تک پہنچانے والا ہے دین پسندیدہ کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ اور امام حضرت خواجہ محمد باقیؒ کی خدمت میں جو حضرات مشائخ نقشبندیہ قدس سرہ کے بزرگ خاندان کے بڑے خلفاء میں سے تھے پہنچایا۔ انہوں نے درویش کو اسم ذات کے ذکر کی

تعلیم فرمائی اور مقررہ طریق سے ایسی توجہ فرمائی کہ مجھ میں کمال لذت پیدا ہوئی اور کمال شوق سے گریہ شروع ہوا۔ایک روز کے بعد بے خودی کی کیفیت جوان بزرگواروں کے نزدیک معتبر ہے اور غیبت سے موسوم ہے طاری ہوئی۔اس بے خودی کی حالت میں۔میں نے ایک دریائے محیط کو دیکھا جس میں عالم کی صورتیں اور شکلیں سایہ کی طرح ہوئیں۔یہ بے خودی رفتہ رفتہ غالب ہوتی گئی اور اس قدر بڑھ گئی کہ کبھی ایک پہر روز تک رہتی اور کبھی دو پہر تک اور بعض اوقات تمام رات طاری رہتی۔جب اس قصہ کو حضرت ایشاں قدس سرہ کے حضور عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تھوڑی سے فنا حاصل ہو گئی ہے اور ذکر کہنے سے منع فرمایا اور اس آ گاہی کی نگہداشت کا امر فرمایا۔دو روز کے بعد مجھے فنائے اصطلاحی حاصل ہو گئی پھر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے کام میں مشغول رہو بعد ازاں فنائے فنا حاصل ہوئی۔پھر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمام عالم کو دیکھتا ہے اور متصل واحد یعنی واحد کے ساتھ متصل پاتا ہے۔میں نے عرض کا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ فنائے فنا میں معتبر یہ ہے کہ اس اتصال کی دید کے باوجود بے شعوری حاصل ہو۔اس رات کو اس قسم کی فنا حاصل ہو گئی۔اس کو بھی عرض کیا اور وہ حالت جو فنا کے بعد کے بعد حاصل ہوئی وہ بھی عرض کی اور کہا کہ میں اپنے علم کو حق سبحانہٗ کی نسبت حضوری پاتا ہوں اور ان اوصاف کو جو میری طرف منسوب تھے حق سبحانہٗ کی طرف منسوب پاتا ہوں۔بعد ازاں وہ نور جو تمام اشیاء پر محیط ہے ظاہر ہوا اور میں نے اس حق سبحانہ کو جانا۔اس نور کا رنگ سیاہ تھا۔میں نے عرض کیا تو فرمایا کہ حق جل سلطانہٗ پردۂ نور میں مشہود ہے اور نیز فرمایا کہ یہ انبساط اور پھیلاؤ جو اس نور میں دکھائی دیتا ہے علم میں ہے۔حق تعالیٰ کی ذات کا اشیائے متعددہ کے ساتھ جو بلندی اور پستی میں واقع ہیں تعلق ہونے کے باعث پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے اس کی بھی نفی کرنا چاہئے۔بعد ازاں وہ پھیلا ہوا سیاہ نور کم ہونے لگا۔یہاں تک کہ ایک نقطہ بن گیا۔فرمایا کہ اس نقطہ کی بھی نفی کرنا چاہئے تاکہ حیرت آ جائے۔میں نے ایسا ہی کیا اور وہ نقطہ موہوم بھی درمیان سے دور ہو گیا اور حیرت تک جا پہنچا کہ جس مقام میں حق تعالیٰ کا شہود خود بخود ہے۔جب میں نے عرض کیا تو فرمایا کہ یہی حضور نقشبندیہ کا حضور ہے اور نسبت نقشبندیہ اسی حضور سے مراد ہے اور اس حضور کو حضور بے غیبت بھی کہتے ہیں اور بدایت میں نہایت کا مندرج ہونا اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے۔اس طریق میں طالب کو اس نسبت کا حاصل ہونا ویسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں طالب اذکار و اوراد اپنے پیروں سے اخذ کرتے ہیں تاکہ ان پر عمل کر کے مقصود تک پہنچیں۔فقیر کو عزیز الوجود نسبت ذکر سیکھنے سے دو ماہ اور چند روز بعد حاصل ہو گئی تھی۔اس نسبت کے ثابت ہونے کے بعد ایک اور فنا جس کو فنائے حقیقی کہتے ہیں حاصل ہوئی اور دل میں اس قدر وسعت پیدا ہوئی کہ عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام

عالم میں اس کے مقابلے میں رائی کے دانہ جتنا بھی قدر نہ تھا- بعدازاں اپنے آپ کو اور ہر فرد عام کو بلکہ ہر ذرہ کو حق تعالیٰ دیکھنے لگا- اس کے بعد ذرہ عالم کو الگ الگ اپنا عین اور اپنے آپ کو ان سب کا عین معلوم کرنے لگا حتیٰ کہ تمام عالم کو ایک ذرہ میں گم پایا- بعدازاں اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرہ کو اس قدر منبسط اور وسیع دیکھا کہ تمام عالم بلکہ اس سے کئی گنا اور عالم اس میں سما سکیں بلکہ اپنے آپ کو اور ہر ذرہ کو ایسا پھیلا ہوا نور معلوم کیا جو ہر ذرہ میں ساری ہے اور عالم کی صورتیں اور شکلیں اس نور میں مضمحل اور متلاشی ہیں- بعدازاں اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرہ کو تمام عالم کا مقوم (جس کے ساتھ کسی چیز کا قیام ہو) معلوم کیا- جب میں نے عرض کیا تو فرمایا کہ توحید میں مرتبہ حق الیقین یہی ہے اور جمع الجمع اسی سے مراد ہے بعد ازاں عالم کی صورتوں اور شکلوں کو کہ جن کا اول حق معلوم کرتا تھا اس وقت موہوم معلوم کیا- اور ہر ذرہ کو کہ جنہیں بے تفاوت بے تمیز حق پاتا تھا ان کو بھی موہوم پایا اور نہایت حیرت حاصل ہوئی- اس اثنا میں خصوص الحکم کی وہ عبارت جو کہ اپنے والد بزرگوار سے سنی تھی یاد آئی (اگر تو چاہے تو کہہ دے کہ عالم حق ہے یا تو اگر کہہ دے کہ عالم ایک جہت ہے اور ایک وجود سے حق ہے اور اگر ان دونوں میں تمیز نہ ہونے کے باعث حیرت کہہ دے تو بجا ہے) اس عبارت سے اس اضطراب کی کچھ تسکین ہوگئی- بعدازاں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا حال عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی تیرا حضور صاف نہیں ہوا- جا اپنے کام میں مصروف ہوتا کہ موہوم سے وجود کی تمیز ظاہر ہو- حسب الحکم اپنے کام میں مشغول ہوا- حضرت سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضور کی محض توجہ شریف سے دو روز کے بعد موجود اور موہوم میں تمیز ظاہر کر دی اور میں نے موجود حقیقی کو موہوم متخیل سے ممتاز پایا اور ان صفات افعال کو بھی محض موہوم معلوم کیا اور خارج میں ایک ذات کے سوا کچھ موجود نہ دیکھا- میں نے عرض کیا تو فرمایا مرتبہ فرق بعد الجمع یہی ہے اور سعی و کوشش کی نہایت یہیں تک ہے- اس کے آگے جو کچھ کسی کے نہاد و استعداد میں رکھا ہے ظاہر ہو جاتا ہے- اس مرتبہ کو مشائخ طریقت نے مقام تکمیل کہا ہے-

جاننا چاہئے کہ اس درویش کو جب اول مرتبہ میں شکر سے صحو میں لائے اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف فرمایا تو جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ پر نظر کی تو حق تعالیٰ کے سوا نہ پایا اور ہر ذرہ کو اس کے شہود کا آئینہ معلوم کیا- اس مقام سے پھر حیرت میں لے گئے- جب ہوشیاری میں لائے تو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ حق تعالیٰ کو پایا نہ ہر ذرہ میں اور پہلا مقام اس دوسرے مقام کی نسبت بہت نیچے نظر آیا- پھر حیرت میں لے گئے جب ہوش میں لائے تو اس مرتبہ میں حق سبحانہٗ کو نہ عالم کے متصل نہ اس کے منفصل اور اور عالم میں داخل اور نہ اس سے خارج معلوم کیا- اور معیتؔ احاطہ

اور سریان کی نسبت جس طرح اول پاتا تھا بالکل منتفی ہو گئی - باوجود اس کے اسی کیفیت پر مشہود ہوا بلکہ اس طرح پر کہ گویا محسوس ہے اور عالم بھی اس وقت مشہود تھا لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ یہ نسبت مذکورہ کچھ نہ رکھتا تھا - پھر حیرت میں لے گئے جب صحو میں لائے تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس نسبت مذکورہ کے سوا ایک اور نسبت ہے اور وہ نسبت مجہول الکیفیت اور اس وقت عالم اسی خصوصیت سے مشہود تھا - اس وقت ایک خاص علم عنایت ہوا جس کے باعث ہر دو مشہود کے حاصل ہونے کے باوجود خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی مناسبت نہ رہی - اس وقت مجھے جتلایا گیا کہ اس صفت و تنزیہ کا مشہود ذات حق نہیں ہے - حق تعالیٰ تعلقات کونی سے وراء الورا ہے خواہ وہ تعلق معلوم الکیفیت ہو یا مجہول الکیفیت' ہیہات' ہیہات

حضرت خواجہ نے مجھے کامل مکمل جان کر تعلیم طریقہ کی اجازت فرمائی اور طالبوں کی ایک جماعت کو میرے حوالے کیا - تو مجھ کو اس وقت اپنی کمال و تکمیل میں تردد تھا - آپ نے فرمایا کہ تردد کی کوئی جگہ نہیں کیونکہ مشائخ کی اہلیت میں تردد لازم آتا ہے - حسب الامر طریقت کی تعلیم کو شروع کیا اور طالبوں کے حق میں توجہ کو مدنظر رکھا اور طالبوں میں اس کا بڑا اثر محسوس ہوا حتیٰ کہ سالکوں کا سالوں کا کام گھڑیوں میں ہونے لگا - کچھ مدت تک اس کام کو بڑی سرگرمی اور مستعدی سے کرتا رہا آخر کار اپنے نقص کا علم پیدا ہوا اور ظاہر ہوا کہ تجلی ذاتی برقی جس کو مشائخ بزرگوار نے نہایت کہا ہے اس راہ میں کوئی پیدا نہیں ہوئی اور نیز معلوم نہیں ہوا کہ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کیا ہے - ان کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے - اس وقت اپنے نقص کا علم روشن ہو گیا وہ طالب جو میرے پاس جمع تھے سب کو جمع کر کے اپنا نقص بیان کیا اور سب کو وداع کر دیا لیکن طالب اس بات کو تواضع جان کر اپنے عقیدے سے نہ پھرے - کچھ مدت کے بعد حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے طفیل احوال منتظرہ کو حاصل فرمایا -

حضرت مجدد کا مقام و مرتبہ

(مکتوب ۸۷ دفتر سوم) میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی - میرا سلسلہ ارادت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے جا ملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے - میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت واسطوں سے ہے - طریقہ نقشبندیہ میں اکیس اور قادریہ میں پچیس اور چشتیہ میں ستائیس واسطے درمیان ہیں لیکن میری ارادت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ واسطہ کو قبول نہ کرتی - پس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نزدیک اس دولت کے دستر خوان پر اگرچہ طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے بے بہرہ نہیں ہوں اور اگرچہ امتی ہوں لیکن اس دولت میں

ان کا شریک ہوں ہاں وہ شرکت نہیں جس سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ کفر ہے بلکہ یہ وہ شرکت ہے جو خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب تک مجھے نہیں بلایا تب تک اس دولت کے دسترخوان پر حاضر نہیں ہوا۔ اور جب تک انہوں نے نہ چاہا اس دولت کی طرف ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اگرچہ اویسی ہوں لیکن مربی حاضر و ناظر رکھتا ہوں۔ طریقہ نقشبندیہ میں اگرچہ میرا پیر عبدالباقیؒ ہے۔ لیکن میری تربیت کا متکفل باقی جلالہٗ ادام نوالہٗ ہے۔ میں نے فضل سے تربیت پائی ہے اور اجتباء کے راستہ پر چلا ہوں۔ میرا سلسلہ رحمانی ہے میں عبدالرحمٰن ہوں۔ میرا رب رحمٰن جل شانہ ہے اور میرا مربی ارحم الراحمین ہے۔ میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ تنزیہ کے راستہ سے گیا ہوں اور اسم و صفت سے ذات اقدس تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں پایا۔ یہ سبحانی وہ سبحانی نہیں ہے جو حضرت بایزید بسطامیؒ نے کہا ہے کیونکہ اس کو اس کے ساتھ کسی قسم کی مساوات نہیں ہے۔ وہ سبحانی دائرہ انفس سے باہر نہیں اور یہ انفس و آفاق سے ماوراء ہے۔ وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ تنزیہ ہے جس کو تشبیہ کی گرد بھی نہیں لگی۔ اس سبحانی نے چشمہ سکر سے جوش مارا اور یہ عین صحو سے نکلا۔ ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو معدات کے سوا نہ رکھا اور علت فاعلی میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا اور کچھ نہ بنائی۔ حق تعالیٰ نے کمال کرم سے اس اہتمام و غیرت کے باعث جو میرے حق میں رکھتا ہے پسند نہیں فرمایا کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا دخل ہو یا میں اس امر میں کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوں۔ میں حق تعالیٰ کا تربیت یافتہ اور اس کے نامتناہی فضل و کرم کا مجتبیٰ اور برگزیدہ ہوں۔

دولت خاصہ محمدی میں حصہ

(مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم) واضح ہو کہ اس دولت خاصہ محمدی میں اگرچہ کوئی دوسرا شریک نہیں لیکن اس قدر معلوم کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تخلیق و تکمیل کے بعد آنحضرت ﷺ کی دولت خاصہ سے کچھ بقیہ رہ گیا تھا کیونکہ کریموں کی دولت ضیافت کے دسترخوان میں فراوانی لازم ہے تاکہ پس خوردہ خدام کو نصیب ہو۔ غرض وہ بقیہ آنحضرت ﷺ کی امت کے دولت مندوں میں سے ایک کو پس خوردہ کے طور پر عطا فرمایا ہے اور اس کو خمیر مایہ بنا کر اس کے وجود اور ذات کو اس سے گوندھا ہے اور آنحضرت ﷺ کی تبعیت و وراثت کے طور پر آنحضرت ﷺ کی دولت خاصہ میں شریک کیا۔ یہ بقیہ حضرت آدم علیہ السلام کی اسی بقیہ طینت کی طرح ہے جو درخت خرما کو نصیب ہوا ہے جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اپنی پھوپھی نخلہ کی عزت کرو کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی بقیہ طینت سے پیدا کی گئی ہے۔"

حضرت رسالت پناہ کا اجازت نامہ

(مکتوب ۱۰۶ دفتر سوم) صبح کے حلقہ کے بعد چونکہ رات کا تھکا ماندہ تھا سو گیا- خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فقیر کے لئے اجازت نامہ لکھا ہے جس طرح کہ مشائخ کی عادت ہے کہ اپنے خلفائے کے لئے لکھتے ہیں اور فقیر کے مخلص دوستوں میں سے ایک دوست بھی اس معاملہ میں ہمراہ ہے- اسی اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامہ کے اجزاء میں سے تھوڑا سا فتور ہے- اس فتور کی خاص وجہ بھی اسی وقت معلوم ہوگئی- وہ دوست جو اس خدمت میں پیش کار ہے دوبارہ اس اجازت نامہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور آنحضرت ﷺ نے اس اجازت نامہ کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ لکھوایا- یہ تشخیص نہیں ہوا لیکن آنحضرت ﷺ کی نسبت معلوم ہے کہ لکھنے کے بعد اپنی مہر سے مزین فرمایا ہے- اس اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض آخرت کا اجازت نامہ دیا ہے اور مقام شفاعت میں نصیب وحصہ عطا فرمایا ہے اور کاغذ بھی بہت لمبا ہے اور اس میں سطریں بہت سی لکھی ہیں- میں اس دوست سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کیا ہے اور دوسرا اجازت نامہ جو لکھا ہے وہ کون سا ہے- میں اس وقت معلوم کرتا ہوں کہ میں اور آنحضرت ﷺ باہم ایک ہی جگہ ہیں اور باپ بیٹے کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں- آنحضرت ﷺ اور ان کے اہل بیت مجھ سے بیگانے نہیں ہیں- میں اس کاغذ کو لپیٹ کر اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر محرم فرزندوں کی طرح ان کے حرم شریف میں داخل ہوا ہوں- امہات المومنین مومنوں کی ماؤں میں سے بڑی ماں (حضرت خدیجہ الکبریٰؓ) مجھے آنحضرت ﷺ کے حضور میں بعض بعض خدمات بڑے اہتمام سے فرماتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں تیرا انتظار کرتی تھی- اس طرح کرنا چاہئے اسی اثناء میں افاقہ ہوگیا یہ بات دل سے دور ہوگئی کہ اس فتور کی وجہ کیا تھی جو معلوم ہوتی تھی- جوں جوں آنکھ کھلتی جاتی تھی- اس واقعہ کی خصوصیات دل سے نکلتی جاتی تھیں- تم کو یاد ہوگا کہ میں اس بارہ میں پہلے بھی یہی بات کرتا تھا کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے کہ اپنے اندازہ کے موافق ظہور نہیں کرتی- یہ بات ہرگز دل میں نہ آتی تھی کہ اس کا ظہور آخرت کے لئے ذخیرہ رکھا ہے جس کا نعم البدل میسر ہوگا-

وراثت وتبعیت نبوت

(مکتوب ۳۰۱ دفتر اول) میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت (وراثت وتبعیت انبیاء کرام) نے تابعین بزرگواروں پر بھی ایسا پرتو ظاہر کیا ہے اور تبع تابعین بزرگواروں پر بھی سایہ ڈالا ہے بعد ازاں یہ

دولت پوشیدہ ہوگئی ہے حتیٰ کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے الف ثانی (دو ہزار سال) تک نوبت آگئی اور اس وقت پھر وہ دولت تبعیت و وراثت کے طور پر ظاہر ہوگئی۔

حضرت مجدد کا رب

(مکتوب ۳۱۱ دفتر اول) حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اسم مبارک اللہ ہے اور اس حقیر کے رب کا اسم مبارک رحمٰن ہے چونکہ اس حقیر کو بلحاظ مبداء کے حضرت کلیم کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس لئے بہت سی برکتیں اس سے اس فقیر کو پہنچتی ہیں۔ اگرچہ فقیر کی ولایت موسوی ولایت نہیں ہے لیکن اس ولایت کی برکات سے بھری ہوئی ہیں اور اس راہ سے بہت سی ترقیات کی ہیں اور وہ استفادہ جو اس حقیر نے اس ولایت سے کیا ہے اس ولایت کا اجمال کی راہ سے ہے اس فقیر کی ولایت جو ولایت موسوی سے مستفادہ ہے اس مومن آدمی کی ولایت کے مشابہ ہے جو آل فرعون سے تھا اور میرے فرزند علیہ الرحمۃ (حضرت خواجہ محمد صادقؒ) کی ولایت فرعون کے ساحروں کی ولایت کے مانند ہے جو ایمان لائے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی

(مکتوب ۴ دفتر دوم) یہ فقیر عین الیقین اور حق الیقین کی نسبت کیا بیان کرے اور اگر کچھ بیان کرے تو کوئی کیا سمجھے گا اور کیا معلوم کرے گا۔ یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں ارباب ولایت علمائے ظاہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز اور ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد تبعیت و وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور تر و تازہ ہو کر ظاہر ہوئی ہیں۔ ان علوم و معارف کا صاحب اس الف کا مجدد ہے چنانچہ اس کے ان علوم و معارف میں جو قرات و صفات اور افعال و احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کے متعلق ہیں نظر و غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ تمام علوم و معارف علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء الوراء ہیں بلکہ یہ علوم ان کے علوم کے مقابلہ میں پوست کی طرح ہیں اور یہ معارف اس پوست کے مغز کی مانند۔

صدی کا مجدد

جاننا چاہئے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور۔ جس قدر سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجددوں کے

درمیان فرق ہے۔ مجدد وہ ہوتا ہے کہ جو فیض اس مدت میں امتوں کو پہنچنا ہوتا ہے اسی کے ذریعے پہنچتا ہے خواہ اس وقت کے اقطاب واوتاد ہوں اور خواہ ابدال ونجبا۔

حضرت مجدد کے احوال

(مکتوب ۵ دفتر سوم) پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس عنایت نے حق تعالیٰ کے جلال وغضب کی صورت میں تجلی نہ فرمائی اور قید خانہ کے قفس میں قید نہ ہوا تب تک ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے کلی طور پر نہ نکلا۔ ظلال وخیال ومثال کے کوچوں سے پورے طور پر نہ نکلا۔ ایمان بالغیب کے شاہراہ میں مطلق العنان ہوکر نہ دوڑا اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا۔ اور ذوق کامل اور وجدان بالغ کے ساتھ دوسروں کے ہنر کو عیب اور ان کے عیب کو ہنر معلوم نہ کیا۔ بے ننگی اور ناموسی کے خوشگوار شربت رسوائی اور خواری کے مزہ دار مربے نہ چکھے اور خلق کے طعن وملامت کے جمال کا حظ نہ پایا اور لوگوں کے بلا وجفا کے حسن سے محظوظ نہ ہوا کلی طور پر اپنے ارادہ واختیار کو ترک نہ کیا آفاقی وانفسی تعلقات کے رشتہ کو کامل طور پر نہ توڑا اور تضرع والتجاء انابت واستغفار وذلت وانکسار کی حقیقت حاصل نہ ہوئی۔ اور حق تعالیٰ کے استغنا کی رفیع الشان بارگاہ کو جس کے گرد عظمت کبریا کے پردے تنے ہیں مشاہدہ نہ کیا اور اپنے آپ کو بندہ خوار دراز، ذلیل وبے اعتبار، بے ہنر، بے طاقت اور کامل محتاج اور فقیر معلوم نہ کیا۔ اور محض فضل سے حق تعالیٰ کے فیوض وواردات اور اس کے لامتناہی عطایات وانعامات پے در پے اس محنت کدہ میں اس شکستہ دل کے شامل حال نہ ہوتے تو نزدیک تھا کہ معاملہ ناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے اس فقیر کو عین بلا میں عافیت دی اور نفس جفا میں کرم فرمایا۔ اور سختی کی حالت میں احسان کیا اور رنج وخوشی میں شکر کی توفیق دی۔

اسیری کا دور

(مکتوب ۶ دفتر سوم) ابتدائے حال میں جب فقیر اس قلعہ (قلعہ گوالیار) میں پہنچا تو محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کے انوار شہروں اور دیہات سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے برس رہے ہیں اور کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ سالوں تک جمالی تربیت کے ساتھ مراحل قطع کرتے رہے ہیں اور اب جو جلالی تربیت کے ساتھ قطع مسافت کرنے لگے ہیں تو صبر بلکہ رضا کے مقام میں رہیں اور جمال وجلال کو برابر جانیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ فتنہ کے ظاہر ہونے کے وقت نہ ذوق رہا ہے نہ

جمال- چاہیئے تھا کہ ذوق وصال دگنا ہوتا کیونکہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت دیتی ہے- آپ کو کیا ہو رہا ہے کہ عام لوگوں کی طرح باتیں کر رہے ہیں اور محبت ذاتیہ سے دور نکل گئے ہیں- جمال اور انعام میں محبوب کی مراد اپنی مراد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور جلال وایلام میں خالص محبوب ہی کی مراد ہے اور اپنی مراد کے برخلاف ہے-

(مکتوب ۱۵ دفتر سوم) یاران خیر اندیش نے ہر چند خلاصی کے بارہ میں کوشش کی مگر کارگر اور فائدہ مند نہ ہوئی- اس امر سے بشریت کے باعث کچھ غم وحزن لاحق ہوا اور سینہ کی تنگی ظاہر ہوئی لیکن کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ سب حزن اور سینہ کی تنگی خوشی اور شرح صدر سے بدل گئی اور خاص یقین سے معلوم ہوا کہ اگر ان لوگوں کی مراد جو آزار کے در پے ہیں حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے تو پھر سینہ کی تنگی اور کدورت بے فائدہ اور دعویٰ محبت کے برخلاف ہے کیونکہ محبوب کا ایلام اس کے انعام کی طرح محبوب کے نزدیک محبوب ومرغوب ہوتا ہے- محب جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام سے بھی متلذذ ہوتا ہے- بلکہ اس کے ایلام میں زیادہ تر لذت پاتا ہے- کیونکہ محب کی اپنی مراد اور حظ نفس سے پاک ہے- جب حق تعالیٰ جو جمیل مطلق ہے اس شخص کا آزار چاہتا ہے- تو حق تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی حق تعالیٰ کی عنایت سے اس شخص کی نظر میں جمیل بلکہ لذت کا سبب ہے اور جب ان لوگوں کی مراد حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مراد کا دریچہ ہے تو ان لوگوں کی مراد بھی نظر میں پسندیدہ اور کذب کا موجب ہے کیونکہ وہ شخص فاعل بھی اس نظر کے علاقہ سے محب کی نظر میں محبوب ہوتا ہے- عجب معاملہ ہے جوں جوں اس شخص کی جفا زیادہ متصور ہوتی ہے توں توں محب کی نظر میں زیادہ زیبا دکھائی دیتا ہے کیونکہ محبوب کے غضب کی صورت زیادہ تر نمائش رکھتی ہے- اس راہ کے دیوانوں کا کام الٹا اور برعکس ہے- پس اس شخص کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ بگڑنا محبوب کی محبت کے برخلاف ہے کیونکہ وہ شخص درمیان میں صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں- اور وہ لوگ جو آزار کے در پے ہیں باقی خلائق کی نسبت فقیر کی نظر میں محبوب دکھائی دیتے ہیں آپ دوستوں کو کہہ دیں کہ سینہ کی تنگیوں کو دور کریں اور ان لوگوں کے ساتھ جو آزار کے در پے ہیں دشمنی اور بگاڑ نہ کریں بلکہ انہیں چاہیئے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں چونکہ ہم کو دعا کا امر ہے اور حق تعالیٰ دعا والتجا وتضرع وزاری کو پسند کرتا ہے اس لئے بلیہ ومصیبت کے دفع ہونے کے لئے اور عفو وعافیت کا سوال کریں اور یہ جو غضب کی صورت کہی گئی ہے اور حقیقت میں رحمت ہے۔ غضب کی اس صورت میں محب نے اس قدر فائدے اور نفعے رکھے ہیں جو بیان سے باہر ہیں- نیز غضب کی صورت جو دوستوں کو عطا فرماتے ہیں منکر لوگوں کی

خرابی ہے اور ان کی ابتلا و آزمائش کا باعث ہے شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے کہا ہے کہ عارف کے لئے ہمت نہیں یعنی وہ ہمت جو بلیہ کے دفع کرنے کے لئے ہو عارف سے مسلوب ہے کیونکہ عارف جب بلیہ کو محبوب کی طرف سے جانتا ہے اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو اس کے دفع کرنے کے لئے کس طرح ہمت کرے اور اس کو کیوں دفع کرے اگرچہ بظاہر اس بلیہ کے دفع کرنے کی دعا زبان پر لاتا ہے لیکن وہ حرف دعا کا امر بجا لانے کے لئے ہے درحقیقت کچھ نہیں چاہتا اور جو کچھ آتا ہے اس سے لذت پاتا ہے۔'

(مکتوب ۲۷ دفتر سوم) قلعہ (گوالیار) کی سکونت کے ایام میں یہ فقیر ایک دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس طریقہ علیہ کی طرز و طرح پر خاموش بیٹھا ہوا تھا کہ بے ہودہ آرزوؤں کے ہجوم نے بے مزہ کر دیا اور جمعیت کو کھو دیا ایک لحہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے پھر جمعیت حاصل ہوئی تو دیکھا کہ وہ آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کی طرح القاء کرنے والے کے ہمراہ باہر نکل گئی ہیں اور خانہ دل کو خالی چھوڑ گئی ہیں۔ اس وقت معلوم ہوا کہ خواہشات باہر کی طرف سے آئی تھیں۔ اندر سے نہ اٹھی تھیں جو بندگی کے منافی ہے۔

(مکتوب ۸۳ دفتر سوم) قید کے دنوں میں جب اپنی ناکامی اور بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تھا تو عجب حظ حاصل کرتا تھا اور نہایت ہی ذوق پاتا تھا۔ ہاں فراغت و آرام والے لوگ مصیبت والوں کے ذوق کو کیا معلوم کر سکتے ہیں اور ان کی بلا کے جمال کو کس طرح پا سکتے ہیں۔

صاحبزادوں کے نام قلعہ گوالیار سے

(مکتوب ۲ دفتر سوم) فرزندان عزیز! ابتلا کا وقت اگرچہ تلخ اور بے مزہ ہوتا ہے لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے تم کو اب فرصت مل گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لا کر اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم بھی فراغت و آرام پسند نہ کرو اور تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو۔ قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ لمبی قرات کے ساتھ نماز ادا کرو یا کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا تکرار کرتے رہو۔ کلمہ لا الہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے سوا تمام جھوٹے خداؤں اور اپنے نفس کی نفی کرنا چاہئے اور اپنی تمام مرادوں اور مقصدوں کو دفع کرنا چاہئے کیونکہ مراد کا طلب کرنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے بلکہ سینہ میں کسی مراد کا طلب کرنا گویا اپنے مولیٰ کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے مالک کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اس امر میں اپنے مولیٰ کی نفی اور اپنے مولیٰ بننے کا اثبات ہے اور طلب مولیٰ کے سوا تمہاری کوئی مراد نہ رہے۔ یہ مطلب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلا و ابتلا کے زمانے میں بڑی آسانی سے میسر ہو جاتا ہے اور اس زمانہ کے سوا ہوا و ہوس سد

سکندری ہے- فتنہ کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں اور فتنہ کے زمانہ کے سوا سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں شاید ملاقات ہو یا نہ ہو- یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس نہ رہے- اپنی والدہ (اہلیہ حضرت مجدد) کو بھی اس امر پر اطلاع دے دو اور اسے اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دو- اب کتابوں کے مطالعہ اور طلبہ کے تکرار کا وقت نہیں ہے- اب ذکر کا وقت ہے- تمام نفسانی خواہشات جو جھوٹے خدا ہیں لا کے نیچے لا کر سب کی نفی کر دو اور کوئی مراد و مقصود سینے میں نہ رہے حتیٰ کہ میری خلاصی بھی جو کہ تمہارے لئے بہت ضروری ہے تمہاری مطلوب نہ ہو- حق تعالیٰ کی تقدیر، فعل وارادہ پر راضی ہو- حویلی و چاہ و باغ، کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے (اس اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت وقت کے کارندوں نے آپ کی حویلی چاہ اور باغ وغیرہ کو تباہ و برباد اور مسمار کر دیا تھا اور کتب سمیت گھر کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا تھا-) ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت کے مانع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی اور مراد و مرضی نہ رہے- ہم اگر مر جاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں- بہتر ہے کہ ہماری زندگی میں چلی جائیں تا کہ کوئی فکر نہ رہے- جہاں تم بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن خیال کرو- چند روزہ زندگی جہاں گزرے یاد حق میں گزر جائے (اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے بچے اور اہلیہ محترمہ سرہند شریف سے دور کسی اور جگہ پناہ لئے ہوئے تھے اور بے وطن تھے) دنیا کا معاملہ آسان ہے اس کو چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ رہو اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دو-

(مکتوب ۱۰۶ دفتر سوم) ان دنوں معارف غریبہ اور علوم عجیبہ ظاہر ہوئے ہیں گویا وہ مقرر مرقوم ہوا ہے اور ایک معاملہ جدا ظاہر ہوا ہے-

......فرزند دور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک ہوتا جاتا ہے- دیکھیں کیا ہوتا ہے......

قلعہ گوالیار کی قید سے خلاصی

نوٹ: مستند تذکروں کے مطابق حضرت مجددؒ نے قلعہ گوالیار میں پہنچتے ہی اپنے تمام خلفاء اور سربرآوردہ عقیدت مندوں کو ایک ایک خط اس مضمون کا ارسال فرما دیا تھا کہ میری کیفیت ہے کہ یہ سب میری رضامندی سے ہے- خبردار! آپ لوگ کسی قسم کی جنبش اور حرکت نہ کرنا- آپ کے ہزاروں ارادت مند حکومت سے مقابلے کے لئے ایک ہفتہ میں کمربستہ ہو چکے تھے مہابت خاں اپنی افواج کے ساتھ کابل سے روانہ ہو کر کئی منزل تک آ گیا تھا مگر یہ صحیفہ گرامی پہنچتے ہی واپس چلا گیا- برسوں کی اسیری کے بعد ایک روز آپ نے بیٹھے بیٹھے فرمایا کہ اب ہمارے لئے کبر جلال الٰہی پوری ہو گئی ہے- اور بہت جلد یہاں سے روانگی ہو گی- اللہ تعالیٰ کی عنایت سے لشکر کی ہمراہی سے خلاصی میسر ہو گئی ہے- اللہ تعالیٰ

استقامت کے ساتھ رکھے۔ ادھر ایک روز شہنشاہ جہانگیر کو کسی نے عالم بیداری میں تخت سے زمین پر پھینک دیا۔ وہ ہیبت زدہ ہونے کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ ہر چند علاج معالجے سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرماتے ہیں کہ تو نے مجدد امام وقت کی بے عزتی کی ہے تو جس عذاب الٰہی میں گرفتار ہے اس کی دعا کے بغیر تیری خلاصی نہ ہوگی۔ اگر بادشاہت کی خیر منظور ہے تو اس کی طرف رجوع کر چنانچہ اس نے بیدار ہوتے ہی رہائی کا حکم نامہ جاری کیا اور آپ کی وجہ سے ہندوستان بھر کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ایک عرضداشت اپنے مصاحبوں کے ہاتھ حضرت مجدد کی خدمت میں روانہ کی اور اپنی خطا کی معافی طلب کی اور قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمانے کی استدعا کی آپ نے کچھ شرائط پیش کئے جو سب منظور کر لئے گئے۔ رہائی کے بعد آپ تین روز سرہند شریف میں ٹھہرے پھر عازم لشکر بادشاہی ہوئے دار الخلافہ پہنچنے پر ولی عہد شاہ جہان اور وزیر اعظم استقبال کے لئے حاضر ہوئے۔ شاہی محل میں تشریف لے گئے اور بادشاہ کو حکم دیا کہ اپنی خطا یاد کر کے روتا رہے۔ بادشاہ بہت جلد تندرست ہو گیا اور آپ کے قدموں پر گر گیا۔ احکام شرعی جاری کئے گئے۔ سجدہ دربار ختم کر دیا گیا۔ گاؤکشی کی آزادی دی گئی۔ شہید شدہ مساجد کی از سرنو تعمیر ہوئی۔ ہر شہر میں شرعی قاضی مقرر ہوئے۔ کفار پر جزیہ مقرر ہوا۔ تمام خلاف شرع قوانین منسوخ کر دیئے گئے اور جاہلیت کی رسوم کا خاتمہ کر دیا گیا۔ سفر اجمیر شریف بھی آپ نے بادشاہ کی معیت میں کیا۔ شہنشاہ جہانگیر کی خواہش اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظر آپ نے لشکر شاہی میں رہنا اختیار کر لیا۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے آپ لشکر سے فارغ ہو کر سرہند شریف واپس تشریف لے آئے تھے۔ اس سے قبل مکتوب نمبر ۱۰۵ دفتر سوم میں آپ شیخ حسن برکی کو لکھ چکے تھے۔

سیر مرادی

(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) ہمارے خواجہ قدس سرہ (خواجہ باقی باللہ) نے ابتدائے حال میں اس فقیر کے سیر کو سیر مرادی فرمایا۔ یاروں نے بھی شاید اس سے بات کو سنا ہوگا اور مثنوی کے ان ابیات کو فقیر کے حال مطابق جان کر پڑھا کرتے تھے۔

عشق معشوقاں نہاں است و ستر
عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر
لیک عشق عاشقاں تن زدہ کن
عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

ترجمہ: معشوقوں کا عشق پردے میں چھپا ہوا ہے۔ اور عاشق کا عشق دھوم مچا دیتا ہے عشق عاشقوں کو لاغر کر دیتا ہے۔ اور عشق معشوقوں کو خوش اور بدن کو خوشتر بنا دیتا ہے۔

مرادوں میں سے جو کوئی حاصل ہوا ہے اجتباہ (بزرگی) کے راستے ہی گیا ہے اور اجتباہ کا راستہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ صاحب عوارف قدس سرہا نے مجذوب سالک اور سالک مجذوب کے بیان میں مریدوں کے راستہ اور مرادوں کے راستہ کو اجتباہ کا راستہ کہا ہے۔

پیر مکرم حضرت محمد عبدالباقیؒ

(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) لفظ عبدالباقی کی ترکیب سے مراد اضافی معنی ہیں نہ علمی معنی اگرچہ علمی معنی بھی اس سے بخوبی ظاہر ہوتے ہیں یعنی میرا پیر اگرچہ زندہ باقی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے لیکن میری تربیت کا متکفل اور ذمہ دار اللہ باقی ہے۔ اس میں کون سی تحریف اور بے ادبی ہے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

(مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم) حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرات فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت حسنینؓ اور بارہ اماموں کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم (کو یہ منصب عطا ہوا) منصب مذکوران کے سپرد ہوا۔ اس راستہ میں تمام اقطاب و نجبا کو فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہ کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔ کسی نے سوال کیا کہ مکتوبات جلد دوم کے ایک مکتوب میں مجدد الف ثانی کے معنی اس طرح لکھے ہیں کہ اس مدت میں جس قسم کا فیض امتوں کو پہنچتا ہے اسی کے وسیلے سے پہنچتا ہے اگرچہ وقت کے اقطاب و اوتار اور ابدال و نجبا ہوں۔ میں (حضرت مجدد) کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی سے مراد اس مقام میں یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیسے کہتے ہیں کہ چاند کے نور سورج کا نور سے حاصل ہوا ہے۔ (جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول اور حضرت مہدی رضوان اللہ کے ظہور کا تعلق ہے) توسط و وسیلہ کا معاملہ مذکورہ بالا راہوں میں سے دوسرے راستے پر موقوف ہے جو قرب ولایت سے مراد ہے لیکن راہ اول میں جو قرب نبوت سے مراد ہے توسط اور وسیلہ کا معاملہ مفقود ہے۔ اسی راستہ سے جو کوئی واصل ہوا ہے کوئی حائل اور متوسط درمیان میں نہیں آیا۔ دوسرے کے وسیلے کے بغیر فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں۔ توسط حیولہ فقط دوسرے راستہ میں ہے اور اس مقام کا علیحدہ معاملہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت کے ضمن میں راہ اول سے واصل ہوئے ہیں اور اپنے اپنے درجوں کے موافق وہاں شان خاص رکھتے ہیں۔

روحانی مراتب علیہ

(مبداء و معاد) اور یہ راہ میں نے اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانی تربیت سے اس انجام تک طے کی بعدازاں اس اسم سے جو میرا پرورش کنندہ ہے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولیٰ تک جسے حقیقت محمدیہ سے تعبیر کرتے ہیں ترقی کی۔ وہاں سے اوپر حضرت فاروق اعظمؓ کی روحانیت کی مدد سے عروج حاصل ہوا۔ وہاں سے آگے حضرت خاتم الرسلین ﷺ کی روحانیت کی مدد سے مقام اقطاب محمدیہ تک ترقی کی۔ اس مقام میں پہنچتے وقت حضرت خواجہ نقشبندؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی روحانیت سے بھی ایک طرح کی مدد مجھے ملی۔ قطب کا انتہائی مقام عروج اس مقام تک ہوتا ہے اس مقام اقطاب پر پہنچ کر جناب سرور کائنات ﷺ سے مجھے قطبیت ارشاد کی خلعت عنایت ہوئی۔ وہاں سے آگے مقامات اصل میں ترقی عنایت فرمائی اور اصل الاصل تک پہنچا دیا۔ اس آخری عروج میں جو مقامات اصل کا عروج ہے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اللہ تعالیٰ کی روحانیت کی مدد نصیب ہوئی جس نے اپنی قوت تصرف سے ان مقامات سے عبور کرا کے اصل الاصل تک پہنچا دیا۔ وہاں سے پھر جہان کی طرف لوٹایا چنانچہ لوٹتے وقت ہر مقام سے عبور حاصل ہوا۔ مجھے یہ نسبت فردیہ جس سے عروج اخیر مخصوص ہے اپنے والد ماجد (حضرت شیخ عبدالاحدؒ بن زید العابدین) سے حاصل ہوئی اور انہیں ایک بزرگ (حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہٗ سے جن کو جذبہ قوی حاصل تھا اور جو خوارق عادات میں شہرہ آفاق تھے) ہاتھ آئی۔ مجھے عبادات نافلہ کی توفیق خصوصاً نماز نافلہ کا ادا کرنا بھی اپنے والد ماجد سے حاصل ہوا۔ جب تک میں مقام اقطاب سے عبور نہ کر چکا مجھے علوم لدنی حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے حاصل ہوتے رہے۔ ان مقامات کے مشائخ نے میری تکمیل میں میری مدد واعانت کی اور اپنی نسبتوں کے خلاصے مجھے عنایت فرمائے۔ پہلے پہل اکابر چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام میں عبور واقع ہوا۔ ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی روحانیت نے دوسروں کی نسبت زیادہ مدد فرمائی۔ واقعی اس مقام میں ان کی شان نہایت اعلیٰ ہے اور آپ اس مقام کے سردار ہیں۔ بعدازاں اکابر کبرویہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام میں گزر ہوا۔ مجھے اکابر سہروردیہ کے مقام میں گزر ہوا جو حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہ کی طرف ہے عبور واقع ہوا۔ یہ مقام سہروردیہ نہایت عجیب و بزرگ ہے جو نورانیت اس مقام میں دیکھنے میں آئی دوسرے مقامات میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔

قطب ارشاد جس میں فردیت کے محال کمالات پائے جاتے ہیں نہایت قلیل الوجود ہوتا ہے۔ کئی

صدیوں بلکہ بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا موتی ظاہر ہوتا ہے جس کے نور ظہور سے تاریک دنیا روشن ہو جاتی ہے اس کی ہدایت وارشاد محیط عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام جہان کو حاصل ہوتا ہے۔ جس شخص کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتے ہیں اسی کی وساطت سے ہوتے ہیں۔ اس کے وسیلے کے بغیر براہ راست کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی۔ گویا اس کا نور ہدایت سمندر کی طرح تمام جہان کو گھیرے ہوتا ہے اور وہ ایک منجمد سمندر ہے جو بالکل حرکت نہیں کرتا۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا مخلص ہوتا ہے یا وہ بزرگ کسی طالب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو توجہ کے وقت طالب کے دل میں گویا ایک سوراخ کھل جاتا ہے جس کی راہ سے اس دریا سے توجہ اور اخلاص کے موافق سیراب ہوتا ہے۔

علمائے نعمت

ایک روز اپنے یاروں کے حلقے میں بیٹھا تھا اور اپنی خرابیوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ دید یہاں تک غالب آئی کہ میں نے اپنے آپ کو اس وضع کے بالکل مناسب نہ پایا۔ اسی اثناء میں جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع کی اللہ تعالیٰ نے اس کا درجہ بلند کر دیا کے موافق اس دور پڑے ہوئے کو رسوائی کی خاک سے اٹھا کر یہ آواز سر میں دی میں نے تجھے اور اس شخص کو بھی جو تجھے میری بارگاہ کا وسیلہ بالواسطہ یا بلا واسطہ بنائے گا بخش دیا اور یہ سلسلہ قیامت تک یوں ہی رہے گا اور از راہ بندہ نوازی بار بار مجھے یہ فرمایا حتیٰ کہ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی۔ (مبداء و معاد)

مکان فوق العرش

(مبداء و معاد) شروع حال میں ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان کا طواف کر رہا ہوں اور کچھ لوگ بھی میرے ساتھ اس طواف میں شریک ہیں لیکن وہ اس قدر سست رو ہیں کہ جتنے عرصے میں میں ایک دفعہ طواف کرتا ہوں وہ صرف دو تین قدم اٹھاتے ہیں۔ اسی اثناء میں معلوم ہوا کہ یہ مکان فوق العرش ہے اور باقی کے طواف کرنے والے ملائکہ کرام ہیں۔

مقام رضا

جب میں اپنے پیر کے وسیلے راہ حق کی طرف متوجہ ہوا تو بارہویں سال مجھے مقام رضا سے مشرف فرمایا گیا پہلے نفس کو اطمینان عنایت فرمایا اور بعد ازاں بتدریج فضل الٰہی سے یہ سعادت (مقام رضا) نصیب کی اور اس دولت سے اس وقت تک مشرف نہ ہوا جب تک رضائے الٰہی حاصل نہ ہوئی پس نفس

مطمئنہ اپنے مولیٰ سے راضی ہوا اور اس کا مولیٰ اس سے راضی ہوا۔

قرب الٰہی

واضح رہے کہ جو ممکن مقامات الٰہی میں دائرہ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے وہ ازل و ابد کو ملا ہوا پاتا ہے۔ حضور ﷺ کے شب معراج کے مقامات عروج کی مثال دی ہے۔ جہاں ماضی و مستقبل کی گنجائش نہیں ہوتی مجھ پر بھی جب حبیب خدا ﷺ کے صدقے ایک وقت یہ حالت طاری ہوئی تھی۔ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں اور ابھی انہوں نے سجدے سے سر نہیں اٹھائے کہ ملائکہ علیین کو ان سجدہ کرنے والوں سے الگ دیکھا جنہیں سجدے کا حکم نہیں ہوا تھا اور وہ اپنے مشہود میں مستغرق تھے اور جن حالات کے آخرت میں گزرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اسی گھڑی دکھائی دیئے۔ چونکہ اس واقعہ کو مدت گزر چکی ہے اس واسطے احوال آخرت کو مفصل بیان نہیں کیا کیونکہ مجھے اپنی قوت حافظہ پر پورا بھروسا نہیں اس لئے اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ یہ حالت آنحضرت ﷺ کے وجود اور روح دونوں پر طاری ہوئی تھی اور آپ نے بصارت اور بصیرت دونوں سے دیکھا۔ دوسرے جو طفیلی ہیں ان پر اگر بطریق تبعیت یہ حالت طاری ہو تو فقط روح پر ہوگی اور صرف بصیرت سے مشاہدہ کریں گے۔ ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے۔ (مبداء و معاد)

مکتوبات شریف

(حالات زندگی صفحہ ۳۳۶) محمد نعمان شمس الدین یحییٰ المعروف بہ میر بزرگ سلمہ اللہ جو حضرت ایشاں کے کامل اور بزرگ خلفاء میں سے ہیں اور آنحضرت کے امر عالی سے صوبہ دکن میں اس طریقہ کو جاری کرتے ہیں اور اس طرف ہدایت فرماتے ہیں التماس کی ان پراگندہ موتیوں کو جمع کر کے جلد سوم کا خزانہ مہیا کیا جائے۔ ان کی یہ التماس قبول ہوئی جیسا کہ مکتوب نمبرا دفتر سوم کے آخر میں درج ہے۔

جب مکتوبات معدن الفتوحات یعنی جلد اول جس کا نام "درالمعرفت" ہے ختم ہو چکی تو گفتگو کے میٹھے پانی کے بعض پیاسوں نے عرض کی اگر حضور کا اشارہ عالیہ ہو جائے تو ان اسرار کی نہریں جو اس کے بعد گوہر بار قلم کے چشمے سے نکلی ہیں جمع کر کے جلد دوم کا دریا بنایا جائے۔ حضرت نے بڑے انکسار و خوف سے فرمایا کہ میں اس فکر و حیرت میں ہوں کہ یہ سب علوم جو بیان و تحریر میں آچکے ہیں آیا حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہیں یا نہیں۔ یہ بات فرما کر خاموش ہو رہے اور بشارت و اشارت کے منتظر رہے۔ دوسرے روز فرمایا کہ رات کو ندا دی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ سب علوم جو لکھے گئے ہیں بلکہ

جو کچھ تیری گفتگو میں آیا ہے سب مقبول اور پسندیدہ ہے اور میری تحریروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جو یہ سب کچھ ہم نے ہی کہا ہے اور ہمارا ہی بیان ہے اس وقت یہ سب علوم نظر کے سامنے تھے اور میں ان میں مجمل اور مفصل طور پر نظر کرتا تھا خاص کر ان علوم کو بھی جن میں مجھے تردد تھا اسی حکم میں داخل فرمایا۔ تیسری جلد ''کاس الراسخین'' اس کی تاریخ ہے۔ دوسری جلد کی تاریخ ''نور الخلائق'' ہے۔

حضرت غوث الاعظم کے خرقہ مبارک کی وصولی

نوٹ: حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں مستند تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت غوث الاعظم اپنا خرقہ مبارک جانشین صاحبزادہ تاج الدین عبدالرزاق قدس سرالعزیز کو حضرت مجدد کے حوالے کرنے کے لیے تفویض فرما گئے تھے جو جانشینوں میں یکے بعد دیگرے امانتاً چلا آتا تھا۔ حضرت شاہ سکندر قادری قدس سرہ سے ان کے دادا حضرت شاہ کمال کیتھلی نے خواب میں ظاہر ہو کر فرمایا کہ اس خرقہ مبارک کے وارث کو جن کے لیے حضرت غوث پاک نے وصیت فرمائی تھی وہ شیخ احمد سرہندی ظاہر ہو گئے ہیں۔ خرقہ ان کے حوالے کر دو انہوں نے خیال فرمایا کہ گھر کی نعمت گھر میں رہے تو بہتر ہے۔ حضرت شاہ کمال نے دوبارہ ظاہر ہو کر تاکید فرمائی پھر بھی ٹال گئے۔ تیسری مرتبہ بحالت غیظ وغضب ظاہر ہو کر متنبہ فرمایا کہ اگر تم اپنی خیریت اور نسبت کی سلامتی چاہتے ہو تو خرقہ مبارک اس کے وارث کے حوالے کر دو ورنہ تمہاری نسبت و کرامت سب سلب کر لی جائے گی شاہ سکندر کیتھلی ہیبت زدہ ہو کر خرقہ شریف لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت مجددؒ بعد نماز صبح حسب عادت حلقہ ذکر وتوجہ میں مشغول مراقبہ فرما رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو شاہ صاحب خاندان عالیہ قادریہ کی خلافت آپ کی خدمت میں پیش کی اور حضرت غوث الاعظم کا خرقہ مبارک آپ کے سپرد فرمایا۔ آپ زیب تن فرما کر بہت خوش ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد کرام کے مختصر حالات جو مکتوبات میں درج ہیں

(تشریح منجانب مرتب) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے شیخ اور پیر حضرت خواجہ محمد باقی اللہؒ نے اپنے ایک دوست کے نام خط میں حضرت مجدد اور ان کی اولاد کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

"اہل سرہند سے ایک بزرگ شیخ احمد ہیں' بڑے فاضل اور کثیر العلم عالم ہیں- فقیر نے چند روز ان کی صحبت میں نشست و برخاست کر کے بہت سے عجائب روزگار کا مشاہدہ کیا ہے- وہ ایک چراغ ہیں جو ایک عالم کو منور کریں گے- الحمد للہ فقیر کے یقین میں کمالات جاگزین ہو گئے- ان کے چند بھائی برادر بھی ہیں جو سب کے سب نیک اور بزرگ ہیں- شیخ کے صاحبزادہ جو ابھی بہت کم سن ہیں اسرار الٰہی ہیں اور شجرہ طیبہ ان کا خدائے تعالیٰ اچھی طرح سے نشو و نما کرے- فقراء کے دل خدا سے ملنے کے دروازے ہیں-"

(مکتوب ۳۰۶ دفتر اول) مکتوب بنام مولانا محمد صالح

اخوی محمد صالح نے اہل سرہند کے واقعات کو سن لیا ہوگا- میرے فرزند اعظم (حضرت خواجہ محمد صادقؒ) نے مع اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ کے آخرت کا سفر اختیار کیا (طاعون کی وبا کے باعث) انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس نے اول باقی ماندوں کو صبر کی قوت عطا فرمائی اور پھر مصیبت و بلا کو نازل فرمایا-

میرا فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق علیہ الرحمتہ والغفران) حق تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا- چوبیس برس کی عمر میں اس نے وہ کچھ پایا کہ شاید ہی کسی کے نصیب ہو- پایہ مولویت اور علوم نقلیہ اور عقلیہ کی تدریس کو حد کمال تک پہنچایا تھا حتیٰ کہ اسکے شاگرد بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کے پڑھانے میں اعلیٰ ملکہ رکھتے تھے اور معرفت و عرفان کی حکایات اور شہود و کشف کے قصے بیان سے باہر ہیں- آپ کو معلوم ہے کہ آٹھ برس کی عمر میں اس قدر مغلوب الحال ہو گیا تھا کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ' ان کے حال کی تسکین کے لیے بازاری طعام

سے جو مشکوک اور مشتبہ ہوتا ہے معالجہ کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو محبت مجھے محمد صادق کے ساتھ ہے کسی کے ساتھ نہیں- اس کلام سے اس کی بزرگی کو معلوم کرنا چاہیے- ولایت موسوی کو نقطہ آخر تک پہنچایا تھا اور اس ولایت علیہ کے عجائب وغرائب بیان کیا کرتا تھا کہ ہر ایک ولی نے ایک نہ ایک چیز اللہ تعالیٰ سے طلب کی ہے میں نے التجاء اور تضرع طلب کی ہے-

(مکتوب ۲۲ دفتر دوم) اسی زمین (سرہند شریف) میں اس قسم کا نور امانت کے طور پر رکھا گیا ہے جو بے صنعتی اور بے کیفی کے نور سے مقتبس ہے اور وہ نور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ کی پاک زمین سے ظاہر اور روشن ہے- فرزند اعظم مرحوم (مخدوم زادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ) کے ارتحال سے چند ماہ اول اس نور کو اس درویش پر ظاہر کیا گیا تھا اور فقیر کی تنگ زمین میں اس کا نشان دیا تھا- وہ نور اس قسم کا ظاہر ہوا تھا کہ صفت وشان کی گرد اس کو نہ لگی تھی اور کیفیات سے منزہ اور مبرا تھا- اس وقت یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس زمین میں مدفون ہوں اور وہ نور میری قبر پر چمکتا رہے- اس بات کو میں نے فرزند اعظم کے آگے ظاہر کیا اور اس نور اور اس خواہش سے مطلع کیا- اتفاقاً فرزند مرحوم اس دولت میں سبقت لے گیا اور خاک کے پردے میں اس نور کے دریا میں مستغرق ہو گیا اس شہر (سرہند شریف) کے لئے یہ بڑی بھاری شرافت کا موجب ہے کہ میرے فرزند اعظم جیسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے بزرگ اولیاء میں سے ہے- اس جگہ آسودہ ہے- کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ وہ نور اس فقیر کے قلبی انوار کا لمعہ ہے جس کو وہاں سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا ہوا ہے جس طرح کہ مشعل سے چراغ روشن کریں-

محمد فرخ رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت کیا لکھا جائے- گیارہ سال کی عمر میں طالب علم اور کافیہ خوان ہو گیا تھا اور بڑی سمجھ سے سبق پڑھا کرتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور کانپتا رہتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ بچپن میں ہی دنیا کمینی کو چھوڑ جائے تا کہ عذاب آخرت سے خلاصی ہو جائے- مرض الموت میں جو یار اس کے بیمار پرسی کے لیے آتے تھے بہت عجائب وغرائب حالات اس سے مشاہدہ کرتے تھے-

محمد عیسیٰؒ

محمد عیسیٰؒ سے آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے اس قدر خوارق وکرامات دیکھے کہ بیان سے باہر ہیں- غرض قیمتی موتی تھے جو امانت کے طور پر ہمارے سپرد ہوئے تھے- اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ بلا جبر واکراہ امانت والوں کی امانت ادا کر دی گئی-

(مکتوب ۳۱۱ دفتر دوم) اور میرے فرزند علیہ الرحمتہ کا استفادہ اس ولایت کی تفصیل کی راہ سے ہے اور میرے فرزند علیہ الرحمتہ (حضرت خواجہ محمد صادقؒ) کی ولایت فرعون کے ساحروں کی ولایت کے مانند ہے جو ایمان لائے تھے۔

(مکتوب ۱۷۔ دفتر دوم) فرزند عزیز قدس سرہٗ کی مفارقت بڑی بھاری مصیبت ہے۔ معلوم نہیں کہ کسی کو اس قسم کی مصیبت پہنچی ہو لیکن وہ صبر و شکر جو حق تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے۔ بڑی اعلیٰ نعمت ہے اور اعظم انعام ہے۔ یہ فقیر حق تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزا آخرت پر موقوف رکھے اور دنیا میں اس کی جزا کچھ بھی ظاہر نہ ہو حالانکہ جانتا ہے کہ یہ سوال بھی سینہ کی تنگی کے باعث ہے ورنہ حق تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ فرزندوں کا وجود عین رحمت ہے۔ زندگی میں بھی ان سے فائدے اور نفعے ہیں اور مرنے پر بھی ثمرات و نتائج مترتب ہیں۔

فرزندوں کی جدائی

(مکتوب ۸۷ دفتر سوم) خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ کے نام خاص کر آج کل لڑائی اور مخالفت کے دنوں میں عجیب ہی معاملہ ہے اور ان پراگندہ وقتوں میں عجیب و غریب تازہ کرشمے ظاہر ہوتے ہیں۔ غرض ہر روز تازہ اور عجیب مصیبت جو پہنچتی ہے اس لیے فرزندوں کی جدائی میں دل تڑپتا ہے اور ان کی دوری اور نایافت سے جگر جلتا ہے۔ خیال کرتا ہوں کہ میرا شوق تمہارے شوق پر غالب ہے اور مقرر ہے کہ جس قدر باپ کو بیٹے کی محبت ہوتی ہے اس قدر بیٹے کو باپ کی محبت نہیں ہوتی۔ اگرچہ فرعیت اور اصالت کا قضیہ اس امر کے برعکس حکم کرتا ہے کیونکہ اصل کو احتیاج نہیں ہوتی، لیکن بارگاہِ الٰہی سے ایسا ہی ہوا ہے کہ زیادہ شوق اصل کے لئے ثابت ہو۔

(مکتوب ۸۲ دفتر سوم) اس سفر محنت میں ان دونوں بیٹوں کی جدائی کے برابر کوئی رنج والم نہیں ہوتا، کسی وقت بھی ان کی یاد سے فارغ نہیں ہوتا۔ منعم حقیقی جلشانہ کی طرف سے جس قدر زیادہ نعمت اور دولت پہنچتی ہے اسی قدر دور افتادہ دوست زیادہ یاد آتے ہیں۔ ہر روز تازہ واقعات مسودہ اور بیاض میں لکھے جاتے ہیں، لیکن کوئی نہیں جو ان کا ادراک کر سکے۔ اس سفر اجمیر میں تکلیفوں کی شدت کے باعث صحبت سے دور ماندوں اور دوستوں کی طرف سے صحیح العذر رہا ہوں۔ چند دن اور شاید ہی موافقت کریں۔ ایک رات تمہاری جدائی میں نہایت بے قرار تھا نماز تہجد کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی ان یاروں میں سے ایک کے ساتھ پادشاہی وکیل کے پاس گئے ہوتا کہ بادشاہ کے نوکر ہو

اور نوکری کی تجویز اس وکیل کے سپرد کی ہے کہ جس کو لائق اور قابل جانے نوکر رکھ لے اور وہ جس کو تجویز کرتا ہے ایک ورق پر اس کا چہرہ اور حلیہ لکھ لیتا ہے اور نوکر رکھ لیتا ہے۔ تم تینوں میں سے تم دونوں کے چہرے کو لکھ لیا ہے اور نوکری کے لیے پسند کر لیا ہے اور اس تیسرے یار کا چہرہ نہیں لکھا اور اس کو نوکر نہیں رکھا۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس تیسرے کا چہرہ کیوں نہیں لکھا۔ تم نے کہا کہ چہرہ لکھتے وقت وکیل اپنے منہ کو اس کے منہ کے قریب لے گیا اور اچھی طرح ملاحظہ کر کے کہا کہ سیاہی رکھتا ہے یا اس کے قریب قریب کچھ کہا اس لیے نہیں لکھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ تم دونوں کی طرف سے خاطر جمع اور تسلی ہوئی کہ تم کو قبول کر لیا ہے اور اس تیسرے یار کی طرف سے دل بیزار رہا کہ تجویز و پسند ہوا۔ کاش اس کو بھی بادشاہ کے نوکروں کی نوکری میں قبول فرمالیں۔

(مکتوب ۸۳ دفتر سوم) فرزندان گرامی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ لوگ ہر وقت ہماری محنتوں کو مدنظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی طلب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس قسم کا حسن و جمال ہے اور کونسی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس شخص کو اپنے اختیار سے بے اختیار کر دیں اور اپنے اختیار کے موافق اس کو زندگانی بخشیں اور اس کے اپنے امور اختیاری کو بھی بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کے دائرہ اختیار سے باہر نکال دیں۔

(مکتوب ۸۵ دفتر سم) تمہاری (خواجہ محمد معصومؒ) استقامت و سلامت حق تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ اگر اجمیر پہنچ کر راستہ کی تکلیفوں اور گرمیوں سے کچھ نجات میسر ہوئی تو ان شاء اللہ تم کو لکھوں گا اور بلوالوں گا۔ جمعیت کے ساتھ رہو اور اپنی ہمت کو حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف کرو۔ فراغت اور آرام طلبی چھوڑ دو اور حظ نفس کے پیچھے نہ پڑو۔ اہل و عیال کے ساتھ حد سے زیادہ محبت اختیار نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اس ضروری کام میں فتور پڑ جائے پھر ندامت اور مایوسی کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس صحبت و دولت کو غنیمت سمجھو اور ضروری امور میں عمر بسر کرو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو ضائع نہ چھوڑے گا اور قبول فرمائے گا۔ اس سے ڈرتے رہنا چاہیے اور لہو و لعب میں مشغول نہ ہونا چاہیے ایسا نہ ہو کہ صحبت کی دوری تاثیر کر جائے۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء و تضرع کرتے رہو اور اہل حقوق کے ساتھ بقدر ضرورت میل جول رکھو اور ان کی خاطر تواضع بجالاؤ اور مستورات کے ساتھ وعظ و نصیحت سے زندگی بسر کرو اور ان کے حق میں امر معروف اور نہی منکر سے دریغ نہ رکھو اور تمام اہل خانہ کو نماز و صلاح اور احکام شرعی بجالانے کی ترغیب دیتے رہو۔

نوٹ:۔ مستند تذکروں کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے سات صاحب

زادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ (۱) خواجہ محمد صادقؒ (۲) خواجہ محمد سعیدؒ (۳) خواجہ محمد معصومؒ (۴) خواجہ فرخ (۵) خواجہ محمد عیسیٰؒ (۶) خواجہ محمد اشرف (۷) خواجہ محمد یحییٰ

صاحبزادیاں۔ (۱) بی بی رقعیہ بانو (۲) بی بی خدیجہ بانو (۳) بی بی کلثوم۔ سب نے طفولیت میں وفات پائی۔

۱۔ خواجہ محمد صادقؒ ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ اٹھارہ یا چوبیس برس کی عمر میں ۱۰۲۴ھ میں طاعون کی وبا میں انتقال فرمایا۔

۲۔ خزینۃ الرحمت خواجہ محمد سعیدؒ ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۷ جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔

۳۔ عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ ۱۰۰۷ھ میں پیداہوئے۔ ۹ ربیع الاول ۱۰۷۷ھ میں وصال ہوا۔

۴۔ خواجہ محمد اشرف نے دوسال کی عمر میں وفات پائی۔

۵۔ خواجہ محمد فرخ ۱۵ سال کی عمر میں طاعون کی وبا میں وفات پائی۔

۶۔ خواجہ محمد عیسیٰ آٹھ سال کی عمر میں بوجہ طاعون وفات پائی۔

۷۔ خواجہ یحییٰ۔ ولادت ۱۰۲۴ھ۔ وصال ۲۷ جمادی الثانی ۱۰۹۶ھ۔

طاعون اور امراض وبائیہ

(مکتوب ۲۹۹ دفتر اول) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ بہت کچھ معاف کر دیتا ہے۔ بحر و بر میں لوگوں کے اعمال کے باعث فساد مچ گیا ہے"

اس وبا (طاعون) میں ہمارے اعمال کی شومی سے اول چوہے ہلاک ہوئے جو ہم سے زیادہ اختلاط رکھتے تھے اور پھر عورتیں جن کے وجود پر نوع انسانی کی نسل و بقا کا مدار ہے مردوں کی نسبت زیادہ مرگئیں اور جو کوئی اس وبا میں مرنے سے بھاگا اور سلامت رہا اس نے اپنی زندگی پر خاک ڈالی۔ جو شخص نہ بھاگا اور مر گیا اس کو شہادت کی مبارکبادی اور خوش خبری ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "بذل الماعون فی فضل الطاعون" میں تحقیق سے لکھا ہے کہ جو شخص طاعون سے مرجائے اس سے قبر میں کوئی سوال نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایسا ہے جیسے لڑائی میں قتل ہوا۔ اور جو شخص طاعون میں طلب

اجر کی نیت سے صبر کرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے وہی کچھ پہنچے گا جو میرے لیے اللہ تعالیٰ نے لکھا اور مقدر کیا ہے- تو وہ شخص اگر طاعون کے سوا کسی اور بیماری سے بھی مرجائے تو اس صورت میں بھی اس کو عذاب وسوال قبر نہ ہوگا کیونکہ وہ مرابط یعنی جہاد کے لئے مستعد اور تیار شدہ کی مانند ہے جیسے کہ شیخ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شرح الصدور فی حال الموتی والقبور" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ابن حجرؒ نے بہت عمدہ توجیہ کی ہے اور جو شخص نہ بھاگا اور نہ مرا وہ غازیوں' مجاہدوں' صابروں اور بلاکشوں میں سے ہے کیونکہ ہر شخص کے لئے اجل مقرر ہے جو ہرگز آگے پیچھے نہیں ہوسکتی اور اکثر بھاگنے والے جو سلامت رہے ہیں اسی واسطے رہے ہیں کہ ابھی ان کی اجل نہ آئی تھی نہ یہ کہ بھاگ کر مرنے سے بچ گئے اور اکثر صابر لوگ جو ہلاک ہوگئے وہ بھی اپنی اجل ہی سے ہلاک ہوئے ہیں- پس نہ بھاگنا ہی بچا سکتا ہے اور نہ ٹھہرنا ہلاک کردیتا ہے- یہ طاعون سے بھاگنا یوم زحف یعنی جنگ کفار سے بھاگنے کی طرح ہے اور گناہ کبیرہ ہے- یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکر واستدراج ہے کہ بھاگنے والے سلامت رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہلاک ہوجاتے ہیں- اللہ تعالیٰ اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے-

نوٹ:- یہ اجر غالباً صرف مومن مسلمانوں کے لیے ہے بے کفار کے لئے نہیں- واللہ اعلم بالصواب مرتب-

(مکتوب ۱۶ دفتر دوم) موت وبا سے بھاگنا یوم رخصت یعنی کفار کے مقابلے میں بھاگنے کی طرح گناہ کبیرہ ہے جو کوئی وبا والی زمین میں صبر کے ساتھ رہے اور مرجائے شہدا میں سے ہے اور قبر کے فتنہ سے محفوظ ہے اور جو کوئی صبر کرتا ہے اور نہیں مرتا وہ غازیوں کی طرح ہے-

(مکتوب ۱۷ دفتر دوم) امام اجل محی السنتہ امام نوویؒ "حلیتہ الابرار" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے زمانے میں تین دن طاعون واقع ہوئی - اس طاعون میں حضرت انسؓ کے تراسی بیٹے جو سب کے سب ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے حق میں برکت کی دعا فرمائی تھی سب فوت ہوگئے- جب حضرت خیرالانام علیہ السلام کے اصحاب کرام کے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں تو پھر ہم گنہگار کس حساب میں ہیں-

حدیث میں آیا ہے کہ طاعون پہلی امتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس امت کے لئے شہادت ہے- واقعی وہ لوگ جو اس وبا میں مرتے ہیں عجب حضور وتوجہ سے مرتے ہیں- ہوس آتی ہے کہ کوئی شخص ان دنوں میں اس بلا والے لوگوں کے ساتھ جاں بحق ہوجائے دور دنیائے آخرت کی طرف کوچ کرجائے- یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت میاں شیخ طاہرؒ (حضرت طاہر بندگی

لاہوری) بیان کرتے ہیں کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ جو کوئی ان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا۔ جب ان گزشتہ لوگوں کے حالات پر نظر کیجاتی ہے تو احوال غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدے میں آتے ہیں۔ شاید شہدائی سبیل اللہ ان خصوصیتوں سے ممتاز ہوں۔

(مکتوب ۸۸ دفتر دوم) جب طاعون حق تعالیٰ کی مراد ہے تو چاہیے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش وخرم ہوں اور طاعون کے غلبہ سے بے صبر اور تنگ دل نہ ہوں بلکہ اس خیال سے کہ محبوب کا فعل ہے اس سے متلذز ہونا چاہیے۔ جب ہر شخص کے لئے اجل مقرر ہے جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں تو پھر اضطراب اور بے قراری کیوں ہو البتہ بلاؤں سے عافیت طلب کرنی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی سے پناہ مانگنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا اور سوال سے راضی ہوتا ہے اور فرمایا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو سنوں گا۔

نوٹ:۔ تذکروں کے مطابق آپ کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی طاعون کی وبا میں فوت ہوئے۔

آپ کی حیات مبارکہ میں مکتوبات کے مطابق دو مرتبہ طاعون کی وبا کا حملہ ہوا۔ پہلے حملے میں آپ کے تین صاحبزادے اور غالباً ایک صاحبزادی فوت ہوئے (مکتوبات شریف میں صرف صاحبزادوں کا ذکر ہے)

قیومیت کا منصب -- مقام و مرتبہ

(مکتوب ۴۳ دفتر دوم) اندراج النہایت فی البدایت کا طریق میں نے ان ہی سے حضرت باقی باللہؒ سے سیکھا ہے اور قیومیت کی طرف انجذاب کی نسبت ان ہی سے اخذ کی ہے اور ان کی ایک نظر سے وہ کچھ دیکھا ہے جو لوگ چلوں میں بھی نہیں دیکھتے اور ان کی ایک کلام سے وہ کچھ پایا جو دوسرے سالوں میں نہیں پا سکتے۔

(مکتوب ۴۵ دفتر دوم) محسوس ہوتا ہے کہ بالغرض اگر اس بار امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے حوالے بھی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا۔ وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومت ہے جو انسان کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسان کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلافت کے حکم سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور تمام

مخلوق کو تمام ظاہری باطنی کمالات کا افاضہ اور بقاء اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں- اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ متوسل ہے اگر جن وانس ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ وسیلہ پکڑتا ہے- غرض حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں خواہ وہ اس کو جانیں یا نہ جانیں- (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا ہے اپنی جان پر یہاں تک ظلم کرتا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی نام ونشان اور اثر وحکم نہیں چھوڑتا- واقعی جب تک اس طرح کا حکم نہ کرے بار امانت کے لائق نہیں ہوسکتا- بلکہ ادراک سے عاجز ہونا اور علم سے جاہل ہونا اس کا مقصد ہے- یہ عجز وجہل اس مقام میں کمال معرفت ہے کیونکہ سب سے زیادہ جاہل اس مقام میں سب سے زیادہ عارف ہوتا ہے اور جو سب سے زیادہ عارف وہی ہوگا وہی بار امانت کے لائق ہوگا- یہ دونوں صفتیں گویا بار امانت کے اٹھا لینے کا باعث ہیں- یہ عارف جو اشیاء کی قیومیت کے مرتبہ سے مشرف ہوا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے جس کی طرف تمام مخلوقات کے ضروری کام اور معاملات راجع ہیں- انعام اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہے لیکن وزیر کے ذریعے سے پہنچتے ہیں- اس دولت کے رئیس ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں- یہ مرتبہ اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو ان بزرگواروں کی وراثت وتبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں- وارثان کتاب میں سے پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں یہی ظالم لنفسہ ہیں- جو منصب وزارت اور قیومت سے مشرف ہیں- ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقتصد سے تعبیر فرمایا ہے وہ لوگ ہیں جو دولت خلت سے مشرف ہیں اور صاحب اسرار اور اہل مشورت ہیں اگرچہ بادشاہی کا معاملہ اور کاروبار وزیر کے متعلق ہے لیکن خلیل یعنی دوست، ہم نشین اور غم خوار انیس ہوتا ہے یعنی خلیل اپنے آرام کے لئے ہے اور وزیر دوسروں کے کاروبار کے لیے ان دونوں میں بہت فرق ہے-

(مکتوب ۹۵ دفتر سوم) یہ کرم ہمارے حق میں آج ہی سے نہیں ہے بلکہ اس دن سے ہے جبکہ ہماری مشت خاک کو زمین سے لے کر اپنا خلیفہ بنایا اور اپنا نائب بنا کر تمام اشیاء کا قیوم کیا اور اس کو بلا واسطہ تمام اشیاء کے نام سکھائے اور فرشتوں کو جو اس کے مکرم و بزرگ بندے ہیں اس کا شاگرد بنایا اور باوجود اس بزرگی کے اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس جو معلم الملکوت کے لقب سے ملقب تھا اور اس کی تعظیم وتوقیر نہ بجالایا تو اس کو اپنی بارگاہ معلی سے دھتکار دیا اور ملعون ومردود کر دیا اور طعن وملامت کا مستحق بنادیا-

(مکتوب ۲۸۷ دفتر اول) جس طرح حق سبحانہ لامکانی ہے- روح بھی لامکانی ہے اور روح کی

بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے- نہ داخل ہے- نہ خارج نہ متصل ہے اور نہ منفصل اور قیومت سے زیادہ اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی ہاں بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کا قیوم روح ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ عالم کا قیوم ہے- بدن کے لئے حق تعالیٰ کی قیومت روح کی قیومت کے سبب سے ہے جو فیض وارد ہوتا ہے اس فیض کے وارد ہونے کا محل پہلے رُخ ہے پھر روح کے ذریعے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے-

خلعت قیومیت

(مکتوب ۱۰۴ دفتر سوم' حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کے نام) کل صبح کی نماز کے بعد مجلس سکوت یعنی مراقبہ وخاموشی کے وقت ظاہر ہوا کہ وہ خلعت جو میں نے پہنی ہوئی تھی مجھ سے دور ہو گئی اور اس کی جگہ اور خلعت مجھے پہنائی گئی- دل میں آیا کہ یہ خلعت زائلہ کسی کو دیتے ہیں یا نہیں- مجھے یہ آرزو ہوئی کہ اگر یہ خلعت زائلہ میرے فرزند محمد معصومؒ کو دے دیں تو بہتر ہے- ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی ہے اور وہ خلعت سب کی سب اس کو پہنائی گی ہے-

یہ خلعت زائلہ معاملہ قیومیت سے مراد ہے (حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو اسی وجہ سے قیوم ثانی کہتے ہیں) جو تربیت وتکمیل سے تعلق رکھتا اور اس عرصہ مجتمعہ میں ارتباط کا باعث ہے- اس خلعت جدیدہ کا معاملہ جب انعام تک پہنچ جائے گا اور خلع کی مستحق ہو جائے گی تو امید ہے کہ کمال کرم سے فرزند عزیز محمد سعیدؒ کو عطا فرمائیں گے- یہ فقیر ہمیشہ عاجزی سے سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر پاتا ہے اور فرزند عزیز کو اس دولت کا مستحق معلوم کرتا ہے- تم جانتے ہی ہو کہ شکر سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہری باطنی اعضاء وجوارح وقویٰ کو جس جس غرض کے لئے خدائے تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے ان میں صرف کرے کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو شکر بھی حاصل نہ ہوتا-

اس قسم کے علوم پوشیدہ اسرار میں سے ہیں- اگر صرفہ کے ساتھ کہے جاتے ہیں لیکن پھر ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں- دوسرے یہ کہ وہ مشکل جو درپیش تھی شاید وہ معاملہ عالم مثال میں تھا ان دنوں میں وہ بھی حل ہو گئی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں رہی- شاید اس امر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی روحانیت کا بھی دخل ہو گا- محمد معصوم بھی شاید اس مشکل کو دل میں رکھتا ہو گا-

ذکر الٰہی --- اطمینان قلب کا ذریعہ

رقص و سرود لہو و لعب

ذکر اور قرآن مجید

(قرآن مجید میں ہے) الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (ترجمہ) خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان حاصل کرتا ہے کیونکہ ذکر میں حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ ذاکر اس پاک جناب کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتا لیکن ذاکر و مذکور کے درمیان ایک قسم کا علاقہ پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا سبب بن جاتا ہے اور جب محبت غالب ہو گئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں جب کام دل کے اطمینان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ کی دولت حاصل ہو گئی۔ (مکتوب ۹۲ دفتر اول)

(مکتوب ۹۳ دفتر اول) پنج وقتی نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے اور سنت موکدہ کو بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی میں صرف کرنا چاہیے اور اس کے سوا کسی چیز میں مشغول نہ ہونا چاہیے یعنی کھانے سونے اور آنے جانے میں غافل نہ ہونا چاہیے۔ اگر جمعیت میں فتور معلوم کریں تو پہلے فتور کا باعث دریافت کرنا چاہیے اور پھر اس کا تدارک کرنا چاہیے اور بڑی عاجزی اور زاری سے حق تعالیٰ کی جناب کی طرف متوجہ ہو کر اس ظلمت کے دور ہونے کی دعا مانگنی چاہیے اور جس شیخ سے ذکر سیکھا ہے اس کو وسیلہ بنانا چاہیے۔

ذکر اور امراض قلبی

(مکتوب ۱۶۶ دفتر اول) اس تھوڑی سی فرصت میں امراض قلبی کے علاج کا فکر جو نہایت ہی ضروری ہے ذکر کثیر کے ساتھ کرنا چاہیے اور اس تھوڑی سی مہلت میں رب جلیل کی یاد سے باطنی مرض کا علاج کرنا چاہیے۔

(مکتوب ۱۹۰ دفتر اول) ابتداء میں ذکر کرنے سے چارہ نہیں۔ چاہیے کہ قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو کہ وہ مضغہ گوشت قلب حقیقی کے لئے حجرہ کی طرح ہے اور اسم مبارک اللہ کو اس قلب پر گزارے

اور اس وقت قصداً کسی عضو کو حرکت نہ دے اور ہمہ تن قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے اور قوت متخیلہ میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دے اور اس کی طرف التفات نہ کرے کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ کرنا ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصور اور لفظ مبارک اللہ کے معنی کو بے چونی اور بے چگونی کے ساتھ ملاحظہ کرے اور کسی صفت کو اس کے ساتھ شامل نہ کرے اور حاضر و ناظر بھی ملحوظ نہ ہو تا کہ ذات تعالیٰ کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آ جائے اور وہاں سے کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے میں نہ پڑ جائے اور بے چون کی گرفتاری سے چون کی شہود سے آرام نہ پکڑے کیونکہ جو کچھ چون کے آئینہ میں ظاہر ہو وہ بے چون نہیں ہے اور جو کثرت میں نمودار ہو وہ واحد حقیقی نہیں۔ بے چون کو دائرہ چون کے باہر ڈھونڈنا چاہیے اور بسیط حقیقی کو کثرت کے احاطہ سے باہر تلاش کرنا چاہیے۔ اگر ذکر کہنے کے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو تو اس کو بھی قلب کی طرف لے جانا چاہیے اور قلب میں نگاہ رکھ کر ذکر کہنا چاہیے۔ تو جاننا ہے کہ پیر کون ہے پیر وہ شخص ہے جس سے خدائے تعالیٰ کی جناب پاک کی طرف پہنچنے کا رستہ سیکھے اور اس راستہ میں تو اس سے مدد و اعانت حاصل کرے۔ جاننا چاہیے کہ ذکر کا نفع اور اس پر آثار کا مترتب ہونا شریعت کے احکام بجالانے پر وابستہ ہے پس فرضوں اور سنتوں کے ادا کرنے اور محرم و مشتبہ سے بچنے میں اچھی طرح احتیاط کرنی چاہیے اور قلیل و کثیر میں علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان کے فتویٰ کے موافق زندگی بسر کرنی چاہیے۔

ذکر کی فضیلت

(مکتوب ۲۰۳ دفتر اول) حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے سوا خدائے تعالیٰ کے چند فرشتے ایسے ہیں جو راہ گزاروں اور بازاروں میں اہل ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جب وہ ذاکروں کے گروہ کو کہیں ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ تمہارا مطلب حاصل ہو گیا پس جمع ہو کر اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ جب وہ ذکر سے فارغ ہوتے ہیں تو فرشتے آسمانوں پر جاتے ہیں پس حق تعالیٰ اپنے بندوں کے حال کو بخوبی جانتا ہے۔ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کیسے دیکھا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ خدایا تیری حمد و ثنا کرتے تھے اور تجھ کو بزرگی سے یاد کرتے تھے اور تجھ کو تمام عیوب اور نقصان سے پاک بیان کرتے تھے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشے عرض کرتے ہیں کہ نہیں دیکھا ہے پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہو؟ ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ پھر وہ اس سے زیادہ بزرگی اور پاکیزگی سے یاد کریں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کیا

طلب کرتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بہشت مانگتے ہیں- حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بہشت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا ہے- خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بہشت کو دیکھ لیں تو پھر کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ پھر اس سے زیادہ اس کی طلب اور حرص کریں پھر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کس چیز سے ڈرتے ہیں- فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دوزخ سے ڈرتے تھے اور تجھ سے پناہ مانگتے تھے- حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں دیکھا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر دیکھ لیں تو پھر کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ پھر اس سے زیادہ پناہ مانگیں اور اس سے زیادہ ڈریں اور بھاگیں پھر حق تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہو کہ میں نے سب کو بخش دیا- فرشتے عرض کرتے ہیں کہ یارب اس ذکر کی مجلس میں فلاں آدمی ذکر کرنے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ کسی دنیاوی حاجت کے لیے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا تھا- حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ انا جلیس من ذکرنی (میں اس کا ہم نشین ہوں جس نے میرا ذکر کیا) کے بموجب میرے ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا-

(مکتوب ۲۰۶ دفتر اول) عاقبت کی بہتری ذکر کثیر سے وابستہ ہے-

ذکر قلبی

(مکتوب ۲۰۳ دفتر اول) اس طریق سے جو حضرت قبلہ گاہی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے اخذ کیا ہے اللہ کے اسم مبارک کو کامل توجہ کے بعد بے چونی اور بے چگونی کے معنی سے دل میں گزاریں اور حاضر و ناظر کے معنی میں تصور نہ کریں بلکہ کسی صفت کو ملحوظ نہ رکھیں- اس اسم مبارک کو اچھی توجہ کے بعد ہمیشہ دل میں حاضر رکھیں-

(مکتوب ۲۴۲ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے خواہ ابتداء میں ہو خواہ انتہا میں اس لئے ظاہر ہے سب وقت ذکر کا محتاج ہے- حاصل کلام یہ کہ بعض اوقات ذکر اسم ذات نفع دیتا ہے اور بعض اوقات ذکر نفی و اثبات مناسب ہوتا ہے- باقی رہا باطن کا معاملہ وہاں بھی جب تک غفلت بالکل دور نہ ہو جائے تب تک ذکر کرنے سے چارہ نہیں ہے- وہاں اس قدر ہے کہ ابتداء میں یہ دونوں ذکر متعین ہیں اور توسط و انتہا میں یہ دونوں ذکر متعین نہیں ہیں- اگر قرآن مجید کی تلاوت اور نماز ادا کرنے سے غفلت دور ہو جائے تو ہو سکتا ہے' لیکن قرآن مجید کی تلاوت متوسط کے حال کے مناسب ہے اور نماز نوافل ادا کرنا منتہی کے مناسب ہے-

(مکتوب ۲۷۵ دفتر اول) ذکر قلبی بھی کہ جس کے ساتھ آپ مجاز ہیں احکام شرعیہ بجالانے میں

مدد دینے والا ہے اور نفس امارہ کی سرکشی دور کرنے والا ہے- اس طریق کو جاری رکھنا چاہیے-

حضرت صدیق اکبرؓ کا قول

(مکتوب ۲۴۴ دفتر اول) محمد صالح نے حضرت صدیق اکبرؓ کے اس قول کے معنی دریافت کیے تھے کہ زبان کا ذکر بکواس اور قلب کا ذکر وسوسہ اور روح کا ذکر شرک اور سِر کا ذکر کفر ہے کیونکہ جب ذکر ذاکر و مذکور کو خبر دینے والا ہے خواہ کوئی ذکر ہو اور اصلی مقصود مذکور میں ذکر و ذاکر کا فنا ہوتا ہے اس لئے ذکر کو تعلقہ وسوسہ و شرک و کفر فرمایا' لیکن ذکر کے لئے ان ناموں کا عارض ہونا فنا و بقا کے حاصل ہونے سے پہلے جاننا چاہیے کیونکہ بقا کے حاصل ہونے کے بعد ذاکر کا وجود اور ذکر کا ثبوت اس سے مذموم نہیں ہے- اگر اس میں کچھ پوشیدگی رہی ہو تو حضور میں دریافت فرمالیں گے پس اس قول کا حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب کرنا خاص کر کام کے مکمل ہونے کے بعد اچھا نہیں ہے- جاننا چاہیے کہ کفر حقیقی دوئی کے بالکل دور ہو جانے اور کثرت کے کلی طور پر چھپ جانے سے مراد ہے جو کہ فنا کا مقام ہے اور اس کفر حقیقی کے اوپر اسلام حقیقی کا مقام ہے جو بقا کا محل ہے- کفر حقیقی کو اسلام حقیقی سے نسبت دینا سراسر نقص و عیب ہے- یہ ابن سینا کی کوتاہ نظری ہے کہ اس نے اسلام حقیقی کی طرف دلالت نہیں کی ہے- حقیقت میں اس کو کفر حقیقی سے بھی کچھ نصیب نہیں ہوا اس نے صرف از روئے علم کہہ دیا اور لکھ دیا ہے کہ بلکہ اس کو تو اسلام مجازی سے بھی حظ وافر حاصل نہ ہوا اور فلسفیانہ بکھیڑوں میں عمر بسر کر دی اور امام غزالیؒ کی تکفیر کرتے ہیں اور واقعی اس کے فلسفی اصول اسلام کے منافی ہیں-

(شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے بوعلی سینا سے مقصود پر دلیل طلب کی تھی)

ذکر بالجہر

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) بلکہ ذکر جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع کیا ہے- فائدے اور ثمرات جو اس پر مترتب ہوتے ہیں ان کی طرف التفات نہیں کی- ایک روز میں حضرت ایشاں (حضرت باقی اللہؒ) کی ملازمت میں مجلس طعام میں حاضر تھا- شیخ کمال نے جو حضرت قدس سرہٗ کے مخلص دوستوں میں سے تھے کھانا شروع کرتے وقت حضرت ایشاں کے حضور میں اسم اللہ کو بلند کیا- حضور کو بہت ناخوش معلوم ہوا اور یہاں تک جھڑکا اور فرمایا کہ ان کو کہہ دو ہماری مجلس طعام میں حاضر نہ ہوا کرے اور میں نے حضرت ایشاں سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلالؒ قدس سرہٗ کی خانقاہ میں لے گئے تھے تاکہ ان کو ذکر بالجہر سے منع کریں- علماء نے

حضرت امیر کلاںؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے نہ کیا کریں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نہیں کریں گے۔ جب اب اس طریقہ کے بزرگوار ذکر جہر سے منع کرتے ہیں اور اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع اور رقص و وجد کا کیا ذکر ہے۔

(مکتوب ۲۸۱ دفتر اول) اس طریق (طریقہ نقشبندیہ) میں مایوس اور خسارے والا وہ شخص ہے جو طریق میں داخل ہو کر اس طریق کے آداب کو ملحوظ نہ رکھے اور نئے نئے امور اس طریق میں پیدا کرے اور طریقت کے برخلاف اپنے واقعات اور خوابوں پر اعتماد کرے۔ اس صورت میں طریق کا کیا گناہ ہے وہ اپنے واقعات و منامات کی راہ پر چلتا ہے یعنی اپنے اختیار سے کعبہ کی طرف سے منہ پھیر کر ترکستان کی طرف جا رہا ہے۔

ذکر کی تعریف

(مکتوب ۲۵ دفتر اول) اے فرزند! فرصت اور صحت و فراغت کو غنیمت جاننا چاہیے اور تمام اوقات ذکر الٰہی میں مشغول رہنا چاہیے۔ جو عمل شریعت غرا کے موافق کیا جائے ذکر ہی میں داخل ہے اگرچہ خرید و فروخت ہو پس تمام حرکات و سکون میں احکام شرعیہ کی رعائت کرنا چاہیے۔ تا کہ سب کچھ ذکر ہو جائے کیونکہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ غفلت دور ہو جائے۔ جب تمام افعال اور اوامر و نواہی کو مدنظر رکھا جائے تو اس صورت میں بھی امر و نہی کی غفلت دور ہو جاتی ہے اور ذکر الٰہی کا دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوام حضرات خواجگان کی یادداشت سے جدا ہے۔ وہ یادداشت صرف باطن تک ہی ہے اور اس دوام ذکر کا اثر ظاہر میں بھی ہے اگرچہ دشوار ہے۔

(مکتوب ۲۵ دفتر سوم) اس راہ کے متبدی طالب کے لئے ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کی ترقی ذکر کے تکرار سے وابستہ ہے بشرطیکہ شیخ کامل و مکمل سے اخذ کیا ہو اور اگر اس شرط کے ساتھ نہ ہو تو وہ ابرار کے اوراد کی قسم سے ہے جس کا نتیجہ صرف ثواب ہے۔ اس سے قرب کا وہ درجہ جو مقربین کو حاصل ہوتا ہے حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ جو کہا ہے کہ ابرار کے اوراد کی قسم سے ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فضل شیخ کے وسیلے کے بغیر کسی طالب کی تربیت کرے اور ذکر کا تکرار اس کو مقربین میں سے بنا دے بلکہ جائز ہے کہ ذکر کے تکرار کے بغیر اس کو قرب کے مراتب سے مشرف کر دے اور اپنے اولیاء میں سے بنائے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ معاملہ جو ذکر سے وابستہ ہے پورا ہو جاتا ہے اور نفسانی خواہشات کے معبودوں کی گرفتاری سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور نفس امارہ مطمئنہ ہو جاتا ہے تو اس وقت ترقی ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس مقام میں ذکر ابرار کے اوراد کا حکم پیدا کر لیتا ہے اس مقام میں قرب کے مراتب قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کو طول قرات کے ساتھ ادا کرنے سے

وابستہ ہیں- اول اول جو کچھ ذکر کرنے سے میسر ہوتا تھا اس وقت قرآن مجید کی تلاوت اور خاص کر نماز کی قرات میں حاصل ہو جاتا ہے- غرض اس وقت ذکر تلاوت کا حکم پیدا کر لیتا ہے جو اول اول ابرار کے اوراد کی قسم سے تھا اور تلاوت ذکر کا حکم پیدا کر لیتی ہے- جو ابتداء او وسط میں مقربات میں سے تھی- عجب معاملہ ہے اس وقت اگر ذکر کو قرات قرآن کے طور پر تکرار کیا جاتا ہے جو آیات قرآنی کے پاک کلمات میں سے ہے اور اعوذ سے شروع کیا جاتا ہے تو وہی فائدہ دیتا ہے جو قرآن مجید کی تلاوت سے حاصل ہوتا ہے اور اگر قرات کے طور پر تکرار نہ کیا جائے تو ابرار کے عمل کی طرح ہے- ہر عمل کے لئے مقام و موسم ہے کہ اگر وہ عمل اس موسم میں بجالائیں تو حسن و ملاحت پیدا کرتا ہے اور اگر اس موسم میں ادا نہ کیا جائے تو اکثر اوقات وہ عمل سراسر خطا ہوتا ہے اگرچہ حَسَنہ ہے جیسے کہ تشہد کے وقت فاتحہ کا پڑھنا اگرچہ ام الکتاب ہے سراسر خطا ہے پس اس راہ میں پیر اور اس کی تعلیم نہایت ضروری ہے-

ذکر میں مشغولیت

(مکتوب ۸۴ دفتر سوم) اس راہ کے طالب کو چاہیے کہ اول اپنے عقائد کو علمائے اہل حق کے عقائد کے موافق درست کرے پھر فقہ کے ضروری احکام کا علم حاصل کرے اور ان کے مطابق عمل کرے- اس کے بعد پہلے اپنے تمام اوقات کو ذکر الٰہی میں معروف رکھے بشرطیکہ ذکر شیخ کامل سے اخذ کیا ہو کیونکہ ناقص سے کامل نہیں ہو سکتا اور اپنے اوقات کو ذکر کے ساتھ اس طرح آباد رکھے کہ فرضوں اور موکدہ سنتوں کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہ ہو حتٰکہ قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت نافلہ کو بھی موقوف رکھے اور حضور ہو یا نہ ہو ہر حال میں ذکر کرتا رہے اور کھڑے بیٹھے لیٹے ہوئے اسی کام میں مشغول رہے- چلتے پھرنے اور کھانے پینے اور سونے کے وقت بھی ذکر سے خالی نہ رہے- وہ دوام ذکر میں اس طرح مشغول ہو کہ مذکور کے سوا سب کچھ اس کے سینے سے دور ہو جائے اور مذکور کے سوا اس کے باطن میں کسی چیز کا نام و نشان نہ رہے حتٰکہ ماسوا کے خطرہ کے طور پر بھی دل میں نہ گزرے اور اگر تکلف سے غیر کو حاصر کرنا چاہیے تو نہ ہو سکے- اس نسیان کے سبب جو مذکور کے غیر سے دل کو حاصل ہوتا ہے یہ نسیان جو دل کو مطلوب کے تمام ماسوٰی سے حاصل ہوتا ہے مطلوب کے حاصل ہونے کا مقدمہ ہے اور مطلوب تک پہنچنے کی خوش خبری دینے والا ہے-

(مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم) حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تسبیح و تحمید و تہلیل سے بہشت میں درخت لگاؤ یعنی سبحان اللہ کہو اور درخت لگاؤ یعنی وہ تنزیہ جو یہاں ان حروف و کلمات کے لباس میں ظاہر ہوئی ہے وہاں ایک درخت کی صورت میں متمثل ہو گی-

چند مقبول اعمال

۱۔ (مکتوب ۳۰۷ دفتر اول) سبحان اللہ وبحمدہ (سبحان اللہ العظیم) حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے کہ جو کوئی اس کلمہ طیبہ کو دن میں یا رات میں سو بار کہے۔ کوئی عمل دن کا یا رات کا اس کے برابر نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کے برابر اسی کلمہ طیبہ کو کہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔

حدیث شریف میں ہے کہ دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پیارے اور محبوب ہیں۔ تسبیح توبہ کی کنجی بلکہ توبہ کا زبدہ اور خلاصہ ہے۔ گویا تسبیح گناہوں کے محو ہونے اور برائیوں کے معاف ہونے کا وسیلہ ہے۔ امید ہے کہ وہ کریم اور وہاب جل شانہ بھی تسبیح پڑھنے والے کو ان تمام باتوں سے جو اس کے لائق نہیں ہیں پاک کرے گا اور حمد کرنے والے میں صفات کمال ظاہر کرے گا۔ یہ دونوں کلمے میزان میں بھی بھاری ہوں گے کیونکہ ان کے تکرار کے سبب سب گناہ دور ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوں گے کیونکہ ان کے ذریعے اخلاق حمیدہ حاصل ہوتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک سونے سے پہلے سو بار تسبیح وتحمید وتکبیر کا کہنا جس طرح حضرت مخبرؐ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے محاسبہ کا حکم رکھتا ہے اور محاسبے کا کام کر دیتا ہے گویا تسبیح کے تکرار سے جو توبہ کی کنجی ہے اپنی برائیوں اور تقصیروں سے عذر خواہی کرتا ہے۔ استغفار میں گناہ کے ڈھانپنے کی طلب پائی جاتی ہے کلمہ تنزیہ کے تکرار میں گناہوں کی بیخ کنی کی طلب ہے۔

۲ (مکتوب ۳۲ دفتر دوم) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم. جب باطن میں کدورت معلوم کریں تو توبہ واستغفار سے تدارک کریں اور جب کوئی خوفناک صورت ظاہر ہو تو اس کلمہ تمجید سے اس کو دفع کریں۔ معوذتین کا تکرار بھی اس وقت غنیمت ہے۔

۳۔ (مکتوب ۲۹ دفتر دوم) دشمنوں کے خوف اور غلبہ کے وقت امن وامان کے لیے سورہ لِاِیْلٰفِ پڑھنا خوب ہے۔ ہر دن اور رات میں کم از کم گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا کریں۔

۴۔ (مکتوب ۲۹ دفتر دوم) جو شخص کسی جگہ اترے اور اعوذ بکلمات اللہ الخ پڑھے وہاں سے کوچ تک کوئی چیز ضرر نہ دے گی۔

۵۔ آیت الکرسی۔ (مکتوب ۷۱ دفتر سوم) ہر فرض نماز کے ادا کرنے کے بعد آیت الکرسی پڑھی جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے والے کو موت کے سوا بہشت میں داخل ہونے سے کوئی چیز نہیں روکتی۔

۶۔ فاطمی ورد۔ (مکتوب ۷۱ دفتر سوم) پنجگانہ نمازوں میں ہر نماز کے بعد کلمہ تنزیہ سبحان اللہ ۳۳ بار کلمہ تمجید الحمد للہ ۳۳ بار کلمہ تکبیر اللہ اکبر ۳۳ بار اور ایک بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ

الملک وله الحمد یحی ویمیت و هو علی کل شئی قدیر کہیں تا کہ سو کی تعداد پوری ہو جائے۔

۷۔سبحان اللہ۔ (مکتوب ۱۷ دفتر سوم) ہر دن اور رات کو سو بار سبحان اللہ و بحمدہ کہیں اس کا بہت ثواب ہے۔

۸۔ادائے شکر۔اللهم ما اصبح لی من نعمة او باحد من خلقک فمنک و حدک شریک لک فلک الحمد ولک الشکر. ایک دفعہ صبح ایک دفعہ رات طہارت اور وضو ضروری نہیں۔حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی اس دعا کو دن میں پڑھے گا اس کا دن کا شکر ادا ہو جائے گا اور جو رات کو پڑھے گا اس کا رات کا شکر ادا ہو جائے گا۔

استغفار۔ (مکتوب ۱۷ دفتر سوم) استغفر الله العظیم الذی الااله الاهو الحی القیوم و اتوب الیه نماز عصر کے بعد ۱۰۰ بار پڑھیں خواہ وضو ہو یا نہ ہو۔

نماز چاشت۔ کی تہجد کی طرح بارہ رکعتیں ہیں وقت اور حال کے موافق جتنی ادا ہو سکیں غنیمت ہے۔

درود شریف

(مکتوب ۵۷ دفتر دوم) کچھ مدت تک میں حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ میں مشغول رہا اور ولایت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و دقائق کا مجھ پر فیضان ہوتا رہا۔ کچھ مدت تک اسی طرح کرتا رہا۔ اتفاقاً التزام میں فرق آ گیا اور اس اشغال کی توفیق نہ رہی پس اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا درود بھیجنے سے بہتر ہے۔ درود بھیجنے والے کے لیے بھی اور جس کی طرف درود بھیجا جاتا ہے اس کے لیے بھی دو وجوہات ہیں۔

اول۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ جس کو میرے ذکر کرنے سے مجھ سے سوال کرنے سے روک رکھا تو میں اس کو تمام سوال کرنے والوں سے بڑھ کر دیتا ہوں۔

دوسری۔ جب ذکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے تو اس کا ثواب بھی ذاکر کو پہنچتا ہے اور اسی قدر ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی نیک سنت کو جاری کیا اس کا اپنا اجر بھی ملے گا اور اس شخص کا بھی جو اس پر عمل کرے۔

ذکر اور درود

کچھ شک نہیں کہ ذکر سے اصل مقصود حق تعالیٰ کی یاد ہے اس پر اجر کا طلب کرنا اس کا طفیلی اور

تابع ہے اور درود میں اصل مقصد حاجت ہے پس وہ فیض جو ذکر قلبی کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔ جاننا چاہیے ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ذکر جو قبولیت کے لائق ہے وہی اس زیادتی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن جو ذکر ایسا نہیں درود کو اس پر زیادتی اور فضیلت ہے اور درود سے زیادہ برکتیں حاصل ہونے کی امید ہے۔ ہاں وہ ذکر جو طالب کسی شیخ کامل سے اخذ کرتا ہے اور طریقت کے آداب وشرائط کو مدنظر رکھ کر اس پر مداومت کرتا ہے درود کہنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ذکر اسی ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر نہ ہو اس ذکر تک نہیں پہنچ سکتے۔

شعر خوانی اور قصہ گوئی

(مکتوب ۱۷۶ دفتر اول) فائدے کے کام میں مشغول ہونا۔ لایعنی اور بے ہودہ کاموں سے منہ پھیرنا انسان کے حسن اسلام کا نشان ہے۔ پس اپنے وقتوں کی محافظت ضروری ہے تاکہ بے ہودہ کاموں میں برباد نہ ہو جائیں۔ شعر خوانی اور قصہ گوئی کو دشمنوں کا نصیب جان کر خاموشی اور باطنی نسبت کی حفاظت میں مشغول ہونا چاہیے۔ اس طریق میں یاروں کا باہم جمع ہونا باطن کی جمعیت کے لئے ہے نہ کہ دل کی پراگندگی کے لئے یہی وجہ ہے کہ انجمن کو خلوت پر اختیار کیا ہے اور جمعیت کو اجتماع سے حاصل کیا ہے۔ وہ اجتماع جو تفرقہ کا باعث ہو اس سے الگ رہنا چاہیے۔

میلاد (مولود) اور سماع

(مکتوب ۲۷۳ دفتر اول) مرزا حسام الدین نے لکھا تھا کہ اگر سماع کے منع ہونے کا مبالغہ مولود کے منع ہونے کو بھی شامل ہے جو نعتیہ قصیدوں اور غیر نعتیہ شعروں کے پڑھنے سے مراد ہے تو برادر عزیز میر محمد نعمان اور بعض اس جگہ کے یار جنہوں نے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس مجلس مولود خوانی سے بہت خوش ہیں ان پر مولود کا نہ سننا اور ترک کرنا بہت مشکل ہے۔

میرے مخدوم! اگر "واقعات" کا کچھ اعتبار ہوتا اور منامات اور خوابوں کا کچھ بھروسا ہوتا تو مریدوں کو پیروں کی حاجت نہ رہتی اور طریق میں سے کسی ایک طریق کا لازم پکڑنا عبث معلوم ہوتا کیونکہ ہر ایک مرید اپنے واقعات کے موافق عمل کر لیتا اور اپنی خوابوں کے مطابق زندگی بسر کر لیتا۔ خواہ وہ واقعات ومنامات پیر کے طریقہ کے موافق ہوتے یا نہ ہوتے۔ خواہ پیر کو پسند ہوتے یا نہ ہوتے۔ اس تقدیر پر سلسلہ پیری ومریدی درہم برہم ہو جاتا اور ہر بوالہوس اپنی وضع پر مستقل وبرقرار ہوتا۔

جب نعتیہ قصیدوں کے پڑھنے اور سننے والوں کے ذہن میں متمکن ہو چکا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عمل سے راضی ہیں جیسے کہ ممدوح اپنی مدد کرنے والوں سے راضی ہوتے ہیں اور یہ معنی ان کی قوت متخیلہ میں منقش ہو گئے ہوں تو ہو سکتا ہے کہ واقعہ میں اسی اپنی متخیلہ صورت کو دیکھا ہو پس کس طرح معلوم ہو سکے کہ یہ واقعات ظاہر پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھرے ہوئے نہیں ہیں کیونکہ نہیں ہو سکتا کہ ان واقعات سے مراد ان کی تعبیریں ہوں اور وہ واقعات دوسرے امور سے کنایہ ہوں بغیر اس بات کہ کہ شیطانی تمثل کی گنجائش ہو غرض واقعات کا کچھ اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ اشیاء خارج میں بہت موجود ہیں۔ کوشش کرنا چاہیے کہ اشیاء بیداری میں دیکھیں جو اعتبار کے لائق ہے اور اس میں تو بہ کی بھی گنجائش نہیں جو کچھ خواب و خیال میں دیکھا جائے خواب و خیال ہی ہے۔ اس منع کرنے میں فقیر کا مبالغہ اپنی طریقت کی مخالفت کے باعث ہے۔

طریقت کی مخالفت خواہ سماع و رقص سے ہو خواہ مولود اور شعر خوانی سے ہر طریق کے لئے ایک مطلب خاص تک وصول ہوتا ہے اور اس طریق میں خاص مطلب تک وصول کا حاصل ہونا ان امور کے ترک کرنے پر وابستہ ہے حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا ہے "میں نہ یہ کام کرتا ہوں اور نہ ہی انکار کرتا ہوں۔" یعنی یہ کام ہمارے خاص طریق کے منافی ہے اس لئے پسند نہیں کرتا اور چونکہ اس کام کو دوسرے مشائخ کرتے ہیں اس لئے انکار بھی نہیں کرتا۔

سماع اور رقص و وجد

(مکتوب ۲۸۵ دفتر اول) سماع اور وجدان لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے جن کے احوال متغیر اور اوقات متبدل ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی حاضر ہیں اور کبھی غائب کبھی واجد (پانے والے ہیں) کبھی فاقد (گم کرنے والے) یہ لوگ ارباب قلوب ہیں جو تجلیات صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل اور متحول ہوتے رہتے ہیں۔ احوال کا تلون ان کا نقد حیات ہے اور امیدوں کا پراگندہ ہونا ان کے مقام کا حاصل ہے اور دوام حال ان کے حق میں محال اور استمرار وقت ان کے حصے مشکل ہے۔ کبھی قبض میں ہیں اور کبھی بسط میں۔ یہ لوگ ابن الوقت اور وقت کے مغلوب ہیں۔ کبھی عروج کرتے ہیں کبھی ہبوط لیکن تجلیات مراتبہ والے لوگ جو پورے طور پر قلب سے نکل گئے ہیں۔ دل کے پھیرنے والے یعنی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کر احوال کی غلامی سے کلی طور پر آزاد ہو گئے ہیں۔ سماع اور وجد کے محتاج نہیں کیونکہ ان کا وقت دائمی اور

ان کا حال سرمدی ہے۔ نہیں بلکہ وہاں نہ وقت ہے اور نہ حال یہ لوگ ابوالوقت اور صاحب تمکین ہیں اور یہی لوگ واصل ہیں۔ منتہیوں کے ایک گروہ کے لوگوں کا یہ حال ہے کہ درجات میں کسی درجہ تک پہنچنے اور جمال لا نیرال کے مشاہدہ کے بعد ان کو قومی بروز حاصل ہو جاتی ہے اور پوری تسلی ہو جاتی ہے جو ان کے منازل وصول تک عروج کرنے سے ہٹا رکھتی ہے کیونکہ منازل وصول ابھی آگے ہوتے ہیں اور قرب کے مدارج نہایت تک طے نہیں ہوئے ہوتے لیکن باوجود اس برودت کے عروج کی خواہش اور مطلوب کے کمال قرب کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس صورت میں ان کے لیے سماع فائدہ مند اور حرارت بخش ہوتا ہے اور ہر گھڑی سماع کی مدد سے ان منازل قرب کی طرف عروج میسر ہوتا ہے اور تسکین کے بعد ان منازل سے نیچے آ جاتے ہیں۔ لیکن عروج کے ان مقامات سے کوئی نہ کوئی رنگ اپنے ہمراہ لے آتے ہیں۔ اور اس رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ یہ وجد فقد کے بعد نہیں ہوتا کیونکہ فقدان ان کے حق میں مقصود بلکہ دوام وصل کے باوجود یہ وجد منازل وصول کی طرف ترقی کرنے کے لیے ہے۔ منتہی حضرات اور واصلوں کا سماع اور وجد اسی قسم کا ہے۔ ہاں فنا و بقا کے بعد اگرچہ بلند جذبہ عطا فرما دیتے ہیں، لیکن چونکہ برودت تو یہ رکھتے ہیں اور جذبہ تنہا منازل عروج تک ترقی حاصل کرنے کے لیے ان کو کافی نہیں ہوتا۔ اس لیے سماع کے محتاج ہوتے ہیں اور مشائخ میں سے ایک اور گروہ کے لوگ ہیں جن کے نفوس درجہ ولایت تک پہنچنے کے بعد مقام بندگی میں اتر آتے ہیں اور ان کے ارواح نفوس کی مزاحمت کے بغیر اپنے اصلی مقام میں جناب قدس سرہٗ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ہر گھڑی نفس مطمئنہ کے مقام سے جو مقام بندگی میں متمکن اور راسخ ہو چکا ہے ان کی روح کو مدد پہنچتی رہتی ہے اور ان کی روح کو اس امداد کے باعث مطلوب کے ساتھ خاص نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس واسطے یہ لوگ تیز نظر والے ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ دور سے اس چیز کو دیکھ لیتے ہیں جن کے دیکھنے سے نزدیک نظر کے لوگ عاجز ہیں۔ یہ لوگ عروج کمتر رکھتے ہیں، لیکن نورانی ہیں جو اصل نور سے منور ہیں اور اسی مقام میں شان عظیم اور قدر جلیل رکھتے ہیں۔ ان کو سماع اور وجد کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ عبادات ان کے لیے سماع کا کام دے جاتے ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت بخشتی ہے۔ مبتدی کے لیے وجد اور سماع مضر ہے اور اس کے عروج کے منافی ہے خواہ شرائط کے موافق ہی واقع ہو۔ مبتدی سے مراد وہ شخص ہے جو ارباب قلب یعنی صاحبان دل میں سے نہیں

اور ارباب قلوب وہ لوگ ہیں جو مبتدیوں اور منتہیوں کے درمیان متوسط ہوتے ہیں اور منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ اور واصل کامل ہو اور انتہا کے بہت سے درجات ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ غرض سماع متوسطوں اور ایک قسم کے منتہیوں کے لیے سماع کی ضرورت ہے جو جذب کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے اور سخت ریاضتوں اور کٹھن مجاہدوں کے ساتھ مسافت قطع کرنا چاہتے

ہیں۔ اس صورت میں سماع اور وجد ان لوگوں کا مددگار بن جاتا ہے اور اگر ارباب قلوب مجذوبوں میں سے ہوں تو ان کے سیر کی مسافت جذبہ کی مدد سے قطع ہو جاتی ہے۔ ان کو بھی سماع کی حاجت نہیں ہوتی۔ غیر مجذوب ارباب قلوب کے لئے بھی سماع مطلق طور پر فائدہ مند نہیں ہے بلکہ اس سے نفع حاصل ہونا چند شرائط پر منحصر ہے ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔ سماع کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو اپنے کمال کا اعتقاد نہ ہو۔ اگر اپنی کمالیت کا مقصد ہے تو محبوس ہے۔ سماع اس کو بھی ایک قسم کا عروج بخشتا ہے لیکن تسکین کے بعد اس مقام سے نیچے اتر آتا ہے۔ باقی تمام شرائط مستقیم الاحوال بزرگوں کی کتابوں مثلاً عوارف المعارف میں درج ہیں۔ اس قسم کا سماع و رقص جو آج کل کے لوگوں میں شائع ہے اور اس قسم کی مجلس و اجتماع جو اس زمانہ میں متعارف و مشہور ہے کچھ شک نہیں کہ معز محض اور منافی صرف ہے۔ عروج وہاں کچھ معنی نہیں رکھتا اور صعود اس صورت میں متصور نہیں ہے۔ سماع سے مدد و اعانت کا حاصل ہونا مقصود ہے۔

مولود خوانی

(مکتوب ۷۲ دفتر سوم) خواجہ حسام الدین نے لکھا تھا کہ قرآن مجید کو خوش آواز سے پڑھنے اور نعت و منقبت کے قصائد کو خوش آوازی سے پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے۔ ہاں قرآن مجید کے حروف کی تحریف اور ان کا تغیر و تبدل اور مقامات نغمہ کی رعایت اور اس طرز پر آواز کا پھیرنا اور سُر نکالنا اور تالی بجانا وغیرہ وغیرہ جو شعر میں جائز ہیں۔ سب ممنوع ہیں۔ اگر اس طرح پڑھیں کہ کلمات قرآنی میں تحریف واقع نہ ہو اور قصیدوں کے پڑھنے میں بھی شرائط مذکورہ ثابت ہوں اور وہ بھی کسی صحیح غرض کے لئے تجویز کریں تو ممانعت نہیں۔ میرے مخدوم الفقیر کے دل میں آتا ہے کہ جب تک آپ اس دروازہ کو بالکل بند نہ کریں گے بوالہوس نہیں رکیں گے۔ آپ تھوڑا بھی جائز رکھیں گے تو بہت تک پہنچ جائے گا۔

ذکر کی ہمہ گیری

(مکتوب ۱۲ دفتر سوم) آپ نے (میر محمد نعمان) لکھا تھا کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور تضرع اور زاری اور دوام التجا بہتر ہے یا ذکر کرنا۔ یہ سب کچھ ذکر کے ساتھ ملا ہوا بہتر ہے۔ میرے عزیز! ذکر کرنا ضروری ہے اس کے ساتھ جو کچھ جمع ہو جائے دولت و نعمت ہے۔ وصول کا مدار ذکر پر موقوف ہے۔ دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج ہیں نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر نفی اثبات اور تلاوت قرآن مجید

اور طول قرآت کے ساتھ نماز ادا کرنا - ان تینوں میں سے کونسا بہتر ہے؟ سو نفی اثبات کا ذکر وضو کی طرح ہے جو نماز کی شرط ہے- جب تک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا منع ہے- اسی طرح جب تک نفی) کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے تب تک فرائض و واجبات اور سنتوں کے سوا عبادات نافلہ جس قدر کریں سب وہاں میں داخل ہے- پہلے مرض کو دور کرنا چاہیے جو نفی و اثبات کے ذکر سے وابستہ ہے بعد ازاں دوسری عبادات وحسنات ہیں دجو بدن کے لئے اچھی غذا کی طرح ہیں مشغول ہونا چاہیے مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذا کھائیں فاسد و مفسد ہے- یہ ضروری نہیں کہ ذکر میں لذت تمام پیدا ہو اور چیزیں دکھائی دیں- یہ سب کچھ لہو ولعب اور کھیل کود میں داخل ہے- ذکر میں جس قدر مشقت ہو بہتر ہے- نماز پنج وقتی کو ادا کر کے اوقات کو ذکر الٰہی کے ساتھ آباد رکھے اور ذکر کی التذاذ سے بیکار نہ رہے (مکتوب ۱۳ دفتر سوم) اگر دل ذکر کرنے سے تھک جائے تو زبان سے پوشیدہ طور پر شروع کریں کیونکہ ذکر بالجہر اس طریق میں ممنوع ہے-

خواتین کے لئے ذکر

(مکتوب ۲۵۶ دفتر اول) (عورتیں) اگر محرمات ہیں تو کوئی منع نہیں ورنہ پردہ میں بیٹھ کر طریقہ اخذ کریں-

رقص وسرود

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ سماع اور رقص وسرود درحقیقت لہو ولعب ہیں- آیت کریمہ و من یشتری لھو والحدیث سرود کے منع ہونے کی شان میں نازل ہوئی ہے چنانچہ مجاہدؓ جو ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں کہتے ہیں کہ لہو الحدیث سے مراد سرود ہے' تفسیر مدارک میں ہے کہ لہو الحدیث سے مراد سمر یعنی بے ہودہ قصے کہانیاں اور سرود ہے اور حضرت ابن عباسؓ قسم کھاتے تھے کہ بے شک وہ غنا اور سرود ہے- امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی سے حکایت کی گئی ہے کہ جس نے ہمارے زمانے کی کسی قاری کو قرات کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا ہے کافر ہوتا ہے اور اس کی عورت اس سے جدا ہو جاتی ہے اور اس کی تمام نیکیاں دور ہو جاتی ہیں- ابو نصیر الدلوسی سے نقل کی گئی ہے اور انہوں نے قاری ظہیر الدین خوارزمی سے نقل کیا ہے " جس نے کسی گانے والے یا کسی

اور سے سرود سنا فعل حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا سمجھا از روئے اعتقاد کے یا بغیر اعتقاد کے تو اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا وہ

کسی مجتہد کے نزدیک مومن نہیں رہتا اور نہ اللہ تعالیٰ اس کی اطاعت قبول کرتا ہے۔ آیات و احادیث اور روایات فقہیہ غنا اور سرود کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ شمار کرنا مشکل ہے۔ اگر کسی شخص نے منسوخ حدیث یا روایت شاذہ کو سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے۔ اس زمانے میں کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود رقص کو اپنا دین بنالیا ہے اور اسی کو اطاعت اور عبادت سمجھ لیا ہے۔

کلمہ طیبہ کی برکات

(مکتوب ۹ دفتر دوم) نفی و اثبات سب سے بڑھ کر عبادت ہے کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللہ نفی و اثبات ہے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تمام ذکروں سے افضل ذکر لاالٰہ الا اللہ ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے سوا اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک پلڑا میں اور کلمہ طیبہ کو دوسرے پلڑا میں رکھا جائے تو کلمہ والا پلڑا بھاری ہوگا کیوں افضل وراجح نہ ہو جبکہ اس کا ایک کلمہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں زمینوں اور عرش و کرسی لوح وقلم اور عالم و آدم کی نفی ہے اور اس کا دوسرا کلمہ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ نفس و آفاق میں ہے سب چونی اور چندی کے داغ سے لتھڑا ہوا ہے پس جو کچھ آفاق و انفس میں جلوہ گر ہو بطریق اولیٰ چند و چون ہوگا جو نفی کے لائق ہے۔ ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا ہوا خواہ ہاتھ کے ذریعہ ہو خواہ عقل و وہم کے ساتھ سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہے جو عبادت کے لائق نہیں کیونکہ ایمان شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے بلکہ اپنی تراشیدہ اور بنائی ہوئی چیز کے ساتھ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی مخلوق ہے گویا ایمان مشہود اور غیر کے ایمان کو حق تعالیٰ کے ایمان کے ساتھ شریک کرتا ہے۔

(مکتوب ۳۷ دفتر دوم) لاالٰہ الا اللہ. حق تعالیٰ کے غضب کو دور کرنے کے لیے اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کو زیادہ فائدہ مند اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جب یہ کلمہ دوزخ میں داخل ہونے کے غضب کو تسکین دیتا ہے تو اور غضب جو اس سے کم درجہ کے ہیں ان کے بطریق اولیٰ تسکین کر دیتا ہے کیونکر تسکین نہ کرے جبکہ بندے نے اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے ماسویٰ کی نفی کر کے سب کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے اور اپنی توجہ کا قبلہ معبود برحق کو بنایا ہے۔ غضب کا باعث مختلف تعلقات اور توجہات ہی تھیں جن میں بندہ مبتلا ہو رہا تھا۔ جب وہ نہ رہیں تو غضب بھی نہ رہا۔

فقیر اس کلمہ طیبہ کو رحمت کے ان ننانوے حصوں کے خزانہ کی کنجی معلوم کرتا ہے جو آخرت کے

لئے ذخیرہ فرماتے ہیں اور جانتا ہے کہ کفر کی ظلمتوں اور شرک کی کدورتوں کو دفع کرنے کے لئے اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر زیادہ شفیع اور کوئی کلمہ نہیں ہے۔ جس شخص نے اس کلمہ طیبہ کی تصدیق کی ہو اور ذرہ ایمان کا حاصل کر لیا ہو اور پھر کفر و شرک کی رسموں میں مبتلا ہو تو امید ہے کہ اس کلمہ کی شفاعت سے اس کا عذاب دور ہو جائے گا اور دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پائے گا جس طرح کہ اس امت کے تمام کبیرہ گناہوں کے عذاب دور کرنے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نافع فائدہ مند ہے۔ شفاعت کی زیادہ محتاج یہی امت ہے گزشتہ امتوں میں بعض لوگ کفر پر اڑے رہے تھے اور بعض اخلاص کیساتھ ایمان لاتے تھے اور امر بجالاتے تھے اگر کلمہ طیبہ ان کا شفیع نہ ہوتا اور حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا شفیع ان کی شفاعت نہ کرتا تو یہ گناہ پر ہلاک ہو جاتے۔

فضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔" جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہوا۔ کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار کلمہ طیبہ کہنے سے جنت میں داخل ہونا کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ کلمہ طیبہ کے برکات سے واقف نہیں ہیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوا کہ اگر تمام جہان کو اس کلمہ طیبہ کے ایک بار کہنے سے بخش دیں تو بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی مشہور ہوتا ہے کہ اگر اس کلمہ پاک کے برکات کو تمام جہان میں تقسیم کریں تو ہمیشہ کے لئے سب کو کفایت کرے اور سیراب کردے خاص کر جبکہ اس کلمہ طیبہ کے ساتھ کلمہ مقدسہ محمد الرسول اللہ جمع ہو جائے اور تبلیغ توحید کے ساتھ منتظم ہو جائے اور رسالت ولایت کے ساتھ مل جائے تو مجموعہ نبوت ؤ ولایت کے کمالات کا جامع اور ان دونوں سعادتوں کے راستوں کی ہدایت کرنے والا ہے جو ولایت کو ظلال کے ظلمات سے پاک کرتا ہے اور نبوت کو درجہ بلند تک پہنچاتا ہے۔ جب نظر و قدم واپس رہ جاتے ہیں اور ہمت کے بال و پر گر جاتے ہیں اور غیب صرف کے ساتھ معاملہ پڑتا ہے تو اس مقام میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے پاؤں کے سوا نہیں چل سکتے اور اس کلمہ مقدسہ کی مدد کے سوا اس مسافت کو قطع نہیں کر سکتے۔ اس مقام کا چلنے والا کلمہ طیبہ کے ایک بار کہنے سے اس کلمہ مقدسہ کی حقیقت کی مدد و اعانت سے اس مسافت سے ایک قدم راستہ قطع کر لیتا ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت کہنے والے کے درجات کے اعتبار سے ہے جس قدر کہنے والے کا درجہ بلند ہوگا اسی قدر یہ عظمت زیادہ ظاہر ہوگی دنیا میں اس آرزو کے برابر کوئی آرزو نہیں کہ گوشہ میں بیٹھ کر اس کلمہ کی تکرار سے محظوظ و متلذذ ہوں مگر کیا کیا جائے کہ سب خواہشیں میسر نہیں ہو سکتیں۔

طریقت وحقیقت کے جامع کلمہ

(مکتوب ۴۶ دفتر دوم) کلمہ طیبہ طریقت وحقیقت وشریعت کا جامع ہے۔ جب تک سالک نفی کے مقام میں ہے طریقت میں ہے اور جب نفی سے پورے طور پر فارغ ہو جاتا ہے اور تمام ماسوئی اس کی نظر سے منفی ہو جاتا ہے تو طریقت کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کی جزو اول کے ساتھ جو نفی و اثبات سے وابستہ ہے دوسرا جزو شریعت کو کامل اور تمام کرنے والا ہے۔

جو کچھ ابتدا اور وسط میں شریعت سے حاصل ہوا تھا وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم ورسم تھا شریعت کی اصل حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے جو مرتبہ ولایت کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

(مکتوب ۱۷ دفتر دوم) (حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کے نام) لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پہلا کلمہ مرتبہ وجوب کے اثبات پر مشتمل ہے۔ مرتبہ وجوب کا وہ ظہور جو صورت مثال میں نقطہ کی صورت پر مشہور ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کے ظہور کی نسبت جو لمبی چوڑی صورت میں ظاہر ہوتا ہے بہت ہی قریب ہے اگرچہ اس مرتبہ میں نہ نقطہ کی گنجائش ہے نہ دائرہ کی نہ وہاں طول کی مجال ہے اور نہ عرض وعمق کی۔ اس واسطے کشفی صورت میں کلمہ نقطہ کے رنگ میں دکھائی دیتا ہے اور کلمہ محمد الرسول اللہ جو دعوت خلق کی خبر دیتا ہے جو اجسام و جواہر کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور وہاں طول و بسط کا قدم راسخ ہے۔ اس واسطے اس مقام کی صورت مثالی کشفی نظر میں لمبی چوڑی دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام میں سالک بقیہ شکر کے باعث جو اس میں باقی رہتا ہے دوسرے کلمے کو دریائے محیط کی طرح معلوم کرتا ہے اور پہلے کلمے کو اس دریا کے مقابلے میں نقطہ کی طرح خیال کرتا ہے۔ یہی مقابلے میں نقطہ کی طرح ہے (پہلا کلمہ اور دوسرا کلمہ سے مراد کلمہ طیبہ کا پہلا اور دوسرا حصہ ہے)۔ اس مقام میں فتوحات مکیہ (ابن عربی) والے نے بھی کہا ہے کہ جمع محمدی جمع بھی جل شانہ سے اجمع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مرتبہ وجوب کی بے چون کی وسعت پر تو ڈالتی ہے اور اس مرتبہ مقدسہ کا بے کیفی احاطہ ظاہر ہو جاتا ہے تو جہان تمام کا تمام باوجود اس قدر طول وعرض کے جزو لایتجزیٰ کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور وہ چیز جو سالک اول دریائے محیط کے مقابلہ میں نقطہ کی طرح معلوم کرتا تھا اس وقت دریائے ناپیدا کنار نظر آتی ہے اور دریائے محیط کو جزو لایتجزیٰ سے بہت چھوٹا دیکھتا ہے۔ نبوت کا عروج کلمہ اول سے اور اس کا نزول کلمہ دوم سے تعلق رکھتا ہے پس دو کلموں کا مجموعہ مقام نبوت کا حاصل ہے۔ نہ کہ صرف کلمہ دوم کا حاصل جیسے بعض نے گمان کیا ہے اور کلمہ

اولی کو ولایت کے ساتھ مخصوص کیا ہے حالانکہ ایسا بھی نہیں بلکہ دونوں کلمے عروج و نزول کے اعتبار سے مقام ولایت کا بھی حاصل ہیں اور مقام نبوت کا حاصل بھی۔

(مکتوب ۵۲ دفتر اول) کلمہ طیبہ جو انفسی اور آفاقی معبودوں کی نفی کے لئے وضع کیا گیا ہے نفس کے پاک وصاف کرنے میں بہت ہی فائدہ مند ہے۔ طریقت کے بزرگواروں نے تزکیہ نفس کے لئے اسی کلمہ کو اختیار کیا ہے۔ جب نفس سرکشی کے درپے ہو اور اپنے عہد کو توڑ دے تو اس کلمہ کی تکرار سے ایمان کو تازہ کرنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا الہ الا اللہ کے کہنے سے اپنے ایمان کو تازہ کیا کرو بلکہ ہر وقت اس کلمہ کی تکرار ضروری ہے کیونکہ نفس امارہ ہمیشہ اپنی پلیدی میں ہے۔

(مکتوب ۶۳ دفتر اول) کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ سے مراد جھوٹے خداؤں کی عبادت کی نفی کرنا اور معبود برحق کا ثابت کرنا ہے اور کلمہ دوسرا (یعنی دوسرا حصہ) جو ان بزرگواروں سے مخصوص ہے یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور لوگوں کی طرح بشر جانتے ہیں اور عبادت کے لائق خدا ہی کو جانتے ہیں اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں اور حق تعالیٰ کو حلول اور اتحاد سے پاک بتاتے ہیں اور منکرین نبوت ایسے نہیں ہیں بلکہ ان کے سردار خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ میں خدا کو حلول کیا ہوا ثابت کرتے ہیں اور عبادت کا حق دار بننے اور خدا کا نام اپنے اوپر بولنے سے احتراز نہیں کرتے۔ اسی واسطے بندگی سے پاؤں نکال کر کئی قسم کے بداعمال اور بدعملیوں میں پڑ جاتے ہیں اور اباحت کا رستہ ان کی طرف کھل جاتا ہے اور گمان کرتے ہیں کہ اللہ کسی چیز سے ممنوع نہیں اور جو کچھ کہتے ہیں بہتر جانتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں مباح سمجھتے ہیں پس یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا پس ان کے لئے اور ان کے تابعداروں کے لئے اور اُن کی تقلید کرنے والوں پر ہلاکت ہے۔

(مکتوب ۲۴۰ دفتر اول) غرض جو کچھ دیدہ و دانش میں آئے نفی کے قابل ہے خواہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہی ہو کیونکہ اس وحدت کی کثرت میں گنجائش نہیں ہے۔ جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس وحدت کا شبح و مثال ہے نہ بذات خود وحدت۔ پس اس وقت آپ کی حالت کے مناسب کلمہ طیبہ کا ذکر اور تکرار ہے اس حد تک کہ دیدہ و دانش میں کچھ نہ چھوڑے اور حیرت و جہالت میں ڈال دے اور معاملہ کو فنا تک پہنچا دے جب تک جہل حیرت میں نہ پہنچیں فنا نصیب نہیں ہوتی۔

(مکتوب ۳ دفتر سوم) نفع دینے والا اور ضرر پہنچانے والا وہی ہے اور کوئی شخص اس کے حکم کے بغیر کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ ایسی کامل صفات والا حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں اور نہ ہونا چاہیے۔ اس کلمہ کی تکرار اس قدر کرنا چاہیے کہ غیر کے مقصودیت کا نام و نشان تک نہ رہے اور حق تعالیٰ کے سوا اس کی کچھ مراد نہ ہو تاکہ غیر کی معبودیت کی نفی میں صادق ہو۔ بے شمار خداؤں اور غیر کی مقصودیت اور

معبودیت کی اس قسم کی نفی کرنا کمال ایمان کی شرط ہے جو ولایت سے وابستہ ہے اور ہوائی خداؤں کی نفی کے متعلق ہے اور حقیقت شریعت میں جو کمال ایمان پر دلالت کرتی ہے غیر کی مقصودیت کی بیخ کنی مطلوب ہے کیونکہ غیر کی مقصودیت کی تجویز حق تعالیٰ کی مقصودیت کا معارضہ ہے۔

(مبداء و معاد) اگر کلمہ طیبہ نہ ہوتا تو جناب باری کی راہ کون دکھاتا اور توحید کے چہرے پر سے نقاب کون اٹھاتا اور جنت کے دروازے کون کھولتا۔ بکثرت صفات بشریت اس لا کے کدال سے اکھیڑی جاتی ہیں اور بے شمار تعلقات اس نفی کی تکرار کی برکت سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس کلمہ کی نفی باطل معبودوں کو مات کرتی ہے اور اس کلمہ کا اثبات معبود حقیقی کو ثابت کرتا ہے۔ سالک اس کی مدد سے امکانی مدارج طے کرتا ہے اور عارف اس کی برکت سے وجوبی معارج پر چڑھتا ہے۔ یہ کلمہ طیبہ ہی ہے جو تجلیات افعال سے تجلیات صفات میں پہنچا دیتا ہے اور پھر تجلیات صفات سے تجلیات ذات تک لے جاتا ہے۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رویت باری تعالیٰ

(مکتوب ۱۳۵ دفتر اول) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی رات جسد کے ساتھ جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا سیر کرائی اور جنت و دوزخ آپ کے پیش کئے گئے اور اس کی طرف وحی بھیجی گئی جیسے کہ حق تھا اور اس وقت رویت بصری سے مشرف ہوئے اور اس قسم کا معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے مخصوص ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار اولیاء اور آپ کے زیر قدم سالکوں کے لئے بھی اس مرتبہ مخصوصہ سے کچھ حصہ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا میں رویت کا واقع ہونا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے مخصوص ہے اور وہ حالت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر قدم اولیاء کو حاصل ہوتی ہے وہ رویت نہیں ہے اور اس رویت اور حالت کے درمیان وہی فرق ہے جو اصل اور فرع اور شخص اور ظل کے درمیان ہے اور ایک دوسرے کا عین نہیں ہے۔

قید زمان و مکان ختم

(مکتوب ۲۱۰ دفتر اول) حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج میں عروج کے مرتبے طے کرنے اور وصول کی منزلیں قطع کرنے کے بعد جو کئی ہزار برسوں میں میسر ہوسکیں جب

اپنے دولت خانہ میں واپس آئے تو دیکھا کہ بستر خواب ابھی گرم ہے اور کوزہ میں وضو کا پانی ابھی حرکت میں ہے۔

شہود

(مکتوب ۸ دفتر سوم) غیب شہود کے مقابل ہے جو ظلیت کی آمیزش رکھتا ہے اور غیب اس آمیزش سے پاک ہے اس لئے شہود سے اکمل ہوگا لیکن حضرت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج میں رویت سے مشرف ہوئے ہوں جو ظلال کے پردوں سے وراء الوراء ہے اور ظلیت کی آمیزش سے صاف وصاف ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں غیب ورویت اکمل کیوں ہو۔ کیونکہ ظلیت کے وضع ہونے کے لئے غیب کی کفایت کی گئی تھی۔ جب عین حضور میں کلی طور پر ظلیت کا رفع ہونا میسر ہو جائے تو پھر غیب کی کیا ضرورت ہے۔ یہ دولت (یعنی شہود) وہ ہے جو حضرت سید الکونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس مقام سے حصہ ملا ہے جس طرح رویت نہیں شہود و مشاہدہ بھی نہیں اور اس مقام کی تعبیر غیب کے ساتھ کرنا بہتر ہے۔ سوائے اقل قلیل کے کسی کو اس مقام سے حصہ حاصل نہیں۔

مقامات عروج

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج مقامات عروج میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پایا اور نوح علیہ السلام کے طوفان کو موجود اور اہل بہشت کو بہشت میں دیکھا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں پانچ سو سال بعد جو آدھے دن کے برابر ہے بہشت میں داخل ہونے کے بعد ایک غنی صحابی عبدالرحمان بن عوف کو بہشت میں آتے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے اپنے دشوار گزار راستوں کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ ایک گھڑی میں مشہود ہوا۔ اس میں ماضی و مستقبل کی گنجائش نہ تھی۔

رویت باری تعالیٰ

(مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم صرف رویت یعنی دیدار کی طلب ہی کے باعث ہلاک ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلب کے رویت کے بعد لن ترانی کا زخم کھایا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اس طلب سے تائب ہوئے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو رب العالمین کے محبوب اور تمام اولین وآخرین موجودات میں سے بہترین ہیں

باوجود اس کے کہ معراج جسمانی کی دولت سے مشرف ہوئے اور عرش و کرسی سے گزر کر زمان و مکان سے اوپر چلے گئے۔ باوجود قرآنی اشارتوں کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت میں علماء کا اختلاف ہے اور اکثر علماء عدم رویت کے قائل ہیں (مثلاً امام غزالیؒ)۔ یہ بے سروسامان اپنے خیال میں ہر روز خدا کو دیکھتے ہیں حالانکہ محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دیدار میں بھی علماء کی قیل وقال ہے اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے۔ ان لوگوں کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس کلام کو جس کو یہ لوگ سنتے ہیں حق سبحانہ سے وہی نسبت ہے جو کلام کو اپنے متکلم سے ہوتی ہے۔ یہ عین الحاد ہے۔ حاشاوکلہ کہ حضرت سبحانہ سے تکلم کے طریق پر ایسی کلام صادر ہو جس میں ترتیب اور تقدیم و تاخیر ہو۔ جو حدوث کی علامات میں سے ہے۔ شاید مشائخ کبار کی باتوں نے ان کو غلطی میں ڈال دیا ہے کیونکہ مشائخ نے بھی حضرت حق جل سلطانہ کے ساتھ کلام مکالمہ کیا ہے لیکن مشائخ کبار اس کلام کو حضرت حق سبحانہ کے ساتھ ایسی نسبت نہیں دیتے جو کلام کو اپنے متکلم سے دے سکیں بلکہ وہی نسبت ثابت کرتے ہیں جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ اور قباحت نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو شجرۂ مبارکہ سے حق تعالیٰ کے کلام کو سنا تو اس کلام کو حق تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ وہ نسبت جو کلام اور اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے اور ایسے ہی وہ کلام جو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق تعالیٰ سے سنی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنی اس کلام کی بھی حق تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق سے ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ کلام بھی حق تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا منکر کافر و زندیق ہے۔ گویا حق تعالیٰ کا کلام، کلام لفظی اور کلام نفسی کے درمیان مشترک ہے۔ جس کو حق تعالیٰ کسی امر کے ذریعہ کے بغیر ایجاد کرتا ہے پس کلام لفظی بھی حق تعالیٰ کی کلام ہوگی ناچار اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔

(مکتوب ۲۸۳ دفتر اول) شب معراج میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت دنیا میں واقع نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے اس لیے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ اس رات چونکہ دائرہ مکان و زمان اور تنگی مکان سے باہر نکل گئے تھے اس لیے ازل و ابد کو آن واحد میں معلوم کرلیا اور ہدایت وعنایت کو ایک ہی نقطہ میں متحد دیکھا اور ان اہل بہشت کو جو کئی ہزار سال بعد بہشت میں جائیں گے بہشت میں دیکھ لیا۔ (حضرت) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ جو فقرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے پانچ سو سال کے بعد بہشت میں جائیں گے دیکھا کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد بہشت میں آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس توقف کی وجہ پوچھی۔ پس وہ رویت جو اس مقام میں واقع ہوئی وہ رویت آخرت ہے اور اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو رویت کے عدم وقوع پر ہوا ہے۔

بدعات اور احیائے سنت

بدعت دین کی بربادی ہے: (مکتوب ۲۳ دفتر دوم) اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پرتو ڈالا ہے۔ سنت عہد نبوت کے بعد کے باعث پوشیدہ ہوگئی ہے اور بدعت جھوٹ کے ظاہر ہونے کے باعث جلوہ گر ہوگئی ہے اب ایک ایسے بہادر جوانمرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد (احیاء) کرے اور بدعت کو شکست دے - بدعت کو جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے، خصوصاً ان دنوں میں اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کی رسمیں جب ہی قائم رہ سکتی ہیں جبکہ سنت کو جاری کیا جائے اور بدعت کو دور کیا جائے۔ گزشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہوگا جو بدعت کے بعضا مور کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں انکے ساتھ موافق نہیں ہے اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اسمیں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک بدعت گمراہی ہے اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانہ میں کہ سلامتی سنت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے سے وابستہ ہے پر بدعت کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارہ کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما ہے۔

حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی (کوئی) جرات نہ کرے اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسوا شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے گذشتہ زمانے میں اسلام قوی تھا اس لیے بدعت کے ظلمات کو اٹھا سکتا تھا مگر اس وقت اسلام ضعیف ہے بدعات کے ظلمات کو نہیں اٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین میں اور متاخرین کا فتویٰ جاری نہ کرنا چاہیے کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں اس وقت تمام جہان بدعات کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور باوجود غربت اور ندرت کے اس دریائے ظلمانی میں کرم شب افروز یعنی جگنو کی طرح محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کرتا جاتا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

(مکتوب ۵۴ دفتر دوم) اس فقیر کے خیال میں سنت سینہ کی متابعت اور بدعت کے اسم و رسم سے

اجتناب کرنا چاہیے جب تک بدعت حسنہ سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک اس دولت کی بو جان کے دماغ میں نہیں پہنچتی آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کے اندھیرے میں پھنسا ہوا ہے کسی کی مجال ہے کہ بدعت دور کرنے کا دم مارے اور سنت کے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے اس زمانے میں اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے اور سنتوں کو محو کرتے ہیں شائع اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دے دیتے ہیں اور لوگ بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف ومشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں۔ تعامل جو معتبر ہے وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے۔ اس بات میں کچھ شک نہیں کہ تمام مخلوقات کے تعامل اور تمام مخلوقات کے تعامل اور تمام شہروں اور قصبوں کے عمل کا علم انسان کی طاقت سے خارج ہے باقی رہا تعامل صدر اول کا جو درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی تقریر ہے اور سنت سینہ کی طرف راجع ہے اسمیں بدعت کہاں اور بدعت حسنہ کہا۔ اصحاب کرام کے لیے تمام کمالات کے حاصل ہونے میں حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کافی تھی اور علمائے سلف میں سے جو لوگ اس رسوخ کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں بغیر اس بات کے کہ طریق صوفیہ کو اختیار کریں اور سلوک وجذبہ سے مسافت طے کریں وہ لوگ سنت سینہ کی متابعت اور بدعت نامیہ سے پورے طور پر بچنے کی بدولت اس رسوخ فی العلم کی دولت سے سرفراز ہوئے ہیں۔

بدعتی کی صحبت: (مکتوب ۵۴ دفتر اول) یقینی طور پر تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے خسارہ سے زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھتا ہے قرآن اور شریعت کی تبلیغ اصحاب ہی نے کی ہے اور اگر ان پر طعن لگائیں تو قرآن اور شریعت پر طعن آتا ہے قرآن کو حضرت عثمانؓ نے جمع کیا ہے اگر حضرت عثمان مطعون ہیں تو قرآن مجید بھی مطعون ہے۔ حق تعالیٰ ان زندیقوں کے ایسے برے اعتقاد سے (محفوظ رکھے)۔

(مکتوب ۱۵۷ دفتر اول) ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب وسنت ہی سے سمجھتا ہے اور وہیں سے اخذ کرتا ہے حالانکہ ان سے کسی چیز کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

(مکتوب ۱۶۵ دفتر اول) جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے گویا اسلام کو گرانے میں اس کی مدد کی

(مکتوب ۱۸۶ دفتر اول) علماء نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے حسنہ اور سیئہ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے

ہیں جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرے اور بدعت سیئہ وہ ہے جو سنت کی رافع ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت وکدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگر آج متبدع کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوت اور تازگی میں دیکھتے ہیں لیکن کل جبکہ بصیرت تیز ہوگی تو دیکھ لیں گے کہ اسکا نتیجہ خسارت اور ندامت کے سوا کچھ نہ تھا۔ حدیث میں ہے کہ ''جس نے ہمارے اس امر میں ایسی نئی چیز پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے'' بھلا جو چیز مردود ہو وہ حسن کہاں پیدا کر سکتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ''اسکے بعد واضح ہو کہ اچھی کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین رستہ محمد ﷺ کا رستہ ہے اور تمام امور سے بدتر محدثات ہیں اور ہر ایک بدعت ضلالت ہے'' ایک دوسری حدیث شریف میں ہے'' نئے پیدا کیے ہوئے کاموں سے بچو کیونکہ ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی'' جو کچھ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں پس ہر بدعت سیئہ ہے ایک حدیث شریف میں ہے'' جب کوئی قوم بدعت پیدا کرتی ہے تو اس جیسی ایک سنت اٹھائی جاتی ہے پس سنت سے پنجہ مارنا بدعت کے پیدا کرنے سے بہتر ہے'' ایک اور حدیث میں حضرت حسانؓ سے روایت ہے کہ'' کسی قوم نے دین میں بدعت کو جاری نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس جیسی ایک سنت کو انسے اٹھا لیا پھر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس سنت کو انکی طرف نہیں پھیرتا'' جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء ومشائخ نے سنت سمجھا ہے جب ان میں اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سنت کی رفع کرنے والی ہیں مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت رافع سنت ہے کیونکہ عدد مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے حالانکہ شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا ہے ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافع سنت ہے اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود ارادہ دلی کے زبان سے بھی نیت کہنی چاہیے حالانکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا کہ انہوں نے زبان سے نیت کی بلکہ جب اقامت کہتے ہیں فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے ہیں پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حسنہ کہا ہے اور فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت رفع سنت تو بجائے خود رہا فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اسکی تجویز میں اکثر لوگ زبان ہی پر کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ ڈر نہیں کرتے پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔

بدعت کی تعریف: (مکتوب ۲۳۱ دفتر اول) آنحضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت کے طریق پر اور دوسرا عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اسکے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اسکے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے اور وہ عمل جو صرف عبادت کے طور پر ہے اسکے خلاف کو بدعت منکر نہیں جانتا اور نہ ہی اسکے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیوں کہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اسکا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے برخلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے البتہ عادی سنت کو مدنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔

سنت اور بدعت ضد ہیں: (مکتوب ۲۵۵ دفتر اول) سنت اور بدعت دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک کا وجود دوسرے کے نفی و نفی کو مستلزم ہے پس ایک کا زندہ کرنا دوسری کو مارنے کا مستلزم ہے یعنی سنت کو زندہ کرنا بدعت کے مارنے کا موجب بنی اور بالعکس۔ پس بدعت خواہ اسکو حسنہ کہیں یا سیئہ رفع سنت کو مستلزم ہے۔ شاید حسن لغبی یعنی اضافی کا اعتبار کیا ہوگا کیونکہ حسن مطلق وہاں گنجائش نہیں رکھتا کیونکہ تمام سنتیں حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں اور انکے اضداد یعنی بدعات شیطان کی پسندیدہ۔

بدعت کی اصلیت: (مکتوب ۱۹ دفتر دوم) اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن در حقیقت اسمیں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفا ہے، کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا سنت کی رافع سنت ہوگی یا ساکت ہوگی۔ زاید ساکت ہونے کی صورت میں بالضرور سنت پر زاید ہوگی۔ جو در حقیقت اسکو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے پس معلوم ہو کہ بدعت خوہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں، ہائے افسوس انہوں نے دین کامل اور پسندیدہ اسلام میں جبکہ نعمت تمام ہو چکی۔ بدعت محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح حکم دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ کمال و اتمام اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں محدثہ امر کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کے مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔

سلسلہ نقشبندیہ اور بدعت: (مکتوب ۲۳ دفتر دوم) اس سلسلہ عالیہ کے لوگ اس ملک میں بہت

غریب ہیں اور اس ملک کے رہنے والوں کو بدعات کے پھیلنے کے باعث ان بزرگواروں کے طریقہ کے ساتھ جس میں سنت کا التزام ہے بہت کم مناسبت ہے یہی سبب ہے کہ اس سلسلے والے لوگوں میں سے بعض نے قصور نظر کے باعث اس طریقۂ علیہ میں بھی بدعتیں جاری کی ہیں اور لوگوں کے دلوں کو بدعتوں کے اختیار کرنے کی وجہ سے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اس عمل کو اپنے خیال میں اس طریقہ علیہ کی تکمیل گمان کرتے ہیں حاشا وکلا۔ بلکہ یہ لوگ اس طریقہ کو خراب اور برباد کرنے میں کوشش کر رہے ہیں ان کو اس طریقہ کا اصل معاملہ معلوم ہی نہیں چونکہ اس ملک میں اس سلسلہ علیہ کے لوگ عزیز الوجود اور کم یاب ہیں اس لیے اس سلسلے کے مریدوں اور محبوں پر واجب ہے کہ اس سلسلہ کے بزرگوں اور طالبوں کی امداد اعانت کریں۔

سنت کو زندہ کرنا: (مکتوب ۱۰۵ دفتر سوم) آپ نے بدعتوں کو دور کرنے کی نسبت کچھ حال لکھا ہے یہ کیسی اعلیٰ نعمت ہے کہ اس بدعتوں کی تاریکی سے بھرے ہوئے زمانے میں حق تعالیٰ کسی صاحب دولت کو یہ توفیق عطا کر دے کہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو دور کرے۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص سنت کو زندہ کرے اور بعد ازاں کہ اسکا عمل دور ہو چکا ہو اس شخص کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ امر فتنہ کے بیدار کرنے تک نہ پہنچے اور ایک نیکی بہت سی برائیوں کے اظہار کا باعث نہ ہو کیونکہ آخیرِ زمانہ ہے اور ضعف اسلام کا وقت ہے تمام مسلمانوں کو شریعت کی متابعت اور سنت کے بجالانے کی رہنمائی کریں اور بدعتوں کو اختیار کرنے سے ڈرائیں۔

(مبداء و معاد) ان لوگوں پر مجھے تعجب آتا ہے کہ دین حالانکہ وہ مکمل اور پورا ہے نئی شاخیں نکالتے ہیں اور ان سے دین متین کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں اور اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کہیں بدعت رفع نہ ہو جائے مثلاً (پگڑی) کے شملہ کو دونوں کندھوں کے بیچ رکھنا سنت ہے لیکن بہت بہت سوں نے شملے کو بائیں طرف لٹکانا اختیار کیا ہے۔ اس عمل سے وہ مردوں سے مشابہت پیدا کرنی چاہتے ہیں بہت سے لوگوں نے اس معاملہ میں انکی پیروی کی ہے۔ یہ فعل سنت سے بدعت سے حرمت تک پہنچا تا ہے کیا سرور کائنات، فخرِ موجودات ﷺ سے مشابہ ہونا اچھا ہے یا مُردوں سے۔ جناب سرور کائنات ﷺ مرنے سے پہلے موت سے مشرف ہوئے۔ اگر مُردے ہی سے تشبیہ درکار ہے تو آنحضرت ﷺ سے کرو اور عجب بات ہے کہ مُردے کو عمامہ پہنانا ہی بدعت ہے چہ جائیکہ شملہ چھوڑا جائے۔ بعض متاخرین نے جو عالم کی میت کے لیے عمامہ جائز قرار دیتے ہیں میری رائے میں زیادتی نسخ اور نسخ عین رفع ہے۔

سنت شریعت اور حقیقت

شریعت: (مکتوب ۴۶ دفتر دوم) ولایت کو طہارت یعنی وضو کی طرح سمجھنا چاہیئے اور شریعت کو نماز کی طرح۔ طریقت میں حقیقی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور حقیقت میں حکمی نجاستیں رفع ہوتی ہیں تا کہ کامل طہارت کے بعد احکام شرعیہ کے بجالانے کے لائق ہو جائیں اور نیز وہ ذکر جو اسم صفت سے واقع ہو وہ ذکر وسیلہ ہے جو شرعی حدود کو مدنظر رکھنے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ تمام امور میں شرعی احکام کا مدنظر رکھنا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل محبت کے بغیر میسر نہیں ہوتا اور یہ کامل محبت حق تعالیٰ کے اسم وصفت کے ذکر پر موقوف ہے شریعت ظاہر اعمال کا نام ہے ظاہر شریعت ہمیشہ کے ساتھ ہمیشہ مکلف ہے پس اس جہان میں ظاہر و باطن کے لیے شریعت کا ہونا ضروری ہے ظاہر کا کام شریعت پر عمل کرنا ہے اور اسکے نتائج وثمرات باطن کے نصیب ہوتے ہیں پس شریعت تمام کمالات کی ماں اور تمام مقامات کا اصل ہے شریعت کے نتائج وثمرات صرف اسی دنیاوی جہان پر موقوف نہیں ہیں بلکہ آخرت کے کمالات اور دائمی ناز ونعمت بھی شریعت کے نتائج وثمرات ہیں گویا شریعت شجرہ طیبہ ہے جسکے پھلوں اور میووں سے لوگ اس جہان میں بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور بہت سے فائدے اس سے حاصل کرتے ہیں۔

(مکتوب ۵۰ دفتر دوم) شریعت کی ایک صورت اور ایک حقیقت ہے صورت شریعت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ اور ان تمام چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہیں ایمان لانے کے بعد نفس امارہ کی منازعت، سرکشی اور طغیان کے باوجود جو اسکی طبیعت میں رکھا گیا ہے احکام شریعت سے بجالانا ہے۔ اس مقام میں اگر ایمان ہے تو ایمان کی صورت ہے اور اگر نماز روزہ ہے تو نماز روزہ کی صورت ہے تمام احکام شریعہ کا اسی پر قیاس ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ صرف صورت کو قبول فرما کر جنت کی خوشخبری دی ہے جو اسکی رضا کا مقام ہے اور یہ اسکا احسان ہے کہ نفس ایمان میں تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نفس کے مان لینے کی تکلیف نہیں فرمائی لیکن یاد رہے کہ ولایت (خاصہ) تک پہنچنے کی منزلوں کا طے کرنا شریعت کے اعمال پر واسطہ ہے ذکر الٰہی جل شانہٗ جو اس راہ میں سب سے بہتر اور عمدہ ہے شرعی امور میں سے ہے اور ملیہات سے بچنا بھی اس راہ کی ضروریات میں سے ہے اور فرائض کا ادا کرنا مقربات میں سے ہے اور راہ بین رہنما پیر کا طلب کرنا تا کہ وسیلہ ہو سکے شرعی مامور ہے کیونکہ ولایت ونبوت کے تمام کمالات کی جڑ احکام شرعی ہیں۔ کمالات ولایت صورت شریعت کا نتیجہ ہیں جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس مقام اطمینان میں آجاتا ہے اور حکم الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے۔ تو حقیقی اسلام

میسر ہوتا ہے اور ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے بعد ازاں جو کچھ عمل میں آئے گا شریعت کی حقیقت ہوگی۔ اگر نماز ادا کریگا تو نماز کی حقیقت ہوگی۔ اور اگر روزہ یا حج ہے تو روزہ و حج کی حقیقت گی۔ دوسرے احکام شرعیہ کا بجالانا بھی اسی قیاس پر ہوگا۔ پس طریقت و حقیقت دونوں شریعت کی صورت اور اسکی حقیقت کے درمیان متوسط ہیں جب تک ولایت خاصہ سے مشرف نہ ہوں اسلام مجازی ہے اسلام حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب سالک محض فضل خداوندی سے شریعت کی حقیقت کے ساتھ آراستہ ہو جاتا ہے اور اس کو حقیقی اسلام میسر ہو جاتا ہے۔ جس طرح شریعت کی صورت کمالات ولایت کے لیے شجرہ طیبہ یعنی پاک درخت کی طرح ہے گویا کمالات ولایت صورت شریعت کے ثمرات ہیں۔ اسی طرح شریعت کی حقیقت بھی کمالات نبوت کے لیے شجرہ طیبہ کی طرح ہے اور کمالات نبوت گویا حقیقت شریعت ہیں جاننا چاہیے کہ جس طرح صورت شریعت اور حقیقت شریعت کے درمیان فرق نفس کی جہت سے پیدا ہوا تھا یعنی صورت شریعت میں نفس امارہ نافرمان اور اپنے انکار پر تھا اور حقیقت شریعت میں نفس مطمنہ اور مسلمان ہوگیا ہے میں کہتا ہوں کہ شریعت ہے اس کام کا اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے پس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے اور ہر شخص اسکے احکام بجالانے کا محتاج ہے۔

(مکتوب ۲۰ دفتر سوم) اور احکام شرعیہ کے بجالانے میں بڑی رعایت و کوشش کرنی چاہیے کیونکہ احوال صادق ہونے کی علامت شریعت کی استقامت ہے۔

(مکتوب ۱۴۳ دفتر اول) اور تمام کشفی علوم بظاہر شریعت کے مطابق ہو گئے اور ظاہر شریعت سے سرمو مخالفت نہ دیکھی اور یہ جو بعض صوفیہ کشفوں کو ظاہر شریعت کے مخالف بیان کرتے ہیں یا سہو سے ہے یا سکر کی وجہ سے باطن ظاہر کے کچھ مخالف نہیں ہے اثنائے راہ میں سالک کو مخالفت نظر آتی ہے اور توجیہ اور جمع کی طرف محتاج ہوتا ہے لیکن منتہی حقیقی باطن کو ظاہر شریعت کے موافق معلوم کرتا ہے۔

(مکتوب ۳۶ دفتر اول) شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم عمل اور اخلاص جب تک یہ تینوں چیزیں متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہوگئی تو گویا حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوگئی۔ جو دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے پس شریعت دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں جس کے حاصل کرنے لے لیے شریعت کے سوا اور کسی چیز کی طرف حاجت پڑے طریقت اور حقیقت جن سے صوفیہ ممتاز ہیں تیسری جزو یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کیخادم ہیں پس ان دونوں کی تکمیل سے مقصد شریعت کی تکمیل ہوتی ہے نہ کوئی اور امر شریعت کے سوا احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیہ کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں اصلی مقصود نہیں ہیں

بلکہ وہم وخیالات ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے اور ان سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہیے جو مقام جذب اور سلوک کا نہایت ہے کیونکہ طریقت اور حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اخلاص حاصل ہو جائے جو مقام رضا کو مستلزم ہے تین قسم کی تجلیوں اور عارفانہ مشاہدوں سے گزر کر ہزاروں میں سے کسی ایک کو اخلاص اور مقام رضا کی دولت تک پہنچاتے ہیں اس مطلب کی حقیقت حضرت حبیب اللہ ﷺ کی طفیل اس فقیر پر اس راستہ میں پورے دس سال کے بعد ظاہر ہوئی اگرچہ ابتداء میں ہی سے احوال ومواجید کی گرفتاری نہ رکھتا تھا اور شریعت کی حقیقت سے متحقق ہوئے بغیر اور کوئی مطلب مدنظر نہ تھا لیکن بیس ۲۰ سال کے بعد اصل حقیقت کما حقہ ظاہر ہوئی۔

سب سے بہتر ہدایت: (مکتوب ۴۱ دفتر اول) حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جو چیز کو خوب اور مرغوب ہے وہ حق تعالیٰ کے محبوب کے لیے ہیں آنحضرت ﷺ کی ملت کو صراط مستقیم کہا اور اسکے ماسوا کے ٹیرھے راستوں میں داخل فرمایا اور انکی تابعداری سے منع فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے خدا کا شکر کرتے ہوئے اور خلق کو ہدایت کا نشان بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ سب ہدایتوں سے بہتر ہدایت حضرت محمد ﷺ کی ہے اور نیز فرمایا ہے کہ مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور میری تعلیم وتادیب اچھی طرح کی اور باطن ظاہر کو پورا کرنے والا ہے اور بال بھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتے مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خطرہ دور کرنا طریقت اور حقیقت ہے یعنی اگر یہ نفی تکلف اور بناوٹ سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلف کے بغیر حاصل ہے تو حقیقت ہے پس حقیقت میں باطن جسکو طریقت اور حقیقت کہتے ہیں ظاہر کو جو شریعت ہے پورا اور کامل کرنے والا ہے۔

(مکتوب ۴۴ دفتر اول) جب آنحضرت ﷺ خدائے تعالیٰ کے محبوب ہیں تو حضور کے تابعدار بھی آپ کی تابعداری کے باعث محبوبیت کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ محب اور عاشق اس شخص کو بھی جس میں اپنے محبوب کی عادتیں اور خصلتیں رکھتا ہے اپنا محبوب ہی جانتا ہے اور مخالفوں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

(مکتوب ۴۸ دفتر اول): اور طالب علموں کے مقدم سمجھنے میں شریعت کی ترویج ہے۔ شریعت کے اٹھانے والے یہی لوگ ہیں اور مصطفوی مذہب ﷺ ان کے ساتھ قائم ہے۔ کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہ پوچھیں گے۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے حکم بجالانے پر منحصر ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ جو تمام مخلوقات سے بہتر شرائع کی طرف دعوت کی ہے اور اپنی

تمام زندگی میں اسی پر رہے ہیں اوران بزرگوں کی پیدائش سے مقصود ہی احکام شریعت کا لوگوں تک پہنچانا ہے پس سب سے بڑی بھاری نیکی یہی ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اسکے احکام میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کی جائے

(مکتوب ۷۵ دفتر اول) حقیقت اور طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت اور طریقت سے مراد ہیں نہ یہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت وحقیقت کچھ اور کہ یہ الحاد اور زندقہ ہے

(مکتوب ۵۹ دفتر اول) غرض علم وعمل دونوں شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص کا حاصل ہونا جو علم وعمل کے لیے روح کی طرح ہے طریق صوفیہ پر چلنے پر منحصر ہے۔ جب تک سیر الی اللہ نہ قطع کریں اور سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق نہ ہو جائیں۔

تمام شرائع کا خلاصہ: (مکتوب ۷۹ دفتر اول) ثابت ہو چکا ہے محمد رسول اللہ ﷺ اعتدال کے طور پر تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کے جامع اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مظہر ہیں۔ وہ کتاب جوان پر نازل ہوئی ہے تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ ہے اور نیز وہ شریعت جو آنحضرت ﷺ کی عطا ہوئی ہے تمام گزشتہ شریعتوں کا خلاصہ اور اقتباس ہے اور وہ اعمال جو اس شریعت حقہ کے موافق ہیں سب گزشتہ شریعتوں بلکہ فرشتوں کے اعمال سے منتخب ہیں کیونکہ بعض فرشتوں کو رکوع کا حکم ہے اور بعض کو سجدے کا اور بعض کو قیام کا۔ اس شریعت میں گزشتہ امتوں کا اور مقرب فرشتوں کے اعمال کا خلاصہ انتخاب کر کے ان کے بجالانے کا حکم فرمایا۔ پس اس شریعت کو سچا جاننا اور اسکے مطابق عمل کرنا در حقیقت تمام شریعتوں کی تصدیق کرنا اور انکے موافق عمل بجالانا ہے پس ثابت ہوا کہ اس شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں میں سے بہتر ہونگے۔ آنحضرت ﷺ کے منکر اور اس شریعت کی تکذیب کرنے والے تمام امتوں سے بدتر ہونگے۔

شریعت اور حقیقت: (مکتوب ۸۴ دفتر اول) مقصود یہ ہے کہ شریعت اور حقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور حقیقت میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ فرق صرف اجمال اور تفصیل اور کشف و استدلال ہے اور غیبت وشہادت اور تعمل اور عدم تعمل کا ہے۔ وہ احکام وعلوم جو شریعت روشن کے موافق ظاہر معلوم ہوئے ہیں حق الیقین کی حقیقت ثابت ہونے کے بعد یہی احکام وعلوم بعینہ تفصیل کے طور پر منکشف ہو جاتے ہیں اور غیبت سے شہادت میں آجاتے ہیں اور کسب کا تکلف اور عمل کی بناوٹ درمیان سے اٹھ جاتی ہے اور حق الیقین کی حقیقت تک پہنچنے کی علامت اس مقام کے علوم و معارف کا شرعی علوم و معارف کے ساتھ ہونا ہے اگر بال بھر بھی مخالفت ہو تو حق الیقین تک نہ پہنچنے کی دلیل ہے اور مشائخ

طریقت میں سے جس کسی سے علم وعمل میں خلاف شریعت صادر ہوا ہے وہ سکر وقت پر مبنی ہے اور سکر وقت اثنائے راہ میں واقع ہوتا ہے نہایت النہایت کے منتہی لوگوں کو سب صحو اور ہوشیاری ہے اور وقت ان کا مغلوب ہے اور حال ومقال انکے کمال کے تابع پس ثابت ہوا خلاف شریعت کا صادر ہونا حقیقت کار تک نہ پہنچنے کی علامت ہے بعض مشائخ کی عبارتوں میں واقع ہے کہ شریعت حقیقت کا پوست ہے اور حقیقت شریعت کا مغز۔ یہ عبارت اگراس کلام کے بولنے والے کی بے استقامتی ظاہر کرتی ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ مجمل کو مفصل کے ساتھ وہ نسبت ہے جو مغز کو پوست کے ساتھ ہے اور استدلال کشف کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے مغز کے مقابلے میں پوست لیکن مستقیم الاحوال بزرگوار اس قسم کی موہومی عبارت لانا پسند نہیں کرتے اور اجمال وتفصیل اور کشف واستدلال کے سوا اور فرق نہیں بتاتے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے کسی نے سوال کیا کہ سیر۔۔۔ سے کیا مقصود ہے تو فرمایا یہ کہ معرفت اجمالی تفصیلی ہو جائے اور استدلال کشفی بن جائے۔

(مکتوب ۹۱ دفتر اول) شریعت کے اعمال اور طریقت وحقیقت کے کچھ احوال سے صرف اور صرف نفس کا پاک کرنا مقصود ہے نیز دل کو صاف کرنا ہے، جب تک نفس پاک اور دل تندرست نہ ہو جائے ایمان حقیقی جس پر نجات کا دارومدار ہے حاصل نہیں ہوتا۔اور دل کی حقیقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ حق تعالیٰ کا غیر، ہرگز دل پر نہ گزرے اگر ہزار سال بھی گزر جائیں تو بھی دل میں غیر کا گزر نہ ہو۔

نجات کا راستہ: (مکتوب ۶۳ دفتر اول) نجات کا راستہ شریعت ہی ہے اور شریعت کے بعد جو کچھ ہے سب باطل اور بے اعتبار ہے۔ ''حق کے بعد سوائے گمراہی کے کچھ نہیں''۔

شریعت کا ظاہر و باطن: (مکتوب ۲۷ دفتر اول) شریعت کیلیے ایک صورت یعنی ظاہر ہے اور اسکی حقیقت یعنی باطن ہے اسکی صورت وہ ہے جو علمائے ظاہر اس کے بیان کے ذمہ دار ہیں اور حقیقت وہ ہے جس سے صوفیاء ممتاز ہیں شریعت کی صورت کا نہایت عروج سلسلہ ممکنات کی نہایت تک ہے، بعد ازاں اگر وجود کے مرتبوں میں سیر واقع ہو تو صورت حقیقت کے ساتھ مل جائے گی اور اس آمیزش کا معاملہ بھی شان علم کے عروج تک ہے جو سید البشر ﷺ کے تعین کا مبدا ہے اسکے بعد ترقی واقع ہو تو صورت وحقیقت دونوں کو وداع کریں گے۔ اگر عارف کا معاملہ شان حیات سے جا پڑے گا اور اس عظیم الشان عالم کے ساتھ کچھ مناسب نہیں ہے۔ یہ شان حقیقی شیونات سے ہے جس کو اضافت کی گرد نہیں پہنچی تا کہ جہان سے تعلق پیدا کرے اور یہ شان مقصود کا دروازہ اور مطلوب کا مقدمہ ہے۔اس مقام میں عارف اپنے

آپ کودائرہ شریعت سے باہر پاتا ہے لیکن چونکہ محفوظ ہے اس لیے شریعت کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا اور وہ لوگ اس اعلیٰ دولت سے مشرف ہوئے ہیں بہت ہی تھوڑے ہیں۔صوفیہ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس مقام عالی کے ظلال تک پہنچے ہیں کیونکہ ہر مقام عالی کے لیے اظل ہیں اسکے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔انہوں نے سمجھا ہے کہ قدم دائرہ شریعت سے باہر رکھا ہے اور پوست کو چھوڑ کر مغز تک پہنچ گئے ہیں۔یہ مقام صوفیہ کے قدموں کے پھسلنے کی جگہ ہے۔بہت سے ناقص اس طریق سے الحاد و زندقہ میں جا گرے ہیں اور شریعتِ غرّا کی تابعداری سے سر نکال لیا ہے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کیا کامل لوگ جو ولائیت کے درجوں میں سے کسی درجہ میں مشرف ہوئے ہیں اور اس مقام عالی کی ظلال میں سے کسی ظل میں اس معرفت کو حاصل کیا ہے اگرچہ اس مقام کے اصل تک نہیں پہنچے لیکن محفوظ ہیں اور شریعت کے آداب میں سے کسی ادب کو فروگزاشت کرنا پسند نہیں کرتے اگرچہ اس معرفت کے بھید کو نہیں جانتے اور اصل معاملہ کو نہیں سمجھتے۔جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اسکے حبیب ﷺ کے صدقہ سے اس فقیر پر اس معمہ کا بھید منکشف ہو گیا ہے اور اصل معاملہ جیسا کہ چاہئے واضح و روشن ہو گیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ شرعی تکلیفات قالب اور قلب پر مخصوص ہیں کیونکہ تزکیہ نفس ان ہی پر موقوف ہے۔اور وہ لطیفے جو دائرہ شریعت سے باہر قدم رکھتے ہیں وہ ان کے ماسوا ہیں پس جو شریعت سے مکلّف ہے اور ہمیشہ مکلّف ہے اور جو مکلّف نہیں ہے وہ ہرگز مکلّف نہیں ہوگا۔حاصل کلام یہ ہے کہ سلوک سے پہلے لطائف ایک دوسرے سے ملے جلے ہوتے ہیں اور قلب سے جدائی نہیں رکھتے۔جب سیر و سلوک سے ہر ایک کو دوسرے سے جدا کیا اور اپنے اصلی مقام میں پہنچایا تو معلوم ہوا کہ مکلّف کون تھا اور غیر مکلّف کون (اگر عارف اپنے قلب اور قالب کو بھی دائرہ شریعت سے باہر پاتا ہے) تو وہ پانا تحقیقی نہیں ہے بلکہ تخیلی ہے اور اس تخیل کا منشاء قلب و قالب کا ان لطائف میں سے جنہوں نے قدم باہر رکھا ہے زیادہ لطیف لطیفے کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔شریعت کی حقیقت بھی روح اور سرّ سے آگے نہیں گذرتی اور خفی و اخفیٰ تک نہیں پہنچتے اور قدم باہر رہے حقیقت میں یہی خفی اور اخفیٰ ہیں۔

اہلِ سنّت و الجماعت : (مکتوب ۲۱۳ دفتر اول) تمام نصیحتوں کا خلاصہ دینداروں اور شریعت کے پابند لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا ہے اور دین و شریعت کا پابند ہونا تمام اسلامی فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنّت والجماعت کے طریقہ حقہ کے سلوک سے وابستہ ہے اور ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر نجات محال ہے اور انکے عقائد کے اتباع کے بغیر خلاصی دشوار ہے تمام عقلی اور نقلی اور کشفی

دلیلیں اس بات پر شاہد ہیں۔ اگر معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص ان بزرگواروں کے سیدھے راستے سے ایک رائی کے برابر بھی الگ ہو گیا تو اسکی صحبت کو زہر قاتل جاننا چاہیے اور اسکی ہم نشینی کو زہر مار خیال کرنا چاہیے۔

صحیح اعتقاد:۔ (مکتوب ۲۸۶ دفتر اول) معلوم ہونا چاہیے کہ طریق سالک کی جملہ ضروریات میں سے ایک اعتقاد صحیح ہے جسکو علمائے اہل سنت والجماعت نے کتاب وسنت اور آثار سلف سے استنباط کیا ہے اور کتاب وسنت کو ان معانی پر محمول رکھنا بھی ضروری ہے جن محمول معانی کو تمام علمائے اہل حق یعنی اہل سنت نے اس کتاب وسنت سے سمجھا ہے اور اگر بالفرض کشف والہام کے ساتھ ان معانی مفہوم کے برخلاف کوئی امر ظاہر ہو تو اسکا اعتبار نہ کرنا چاہیے اور اس سے پناہ مانگنی چاہیے مثلاً وہ آیات واحادیث جن کے ظاہر سے توحید وجودی سمجھی جاتی ہے اور ایسے ہی احاطہ وسریان اور قرب ومعیت ذاتیہ معلوم ہوتے ہیں جب علمائے حق نے ان آیات واحادیث سے یہ معنی نہیں سمجھے ہیں تو اگر اثنائے راہ میں سالک پر یہ معانی منکشف ہو جائیں اور سوائے ایک کے ایک کو موجود نہ پائے اور اسکو محیط بالذات جانے از روئے ذات کے قریب جانے اگرچہ اس وقت وہ غلبہ وحال اور سکر وقت کے باعث معذور ہے لیکن اسکو چاہیے کہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء اور زاری کرتا رہے غرض علمائے اہل حق کے معانی مفہوم کو اپنے کشف کا مصداق اور اپنے الہام کی کسوٹی بنانا چاہیے کیونکہ وہ معانی جو انکے مفہومہ معانی کے برخلاف ہیں محل اعتبار سے ساقط ہیں کیونکہ ہر مبتدع یعنی بدعتی اور ضال یعنی گمراہ کتاب وسنت ہی کو اپنے معتقدات کا مقتدا جانتا ہے اور اپنے ناقص فہم کے موافق اسی سے معنی غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے۔

صوفیہ اور شریعت: صوفیہ کے معتقدات آخر کار یعنی منازل سلوک طے کرنے اور ولایت کے اعلیٰ درجات تک پہنچنے کے بعد بعینہ علمائے اہل حق کے یہی معتقدات ہیں۔ علماء ان کو نقل واستدلال سے حاصل کرتے ہیں اور صوفیہ کشف والہام سے اگرچہ بعض صوفیہ کو اثنائے راہ میں سکر وقت اور غلبہ حال کے باعث ان معتقدات کے مخالف امور ظاہر ہوتے ہیں لیکن اگر انکو ان مقامات سے گزار کر نہایت کا تک پہنچائیں تو وہ امور گرد کی طرح اڑ جاتے ہیں اور اگر اس مخالفت پر رہیں تو بھی امید ہے کہ اس مخالفت پر انکو مواخذہ نہ کرینگے ان کا حکم مجتہد مخطی کا حکم ہے یعنی مجتہد نے استنباط میں خطا کی اور صوفیہ نے کشف میں صوفیہ کی جملہ مخالفات میں سے ایک وحدت وجود احاطہ اور قرب ومعیت ذاتیہ کا حکم ہے اور ایسے ہی صفات سبعہ یا ثمانیہ کے وجود سے ان کا انکار ہے۔ جو ذات باری تعالیٰ پر وجود زاید کے ساتھ خارج میں موجود ہے کیونکہ علمائے اہل سنت صفات کو حق تعالیٰ کی ذات پر وجود زاید کے ساتھ خارج میں موجود

جانتے ہیں ان کا انکار اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت انکے صفات کے آئینہ میں انکو حق تعالیٰ کی ذات مشہود ہوتی ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ دیکھنے والے کی نظر سے آئینہ پوشیدہ رہتا ہے پس اس اختصار کے باعث خارج میں انکے عدم وجود کا حکم کر دیتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ اگر خارج میں موجود ہوتیں تو مشہود ہوتیں اور علماء پر اس سبب سے کہ انہوں نے صفات کے وجود کی حکم دیا ہے طعن کرتے ہیں بلکہ کفر اور ثنویہ یعنی دو بینی کا حکم کرتے ہیں اگر ان کو اس مقام سے ترقی ہو جاتی اور ان کا مشہود اس پردے سے نکل آتا اور مراتیب کا حکم زائل ہو جاتا تو صفات کو جدا دیکھتے اور انکار کا حکم نہ کرتے اور انکی نوبت علماء بزرگوار کے طعن تک نہ پہنچتی۔

ان جملہ مخالفات میں دوسری یہ ہے کہ یہ لوگ بعض ایسے نادر کا حکم کرتے ہیں جو واجب تعالیٰ کے ایجاب کو مستلزم ہے۔ اگرچہ یہ لوگ ایجاب کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے اور ارادہ کو ثابت کرتے ہیں لیکن درحقیقت ارادہ کی نفی کرتے ہیں۔ اس حکم میں یہ لوگ تمام اہلِ ملّت کے مخالف ہیں۔ ان امور میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات کا حکم کرتے ہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ قدرت کے ساتھ قادر ہے (اگر چاہے گا کرے گا اور نہ چاہے گا نہ کریگا) کیونکہ شرطیہ اولیٰ کو واجب الصدق جانتے ہیں اور شرطیہ ثانیہ کو ممتنع الصدق۔

یہ قول بھی ایجاب تک پہنچ جاتا ہے بلکہ قدرت کا ان معنی کے لحاظ سے بھی انکار ہے جو اہلِ ملت کے نزدیک ثابت اور مقرر ہیں کیونکہ ان کے نزدیک قدرت کے معنی فعل اور ترک کے ہیں اور انکے قول کا وجوب اور ترک کا امتناع لازم آتا ہے اور ان امور میں سے دوسرا یہ ہے کہ مسئلہ قضا و قدر کی تخصیص میں ان کا بیان اسی طرح ہے جس کا ظاہر ایجاب ہے۔ ایجاب سے قطع نظر کر کے حق تعالیٰ کو کسی کا محکوم بنانا اور کسی کو اس پر حاکم مقرر کرنا بہت ہی برا ہے اور بھی اس قسم کی بہت سی مخالفتیں ہیں (مثلاً حق سبحانہ کی رویت تجلّیٔ صوری کے سوا ناممکن ہے) یہ قول بھی حق تعالیٰ کی رویت کے انکار کو مستلزم ہے کیونکہ وہ رویت جو انہوں نے تجلّی صوری میں تجویز کی ہے درحقیقت حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے وہ شبہ و مثال کی رویت ہے۔

یہ لوگ اگر اس بات کے قائل ہیں کہ کاملین کے ارواح ازلی اور قدیم ہیں۔ ان کا یہ قول بھی اہل اسلام کے مخالف ہے کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک تمام عالم مع اپنے اجزاء کے محدث ہے اور ارواح بھی جملہ عالم میں سے ہے کیونکہ تمام ماسوائے اللہ کا نام عالم ہے سالک کو چاہیے کہ حقیقت کار تک پہنچنے سے پہلے اپنے کشف والہام کے برخلاف علمائے اہل حق کی تقلید لازم جانے اور علماء کو حق پر اپنے آپ کو خطا پر خیال

کرے کیونکہ علماء کی مسند انبیائے علیھم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید ہے جنکی تائید وحی قطعی سے کی گئی ہے اور خطا اور غلط سے معصوم ہیں اور کشف والہام وحی کے ساتھ ثابت ہو چکے۔

احکام کی مخالف ہونے کی صورت میں سراسر خطا اور غلط ہیں پس اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم کرنا درحقیقت احکام قطعیہ منزلہ پر مقدم کرنا ہے اور یہ عین گمراہی اور محض خسارہ ہے اور نیز جس طرح کتاب و سنت کے موافق اعتقاد کا درست کرنا ضروری ہے اسی طرح ان کے موافق جیسے کہ علمائے مجتہدین نے کتاب وسنت سے استنباط فرمایا ہے اور احکام حلال و حرام اور فرض و واجب و مستحب و مکروہ و مشتبہ ان سے نکالے ہیں ان کا علم و عمل بھی ضروری ہے۔ مقلد کو لائق نہیں کہ مجتہد کی رائے کے برخلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے اور عمل کرنے میں اس مجتہد کی رائے کے برخلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے اور عمل کرنے میں اس مجتہد کے مذہب سے جس کا وہ تابع ہے قول مختار اختیار کرے اور رخصت سے اجتناب کر کے عزیمت پر عمل کرے۔

شریعت کے دو اجزاء: (مکتوب ۷، دفتر اول) شریعت کے دو جزو ہیں۔ ایک اعتقادی اور دوسرا عملی۔ اعتقاد دین کا اصل ہے اور عمل اسکی فرع۔ جو شخص اعتقاد کا منکر ہو وہ اہل نجات میں سے نہیں ہے اسکے حق میں عذاب آخرت سے خلاصی متصور نہیں اور جس شخص میں عمل مفقود ہو اسکے لیے نجات کی امید ہے اسکا معاملہ حق تعالیٰ کی مرضی کے سپرد ہے خواہ معاف کرے خواہ گناہوں کے موافق عذاب دے۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنا اعتقاد اور ضروریات دین کے منکر کے لیے مخصوص ہے اور عمل نہ کرنے والا اگرچہ عذاب میں داخل کیا جائے گا لیکن دوزخ کا دائمی عذاب اسکے حق میں مفقود ہے۔

سنت کو زندہ کرنا: (مکتوب ۸۷ دفتر دوم) جو شخص سنتوں میں سے کسی سنت کو جو متروک عمل ہو چکی ہو زندہ کرے تو اسکے لیے سو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب ہے پھر معلوم کرنا چاہیے کہ جب کوئی فرض یا واجب کو زندہ کرے گا تو اسکو کس قدر ثواب ملے گا۔ نماز میں ارکان برابر کرنا جو علمائے حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اکثر لوگوں نے اس امر کو ترک کر دیا ہوا ہے۔ اس ایک عمل کا زندہ اور جاری کرنا سو شہیدوں کے ثواب سے زیادہ ہوگا

تمام روحانی ترقیاں شریعت پر منحصر ہیں۔ (مکتوب ۲۷۶ دفتر اول) اور جہان آخرت میں جو حقائق کا ظہور ہے وہاں حقائق سے صورتوں کا الگ ہونا حاصل ہے پس ہر جہان کا حکم علیحدہ ہے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ سوائے اس جاہل یا زندیق کے جسکا مقصود شرائع کا باطل کرنا ہے غلط ملط نہیں کرتا کیونکہ شریعت کا جو حکم مبتدی پر ہے وہی حکم منتہی پر ہے۔ عام مومنین اور اخص خواص عارف اس میں

مساوی اور برابر ہیں اکثر کچے متصوفہ اور بے سروسامان ملحد اس امر کے در پے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو جائے تو پھر شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتے ہیں اور اس آیت کو بطریق شہادت پیش کرتے ہیں کہ "اپنے رب کی عبادت کر حتّٰی کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے" اور یقین کے معنی اللہ کرتے ہیں عارفوں کو عبادت کی اس قدر حاجت ہے کہ اسکا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں ہے کیونکہ انکے عروج عبادات سے وابستہ ہیں اور انکی ترقیاں شرائع اور احکام بجالانے پر منحصر ہیں۔

عبادات کے ثمرے اور فائدے جنکی امید عوام کو قیامت کے دن ہے عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں پس یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اور انکو شریعت کی زیادہ حاجت ہے۔ جاننا چاہیئے کہ شریعت صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے مراد ہے صورت ظاہر شریعت ہے اور حقیقت باطن شریعت پس قشر ولب یعنی پوست اور مغز دونوں شریعت کے اجزاء ہیں محکم و متشابہ دونوں اسکے افراد۔۔۔ایک جماعت نے صورت کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا یہ لوگ علمائے قشر ہیں دوسری جماعت کے لوگ اسکی حقیقت میں گرفتار ہو گئے لیکن شریعت کو حقیقت نہ جانا بلکہ صورت شریعت کو صورت پر محدود رکھا۔ اور قشر خیال کیا۔ باوجود اسکے احکام شریعت کے بجالانے سے سرِ مو نہ ہٹے اور صورت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ احکام شریعت میں سے کسی حکم کے ترک کرنے والے کو بطال اور ضال یعنی جھوٹا اور گمراہ سمجھا۔ یہ لوگ خدائے تعالیٰ کے اولیاء ہیں جنہوں نے حق تعالیٰ کی محبت میں اسکے ماسوائے سے قطع تعلق کیا ہے۔ ایک اور گروہ کے لوگ ہیں جو شریعت کی صورت اور حقیقت سے مرکب جانتے ہیں اور قشر ولب کا مجموعہ کا یقین کرتے ہیں۔ انکے نزدیک شریعت صورت کا حاصل ہونا اسکی حقیقت کے حاصل ہونے کے بغیر اعتبار سے ساقط ہے اور اسکی حقیقت کا حاصل ہونا صورت کے اثبات کے بغیر ناتمام و ناقص ہے بلکہ صورت کے حال ہونے کو جو حقیقت کے ثبوت کے بغیر ہو اسکو بھی اسلام ہی سے جانتے ہیں اور نجات بخش تصور کرتے ہیں جیسے کہ علمائے ظاہر اور عام مؤمنین کا حال ہے اور صورت کے بغیر حقیقت کا حاصل ہونا محال ہے تصور کرتے ہیں اور اسکے قائل کو زندیق اور گمراہ کہتے ہیں غرض تمام ظاہری باطنی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک کمالات شرعیہ پر منحصر ہیں۔ یہ لوگ علمائے راسخین ہیں جنکو حقیقت پر اطلاع دی گئی ہے اور آداب شریعت کی حقیقت تک پہنچا دیا ہے برخلاف فرقہ ثانیہ کے۔ اگرچہ وہ بھی حقیقیت کی طرف متوجہ اور اسکے ساتھ گرفتار ہیں اور حتی المقدور شریعت کے بجالانے سے سرمو تجاوز نہیں کرتے ہیں چونکہ انہوں

نے حقیقت کو شریعت کے سوا جانا ہے اور شریعت کو اس حقیقت کا پوست تصور کیا ہے اسلیے اس حقیقت کے ظلال میں سے کسی ظل میں رہ گئے ہیں اور اس حقیقت کے اصل معاملہ تک پہنچنے کی راہ نہیں پائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ولائیت ظلی ہے اور ان کا قرب صفاتی بر خلاف علمائے راسخین کی ولایت کے کہ اصلی ہے اور انہوں نے اصل تک پہنچنے کا راستہ پالیا ہے پس انکی ولایت انبیا کرام کی ولایت ہے اور اُن کی ولایت انبیا کرام کی ولایت کا ظل ہے

سنت کی پابندی: (مکتوب ۱۱۴ دفتر اول) بزرگی سنت کی تابعداری سے وابستہ ہے اور زیادتی (ترقی) شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے مثلاً دوپہر کا سونا جو اس تابعداری کے باعث واقع ہو کروڑوں شب بیداریوں سے جو اس تابعداری کے موافق نہ ہوں اُولیٰ و افضل ہے۔ ایسے ہی عیدالفطر کے دن کھانا جسکا شریعت نے حکم کیا ہے خلاف شریعت دائمی روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ شارع علیہ السلام کے حکم (کے مطابق) جتیل کا دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے بزرگ تر ہے پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی تابعداری ہے اور تمام خساروں کی جڑ شریعت کی مخالفت ہے

اہلِ سنت والجماعت۔ (مکتوب ۸۰ دفتر اول) تہتر فرقوں میں سے ایک فرقہ شریعت کی تابعداری کا مدعی ہے اور اپنی نجات کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ دلیل جو پیغمبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے ان متعدد فرقوں میں سے ایک فرقہ ناجیہ کے لیے بیان فرمائی ہے یہ ہے کہ "وہ فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو اس طریق پر ہیں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں"۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ فرقہ جس نے آنحضرت ﷺ کے اصحاب کی تابعداری کو لازم پکڑا ہے اہل سنت ہی ہیں پس یہی لوگ فرقہ ناجیہ ہیں کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے اصحاب کو طعنہ لگانے والے انکی اتباع سے محروم ہیں جیسے کہ شیعہ اور خارجیہ اور معتزلہ خود نیا مذہب رکھتے ہیں۔ ان کا رئیس واصل بن عطا حضرت امام بصریؒ کے شاگردوں میں سے تھا جو ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کے باعث حضرت امام (بصریؒ) سے جدا ہو گیا اور حضرت امامؒ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ ہم سے جدا ہو گیا۔ اسی طرح باقی فرقوں کو قیاس کر لیں اور اصحاب کے حق میں طعنہ کرنا درحقیقت پیغمبر خدا ﷺ کو طعنہ لگانا ہے۔ جس نے اصحاب کی عزت و تعظیم نہیں کی وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لایا کیونکہ ان سے حسد انکے صاحب کے حسد تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔

(مکتوب ۱۱۲ دفتر اول)۔ کیونکہ احوال و مواجید اس فرقہ ناجیہ کے عقائد کی حقیقت سے مُتحقق ہوئے بغیر حاصل ہوں انکو ہم استدراج کے سوا کچھ نہیں جانتے اور خرابی کے سوا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس فرقہ

ناجیہ کی تابعداری کی دولت کے ساتھ جو کچھ عطا کر دیں ہم احسان مند ہیں اور شکر بجالاتے ہیں۔ اور اگر یہی عطا فرمائیں اور احوال و مواجید کچھ نہ دیں تو بھی کچھ ڈر نہیں۔ ہم راضی ہیں۔۔ کیونکہ علماء کے علوم چراغ نبوت سے لیے ہوئے ہیں جنکی وحی قطعی سے تائید کی گئی ہے اور ان صوفیہ کے معارف کا اقتدار کشف و الہام سے ہے کہ خطا کو اسمیں دخل ہے اور کشف و الہام کی صحت کا مصداق علمائے اہل سنت کے علوم کے ساتھ ان کا مطابق ہونا ہے۔ اگر سر مو بھی مخالفت ہے تو دائرہ صواب سے باہر ہیں۔ یہی علم صحیح اور حق صریح ہے اور اسکے سوا گمراہی ہے۔

(مکتوب ۷۰ دفتر اول)۔ غرض نجات کا طریق اقوال اور اصول و فروع میں فرقہ ناجیہ اہل سنت کی متابعت پر ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو زیادہ کرے اور اسکے سوا جتنے فرقے ہیں سب زوال کے مقام اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں۔ آج اس بات کو خواہ کوئی جانے یا نہ جانے کل قیامت کے روز ہر ایک جان لے گا اور اسکو کچھ نفع نہ دے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام: (مکتوب ۵۵ دفتر دوم) حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے لکھا ہے کہ علم لدنی کے فیضان میں حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام کی روحانیت درمیان میں واسطہ ہے بظاہر یہ ابتداء و توسط کے حال کے مناسب ہوگی کیونکہ منتہی کا معاملہ اور ہے جیسے کہ کشف صریح اس پر شاہد ہے۔ وہ کلام جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک دن منبر پر چڑھ کر علوم و معارف بیان فرما رہے تھے کہ اس اثنا میں حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام کے گزرنے کا اتفاق ہوا تو آپ نے فرمایا

''اے اسرائیلی آ اور محمدی کا کلام سن''

شیخ کی اس عبادت سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام محمدیوں میں سے نہیں ہیں۔ گزشتہ امتوں میں سے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو محمدیوں کا واسطہ کس طرح ہوسکتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام سے ملاقات: (مکتوب ۲۸۲ دفتر اول) دوست مدت سے حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ کے احوال کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے۔ چونکہ فقیر کو انکے حال پر پوری پوری اطلاع نہ دی گئی تھی اسلیے جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ آج کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضرؑ انبیاء و علیہ الصلوۃ والسلام روحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے اور تلقی روحانی یعنی روحانی مُلاقات میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی

ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو اجسام سے وقوع میں آئیں جسمانی حرکات و سکنات اور جسدی طاعات و عبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں۔ اس اثنا میں پوچھا کہ کیا آپ امام شافعیؒ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم شرائع کے ساتھ متکلف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطب مدار امام شافعیؒ کے مذہب پر ہے اس لیے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعیؒ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔ اسی وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی اطاعت پر کوئی جزا مترتب نہیں ہے۔ صرف اطاعت کے ادا کرنے میں اہل طاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادات کی صورت کو مدنظر رکھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالات نبوت کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے یعنی اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کے اس سخن کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی جو انہوں نے فصول ستہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام اعظم (حضرت امام ابوحنیفہؒ) کے موافق عمل کریں گے۔ اس وقت دل میں گزرا کہ ان دونوں بزرگوں سے کچھ سوالات کرے انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کے حال پر اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل ہو وہاں ہمارا کیا دخل ہے گو انہوں نے اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیا اور حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ نے اس گفتگو میں کوئی بات نہ فرمائی۔

روح۔ تناسخ اور تبدیل اجسام

(مکتوب ۵۸ دفتر دوم) وہ لوگ جن کے دل بیمار ہیں ان حکایات سے تناسخ سمجھتے ہیں اور عجب نہیں کہ قدم عالم کے قائل ہو جائیں اور قیامت کبریٰ کا انکار کر دیں بعض ملحد لوگ جو باطن کے ساتھ یعنی جھوٹ موٹ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں تناسخ کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ نفس جب تک حد کمالی تک نہ پہنچے اجسام کے تقلب یعنی بدلنے سے اس کو چارہ نہیں اور کہتے ہیں کہ جب نفس حد کمال تک پہنچ جائے بدنوں کی تبدیلی بلکہ بدنوں کے تعلق سے فارغ ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائش سے مقصود یہی اس کا کمال ہے جو میسر ہوگیا۔ یہ بات صریح کفر ہے اور ان تمام باتوں کا انکار ہے جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں کیونکہ آخر کار جب نفوس حد کمال کو پہنچ جائیں پھر دوزخ کس کے لیے ہوگی اور عذاب کس کو ہوگا۔ اس میں دوزخ اور آخرت کے عذاب اور اجسام کے ساتھ اٹھنے کا انکار ہے کیونکہ ان کے خیال میں نفس کو اب جسم کی جو اس کے کمال کا آلہ ہے کوئی حاجت نہیں رہی تا کہ جسم کے ساتھ اٹھایا جائے ان لوگوں کا اعتقاد بعینہ فلاسفہ کے اعتقاد کے مطابق ہے جو حشر اجساد سے انکار کرتے ہیں اور عذاب و ثواب کو روحانی جانتے ہیں بلکہ ان کا اعتقاد فلاسفہ کے اعتقاد سے بھی بدتر ہے کیونکہ وہ تناسخ کو

رد کرتے ہیں اور روحانی عذاب وثواب کو ثابت کرتے ہیں اور یہ لوگ تناسخ کو بھی ثابت کرتے ہیں اور عذاب آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں۔ عذاب ان کے نزدیک دنیا ہی کا عذاب ہے۔ تناسخ کے یہ معنی ہیں کہ روح کا اس جسد کے تعلق سے پہلے کسی اور جسد کے ساتھ جو اس جسد کے مخالف اور مغائر ہے تعلق ہوا ہو اور جب خود ہی جسد کے ساتھ متجسد ہو جائے پھر تناسخ کہاں ہوگا۔ جن جو مختلف شکلیں بن جاتے ہیں اور مختلف اجسام میں متجسد ہو جاتے ہیں اس وقت ان سے اعمال عجیبہ جو ان شکلوں اور جسدوں کے منا سب ہیں ظہور میں آتے ہیں ان میں کوئی تناسخ اور حلول نہیں ہے۔ جنات کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر عجیب وغریب کام کریں تو اگر کاملین کی ارواح کو یہ طاقت بخش دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کی ان کو کیا حاجت ہے۔ بعض حکایات جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں مین حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں۔ یہاں بھی انکے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہو کر اور مختلف شکلوں میں مُنتقل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس عزیز کا حال ہے جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلا۔ بعض لوگ حضرت مکہ معظمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز (غالباً حضرت مجدد کا اپنی ذات مبارک کی طرف اشارہ ہے) کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اور اس عزیز کے درمیان ایسی ویسی باتیں ہیں۔ بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اسکو روم میں دیکھا ہے اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں۔ یہ سب اس عزیز کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور اس عزیز کو اس شکلوں کی نسبت اطلاع نہیں ہوتی۔ اسی واسطے لوگوں کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ سب مجھ پر تہمت ہے۔ میں اپنے گھر سے باہر نہیں گیا۔ نہ میں نے حرم کعبہ کو دیکھا ہے اور میں روم و بغداد کو نہیں جانتا اور نہیں پہنچانتا کہ تم کون ہو۔ اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور مردہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر انکی بلا کو رفع کیا ہے اور ان بزرگوں کو اس بلیہ کے دفع کرنیکی اطلاع بھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی یہ سب ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہیں اور کبھی عالم مثال میں جسطرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں ہیں۔ اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کو حل کرتے ہیں

کمون و بروز: کمون و بروز جو بعض مشائخ نے کہا ہے تناسخ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا کیونکہ تناسخ میں

نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لیے تعلق ہوتا ہے تا کہ اسکے لیے حیات وزندگی ثابت ہو اور اسکو حس وحرکت حاصل ہو اور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ تعلق اس غرض کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور اپنے درجات تک واصل ہو جائے جس طرح جن انسان کے ساتھ تعلق پیدا کرے اور اسکے وجود میں بروز کرے یہ تعلق بھی انسان کی زندگی کے واسطے نہیں کیونکہ آدمی اس تعلق سے پہلے حس وحرکت والا ہے۔ وہ چیز جو اس تعلق سے اسمیں پیدا ہوگئی ہے اور اس جن کے صفات وحرکات وسکنات کا ظہور ہے لیکن مستقیم الاحوال مشائخ کمون اور بروز کو ہرگز بیان نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلا وفتنہ میں نہیں ڈالتے۔ فقیر کے نزدیک کمون وبروز کی کچھ ضرورت نہیں کامل اگر کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے تو بغیر اس بات کے کہ اس میں بروز کرے اللہ تعالیٰ کے اقتدا سے اپنی صفات کاملہ کو مرید ناقص میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ والتفات کے ساتھ اس انعکاس کو ثابت و برقرار رکھتا ہے تا کہ مرید ناقص نقص سے کمال تک آ جائے اور صفات رذیلہ کو چھوڑ کر صفات حمیدہ کو اختیار کرے اور کچھ کمون وبروز درمیان میں نہ ہو۔

نقل ارواح: بعض لوگ نقل ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو کمال کے بعد اس قسم کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے بدن کو چھوڑ کر دوسرے بدن میں داخل ہو سکتی ہے۔ تناسخ کے قائل لوگ نفس کے نقص کا حکم کرتے ہیں اور تناسخ کو نفس کی تکمیل کے لیے ثابت کرتے ہیں اور وہ لوگ جو نقل روح کا خیال کرتے ہیں اور کمال روح کے بعد نقص کو ثابت کرتے ہیں فقیر کے نزدیک نقل روح تناسخ کے قول سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ تناسخ کا نفس کی تکمیل کے لیے اعتبار کرتے ہیں اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور نقل روح کمال کے حاصل ہونے کے بعد خیال کرتے ہیں حالانکہ کچھ کمال نہیں۔ جب اجسام کا تبدل کمالات حاصل کرنے کے لیے مقرر کیا ہو تو پھر کمال حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں نقل کرنا کس لیے ہے۔ اہل کمال تماشائی نہیں ہیں ان کا مقصود کمال کے حاصل ہونے کے بعد بدنوں سے الگ ہونا ہے نہ کہ بدنوں کے ساتھ اختیار کرنا کیونکہ بدنوں کے تعلق سے جو کچھ مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا نیز نقل روح میں بدن اول کا مارنا اور دوسرے بدن کا زندہ کرنا ہے۔ اس قسم کے مکار اور جھوٹے لوگ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں

روح لامکانی ہے: (مکتوب ۸۵ دفتر اول) کیونکہ روح لامکانی ہے مکان میں نہیں سما سکتی اور عرش کے ماسوائے میں روح کا ثابت کرنا تجھے اس وہم میں نہ ڈال دے کہ روح کے درمیان دور دراز مسافت

ہے۔ایسا نہیں ہے بلکہ روح کو باوجود لامکانی ہونے کے تمام مکانوں سے ساتھ برابر نسبت ہے۔روح کو عرش کے ماسوا سے کہنا اور معنی رکھتا ہے جب تک تو وہاں نہ پہنچے ان کو نہیں پا سکتا۔صوفیہ کا ایک گروہ جو تنزیہ روحی تک پہنچے ہیں اور عرش کے اوپر اسکو معلوم کیا ہے انہوں نے اس تنزیہ کو تنزیہ الٰہی جلشانہ تصور کیا ہے اور اس مقام کے علوم و معارف کو پوشیدہ علوم کہا ہے اور استوار کے اسی مقام میں حل کیا ہے۔حق یہ ہے کہ وہ نور روح کا نور ہے۔فقیر کو بھی اس مقام کے حاصل ہونے کے وقت اس قسم کا اشتباہ پیدا ہوا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی عنایت نے اس بھنور سے نکال دیا تو معلوم ہوا کہ وہ نور روح کا نور تھا نہ نور الٰہی جل شانہ۔ان میں سے ایک گروہ اس فوق العرش روح کے نور کو ہمراہ لے کر نیچے آجاتے ہیں اور اس کے ساتھ بقا حاصل کرتے ہیں اور اپنے آپ کو تشبیہ اور تنزیہ کا جامع جانتے ہیں اور اگر اس نور کو اپنے سے جدا پاتے ہیں تو فرق بعد الجمع کا مقام تصور کرتے ہیں۔اس قسم کے مغالطے صوفیوں کو بہت پڑ جاتے ہیں۔جاننا چاہیے کہ روح اگرچہ عالم بے چون کے ساتھ نسبت رکھتی ہے لیکن درحقیقت بے چون حقیقی جل شانہ کے مقابلے میں دائرہ چون میں داخل ہے۔گویا عالم چون اور بارگاہ بے چون حقیقی کے درمیان برزخ ہے اور دونوں طرف کا رنگ رکھتا ہے اور ہر دو اعتبار اس میں صحیح ہیں برخلاف بے چون حقیقی کے چون کو ہرگز اسکی طرف راہ نہیں ہے پس جب تک روح کے تمام مقامات عروج نہ کریں اس اسم تک نہیں پہنچتے۔

(مکتوب ۲۸۷ دفتر اول) اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ بے چون اور بے چگون ہے آدم علیہ السلام کی روح جو اسکا خلاصہ ہے بے چونی اور بے چگونی کی صورت پر پیدا کیا پس جس طرح حق سبحانہ لامکانی ہے روح بھی لامکانی ہے اور روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے۔نہ داخل نہ خارج۔نہ متصل ہے نہ منفصل اور قیومیت سے زیادہ کوئی اور نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کی قیوم روح ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ عالم کا قیوم ہے۔بدن کے لیے حق تعالیٰ کی قیومیت روح کی قیومیت کے سبب سے ہے جو فیض وارد ہوتا ہے اس فیض کے وارد ہونے کا محل پہلے روح ہے پھر روح کے ذریعے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے اور چونکہ روح بے چونی اور بے چگونی کی صورت میں پیدا کی گئی ہے اس لیے حقیقی بے چون اور بے چگون کی اسمیں گنجائش ہوگی میں کہتا ہوں کہ جب یہ قلب انوار قدس کی تجلی کا محل ہے اور قدیم کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے۔یہ ایسا یکتا لباس ہے جو خاص روح کے قد پر سیا ہوا ہے حالانکہ ملائکہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہیں۔

روح کی حقیقت: (مبداومعاد) روح بھی چونکہ عالم بے چونی سے ہے اس واسطے اس کے لیے بھی لامکان ہونا مستقل ہے لیکن اسکی بے چونی بمقابلہ وجوب ذات حق عین چون ہے اور اسکالامکان ہونا حقیقی لامکان کی لامکانیت کے سامنے عین مکانیت ہے گویا عالم ارواح اس عالم اور مرتبہ بے چونی کے مابین برزخ ہے چونکہ روح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں اس واسطے عالم بے چون اسے بے چون جانتے ہیں لیکن اصل بے چون کے مقابلے میں عین چون ہے یہ برزخ ہونے کی نسبت اسے اسکی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے لیکن جب اس روح کا تعلق اسکا ایک ہیکل اور نفس عنصری سے ہوجاتا ہے تو عالم برزخیت سے نکل کر بالتمام عالم چون میں اتر آتی ہے اس واسطے بے چونی کا رنگ اس سے جاتا ہے اسکی مثال ہاروت و ماروت کی سی ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ارواح ملائکہ بعض خاص مصلحت کے لیے بشریت کی بستی میں اترے ہیں پس اگر عنایت الٰہی مدد کرے اور اس سفر سے لوٹ کر اپنی اصلی جگہ جائے جو درحقیقت تنزل سے عروج ہے تو تاریک نفس اور بدن عنصر اسکی متابعت سے ضرور عروج حاصل کرینگے اور منزلیں طے کرلیں گے۔ اس ضمن میں وہ مقصود بھی ظاہر ہوجائے گا جو روح کے تعلق اور اسکے نزول سے مطلوب تھا۔

نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جائے گا اور ظلمانی نورانی سے بدل جائے گا جب روح اس سفر کو ختم کرلیتی ہے اور نزول کے مقصود کو انجام تک پہنچالیتا ہے تو اصلی برزخیت پر پہنچتا ہے اور نہایت ہدایت کی طرف لوٹتے وقت حاصل کرتا ہے قلب بھی چونکہ عالم ارواح سے ہے اس واسطےاسے یہ بھی برزخیت میں وطن نصیب ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ بھی عالم امر کا رنگ رکھتا ہے کیونکہ وہ قلب و بدن کے مابین برزخ ہے اس جگہ اقامت کرتی ہے اور بدن عنصری جو اربعہ عناصر کا بنا ہوا ہے عالم کون مکان میں قرار پکڑتی ہے اور اطاعت وعبادت میں مشغول ہوجاتی ہے بعدازاں اگر سرکشی اور مخالفت واقع ہوتی ہے تو اسے عناصر کی طبعتوں سے منسوب کیا جاتا ہے مثلاً جزو ناری جو بالذات سرکش اور مخالفت طلب ہے ابلیس لعین کی طرح ''أنا خیر منہ'' (میں اس سے اچھا ہوں) پکارے گا نفس مطمئنہ سرکشی سے باز آچکا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے جو ایک دوسرے سے راضی ہوں ان میں سرکشی کا خیال تک نہیں ہوتا اگر سرکشی ہے بھی تو قالب سے شاید جناب سرور کائنات ﷺ نے اس شیطانی سرکشی کو جہاد اکبر سے تعبیر فرمایا ہے۔

نیکوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائی میں داخل ہیں۔ یہ سب سرکشی کی قسمیں ہیں یہ سرکشی جو تھوڑا بہت اس میں باقی رہتی ہے وہ اسکی اصلاح وترقی کے لیے ہے کیونکہ ان امور کے حاصل ہونے کے بعد

جن میں کمی کا انتہائی درجہ ترک کے حصول سے بہتر ہے اسی ندامت، پشیمانی توبہ واستغفار جو ہاتھ آتی ہے جو بے نہایت ترقیوں کا موجب ہوتی ہے۔

جب روح جسم سے "موتو قبل ان موتو" (مرنے سے پہلے مر جاؤ) والی موت کے سبب جدا ہو جاتی ہے تو عارف واصل اپنی روح کو نہ جسم میں داخل اور نہ اس سے خارج نہ اس سے ملی ہوئی اور نہ اس سے جدا پاتا ہے اسے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا یہ تعلق اس واسطے ہے کہ جسم کی بھی اصلاح ہو جائے اور روح بھی اپنے اصلی کمال پر پہنچ جائے اور اس تعلق کا منشاء یہی ہے کہ نیکی اور بہتری ہو جائے۔ اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو جسم سارے کا سارا شریر اور ناقص رہ جاتا اور یہی حالت ہے واجب تعالیٰ کی روح وغیرہ کے ساتھ کہ ذات حق نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج سے ملی ہوئی ہے اور نہ اس سے جدا۔ اللہ تعالیٰ کو جہاں اسے پیدا کرنے، باقی رکھنے، کمالات کا فیض پہنچانے اور نعمت اور نیکیوں کے لیے مستعد بنانے کا تعلق ہے اگر تم کہو کہ علمائے حق نے روح کے بارے میں اس قسم کا کلام نہیں کیا بلکہ ایسا کرنا جائز ہی نہیں فرمایا اور آپ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان کی موافقت کو لازم جانتے ہیں پھر آپ کے اس طرح کلام کرنے کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ روح کی حقیقت جاننے والے عالم بہت کم ہیں اور انہوں نے کمالات روح کے کشف کے متعلق مفصل کچھ نہیں لکھا بلکہ مجمل طور پر لکھنے پر اس واسطے اکتفا کی ہے کہ عوام الناس چونکہ اسکو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ایسا نہ ہو کہ گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ بے شک کمالات روحی کمالات وجوبیہ کی شبیہ اور صورت ہیں ان میں ایک فرق ہے جسے صرف علمائے راسخ ہی جانتے ہیں اس لیے انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اسکی حقیقت کو مجمل بیان کیا جائے یا بالکل نہ کیا جائے۔ لیکن وہ روح کے مذکورہ بالا کمالات کے منکر نہیں۔ میں نے روح کے بعض خواص منکشف کیے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق اور جناب سرور کائنات ﷺ کے صدقے کشف صریح اور علم صحیح حاصل ہے اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہ دور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے۔ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جس طرح جسم کو روح سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں اسی طرح روح کو بھی جسم سے بڑے بڑے فوائد پہنچے ہیں چنانچہ جسم ہی کی برکت سے اسے سننے، دیکھنے بات کرنے، مجسم ہونے، مختلف افعال کرنے اور عالم اجتہاد سے مناسب ہونے کی طاقت نصیب ہوتی۔ جب نفس مطمئنہ روحانیوں سے مل جاتا ہے عقل اس کی جگہ اسکا خلیفہ بن کر عالم اجتہاد میں بیٹھتی ہے اور اسکا نام عقل معاد ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسکی تمام سوچ بچار صرف آخرت کے لیے محدود ہو جاتی ہے دنیاوی زندگی کے اسباب کی طرف سے فارغ ہو جاتی ہے اور جو نور اسے عطا ہوا ہے اسکے سبب فراست کے لائق ہو جاتی ہے، یہ مرتبہ

کمالاتِ عقل کا انتہائی مرتبہ ہے۔

روح کے افعال: (مکتوب ۲۳۹ دفتر اول) روح کا ایسے افعال اختیار کرنا اور کر گزرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب ہیں اسی جسدِ مکتسب کے سبب ہے۔ اور بزرگوں کی روحانی مدد جو جسمانی افعال کے مناسب ہے جیسے کہ مختلف وجوہ اور متفرق طریقوں سے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ اسی قسم سے ہے۔

استدراج: (مکتوب ۹۲ دفتر دوم) بعض کو یہ قرب بھی دیتے ہیں اور غائبانہ اشیاء کی اطلاع بھی بخشتے ہیں بعض کو قرب کچھ نہیں دیتے لیکن غائبانہ اطلاع دے دیتے ہیں۔ یہ تیسری قسم کے لوگ اہلِ استدراج ہیں نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈالا ہے۔ ان لوگوں کا نشان حال ہے چونکہ اکثر لوگ جو حق تعالیٰ کی بارگاہ سے جدا ہوتے ہیں اور دنیا کے ساتھ اشتغال رکھتے ہیں۔ اور جن کے دل صورتوں کے کشف اور مخلوقات کی غائبانہ خبروں کی طرف مائل ہوتے ہیں انکے نزدیک یہ امر بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے اور گمان کرتے ہیں کہ یہی لوگ اہل اللہ اور حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اور اہلِ حقیقت کے کشف سے انکار کرتے ہیں اور اہل حقیقت کو انکے احوال میں تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہلِ حق ہوتے جیسے کہ لوگوں کا گمان ہے تو یہ لوگ بھی ہمارے اور تمام مخلوق کے غیبی احوال بتاتے۔ جب انکو کشف احوال پر قدرت نہیں ہے تو ان امور کے کشف پر جو مخلوقات کے احوال سے اعلیٰ ہیں کس طرح قدرت رکھیں گے اور اپنے اس قیاس فاسد سے جھوٹا جانتے ہیں اور ان بزرگوں کے علوم و معارف صحیحہ سے محروم رہ جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ نے ان بزرگوں کو خلق کے ملاحظہ سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو اپنی جناب پاک کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے اگر یہ لوگ خلق کے حوال کے در پے ہوتے تو بارگاہِ الٰہی کے حضور کی صلاحیت ان میں نہ رہتی۔

(مکتوب ۷۱ دفتر اول) ہندو برہمنوں اور یونانی فلسفیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی نہیں کی چونکہ وہ سب انبیاء علیہم السلام کے احکام کے موافق نہیں ہوئے اسلیے مردود ہیں اور آخرت کی نجات سے بے نصیب ہیں۔

(مکتوب ۱۱۴ دفتر اول) گمراہ لوگوں یعنی اہلِ ہنود نے بہت ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں لیکن جب شریعت کے موافق نہیں ہیں سب بے اعتبار اور خوار ہیں اور اگر ان سخت اعمال پر کچھ اجر ثابت ہو بھی جائے تو کسی دنیاوی فائدے پر ہی منحصر ہے اور تمام دنیا کیا ہے کہ اسکے کسی نفع کا اعتبار کیا جائے۔ انکی مثال خاکروبوں کی طرح ہے کہ جن کا کام سب سے زیادہ اور مزدوری سب سے کم ہے اور شریعت کے

تابعداروں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو قیمتی جواہر میں عمدہ عمدہ الماس جڑتے ہیں ان کا کام تھوڑا اور مزدوری بہت زیادہ ہے ایک گھڑی کی مزدوری لاکھ سال کے برابر ہو سکتی ہے اس میں بھید یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق کیا جائے وہ خدائے تعالیٰ کو پسند ہے اور اسکے برخلاف ناپسندیدہ۔ پس ناپسندیدہ فعل مین ثواب کی کیا امید ہے بلکہ وہاں تو عذاب کی توقع ہے یہ بات عالم مجاز میں بخوبی واضح ہے۔ تھوڑی سی التفات سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

استدراج بدبختی ہے: (مکتوب ۶۴ دفتر اول) جاننا چاہیئے کہ درحقیقت قسمت یعنی بدبختی ہے جو استدراج کے طور پر اسکی خرابی کے لیے نعمت کی صورت میں ظاہر کی ہوئی ہے تا کہ اسی روگردانی اور گمراہی میں مستغرق رہے۔

(مکتوب ۲۳ دفتر اول) کیونکہ برہمنوں اور ہندو جوگیوں اور یونانی فلسفیوں کو بھی تجلیات صوری اور مکاشفات مثالی اور علوم توحیدی بہت حاصل ہوئے ہیں لیکن سوائے خرابی اور رسوائی کے ان سے کچھ نتیجہ حاصل نہ ہوا اور سوائے بعد وحرمان کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) پس ثابت ہوا کہ بعثت کے بغیر تصفیہ اور تزکیہ کی حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ صفائی جو کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ قلب کی صفائی اور صفائے نفس سے گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور خسارے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور بعض امور غیبی کا کشف جو صفائے نفس کے وقت کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتا ہے وہ استدراج ہے جس سے مقصود ان لوگوں کی خرابی اور خسارت ہے۔

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) وہ احوال ومواجید جو غیر شرع اسباب پر مترتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم ہے کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال واذواق حاصل ہوتے ہیں اور جہان کی صورتوں کے آئنوں میں کشف توحید۔ مکاشفہ اور معائنہ ان کو ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس امت میں یونان کے حکماء اور ہندوستان کے جوگی اور برہمن سب برابر ہیں۔ احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت علوم شرعیہ کے ساتھ ان کا موافق ہونا اور محرمہ ومشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے

مسئلہ جبر وقدر۔ (تقدیر اور قسمت کا مسئلہ)

(مکتوب ۶۸ دفتر دوم) حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے اس طرح انکے افعال کا بھی خالق ہے۔ وہ افعال خیر ہوں یا شر۔ سب اسکی تقدیر سے ہیں لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں اگرچہ دونوں

اسکے ارادہ و مشیت سے ہیں لیکن جاننا چاہیئے کہ صرف تمہا شر کو ادب کے باعث حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہیئے اور خالق شر نہ کہنا چاہیئے بلکہ خالق خیر و شر کہنا مناسب ہے۔ معتزلہ ثنویت یعنی دوئی اور بیگانگی کے باعث بندہ کو افعال کا خالق جانتے ہیں اور فعل کی خیر و شر کو شرع کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شرع عقل انکی تکذیب کرتی ہے ہاں علمائے حق نے بندہ کی قدرت کو اسکے فعل میں داخل کیا ہے اور اسکا کسب بندہ میں ثابت کیا ہے کیونکہ حرکت مرتعش یعنی بے اختیاری حرکت اور حرکت مختاری میں فرق واضح ہے۔ حرکت ارتعاش یعنی بے اختیاری حرکت میں بندہ کی قدرت اور کسب کا کچھ دخل نہیں اور حرکت اختیاری میں دخل ہے۔ اسی قدر فرق مواخذہ کا باعث ہو جاتا ہے اور ثواب و عتاب کو ثابت کرتا ہے۔ اکثر لوگ بندہ کی قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندہ کو بے چارہ اور عاجز جانتے ہیں۔ انہوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا بندہ میں قدرت و اختیار کا ثابت کرنا اسکے معنی کے لحاظ سے نہیں ہے جو بندہ جو کچھ چاہے کرے اور جو نہ چاہے نہ کرے۔ یہ بات بندگی سے دور ہے بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ بندہ جس بات کے ساتھ مکلف ہے اس سے عہدہ برا ہو سکتا ہے مثلا پنج وقتی نماز ادا کر سکتا ہے۔ چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے سکتا ہے اور بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ روزے رکھ سکتا ہے اور اپنی عمر میں خرچ و سواری کے ہوتے ایک بار حج کر سکتا ہے۔ اسی طرح باقی شرعی احکام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے بندہ کی صفت و ناطاقتی کو دیکھ کر سہولت و آسانی کو مدنظر رکھا ہے ضعیف انسان شہوات سے صبر نہیں کر سکتا اور سخت تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا (مکتوب ۷ دفتر سوم) جس طرح بندے حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اسی طرح بندوں کے افعال بھی اسی کی مخلوق ہیں کیونکہ اسکے غیر کے لیے خلق اور پیدا کرنا لائق نہیں اور ممکن سے ممکن کا وجود ہونا ناممکن ہے کیونکہ ممکن ناطاقتی اور بے علمی کے ساتھ متصف ہے جو ایجاد و خلق کے لائق نہیں اور جو کچھ بندہ اپنے اختیاری افعال میں دخل رکھتا ہے وہ اسکا کسب ہے جو بندے کی قدرت و ارادہ سے واقع ہوا ہے۔ فعل کا پیدا کرنا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور فعل کا کسب کرنا بندہ کی طرف سے ہے پس بندہ کا فعل اختیاری مع بندہ کے کسب کے حق تعالیٰ کی پیدائش ہے اور اگر بندہ کے فعل میں اسکے کسب و اختیار کا ہرگز دخل نہ ہو تو بلا اختیار (مرتعش) کا حکم پیدا کرے گا جو محسوس و مشاہد کے برخلاف ہے ہم بداہۃً یعنی صاف طور پر جانتے ہیں کہ مرتعش (بے اختیار) فعل اور ہے اور مختار کا فعل اور اور بندے کے فعل میں اسکے کسب کو دخل دینے کے لیے اسی قدر فرق ہے کافی ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق کو بندہ کے دخل میں بندہ کے قصد کا تابع بنایا ہے۔ بندہ کے قصد کے بعد بندہ میں فعل کا ایجاد فرماتا ہے اسی لیے بندہ مدح و ملامت اور ثواب و عذاب کے لائق ہوتا ہے اور قصد و اختیار

جو حق تعالیٰ نے بندہ کو دیا ہے فعل و ترک کی دونوں جہتیں رکھتا ہے اور فعل و ترک کی خوبی و برائی کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر مفصل بیان فرمایا ہے۔

اب اگر بندہ ایک جہت کو اختیار کرے تو وہ ضرور ملامت کے لائق ہو گا یا مدح و تعریف کے قابل اور شک نہیں کہ حق تعالیٰ نے بندے کو اسی قدر قدرت و اختیار دیا ہے جس سے اوامر و نواہی بجالا سکے۔ یہ ضروری نہیں کہ اسکو قدرت کاملہ عطا کی جاتی اور پورا پورا اختیار دیا جاتا۔ جو کچھ جس قدر چاہیے تھا دے دیا ہوا ہے۔ اسکا منکر ہدایت و صراحت کا مخالف ہے اور اسکا دل بیمار ہے شریعت کے بجالانے میں عاجز اور درماندہ ہے۔ یہ مسئلہ علم کلام کے پوشیدہ مسائل میں سے ہے۔ اس مسئلہ کا نہایت شرح و بیان یہی ہے جو لکھا جا چکا ہے

یہ مسئلہ اصول شریعت کے خلاف نہیں: (مکتوب ۱۸ دفتر اول) اور مسئلہ قضا و قدر کے راز پر اطلاع بخشی اور اس کو اس طرح جتلایا کہ شریعت حقہ کے ظاہر اصول سے کسی طرح مخالف نہیں اور ایجاب کے نقص اور جبر کی آمیزش سے پاک و صاف ہے اور ظہور میں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جب یہ مسئلہ اصول شریعت کے مخالف نہیں ہے تو پھر اسکو کیوں پوشیدہ رکھا ہے۔ (وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا) اور ایسے ہے اس عالی مقام والے لوگ مخلوقات کے افعال کو بھی مردہ اور جماد کی طرح پاتے ہیں نہ یہ کہ ان افعال کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کریں اور ان افعال کا فاعل اللہ تعالیٰ کو جانیں

علمائے شریعت کا قول اس علم کے موافق ہے وہ فرماتے ہیں کہ مخلوقات سے افعال صادر ہونے کے باوجود خواہ وہ فعل ارادی ہوں یا اختیاری ان دونوں کے مفعول خدائے تعالیٰ کے مصنوع اور پیدا کیے ہوئے ہیں اور مخلوقات کے فعل کو انکے مخلوق اور مصنوع ہونے میں کچھ دخل نہیں۔ انکے افعال چند حرکتیں ہیں بغیر اس امر کے کہ ان کیلیے معمول بنانے میں کچھ تاثیر ہو اگر کہیں کہ تقدیر پر افعال کو ثواب و عذاب کا مدار بنانا بے فائدہ ہے جیسے کہ پتھر کو کسی امر کے لیے مکلف کریں اور اسکے فعل پر مدح و ذم مترتب کریں تو اسکا جواب یہ ہے کہ سنگ اور مکلفین کے درمیان فرق کیونکہ تکلیف قدرت اور ارادت سے وابستہ ہے اور سنگ میں ارادت نہیں لیکن جب انکی ارادت بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے بغیر اس بات کے کہ مراد کے حصول میں اسکی تاثیر ہو وہ ارادت بھی مُردے کی طرح ہے اس بنا پر کہ مراد اسکی ثابت ہونے کے بعد بطریق عادت پیدا ہوتی ہے اور بالفرض مخلوق کی قدرت کو موثر کہا بھی جائے جیسا کہ علمائے ماوراء النہر نے کہا ہے تو وہ تاثیر بھی خدا کی پیدا کی ہوئی ہے جیسے کہ قدرت اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔

قضائے معلق اور قضائے مبرم: (مکتوب ۲۱۷ دفتر اول) قضائے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر و تبدل کی مجال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا" قضائے مبرم کے بارے میں ہے اور قضائے معلق کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ "جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اسکے پاس ام الکتاب ہے" میرے قبلہ گاہی (حضرت باقی باللہؒ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے اگر چاہوں تو میں اسمیں بھی تصرف کروں۔ اس بات پر بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے یہ نقل مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا۔

ایک دن ایک بلیہ کے دفع کرنے کے در پے ہوا جو کسی دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی (غالباً حضرت شیخ محمد طاہرؒ بندگی کے بارے میں لیکن اللہ ہی بہتر جانتا ہے) اس وقت بڑی التجا اور عاجزی اور نیاز و خشوع کی تو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں اس امر کی قضا کس امر سے معلق اور کسی مشروط پر شرط نہیں ہے۔ اس بات سے بڑی یاس و نا امیدی حاصل ہوئی۔ اور حضرت سید محی الدین قدس سرہ کی بات یاد آئی۔ دو بارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا تب فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ قضا ہے جسکا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دی ہے اور دوسری وہ قضا ہے جسکا معلق ہونا صرف خدائے تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور لوح محفوظ میں قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔

پھر معلوم ہوا کہ حضرت سیدؒ (عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) کی بات بھی اسی اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ نہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اسمیں تصرف و تبدیلی عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے تو پھر اسمیں تصرف کیسے کر سکتے ہیں اور اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی۔ قسم اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیہ کو دفع فرما دیا ہے۔ اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اوقات بعض علوم الہامی میں بھی خطا ہو جاتی ہے اسکا سبب یہ ہے کہ بعض مسلمہ مقدمات جو صاحب الہام کے نزدیک ثابت اور حقیقت میں کاذب ہیں علوم الہامی کے ساتھ مل جاتے ہیں کہ صاحب الہام تمیز نہیں کر سکتا بلکہ تمام علوم کو الہامی خیال کرتا ہے پس ان علوم کے بعض اجزاء میں خطا ہونے کے باعث

مجموع علوم میں خطا واقع ہو جاتی ہے اور نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ کشف اور واقعات میں امور غیبی کو دیکھتا اور خیال کرتا ہے کہ ظاہر پر محمول ہیں اور صورت پر منحصر ہیں تو اس خیال کے موافق حکم کرتا ہے اور خطا واقع ہو جاتی ہے اور نہیں جانتا کہ وہ امور ظاہر کی طرف پھرے ہوئے ہیں اور تاویل و تعبیر پر محمول ہیں اس مقام پر تمام کشف غلط واقع ہوتے ہیں۔

غرض جو کچھ قطعی اعتبار کے لائق ہے وہ صرف کتاب و سنت ہے جو وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں اور فرشتہ کے نازل ہونے سے مقرر ہوئے ہیں۔ علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی ان دو اصلوں کی طرف راجع ہے۔ ان چار شرعی اصولوں کے سوا اور جو کچھ ہو خواہ صوفیہ کے علوم و معارف ہوں خواہ انکے کشف و الہام۔ اگر ان کے موافق ہیں تو مقبول ہیں ورنہ مردود۔ وہاں وجد و حال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تول لیں نیم جو سے بھی نہیں خریدتے اور کشوف و الہامات کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جتیل کے برابر بھی پسند نہیں کرتے

قضا و قدر۔ (مکتوب ۲۸۹ دفتر اول) اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے قضا و قدر کے اسرار کو اپنے خاص بندوں پر ظاہر کیا اور عوام سے اس لیے چھپا رکھا کہ وہ راہ راست سے گمراہ نہ ہو جائیں اور سیدھے راستے سے بھٹک نہ جائیں۔ اور آنحضرت ﷺ پر جنکے ساتھ حجت بالغہ کامل ہوئی اور نافرماں برداروں کے باطل عذر قطع ہوئے اور انکے نیکوکار آل اور پرہیزگار اصحاب پر جو قدس کے ساتھ ایمان لائے اور قضا سے راضی ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلامتی ہو۔ اسکے بعد واضح ہو کر مسئلہ قضا و قدر میں اکثر لوگ حیران اور گمراہ ہو رہے ہیں اور اس مسئلہ کے اکثر دیکھنے والوں پر اس قسم کے باطل وہم و خیال غالب ہیں کہ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ جو کچھ بندہ سے اپنے اختیار کے ساتھ فعل صادر ہوتا ہے اسمیں جبر کے قائل ہیں اور بعض بندے کے فعل کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہی نہیں کرتے۔ گویا ان دونوں گروہوں کے اعتدال اور میانہ روی کو چھوڑ کر افراط و تفریط کو اختیار کیا ہے اور بعض نے اعتقاد میں طریق اعتدال اختیار کیا ہے جس کو صراط مستقیم یا راہ راست کہا جا سکتا ہے اور اس صراط مستقیم کی توفیق حق تعالیٰ نے فرقہ ناجیہ کو عطا فرمائی ہے جن کو اہل سنت کہتے ہیں جنہوں نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر ان کے درمیان وسط اور میانہ روی کو اختیار کیا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جعفر بن محمد صادقؒ سے پوچھا کہ رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بیٹے کیا حق تعالیٰ نے کوئی امر اپنے بندوں کے سپرد کیا ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے برتر ہے کہ اپنی ربوبیت اپنے بندوں کے سپرد کرے پھر عرض کیا گیا کہ کیا ان پر جبر کرتا ہے؟ فرمایا کہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ پہلے کسی بات پر

مجبور کرے اور پھر اس پر عذاب دے۔ پھر عرض کیا کہ یہ بات کس طرح ہے؟ حضرت امامؒ نے فرمایا کہ اسکے بین بین ہے یعنی نہ جبر کرتا ہے اور نہ سپرد کرتا ہے اور نہ اکراہ ہے نہ تسلط۔ اسی واسطے اہل سنت کے لوگ فرماتے ہیں کہ بندوں کے اختیاری فعل خلق و ایجاد کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں اور کسب و اکتساب کی کوشش و سعی کے تعلق کے باعث بندوں کو قدرت کی طرف منسوب ہیں۔

بندوں کی حرکت کو حق تعالیٰ قدرت کی طرف منسوب کرنے کے اعتبار سے خلق کہتے ہیں اور بندے کی قدرت کی طرف منسوب کرنے کے اعتبار سے اسکا نام کسب رکھتے ہیں برخلاف اشعری کے کہ وہ اس طرف گیا ہے کہ بندوں کا اپنے افعال پر ہرگز کوئی اختیار نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ بطریق جری العادت بندوں کے اختیار کے بعد افعال کو ایجاد کیا ہے کیونکہ وہ قدرت حادثہ کے لیے کوئی تاثیر نہیں جانتا۔ یہ مذہب بھی جبر کی طرف راجع ہے اسی واسطے اسکو جبر التوسط کہتے ہیں۔ استاد ابو اسحاق اسفرائنی اصل فعل میں قدرت حادثہ کی تاثیر اور دونوں قدرتوں کے مجموعہ سے حاصل ہونے کا قائل ہے اور اسنے اثر واحد پر دو مختلف جہتوں کے لحاظ سے دو موثروں کا جمع ہونا جائز قرار دیا ہے قاضی ابوبکر باقلانی وصف فعل میں قدرت حادثہ کی تاثیر کا قائل ہے اس طرح پر کہ اس فعل طاعت یا معصیت کے ساتھ موصوف کیا جائے۔ اس خاکسار بندہ ضعیف کے نزدیک مختار ہے کہ اصل فعل اور وصف دونوں میں قدرت حادثہ کی تاثیر ہے کیونکہ اصل تاثیر کے بغیر وصف کی تاثیر کے کچھ معنی نہیں ہیں کیونکہ وصف اسکا اثر ہے جو اسی پر متفرع ہے یعنی اس سے نکلا ہوا ہے لیکن وہ اصل فعل کی تاثیر پر زائید تاثیر کی محتاج ہے کیونکہ وصف کا وجود اصل کے وجود پر زائید ہے اور قدرت حادثہ یعنی بندے کی قدرت کی تاثیر کے قائل ہونے میں کوئی محذور یعنی ڈر نہیں ہے۔

اگرچہ یہ بات اشعری پر ناگوار ہے کیونکہ قدرت حادثہ میں وصف تاثیر کا ہونا بھی حق تعالیٰ کی ایجاد سے ہے جیسے کہ نفس قدرت حق کی ایجاد سے ہے اور قدرت حادثہ کی تاثیر کا قائل ہونا یہی صواب اور بہتری کے زیادہ قریب ہے اشعری کا مذہب درحقیقت دائرۂ جبر میں داخل ہے کیونکہ اسکے نزدیک بندہ کا ہرگز اختیار نہیں ہے اور نہ ہی قدرت حادثہ کی کوئی تاثیر ہے سوائے اسکے فعل اختیاری۔ جبریہ کے نزدیک فاعل کی طرف حقیقی طور پر منسوب نہیں کیا جاتا بلکہ مجازی طور پر اشعری کے نزدیک حقیقی طور پر فاعل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے خواہ قدرت مجمل طور پر موثر ہو جیسے ثابت نہیں ہے کیونکہ فعل حقیقی طور پر بندہ کی قدرت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے خواہ قدرت مجمل طور پر موثر ہو جیسے کہ اشعری کے سوا اہل سنت کا

مذہب ہے یا مدار محض ہو جیسے کہ اشعری کا مذہب ہے اسی فرق سے اہل حق کا مذہب باطل کے مذہب سے جدا ہو جاتا ہے فاعل سے فعل کا حقیقی طور پر نفی کرنا اور مجازی طور پر اس کیلیے ثابت کرنا جیسے کہ جبریہ کا مذہب ہے محض کفر ہے اور ضرورت کا انکار ہے صاحب تمجید نے کہا ہے کہ جبریہ میں سے جو اس بات کا قائل ہے کہ بندہ سے فعل کا صادر ہونا ظاہری اور مجازی طور پر ہے لیکن حقیقت میں اس کے لیے کوئی استطاعت و طاقت حاصل نہیں جیسے کہ درخت جو ہوا کے ہلانے سے ملتا ہے اسی طرح بندہ بھی درخت کی طرح مجبور ہے یہ بات کفر ہے اور جس شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ کافر ہے نیز اس نے فرمایا ہے کہ مذہب جبریہ میں سے بعض اس بات کے قائل ہیں کہ افعال خواہ شر ہوں خواہ (خیر) حقیقی طور پر بندوں کے نہیں ہیں بندے جو کچھ کرتے ہیں ان کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یہ بھی کفر ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جب افعال میں بندہ کی قدرت کی کچھ تاثیر نہیں اور نہ ہی حقیقت میں اسکا کچھ اختیار ہے تو پھر اشعری کے نزدیک افعال کو بندوں کی طرف حقیقی طور پر منسوب کرنے کے کیا معنی ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ قدرت کی اگرچہ افعال میں تاثیر نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسکو وجود افعال کا مدار بنایا ہے۔

اسطرح پر کہ اللہ بطریق جری العادت بندوں کو افعال کی طرف اختیار و قدرت دینے کے بعد افعال کو پیدا کر دیتا ہے گویا بندہ کی قدرت افعال کے وجود کیلیے علت عادیہ ہے پس اس لحاظ سے عادت کے طور پر افعال کے صادر ہونے میں قدرت کا دخل ہے کیونکہ قدرت کے سوا عادی طور پر افعال موجود نہیں ہوتے اگرچہ افعال میں اسکی کوئی تاثیر نہیں پس علت عادیہ کے اعتبار سے بندوں کے افعال ان کی طرف حقیقی طور پر منسوب ہوتے ہیں۔ مذہب اشعری کی تصحیح میں نہایت کلام یہی ہے۔

اہل سنت قدر کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ قدر کا خیر و شر حُلو اور مُر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ قدرت کے معنی احداث و ایجاد کے ہیں اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی محدث اور موجد نہیں ہے۔ معتزلہ اور قدریہ نے قضا و قدر کا انکار کیا ہے اور انہوں نے خیال کیا ہے کہ بندوں کے افعال بندوں کی قدرت ہی سے حاصل ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ شر کو قضا کرے اور پھر اس پر عذاب دے تو یہ اسکا جور ہے۔

انکی یہ بات جہالت پر مبنی ہے کیونکہ قضا بندہ کی قدرت اور اختیار کو سلب نہیں کرتی بلکہ اس طرح قضا فرماتی ہے کہ بندہ کو اپنے اختیار سے اسکو کرے یا چھوڑ دے۔ حاصل کلام یہ کہ ایسی قضا اختیار کو واجب کرتی ہے اور اختیار کو ثابت کرنے والی ہے اور ہرگز اسکے منافی نہیں ہے۔ اس میں حق تعالیٰ کے افعال

میں نقص لازم آتا ہے کیونکہ قضا کی طرف نظر کرنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے افعال یا واجب ہیں یا ممتنع اسلیے کہ اگر قضا کا تعلق وجود کے ساتھ ہو تو واجب ہوتا ہے۔ اگر عدم کے ساتھ ہو تو ممتنع ہوتا ہے پس اگر اختیار کے ساتھ فعل کا واجب ہونا اسکے منافی ہوتا تو حق تعالیٰ مختار نہ ہوتا اور یہ کفر ہے اور یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اس بات کا قائل ہونا کہ بندے کو باوجود کمال ضعف کے افعال کے ایجاد میں مستقل طور پر قدرت حاصل ہے نہایت ہی بے وقوفی اور نادانی ہے۔ اسی واسطے مشائخ ماورالنہر نے انکی تضلیل و تکفیر میں بہت مبالغہ کیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ مجوس ان سے کئی درجے بہتر ہیں کہ انہوں نے ایک شریک کے سوا اور کو ثابت نہیں کیا اور معتزلہ نے اس قدر شریک کیے جو شمار سے باہر ہیں اور جبریہ نے یہ خیال کیا ہے کہ بندہ کا اپنا ہرگز فعل نہیں ہے اور اسکی حرکات جمادات کی حرکات کی مانند ہیں جن کے لیے کوئی قدرت اور ارادہ اور اختیار نہیں ہے نیز انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ بندوں کو خیر پر ثواب ملے گا اور شر پر عذاب ہوگا اور کافر و عاصی معذور ہیں۔ ان سے کچھ نہ پوچھا جائیگا کیونکہ افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ ان میں مجبور ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ یہ مرجیہ ملعون وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت ضرر نہیں دیتی اور عاصی کو عذاب نہ دیا جائیگا۔

نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ مرجیہ کو ستر نبی کی زبان پر لعنت کی گئی ہے اور ان کا مذہب باطل ہے۔ اسلیے حرکت بطش اور حرکت ارتعاش میں فرق ظاہر ہے اور سب کو معلوم ہے اور ہم بھی جانتے ہیں کہ حرکت اول اسکے اختیار سے ہے اور دوسری نہیں اور نصوص قطعیہ اس مذہب کی نفی کرتی ہیں ۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ " یہ اسکی جزا ہے جو عمل کرتے ہیں۔ جو چاہے مومن بن جائے اور جو چاہے کافر بن جائے"۔ اکثر لوگ اپنی کم ہمتی اور بدنیتی کے باعث عذر و بہانہ طلب کرتے ہیں اسلیے کبھی اشعری کی طرف اور کبھی مذہب جبریہ کی طرف میلان کرتے ہیں اور کبھی اسطرح کہتے ہیں کہ بندہ کا درحقیقت کوئی اختیار نہیں ہے۔ بعض صوفیہ کے کلام کو سنتے ہیں کہ فاعل ایک ہی ہے اسکے سوا کوئی فاعل نہیں ہے اور بندہ کی قدرت کو افعال میں کوئی تاثیر نہیں اور اسکے حرکات جمادات کی حرکات کی طرح ہیں بلکہ بندہ کا وجود ذات و صفت میں جنگل کے سراب کی طرح ہے جس کو پیاسا پانی سمجھ کر جب اسکے نزدیک آتا ہے تو اسکو کچھ نہیں پاتا۔ اس قسم کی باتیں ان اقوال و افعال میں مداہنت اور سستی پر زیادہ دلیر کرتی ہیں پس ہم اس مقام کی تحقیق میں کہتے ہیں اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اگر اختیار حقیقی طور پر بندہ کے لیے ثابت نہ ہوتا جیسے کہ اشعری کا مذہب ہے تو اللہ تعالیٰ ظلم کو بندوں کی طرف منسوب نہ کرتا کیونکہ اشعری کے نزدیک نہ ہی بندوں کا اختیار ہے اور نہ ہی انکی قدرت کی تاثیر ہے بلکہ قدرت کے نزدیک محض دراز

ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں کئی جگہ بندوں کی طرف ظلم منسوب کیا ہے اور تاثیر کے سوا محض مدار ہونا ظلم کو واجب نہیں کرتا۔ حق تعالیٰ کا بندوں کو رنج وعذاب دینا بغیر اس امر کے کہ انکے لیے اختیار ثابت ہو ہرگز نہیں ہے کیونکہ حق سبحانہ خود مختار بادشاہ ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے لیکن ظلم کی نسبت ان کے اختیار کے ثبوت کو مستلوم ہے اور اس نسبت میں مجاز کا احتمال خلاف متبادر ہے جس کو بلاضرورت اختیار نہیں کیا جاتا لیکن ضعف اختیار کا قائل ہونا دو حال سے خالی نہیں۔ اگر مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اختیار کی نسبت بندے کا اختیار ضعیف ہے تو یہ بات مسلم ہے۔ اگر ضعف کے معنی یہ ہیں کہ افعال کے صادر ہونے میں بندے کا استقلال نہیں تو یہ بھی مسلم ہے لیکن اگر یہ مراد ہو کہ افعال میں بندے کے اختیار کو ہرگز دخل نہیں تو ممنوع ہے۔ اس بات کو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی طاقت اور استطاعت کے موافق تکلیف دی ہے اور انکے ضعف خلقت کے باعث تکالیف میں تخفیف کی ہے۔ غرض تمام شرعیہ تکالیف نہایت آسانی اور سہولت میں ہیں (جس سے) اللہ تعالیٰ کی کمال رافت ومہربانی اپنے بندوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو ادائے احکام میں آسانی کا معلوم نہ ہونا اس سبب سے ہے کہ ان پر نفسانی ظلمتیں اور طبعی کدورتیں غالب ہیں جو نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی دشمنی پر قائم ہے۔ بعض صوفیہ کی کلام جو اختیار کی نفی یا اسکے ضعف میں ابھی مذکور ہو چکی ہے تو جاننا چاہیے کہ اگر ان کا کلام احکام شرعیہ کے مطابق نہیں ہے تو اسکا ہرگز اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی حجت اور تقلید کے لائق ہے کیونکہ حجت اور تقلید کے لائق علمائے اہل سنت کے اقوال ہیں پس صوفیہ کا جو کلام علمائے اہل سنت کے اقوال کے موافق ہے وہ قبول ہے اور جو انکے اقوال کے مخالف ہے وہ مردود اور نامقبول ہے۔ اسکے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مستقیم الاحوال صوفیہ احوال و اقوال اور علوم ومعارف میں ہرگز شریعت سے تجاوز نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ شریعت کا بقیہ خلاف حال کی خرابی اور نادرستی سے پیدا ہوا ہے۔ اگر حال درست وصادق ہوتا تو شریعت حقہ کے مخالف نہ ہوتا۔ غرض خلاف شریعت زندقہ کی دلیل اور الحاد کی علامت ہے۔

(مکتوب ۵۹ دفتر سوم) اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ کے ارادہ کے تابع بنا کر ان حوادث کو اپنی مرادیں سمجھنا چاہیے اور ان سے لذت حاصل کرنی چاہیے۔ اگر بندگی ہے تو یہ نسبت ضرور پیدا کرنی چاہئے ورنہ بندگی سے پاؤں نکالنا اور مولیٰ جلشانہ سے مقابلہ کرنا ہے حدیث قدسی میں آیا ہے ''جو میری قضا پر راضی نہیں ہوتا اور میری بلا پر صبر نہیں کرتا اسکو چاہیے کہ میرے سوا کوئی اور خدا بنالے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے''

دعا اور قضا۔ (مکتوب ۴۷ دفتر سوم) دعا قضا کو دور کر دیتی ہے۔ جیسے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

لا یرُدّ القضاءُ الا الدّعاء سوائے دعا کے کوئی چیز قضا کو نہیں ٹالتی

اسباب اور وسائل: (مکتوب ۲۶ دفتر اول) اس نے اسباب اور وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے اور حکمت کو اپنی قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے کیونکہ وہ دانا لوگ جن کی بصیرت کی آنکھ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے سرمہ سے سرگیں اور روشن ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ اسباب اور وسائل جو اپنے وجود اور تعباس حق تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اپنا ثبوت و قیام اسی کے ساتھ رکھتے ہیں اور حقیقت میں جماد محض ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اس جماد کے حال کے مناسب نہیں ہے بلکہ اس کے سوا کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے اکثر لوگ کمال کو اسباب کے دفع کرنے میں جانتے ہیں اور اشیاء کو ابتداء ہی سے اسباب کے ذریعہ کے بغیر حق سبحانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اشیاء کو ابتداء ہی سے اسباب کے ذریعہ کے بغیر حق سبحانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ رفع کرنے میں اس حکمت کا رفع ہونا ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مدنظر ہیں انبیاء علیہ الصلوٰۃ اسباب کو مدنظر رکھتے ہیں اور باوجود اس رعایت کے اپنے امر اور کام کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بدنظری کا محافظ کر کے اپنے بیٹوں کو فرمایا کہ اے میرے بیٹو! ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور باوجود اس رعایت کے پھر اپنے امر کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کو ایجاد سے جاننا چاہیے ابیان سے ظاہر ہوا کہ اسباب کا توسط اور وسیلہ توکل کے منافی نہیں ہے جیسے کہ اکثر ناقصوں نے گمان کیا ہے بلکہ اسباب کے توسط میں کمال توکل ہے حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا اور ان دونوں کو پیدا کرنے والا ہے لیکن خیر سے راضی اور شر سے راضی نہیں ہے۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا دقیق فرق ہے۔ معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہتے ہیں اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شیخ محی الدین اور اس کے تابعداروں کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان اور عمل صالحہ اسم الہادی کے پسندیدہ ہیں۔ کفر و معاصی بھی اسم المضل کے پسندیدہ ہیں۔

قدرت وارادہ: یہ بات بھی اہل حق کے مخالف ہے اور ایجاب کی طرف میلان رکھتی ہے جو رضا کا منشا۔ ہے جس طرح کہیں کہ اشراق واضاءت آفتاب کے پسندیدہ ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ نے بندوں کو قدرت اور ارادہ دیا ہے کہ اپنے اختیار سے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ پہلے بندہ اپنے فعل کا قصد کرتا

ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ بندہ کا فعل اپنے قصد واختیار سے صادر ہوتا ہے۔ مدح وذم اور ثواب وعذاب بھی اسی کے متعلق ہوتا ہے اور یہ بعض نے کہا ہے کہ بندہ کا اختیار ضعیف ہے۔ اگر حق تعالیٰ کے قوی ہونے کے اعتبار سے ہے تو بجا ہے۔ اگر اس لحاظ سے کہا ہے کہ فعل مامور کے ادا کرنے میں کافی نہیں ہے تو صحیح نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ فعل موقت یعنی چند روزہ فعل پر ہمیشہ کی جزا کا مقرر کرنا حق تعالیٰ عزیز وحکیم کی تقدیر کے حوالہ ہے جس نے کفر موقت کیلیے ہمیشہ کا عذاب برابر برابر جزا فرمائی اور دائمی لذت ونعمت کو ایمان موقت سے وابستہ کیا لیکن ایمان حق تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کا عطیہ ہے اور دوزخ میں داخل ہونا کفر پر منحصر ہے اور کفر نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت مہدی علیہ الرضوان اور قیامت کی علامتیں:

(مکتوب ۶۷ دفتر دوم) قیامت کی علامتیں جنکی نسبت مخبر صادق نے خبر دی ہے سب حق ہیں ان میں کسی کا خلاف نہیں یعنی آفتاب معمول کے برخلاف مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر ہونگے اور حضرت عیسی علیہ والسلام نزول فرمائینگے دجال نکل آئے گا اور یاجوج ماجوج ظاہر ہونگے دابتہ الارض نکلے گا اور دھواں جو آسمان سے پیدا ہوگا اور تمام لوگوں کو گھیر لے گا اور دردناک عذاب دے گا اور لوگ بے قرار ہوکر کہیں گے اے ہمارے پروردگار اس عذاب کو ہم سے دور کر ہم ایمان لائے اخیر کی علامت وہ آگ ہے جو عدن سے نکلے گی بعض نادان گمان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اہل ہند میں سے مہدی ہونے کا دعوی کیا تھا وہی مہدی موعود ہے پس انکے گمان میں مہدی گزر چکا ہے اور فوت ہو چکا ہے اور اسکی قبر کا پتہ دیتے ہیں کہ فرا میں ہے۔

احادیث صحیح جو حد شہرت بلکہ حد اتر تک تو پہنچ چکی ہیں ان لوگوں کی تکذیب کرتی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو علامات حضرت مہدی علیہ الرضوان کی لیے فرمائی ہیں ان لوگوں کے معتقد شخص کے حق میں مفقود ہیں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آیا ہے کہ مہدی موعود آئینگے۔ ان کے سر پر ابر ہوگا اس ابر میں ایک فرشتہ ہوگا جو پکار کر کہے گا یہ شخص مہدی ہے اسکی متابعت کرو۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام زمین کے مالک چار اشخاص ہوئے ہیں جن میں دو مومن اور دو کافر ہیں ۔ ذوالقرنین اور حضرت سلیمان علیہ السلام مومنوں میں سے ہیں۔ نمرود اور بخت نصر کافروں میں سے ہیں۔ اس زمین کا پانچواں مالک میری اہل بیعت سے ایک شخص ہوگا یعنی مہدی علیہ الرضوان نیز فرمایا ہے کہ دنیا فنا نہ ہوگی جب تک اللہ تعلیٰ میری اہل بیت میں سے ایک شخص کو مبعوث نہ فرمائے گا اسکا نام میرے نام کے موافق اور اسکے باپ کے نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا۔ زمین کو جور وظلم کی جگہ

عدل وانصاف سے پُر کردیگا۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ اصحاب کہف حضرت مہدی کے مددگار ہونگے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے زمانے میں نزول فرمائینگے اور دجال کو قتل کرنے میں انکے ساتھ موافقت کرینگے اور انکی سلطنت کے زمانے میں زمانہ کے معمول اور نجومیوں کے حساب کے برخلاف ماہ رمضان کی چودھویں تاریخ کو سورج گرہن اور اول ماہ میں چاند گرہن لگے گا۔ شیخ ابن حجرؒ نے مہدی منتظر کی علامات میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں دو صد ۲۰۰ تک علامات لکھی ہیں جاننا چاہیئے کہ خبر میں آیا ہے کہ جب عباسی بادشاہ جو حضرت مہدی کے ظہور کے مقدمات میں سے ہے خراسان پہنچے گا۔

(مکتوب ۶۸ دفتر دوم) مشرق کی طرف قرن ذوسنین (دو دندانہ والا سینگ) طلوع کرے گا اسکے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ستون مذکور کے دو سر ہونگے پہلے پہل اس وقت طلوع ہوا تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ کے زمانے میں طلوع ہوا تھا جبکہ انکو آگ میں ڈالا تھا اور فرعون اور اسکی قوم کے ہلاک ہونے کے وقت بھی طلوع ہوا تھا پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے وقت بھی ہوا تھا جب اسکو دیکھیں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فتنوں کے شر سے پناہ مانگیں یہ سفیدی جو مشرق کی طرف سے طلوع ہوئی تھی اول ستون منور کی صورت تھی بعد ازاں ٹیڑھی ہوکر سینگ کی مانند ہو گئی شاید اسی اعتبار سے فرمایا کہ اس سینگ کے دونوں طرف دانتوں کی طرح باریک ہو گئے تھے ان دونوں طرفوں کو دوسرا اعتبار کہا ہے جیسے کہ نیزہ کے دونوں طرف باریک ہوں اور انکو دوسرا اعتبار کریں یہ طلوع اس طلوع سے الگ ہے جو حضرت مہدی علیہ السلام کے آنے کے وقت پیدا ہوگا کیونکہ حضرت مہدیؓ صدی کے بعد آئیں گے اور ابھی سو میں سے اٹھائیس سال گزرے ہیں حدیث میں حضرت امام مہدیؓ کی علامات میں آیا ہے کہ مشرق کی طرف سے ایک ستارہ طلوع ہوگا جس کی دم نورانی ہوگی یہ ستارہ جو طلوع ہوا ہے شاید وہی ہے یا اسکی مثل ہے اور اس ستارہ کو دمدار اس واسطے کہتے ہیں کہ حکماء نے لکھا ہے کہ ثوابت ستاروں کا سیر مغرب سے مشرق کی طرف ہے پس اس ستارے کا رُخ اپنی سیر میں مشرق کی طرف ہے اور پیٹھ مغرب کی طرف پس وہ لمبی سفیدی اسکے پیچھے سے ہے جو دم کی مانند ہے اور مشرق و مغرب کی طرف ہر روز بلند ہوتا جاتا ہے اس کا قسری ہے جو فلک اعظم کے سیر سے وابستہ ہے۔ غرض مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کا وقت نزدیک ہے دیکھیں صدی تک جو اسکے ظہور کا وقت ہے کیا کیا مبادی و مقدمات ظہور میں آئینگے حضرت مہدیؓ کے ظہور کے یہ مقدمات اور مبادی ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارہاصات کی طرح ہیں جو حضور ﷺ کے نور نبوت کے ظہور سے اول ظاہر ہوئے تھے۔

جب حضرت مہدیؓ بڑے ہو جائیں گے اور ان کے سبب اسلام اور مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوگی اور ظاہر و باطن میں انکی ولایت کا تصرف عظیم ہوگا اور کئی طرح کے خوارق و کرامات ان سے ظاہر ہونگے اور عجیب و غریب نشان انکے زمانہ میں پیدا ہونگے تو ممکن ہے کہ ان کے وجود سے پہلے نبی ﷺ کے ارہاصات کی طرح مختلف قسم کے خرق عادات ظاہر ہوں جو ان کے ظہور کے مبادی ہوں واضح ہو کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مہدیؓ ظاہر نہ ہوں گے جب تک کفر غالب نہ ہوگا یعنی اس وقت کفر اور کافری غالب ہوگی۔ اسلام اور مسلمان زبون و مغلوب (ہوں گے) مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت آنے سے پہلے سیاہ رات کی طرح فتنے برپا ہوں گے اس وقت آدمی اگر صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہوگا اور اگر شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا۔ اس وقت بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے اچھا ہوگا اس وقت تم اپنی کمانوں کو توڑ ڈالو اور اپنی تلواروں کو پتھروں سے کند کردو۔ اگر تم میں سے کوئی کسی کے پاس جائے تو اس کے پاس جائے تو اس کے پاس آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے بہتر کی طرح جائے۔

روایت ہے کہ اس وقت تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو دوسری روایت میں ہے کہ اپنے گھروں کے اندرون کو لازم پکڑو۔

حضرت مہدیؓ ہزار سال کے بعد پیدا ہونگے: (مکتوب ۲۰۹ دفتر اول) حضرت مہدی علیہ الرضوان جن کی تشریف آوری کی نسبت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت فرمائی ہے ہزار سال کے بعد پیدا ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے۔

حضرت مہدی کی ولادت: (مکتوب ۲۵۱ دفتر اول) حضرت مہدیؓ موعود کا رب بھی صفت العلم ہے اور حضرت امیر (حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ) کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں گویا ایک قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امیرؓ کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدی علیہ الرضوان کے سر پر ہے میرا خیال ہے کہ حضرت مہدیؓ موعود ولایت کی اکملیت کے لیے مقرر ہیں کیونکہ ان کو یہ نسبت حاصل ہوگی اور اس سلسلے عالیہ کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے کیونکہ تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبت علیہ سے نیچے ہے۔

(مکتوب ۲۶۰ دفتر اول) امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعدی ہدولت (منصب نبوت کے کمالات) از سرِ نو تازہ ہوں اور غلبہ اور شیوح پیدا کرے اور کمالات اصلیہ ظاہر ہوں اور ظلیہ پوشیدہ ہو جائیں اور حضرت مہدی موعودؓ ظاہر و باطن میں اسی نسبت علیہ کو رواج دیں گے۔

حضرت مہدی کے معارف: (مکتوب ۲۳۴ دفتر اول) وہ معارف جو اس فقیر سے بے ارادہ و

بے تکلف ظاہر ہو رہے ہیں اگر بہت سے لوگ جمع ہو کر ان کی تعویر میں کوشش کریں تو معلوم نہیں کہ میسر ہو سکے۔ فقیر کا یقین ہے کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کے نصیب ہوگا۔

مدینہ کے بدعتی عالم کا قتل: (مکتوب ۲۵۵ دفتر اول) منقول ہے کہ حضرت مہدی علیہا السلام اپنی سلطنت کے زمانے میں جب دین کو رواج دیں گے اور سنت کو زندہ کریں گے تو مدینہ کا (ایک) عالم جس نے بدعت پر عمل کرنے کو اپنی عادت بنایا ہوگا اور اس کو حسن خیال کر کے دین کے ساتھ ملالیا ہوگا تعجب سے کہے گا کہ اس شخص نے ہمارے دین کو (ہم سے) دور کر دیا ہے اور ہمارے مذہب و ملت کو مار دیا ہے اور خراب کر دیا ہے حضرت مہدی علیہ الرضوان اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے اور اس کے حسنہ کو سئیہ خیال کریں گے۔

مہدویہ جماعت: (مکتوب ۱۵ دفتر دوم) یہ سستی اور غفلت کا نتیجہ ہے کہ مہدویہ جماعت کے لوگ کھلم کھلا اہل حق کو اپنے باطل کی طرف دعوت کرتے ہیں اور موقعہ پا کر بھیڑیئے کی طرح ریوڑ سے ایک دو کو لے جاتے ہیں۔

(نوٹ: ایک شخص سید محمد جونپوری نے جو ۸۴۷ ہجری میں پیدا ہوا تھا اور اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اس کے ماننے والے صوبہ دکن بھارت میں ابھی تک موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ماضی قریب میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اسے ماننے والے ابھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں (ربوہ ان کا صدر مقام ہے)

عذاب قبر اور احوال قبر

قبر برزخ ہے: (مکتوب ۱۷ دفتر سوم) قبر چونکہ دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس لیے اس کا عذاب بھی ایک لحاظ سے دنیا کے عذاب کے مشابہ ہے جو انقطاع پذیر یعنی ختم ہونے والا ہے اور ایک اعتبار سے عذاب آخرت کی مانند ہے جو عذاب آخرت کی جنس سے ہے اس عذاب کے زیادہ تر مستحق وہ لوگ ہیں جو بول (پیشاب) سے پرہیز نہیں کرتے اور نیز وہ لوگ جو دوسروں کی چغلیاں اور سخن چینی کرتے ہیں۔ قبر میں منکر نکیر کا سوال برحق ہے۔ قبر میں یہ بڑا بھاری فتنہ اور آزمائش ہے حق تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

(مکتوب ۳۶ دفتر سوم) عالم برزخ یعنی مقام قبر کی زندگی دنیوی زندگی کی قسم سے نہیں ہے جس کے لیے حرکت کی ضرورت نہیں بلکہ یہ حرکت عالم برزخ کے منافی ہے وہاں صرف احساس ہی کافی ہے تاکہ رنج و عذاب کو پالے گویا عالم برزخ کی زندگی دنیوی زندگی کا نصف حصہ ہے اور وہاں جو روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہے روح و بدن کے اس تعلق سے نصف ہے جو دنیوی زندگی میں ہوتا ہے جس کے سبب

غیر مدفون مردے عالم برزخ کی زندگی میں دردو عذاب محسوس کرتے ہیں اور برزخ کی زندگی میں کوئی حرکت واضطراب ان سے ظاہر نہیں ہوتی۔

عذابِ قبر: (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) قبر کا عذاب کافروں اور بعض گناہ گار مومنوں کے لیے حق ہے مخبر صادق ﷺ نے اس کی نسبت خبر دی ہے قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر ونکیر کا سوال بھی حق ہے۔ قبر دنیا و آخرت کے درمیان ایک برزخ ہے اسکا عذاب ایک وجہ سے عذاب دینوی سے مناسبت رکھتا ہے اور انقطاع پذیر ہے اور دوسری وجہ سے عذاب آخرت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جو درحقیقت آخرت کے عذابوں سے ہے۔ آیت کریمہ صبح وشام وہ آگ سامنے پیش کیے جاتے ہیں عذاب قبر میں (کے سلسلہ میں) نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح قبر کا آرام بھی دو جہت رکھتا ہے۔ وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جس کی لغزشوں کو کمال کرم اور مہربانی سے بخش دیں اور ہرگز اسکا مواخذہ نہ کریں اور اگر مواخذہ کے مقام میں آئے بھی تو کمال مہربانی سے دنیا کے رنجوں اور مصیبتوں کو اسکے گناہوں کا کفارہ بنادیں اور جو کچھ بقیہ رہ جائے تو قبر کی تنگی اور ان تکلیفوں کو جو اس مقام کے لیے مقرر کی ہوئی ہیں اسکے گناہوں کا کفارہ بنادیں تا کہ پاک و پاکیزہ محشر میں مبعوث ہو اور جس شخص کے لیے ایسا نہ کریں اور اسکا مواخذہ آخرت پر موقوف رکھیں اسکے حق میں عدل ہے لیکن گناہ گاروں اور شرمساروں کے حال پر افسوس ہے ہاں جو کوئی اہل اسلام سے ہے اسکا انجام رحمت ہے اور عذاب ابدی سے محفوظ ہے۔ یہ بھی بڑی اعلیٰ نعمت ہے

عجیب وغریب اسرار: (مکتوب ۱۶ دفتر دوم) اس مقام کے معاملات نہایت عجیب وغریب ہیں آجکل چونکہ فرزندِ اعظم (خواجہ محمد صادقؒ) کی تقریب پر اس مقام کی طرف بہت نظر کی جاتی ہے اس لیے نہایت ہی عجیب وغریب اسرار ظاہر ہوتے ہیں اگر ان کا تھوڑا سا حال بھی بیان کیا جائے تو بڑے فتنے پیدا ہو جائیں۔ اگر چہ جنت کی چھت عرش مجید ہے لیکن قبر بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے عقل کوتاہ اندیش ان باتوں کے تصور سے عاجز ہے وہ اور ہی آنکھ ہے جو اس قسم کی اعجوبہ باتوں کو دیکھتی ہے۔

عذاب قبر اور ارواح: (مکتوب ۳۱ دفتر سوم) (صوفیہ) نے عالم ممکنات کی تین قسمیں مقرر کی ہیں عالمِ ارواح عالمِ مثال اور عالم اجساد عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان برزخ کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم مثال ان دونوں عالموں کے معانی اور حقائق کے لیے آئینہ کی طرح ہے کہ اجساد اور ارواح کے معانی اور حقائق عالم مثال میں لطیف صورتوں کی طرح ظہور پاتے ہیں کیونکہ عالمِ مثال اور حقیقت کے مناسب دوسری صورت اور ہیئت ہے عالم مثال میں فی ذاتہٖ صورتیں اور

ہیات اور شکلیں نہیں ہیں بلکہ صورتیں اور شکلیں اسمیں دوسرے عالموں سے منعکس ہو کر ظاہر ہوئی ہیں جس طرح آئینہ جس میں فی نفسہ کوئی صورت و شکل نہیں۔ اگر اسمیں کوئی صورت موجود ہے تو خارج سے آئی ہے جب یہ بات آپ کو معلوم ہو چکی تو پھر جاننا چاہیئے کہ روح بدنی تعلق سے پہلے اپنے عالم ارواح میں رہا ہے جو عالم مثال کے اوپر ہے اب اگر اس نے بدنی تعلق کے بعد تنزل کیا ہے اور محبت کے علاقہ کے باعث عالم اجساد میں اتر آیا ہے تو عالم مثال کے ساتھ کچھ کام نہیں رکھتا اس کو بدنی تعلق سے پہلے عالم مثال کے ساتھ کچھ اور واسطہ تھا اور اب تعلق بدنی کے بعد صرف اسی قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بعض اوقات روح اپنے احوال کی خوبی اور برائی کو وہاں سے معلوم کرتا ہے جیسے کہ واقعات اور خوابوں میں یہ بات واضح ہے اور روشن ہے۔ بسا اوقات سالک بغیر اس امر کے کہ حق سے غائب ہو۔ اس بات سے معلوم کر لیتا ہے اور بدن کی مفارقت کے بعد اگر روح علوی ہے تو فوق کی طرف متوجہ ہے اور اگر سفلی ہے تو سفل کا گرفتار ہے عالمِ مثال سے اسکا کچھ کام نہیں عالمِ مثال صرف دیکھنے کے لیے ہے نہ کہ رہنے کے لیے۔ رہنے کی جگہ عالمِ اروح ہے یا عالمِ اجساد۔ عالمِ مثال ان دونوں عالموں کے لیے آئینہ کی طرح ہے اور وہ درد جو عالم خواب میں عالمِ مثال میں محسوس ہوتا ہے وہ اس عذاب کی صورت اور شبح (اشباح) ہے جس عذاب کا مستحق وہ خواب دیکھنے والا ہوا ہے اور اسکی تنبیہ کے لیے اس امر کو اس پر ظاہر کیا ہے لیکن قبر کا عذاب اس قسم کا نہیں ہے وہ عذاب کی حقیقت ہے نہ کہ عذاب کی صورت اور شبح ہے نیز وہ درد جو خواب میں محسوس ہوتا ہے بالفرض اگر حقیقت بھی رکھتا ہو تو دینوی دردوں کی قسم ہی سے ہو گا اور قبر کا عذاب آخرت کے عذاب کی قسم سے ہے ان دونوں میں بہت فرق ہے دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں کچھ اعتبار و مقدار نہیں رکھتا۔ اگر دوزخ کی آگ کا ایک چنگارہ دنیا میں آپڑے تو سب کچھ جلا دے اور نیست و نابود کر دے۔ عذاب قبر کو عذاب خواب کی طرح جاننا عذاب کی صورت اور حقیقت پر اطلاع نہ پانے کے باعث ہے اس اشتباہ کا باعث یہ بھی ہے کہ دنیا کے عذاب اور آخرت کے عذاب کو ایک جیسا سمجھیں لیکن یہ بھی صاف طور پر باطل ہے۔

خواب اور موت: آیت کریمہ ''اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے ارواح کو انکی موت کے وقت اور انکو جو نہیں مرتے اپنی خوابوں میں'' سے مفہوم ہوتا ہے کہ توفی انفس یعنی جانوں کا قبض کرنا جس طرح موت میں ہے اسی طرح خواب میں بھی ہے پھر ایک عذاب کو دنیا کے عذابوں سے جاننا اور دوسرے کو عذاب کو آخرت کے عذابوں سے کہنا کس وجہ سے ہے خواب کا قبض اس قسم کا ہے کہ جیسے کوئی شخص سیر و تماشا کے لیے شوق و رغبت کے ساتھ اپنے وطن مالوف سے باہر نکلے تا کہ فرح و سرور حاصل کر سکے اور خوش و خرم

اپنے وطن کو لوٹ آئے اسکی سیرگاہ عالمِ مثال ہے جس مین ملک و ملکوت کے عجائبات بھرے ہیں لیکن موت کا قبض ایسا نہیں ہے کیونکہ اس وقت وطن مالوف اجاڑ ہو جاتا ہے اور آباد گھر ویران ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب کے قبض میں کوئی رنج و تکلیف حاصل نہیں ہوتی بلکہ فرح و سرور حاصل ہوتا ہے اور موت کے قبض میں بہت سختی اور تکلیف ہوتی ہے پس خواب کے متوفی کا وطن دنیا ہے اور وہ معاملہ جو اسکے ساتھ کرتے ہیں دنیاوی معاملات میں سے ہے اور موت کا متوفی اپنے وطن مالوف کے اجڑ جانے کے بعد آخرت کی طرف انتقال کر چکتا ہے اس لیے اس کا معاملہ آخرت کے معاملات میں سے ہے آپ نے سنا ہو گا کہ:

''جو شخص مر گیا اس کی قیامت آ گئی''

دنیا اور آخرت کے احوال

دنیا اور آخرت دو ضدیں: (مکتوب ۲۷ دفتر اول) دین و دنیا کا جمع کرنا دو ضدوں کا جمع کرنا ہے پس طالب آخرت کے لیے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے اور چونکہ اس وقت اسکا حقیقی ترک میسر نہیں ہو سکتا بلکہ مشکل ہے تو ناچار ترک حکمی پر ہی قرار پکڑنا چاہیئے اور ترک کلی سے مراد یہ ہے کہ دینوی امور میں شریعت روشن کے حکم کے مطابق چلنا چاہیئے اور کھانے پینے اور رہنے سہنے میں شرعی حدود کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور جب احکام شرعی سے آراستہ ہونا نصیب ہوا تو گویا دنیا کی تکالیف سے نجات حاصل ہو گئی اور آخرت کے ساتھ جمع ہو گئی اور اگر اس قسم کا ترک حکمی میسر نہ ہو تو وہ اس بحث سے خارج ہے اور منافق کا حکم رکھتا ہے کیونکہ ظاہری ایمان آخرت میں فائدہ مند نہ ہو گا اسکا نتیجہ صرف دنیاوی خون اور مالوں کا بچاؤ ہے۔

دنیا کیا ہے؟ (مکتوب ۳۰ دفتر اول) دنیا آزمائش اور امتحان کا مقام ہے اس کے ظاہر کو طرح طرح کی آرائشوں سے ملمع اور آراستہ کیا گیا ہے اور اسکی صورت کو وہمی خط و خال اور زلف چہرہ سے پیراستہ کیا گیا ہے۔ دیکھنے میں شیریں اور تر و تازہ نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مردار ہے۔ مکھیوں اور کیڑوں سے بھرا ہوا کوڑا اور پانی کی طرح دکھائی دینے والا سراب اور زہر کی مانند شکر ہے اسکا باطن سراسر خراب اور ابتر ہے اور باوجود اس قدر گندا ہونے کے اسکا معاملہ اہل دنیا کے ساتھ اس سے بھی بدتر ہے جو بیان ہو سکے اسکا فریفتہ دیوانہ اور جادو کا مارا ہوا ہے اسکا گرفتار بھوکا کھایا ہوا اور مجنوں ہے جو شخص اسکے ظاہر پر فریفتہ ہوا ہمیشہ کا خسارہ اسکے ہاتھ آیا اور جس نے اسکی مٹھاس اور تر و تازگی پر نظر کی ہمیشہ کی شرمندگی اسکے نصیب میں ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں آپس میں سوکنیں ہیں اگر ایک راضی

ہوگی تو دوسری ناراض۔ پس جس نے دنیا کو راضی کیا آخرت اس سے ناراض ہوگئی پس آخرت سے بے نصیب ہوگیا حق تعالیٰ ہم کو دنیا اور اہل دنیا کی محبت سے بچائے۔

اے فرزند! کیا تو جانتا ہے کہ دنیا کیا ہے؟ دنیا وہی ہے جو تجھے حق تعالیٰ کی طرف سے ہٹا رکھے پس زن اور مال و جاہ وریاست ولہو لعب اور بے ہودہ کاروبار میں مشغول ہونا سب دنیا میں داخل ہے اور وہ علوم جو آخرت میں کام آنے والے نہیں ہیں سب دنیا ہی میں داخل ہیں اگر نجوم و ہندسہ و منطق و حساب وغیرہ بے فائدہ علوم کا حاصل ہونا مفید ہوتا تو فلاسفہ سب اہل نجات میں سے ہوتے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بندے کا فضول کاموں میں مشغول ہونا خدا تعالیٰ سے روگردانی کی علامت ہے۔

علم نجوم: اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ علم نجوم نماز کے اوقات پہچاننے کے لیے درکار ہے اسکا مطلب یہ نہیں کہ علوم نجوم کے بغیر اوقات پہچانے نہیں جاتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ علم نجوم اوقات کے پہچاننے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ بہت لوگ علم نجوم نہیں جانتے مگر نماز کے اوقات کو نجوم کے جاننے والوں سے بہتر جانتے ہیں اور علم منطق اور حساب وغیرہ کے حاصل کرنے کی بھی جن کا مجمل طور پر حاصل کرنا بعض علوم شرعی میں ضروری ہے۔ یہی وجہ بیان کرتے ہیں۔ غرض بہت سے حیلوں کے بعد ان علوم کے ساتھ مشغول ہونے کا جواز ثابت ہو جاتا ہے بشرطیکہ شرعی احکام کی معرفت اور علم کلام کی دلیلوں کی تقویت کے سوا انکے حاصل کرنے سے اور کوئی غرض مدنظر نہ ہو ورنہ ہرگز جائز نہیں ہے۔ یہ انسان اپنے مولیٰ کے حکم کا محکوم غلام ہے۔ اسکو خود مختار نہیں بنایا کہ جو چاہے کرے۔ اسکی کچھ باز پرس نہ ہوگی۔ فکر کرنا چاہئے اور عقل و دور اندیشی سے کام لینا چاہئے کل قیامت کے دن ندامت اور خسارے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا کام کا وقت جوانی کا زمانہ ہے جوانمرد وہ ہے جو اس وقت کو ضائع نہ کرے اور فرصت کو غنیمت جانے۔ ممکن ہے کہ اسکو بڑھاپے تک نہ پہنچنے دیں اگر پہنچنے بھی دیں تو جمعیت حاصل نہ ہوگی اور اگر حاصل ہوگی تو ضعف اور سستی کے وقت کچھ نہ کر سکے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ آج کل کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ اگر دنیا کمینی کے کاموں کو کل پر ڈال دیں اور آج آخرت کے کاموں میں مشغول ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ انسان کے پیدا کرنے سے جو خلاصہ موجودات ہے صرف کھیل کود اور کھانا سونا نہیں بلکہ اس سے مقصود بندگی کے وظائف کو ادا کرنا ہے۔ ذلت و انکسار و عجز و احتیاج و التجاء اور خدائے تعالیٰ کی جناب میں گریہ زاری کرنا ہے۔ صرف ظاہری اسلام نجات نہیں بخشتا۔ یقین حاصل کرنا چاہیے۔ یقین کہاں کہ ظن بھی نہیں ہے بلکہ وہم بھی نہیں ہے۔ چونکہ نفس بالذات بخیل ہے اور احکام الٰہی کے بجالانے میں سرکش ہے اس واسطے بات صرف اور مبالغہ سے کہی جاتی ہے ورنہ مال و ملک سب

خدائے تعالیٰ کا ہے۔ وہ بیمار صرف مرض کا دوا کا علم رکھتا ہے۔ جب تک اس دوا کو نہ کھائے گا صحت نہ پائے گا حدیث پاک میں ہے کہ سب لوگوں میں سب سے بڑھ کر عذاب کا مستحق وہ ہے جس کو اپنے علم سے کچھ نفع نہیں۔

دنیا و آخرت: (مکتوب ۳۸ دفتر اول) دنیا اور آخرت کا جمع ہونا دوضدوں کا جمع ہونا ہے۔ ان دونوں ضدوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے اور جس کے عوض چاہے اپنے آپ کو بیچ ڈالے۔ آخرت کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور دنیا کا اسباب بہت تھوڑا۔ آخر ایک دن زن و فرزند کو چھوڑنا پڑے گا اور ان کی تدبیر حق تعالیٰ کے سپرد کرنا پڑے گی۔ آج ہی اپنے آپ کو مردہ سمجھنا چاہیے اور ان کی ضروریات حق تعالیٰ کے سپرد کرنی چاہئیں اہل دنیا کی صحبت اور ان سے ملنا جلنا زہر قاتل ہے۔ اس زہر سے مراد ہوا ہمیشہ کی موت میں گرفتار ہے۔ ان کی صحبت سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں کیونکہ شیر تو دنیاوی موت کا موجب ہے اور وہ بھی آخرت میں فائدہ دے جاتی ہے بادشاہوں سے ملنا جلنا ہمیشہ کی ہلاکت اور دائمی خسارے کا موجب ہے پس ان کی صحبت اور لقمہ اور محبت اور ان کی ملاقات سے بچنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے کسی دولت مند کی تواضع اس کی دولت مندی کے باعث کی اس کے دو حصے دین کے چلے گئے۔ یہ سب تواضع اور چاپلوسی ان کی دولت مندی کے باعث ہے یا کسی اور باعث سے۔ کچھ شک نہیں کہ ان کی دولت مندی کے باعث ہے۔ اس کا نتیجہ دین کے دو حصوں کا ضائع ہو جانا ہے تو اسلام کہاں اور نجات کہاں کی۔

(مکتوب ۲۱۵ دفتر اول) اے فرزند دنیادار اور دولت مند بڑی بلا میں گرفتار ہیں وہ ابتلائے عظیم میں مبتلا ہیں کیونکہ دنیا کو جو حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور تمام نجاستوں سے زیادہ مردار ہے ان کی نظروں میں آراستہ و پیراستہ ظاہر کیا ہے جس طرح کہ نجاست کو سونے سے ملمع کر دیں اور زہر کو شکر میں ملا دیں حالانکہ عقل دور اندیش کو اس کمینی کی برائی سے آگاہ کر دیا ہے۔ اور اس ناپسندیدہ کی قباحت پر ہدایت دلالت فرمائی ہے اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے اگر کوئی شخص وصیت کر کے میرا مال زمانے کے عقلمند کو دیں تو زاہد کو دینا چاہیے جو دنیا سے بے رغبت ہے اور اس کی وہ بے رغبتی کمال عقل سے ہے۔

دنیا کا انحصار چار چیزوں پر ہے: (مکتوب ۲۳۲ دفتر اول) حق تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو پانچ بلکہ چار چیزوں پر منحصر کیا ہے (فرمایا ہے) دنیا کی زندگی کھیل کود زینت و باہم فخر کرنا اور مال و اولاد میں اضافہ کرنا ہے۔ چونکہ علاج ضد سے ہوتا ہے اس لیے اس کمینی دنیا کی محبت دور کرنے کا علاج اور آخرت میں رغبت (پیدا) کرنا اور شریعت اور روشن کے احکام کے موافق اعمال صالحہ بجالانے سے وابستہ ہے۔

پس جب عمل صالحہ میں مشغول ہوں تو اسکا جز واعظم جولعب ولہو ہے کم ہونے لگتا ہے۔ جب یقین ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک فضلیت بزرگی اور پرہیزگاری اور تقوی ہے نہ کہ حسب نسب تو فخر سے باز آتے ہیں جب جانیں کہ مال واولاد حق تعالیٰ کے ذکر سے مانع ہیں اور اسکی بارگاہ سے روکتے ہیں تو زیادہ حاصل کرنے سے کوتاہی کرتے ہیں اور انکے بڑھانے کو معیوب جانتے ہیں۔

مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت: (مکتوب ۶۴ دفتر دوم) دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور قید خانے کے مناسب حال درد واندوہ ومصیبت ورنج ہوتا ہے احوال کے تغیر وتبدل سے دل تنگ اور امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے دل گیر نہ ہونا چاہیے کیونکہ تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ایک تنگی کے ساتھ دو فراخی کو ملا دیا ہے شاید اس سے دنیا اور آخرت کی فراخی مراد ہو۔

(مکتوب ۶۴ دفتر اول) دنیا کی لذت اور الم دو قسم ہے جسمانی اور روحانی۔ جس چیز میں جسم کی لذت ہے اسمیں روح کا رنج ہے اور جس چیز سے جسم کو رنج پہنچے اسمیں روح کی لذت ہے پس روح اور جسم ایک دوسرے کے ضد ہیں اور جہان میں کہ روح جسم کے مقام میں اتری ہوئی ہے اور جسم اور جسمانی میں گرفتار ہوئی ہے روح نے بھی جسم کا حکم پیدا کر لیا ہوا ہے اور اسکی لذت سے اسکو لذت اور اسکے رنج سے اسکو رنج ہے یہ مرتبہ عوام کالانعام کا ہے روح کی بیماری کے باعث ہے کہ اپنے کو لذت اور لذت کو رنج معلوم کرتا ہے جیسے کہ صفراوی مزاج والا شخص بیماری کے باعث شیرینی کو کڑوا معلوم کرتا ہے جب اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں درد والم ومصیبت نہ ہوتے تو جو کے برابر اسکی قدر نہ ہوتی۔ اسکی ظلمتوں کو واقعات اور حادثات دور کر دیتے ہیں۔ حادثات کی تلخی داروئے تلخ کی طرح نافع ہے جس سے مرض کو دور کرتے ہیں۔عبادت سے مقصد عجز وانکسار ہے پس انسان اور خاص کر مسلمانوں اور دین داروں کے پیدا کرنے سے مقصود ذلت وخواری ہے کیونکہ دنیا انکے لیے قید خانہ ہے قید خانہ میں عیش وآرام کا ڈھونڈنا عقل سے دور ہے پس آدمی کو محنت کشی اور اس بوجھ کے اٹھانے سے کوئی چارہ نہیں۔

دنیا مقام ابتلا: (مکتوب ۹۶ دفتر اول) شیطان خدا کے کرم پر مغرور کر کے سستی میں ڈالتا ہے اور اسکی عفو کا بہانہ بنا کر گناہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ دنیا آزمائش اور ابتلا کا مقام ہے اسمیں دشمن اور دوست دونوں کو ملایا ہوا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کیا ہے لیکن قیامت کے دن دشمن کو دوست جدا کر دینگے (اے مجرمو آج الگ ہو جاؤ القران (یہ آیت کریمہ) اس مضمون کی خبر دیتی ہے اس وقت رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام ڈالیں گے اور دشمنوں کو محروم مطلق اور لعنت کا مستحق فرمائیں گے علماء

نے فرمایا ہے کہ صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کفر تک لے جاتا ہے۔

دنیا کی محبت: (مکتوب ۱۹۷ دفتر اول) سعادت مند آدمی جسکا دل دینا سے سرد ہو گیا ہو اور حق سبحانہ کی محبت کی گرمی سے گرما ہو گیا ہو۔ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور اس کا ترک کرنا تمام عبادتوں کا سردار کیونکہ دنیا حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور جب سے اسکو پیدا کیا ہے اسکی طرف نہیں دیکھا۔ دنیا اور دنیا دار طعن و ملامت کے داغ سے داغدار ہیں۔ حدیث شریف میں ہے دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر۔ جب ذاکر بلکہ ان کے وجود کا ہر ایک رونگٹا اللہ کے ذکر سے پر ہے تو وہ اس وعید سے خارج ہیں اور دنیا داروں کے شمار میں نہیں کیونکہ دنیا وہ چیز ہے جو دل کو حق تعالیٰ کی طرف سے ہٹا رکھے اور اسے غیر کے ساتھ مشغول کر دے خواہ وہ مال و اسباب ہو۔ خواہ جاہ و ریاست خواہ ننگ و ناموس۔ جو کچھ دنیا کی قسم سے ہے وہ بلائے جان ہے۔ اہل دنیا ہمیشہ کے لیے تفرقہ میں ہیں اور آخرت میں حسرت و ندامت والوں میں سے

ترک دنیا کی حقیقت: (مکتوب ۱۹۷ دفتر اول) دنیا کے ترک کی حقیقت سے مراد اسمیں رغبت کا ترک کرنا ہے اور رغبت کا ترک کرنا اس وقت ثابت ہوتا ہے جبکہ اسکا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے اور اس مطلب کا حاصل ہونا جمیعت والے لوگوں کی صحبت کے بغیر مشکل ہے۔ اہل کرم کا طریقہ ایثار یعنی غیر کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے: (مکتوب ۲۱۴ دفتر اول) حق تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے۔ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو سب کا سب بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں نہ ڈالے اور ایک دانہ سے سات سو دانہ نہ بنائے اور اس دن کے لیے کہ بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ماں بیٹے کی خبر نہ لے گی کچھ ذخیرہ نہ کرے۔ ایسے شخص کو دنیا و آخرت میں خسارہ حاصل ہے اور سوائے حسرت و ندامت کچھ فائدہ نہیں۔ نیک بخت لوگ دنیا کی فرصت کو غنیمت جانتے ہیں۔ نہ اس غرض کے لیے کہ دنیا کی لذتوں اور نعمتوں سے عیش و آرام حاصل کریں۔

(مکتوب ۲۶۳ دفتر اول) پس تمام ظہورات میں سے ادنیٰ ظہور دنیا و مافیہا ہے اور ان ظہورات میں سے اعلیٰ جنت بلکہ دنیا بالکل ظہور کا مقام نہیں۔ وہ ظلی ظہورات اور مثالی نمائش جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہیں فقیر کے نزدیک سب امور دنیا میں شمار ہیں اور حقیقت میں وہ ظہورات خواہ تجلیات صفات ہوں خواہ تجلیات ذات سب دائرہ امکان میں داخل ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس جگہ مطلوب کو ڈھونڈنا اپنے آپ کو پریشان کرنا یا مطلوب کے غیر کو مطلوب جاننا ہے چنانچہ اکثر لوگ اس میں

گرفتار ہیں اور خواب وخیال میں آرام کیے ہوئے ہیں۔

دنیا کا مال و دولت: (مکتوب ۱۸ دفتر سوم) اگر تمہارے باپ بیٹے بھائی بیویاں کنبہ اور دولت جو تم نے جمع کیے ہیں اور تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو۔ اللہ اور اسکے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی نسبت تم کو عزیز ہیں تو پھر منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا تم اچھا جانو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ یہ بات اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے'' جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے اور بہت (سے گناہوں) کو وہ معاف کر دیتا ہے'' (القرآن)۔

احوالِ آخرت: (مکتوب ۶۷ دفتر دوم) جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے آخرت کے احوال کی نسبت خبر دی ہے سب حق اور سچ ہیں۔ یعنی قبر کا عذاب اور اسکی تنگی۔ منکر نکیر کا سوال۔ جہاں کا فنا ہونا۔ آسمان کا پھٹ جانا۔ ستاروں کا پراگندہ ہونا زمین اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور مرنے کے بعد جی اٹھنا روح کا جسم میں واپس ڈالنا۔ قیامت کا زلزلہ اور خوف اعمال کے حساب کیے ہوئے اعمال پر اعضاء کی شہادت۔ نیک و بد اعمال نامہ کا دائیں اور بائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا اور برے بھلے اعمال کے تولنے کے لیے میزان رکھنا اور اسکے ذریعے برائیوں اور بھلائیوں کی کمی بیشی معلوم کرنا۔ اگر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو نجات کی علامت ہے۔ اور اگر ہلکا ہوا تو خسارے کا نشان ہے۔ اس میزان کا ہلکا یا بھاری ہونا دنیا کی میزان کے بھاری یا ہلکا ہونے کے برخلاف ہے وہاں جو پلڑا اوپر کو جائیگا وہ بھاری ہوگا اور جو نسا نیچے ہوگا خفیف اور ہلکا ہوگا۔ سب کچھ سچ اور راست ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کی شفاعت حق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور اول پیغمبر گناہ گار مومنوں کی شفاعت کرینگے پھر صالحین رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔ پلصراط حق ہے اسکو دوزخ کی پشت پر رکھیں گے۔

مومن اس پل سے عبور کر کے بہشت میں جائیں گے اور کافر پھسل پھسل کر دوزخ میں گرینگے۔ حساب و کتاب کے بعد جب مومن بہشت میں جائینگے وہاں ہمیشہ کے لیے آرام سے رہیں گے اور کبھی باہر نہ نکالے جائینگے۔ ایسے ہی جب کافر دوزخ میں جائیں گے تو ہمیشہ تک عذاب میں رہیں گے اور ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ جس کے دل میں ذرہ ایمان ہوگا اسکو دوزخ سے نکال لیں گے یعنی گناہوں کی زیادتی کے باعث اسکو دوزخ میں ڈالیں گے اور گناہوں کے موافق عذاب دے کر اسکو دوزخ سے نکال لیں گے اور اسکے ایمان کی برکت سے کفار کی طرح اسکے منہ کو سیاہ نہ کرینگے اور طوق و

زنجیر نہ ڈالیں گے جو کچھ خطا وخلل سے محفوظ دشمنی کے مکروفریب سے معصوم فرشتوں نے حق تعالیٰ کی طرف پہنچایا ہے۔ سب صدق وصواب ہے اس میں کسی قسم کا احتمال واشتباہ نہیں۔ یہ بزرگوار حق تعالی کی عظمت وجلال سے ڈرتے اور اسکے امر بجالانے کی سوا کچھ کام نہیں کرتے۔ مومن گناہ کرنے سے اگرچہ کبیرہ ہوں ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دائرہ کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ آخرت میں رحمت خداوندی سے محروم ہونا کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور جو کوئی ذرہ ایمان رکھتا ہے رحمت کا امیدوار ہے۔ اگر گناہ کے باعث ابتداء میں رحمت نہ پہنچے تو انتہا میں اللہ تعالیٰ کی عنائت میسر ہو جائے گی قیامت کے دن پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ اگر نماز کا محاسبہ درست ہو گیا تو باقی محاسبے اللہ تعالیٰ کی عنائت سے آسانی سے گزر جائیں گے۔ کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان نماز ہی کا فرق ہے

موت ایک پل ہے: (مکتوب ۴۵ دفتر اول) موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملاتا ہے۔ خدا کا دوست آدمی اس کے ساتھ ہے جس کیساتھ اسکو محبت ہے کے موافق خدا کے ساتھ ہیں۔ لیکن بدنی تعلق اسی معیت اور اتصال کے درمیان ایک قسم کا مانع ہے۔ اس عنصری پیکر سے جدا ہونے اور ضلمانی صورت سے الگ ہونے کے قرب درقرب اور اتصال دراتصال ہے

(مکتوب ۴۷ دفتر اول)۔ (یوم قیامت) حضرت حق تعالیٰ قیامت کے دن پکارے گا لمن اُلملک الیومُ آج یہ کس کا ملک ہے اور خود ہی جواب میں فرمائے گا (اللہ واحد للہ والحد القہار کا ہے) اس دن بندوں پر ڈر اور خوف چھایا ہوگا اور حسرت وندامت کے سوا کچھ متصور نہ ہوگا۔ حق تعالیٰ قرآن مجید میں اس دن کی سختی اور مخلوقات کی بیقراری سے خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے۔

''وہ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑا سخت ہے اس دن دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں کو بھول جائیگی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ مستوں کی طرح لڑکھڑاتے نظر آئیں گے حالانکہ وہ مست نہ ہونگے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے''

سود کی حرمت: (۱۰۲ دفتر اول) ربا سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے جو محتاج اور غیر محتاج کو شامل ہے وہاں محتاج کا خاص کرنا اس قطعی حکم کا منسوخ کرنا ہے اور قنیہ کی روایت یہ مرتبہ نہیں رکھتی کہ حکم قطعی منسوخ کرے حالانکہ جمال لاہوری جو لاہور کے علماء میں سے سب سے زیادہ عالم ہیں فرماتے تھے کہ قنیہ کی بہت سی روایات قابلِ اعتبار نہیں ہیں اور کتب معتبرہ کی روائیتوں کی مخالف ہیں اور نیز اگر محتاج سے عام مراد لیا جائے تو پھر چاہیے کہ رُبا کی حرمت کے لیے کوئی مقام اور محل پیدا نہ ہو کیونکہ جو زیادتی قبول کرتا ہے اس باعث کوئی نہ کوئی حاجت ضروری ہوتی ہے اور بغیر حاجت کے کوئی شخص اپنے

ضرر پر پیش دستی نہیں کرتا پس اس صورت میں اس صاحب تعریف حکم کے نازل فرمائے ہوئے حکم کے لیے کوئی زیادہ فائدہ باقی نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز اس قسم کی وہمی باتوں سے بلند و پاک ہے اور اگر ہم بالفرض محال احتیاج کو تسلیم کر لیں تو میں کہتا ہوں کہ احتیاج بھی من جملہ ضروریات کے ہے اور ضرورت اندازہ کے موافق پوری کی جاتی ہے پس سودی روپیہ سے اور لوگوں کو کھلانا احتیاج میں داخل نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ضرورت اس سے متعلق ہے یہی وجہ ہے کہ ترکہ میت میں احتیاج مُستثنیٰ ہے اور کفن پر منحصر ہے اور اسکی رُوحانیت کے لیے کھانا پکانا احتیاج میں داخل نہیں گنتے حالانکہ وہ صدقہ کا زیادہ تر محتاج ہے پس صورت متنازعہ فیہ میں ملاحظہ فرمائیں کہ سودی قرض لینے والے محتاج ہیں یا نہیں اور محتاج ہونے کی صورت میں وہ کھانا جو اس مال سے اس جماعت کے لیے پکاتے ہیں اس جماعت کو یہ کھانا حلال ہے یا نہیں۔ جمعداری اور سپاہ گری کو احتیاج کا حیلہ بنانا اور اس سبب سے سودی قرض لینا اور اسکو جائز و حلال جاننا دینداری سے دور ہے چاہیئے کہ امر معروف اور نہی منکر کے طریق کو مد نظر رکھیں۔ جو لوگ اس بلا میں گرفتار ہیں ان کو منع کریں اور اس حیلے کے سچا نہ ہونے سے آگاہ کریں ایسا کسب اختیار کرنا چاہیئے جس کے سبب آخر کار اس قسم کے خطرناک فعل کے ارتکاب میں مبتلا ہونا پڑے۔ روزگار کے وجود بہت ہیں۔ کچھ سپاہ گری پر ہی منحصر نہیں۔ جب آپ اہل اصلاح و تقویٰ ہیں اسلیے کھانے میں طیب کی روائت بھیجی گئی ہے۔ آپ نے لکھا تھا (جنکے مکتوب کا جواب ہے) کہ اس زمانے میں شبہ کے بغیر روزی پیدا نہیں ہوتی۔ سچ ہے کہ لیکن جہاں تک ہو سکے شبہ سے بچنا چاہیئے۔ زراعت بے طہارت جس کو آپ نے طیب کے منافی بیان کیا ہے ہندوستان میں اس سے بچنا ناممکن ہے لیکن سودی کھانے کو ترک کر دینا بہت آسان ہے۔ حلال کو حلال جاننا حرام کو حرام جاننا حلال و حرام میں قطعی ہے جسکا انکار کفر تک پہنچا دیتا ہے پس اگر کوئی شخص محتاج مشکوک کے لیے سودی قرض کے حلال ہونے میں جو نص قطعی کے بظاہر مخالف ہے توقف کرے تو اسکو گمراہی سے منسوب نہ کرنا چاہیے اور اسکے حلال ہونے کے اعتقاد پر اس کو تکلیف نہ دینی چاہیے بلکہ صواب اسی کی طرف غالب بلکہ یقینی ہے اور اسکا مخالف خطرے میں ہے۔

لاہور کے مفتیوں نے احتیاج کو دخل دے کر اسکے حلال ہونے پر حکم کیا ہے۔ احتیاج کا دامن فراخ ہے۔ اگر اس کو چوڑا کریں تو کچھ رِبا نہیں رہتا اور رِبا کی حرمت میں نص قطعی کا حکم عبث ہو جاتا ہے لیکن اس قدر ضرور ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ سودی قرض لینے والے کے لیے اوروں کو طعام کھلانا کس قسم کی احتیاج ہے قنیہ کی روایت حیلہ و بہانہ کے بعد محتاج کے لیے سودی قرض کا لینا جائز قرار دیتی ہے نہ کہ دوسروں کے

لیے۔

اگر کوئی کہے کہ محتاج نے اس کھانے کو شاید کفارہ قسم یا ظہار یا روزہ کی نیت پر پکایا ہو اور شک نہیں کہ وہ کفارہ کے ادا کرنیکا محتاج ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا تو روزہ رکھ لے نہ یہ کہ سودی قرض لے اور اگر اور کسی قسم کی احتیاج بھی پیدا ہو جائے تو تھوڑی وجہ کے ساتھ تقویٰ کی برکت سے دفع ہو جائے گی۔

(قرآن مجید میں ہے) ''وہ شخص جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی مخرج بنا دیتا ہے اور اس کو اس جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان تک نہیں ہوتا۔''

قلب اور اسکی حقیقت

قلب اللہ کا ہمسایہ ہے: (مکتوب ۴۵ دفتر سوم) دل اللہ تعالیٰ کا ہمسایہ ہے جس قدر دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قریب ہے اس قدر کوئی اور شئے نہیں دل خواہ مومن ہو یا گنہگار اسکی ایذا سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے کیونکہ ہمسایہ خواہ عاصی ہو اور نافرمان ہو پھر بھی اسکی حمایت کی جاتی ہے پس اسکی اذیت سے ڈرنا چاہئے کیونکہ کفر کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی ایذا کا باعث ہے۔

دل کی ایذا جیسا بڑا گناہ اور کوئی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے والی چیزوں سے زیادہ اقرب دل ہی ہے۔ نیز خلق سب کی سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور اسکے غلام ہیں اور کسی شخص کے غلام کو مارنا یا اسکی اہانت کرنا اسکے مولیٰ کی ایذاء کا موجب ہے تو پھر اس مولیٰ کا کیا حال ہوگا جو مالک ومختار ہے۔ اسکی خلق میں جتنا کہ اس نے حکم دیا ہے اس سے بڑھ کر تصرف نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایذا میں داخل نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے مثلاً بکر زانی کی حد سو کوڑے ہے۔ اگر سو سے زیادہ لگائے تو ظلم ہے اور ایذا میں داخل ہے جاننا چاہئے کہ قلب تمام مخلوقات میں سے افضل و اشرف ہے۔ جس طرح انسان تمام مخلوقات میں افضل واشرف ہے اور اسکا فضل وشرف عالم کبیر کی تمام اشیاء کے جامع اور مجمل ہونے کے باعث ہے اسی طرح دل بھی انسان کی تمام چیزوں کے جامع اور کمال بسیط او جامع مجمل ہونے کے باعث افضل واشرف ہے اور اس چیز میں اجمال وجمعیت زیادہ ہو وہی چیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے زیادہ قریب ہوتی ہے نیز جو کچھ انسان میں ہے یا عالم خلق سے ہے یا عالم امر سے ہے اور دل دونوں کے درمیان برزخ ہے۔ انسان مراتب عروج میں پہلے اپنے اصول کی طرف عروج کرتا ہے یعنی پہلے اسکا عروج پانی کی طرف ہوتا ہے پھر ہوا کی طرف پھر آگ کی طرف۔ اسکے لطائف کے اصول کی طرف بعد ازاں اس جزئی کی طرف جو اس کا رب ہے پھر کلی اسم کی طرف جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عروج کرتا ہے برخلاف قلب کے اسکا کوئی اصل نہیں جسکی طرف وہ عروج کرے بلکہ اسکا عروج پہلے ذات کی طرف ہوتا ہے نیز قلب غیب ہویت کا دروازہ ہے لیکن اس تفصیل کے تمام ہونے کے بغیر صرف قلب کے طریق سے وہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ اس تفصیل مذکورہ بالا کے تمام ہونے کے بعد وہاں تک پہنچنا آسان ہے کیونکہ قلب میں جامعیت و وسعت ان مراتب تفصیلیہ کے طے کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور اس جگہ قلب سے مراد وہ قلب ہے جو جامع بسیط ہے نہ کہ مضغہ لحمہ یعنی گوشت کا ٹکڑا۔

قلب کی حقیقت: (مبداء و معاد) واللہ اعلم قلب سے مراد یہی گوشت کا ٹکڑہ ہے۔ احادیث میں بھی یہی مراد مقرر ہے جیسا کہ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں "بے شک میرے دل پر پردہ کیا جاتا ہے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ اگر ڈھانپا ہوا ہے تو اس گوشت کے ٹکڑے پر نہ کہ حقیقت جامعہ پر کیونکہ وہ تو پردے سے بری ہے اور حدیثوں میں دل کے پلٹنے کا ذکر آیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ "مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہے"

نیز فرمایا " دل کا مرض بیابان کے گھانس کی طرح ہے"۔ نیز فرمایا۔ معبود میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھنا پلٹنا اور عدم اسی گوشت کے ٹکڑے کے لیے ہے کیونکہ حقیقت جامعہ ہرگز نہیں پلٹتی اس واسطے کہ وہ راسخ اور مطمئن ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے دل کے واسطے اطمینان کی درخواست کی تو اس وقت آپ کی مراد اسی گوشت کے ٹکڑے سے تھی نہ کہ کسی اور چیز سے کیونکہ آپ کا حقیقی دل تو بلا شک وشبہ مطمئن تھا بالکل آپ کا نفس بھی آپ کے نفس بھی آپ کے قلب حقیقی کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا عوارف المعارف کے مصنف قدس سرہ فرماتے ہیں کہ الہام اسی نفس مطمئنہ کی صفت ہے جو مقام قلب تک عروج کر گیا ہو۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسی گوشت کے ٹکڑے پر الہام ہوتے ہیں اور یہی خلیفہ ہے اور اسی کے حوال بدلتے رہتے ہیں حدیث شریف میں ہے "اس میں شک نہیں کہ آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنورا ہوا ہے تو سارا جسم سنوارا ہوتا ہے اور جب اسمیں بگاڑ ہو تو تمام جسم میں بگاڑا ہوتا ہے"۔ سو سنوار اور بگاڑ گوشت کے ٹکڑے کے لیے ہے نہ کہ قلب حقیقی کے لیے خواہ نیابت اور خلافت کے طریق پر ہو۔

قلب عرش اللہ ہے: (مکتوب ۱۱ دفتر سوم) انسان کامل کا قلب جو عرش کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اسکو عرش اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس تجلی عرش نصیب وافر و حظ کامل رکھتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تجلی عرش کلی ہے اور تجلی قلبی جزئی لیکن قلب میں ایک اور اضافہ ہے جو عرش میں نہیں وہ تجلی یعنی جلوہ گر ہونے کا شعور ہے۔ قلب ایک ایسا مظہر ہے جو اپنے ظاہر کے ساتھ گرفتاری رکھتا ہے۔ اس شعور اور گرفتاری کے باعث قلب کی ترقی ممکن بلکہ واقع ہے۔ آدمی اسی کے ساتھ ہے جس کی اسکو محبت ہے ۔ اگر اسماء وصفات کا محب ہے تو اسماء وصفات کی ساتھ ہے۔ اگر ذات تعالیٰ وتقدس کی محبت ہے تو وہاں اسکی معیت اسکو حاصل ہے۔

عارف کا قلب: (مکتوب ۱۰ دفتر دوم) اس فقیر کے نزدیک جو جزیات الٰہی سے تربیت یافتہ ہے

یہ کہ عارف کا قلب کمال متصور نہیں تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ انوار عرش کی ظہور کے بے نہایت لمعات میں سے ایک لمحہ اس پر فائض ہو۔ اس لمحہ کو ان لمحات کے وہ نسبت ہوتی ہے جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس بھی کم ہوتی ہے۔ عرش وہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ عظیم فرماتا ہے اور جس پر استوار کا سیر ثابت کرتا ہے قلب عارف کو جامعیت کے باعث تشبیہ اور تمثیل کے طور پر عرش اللہ کہتے ہیں یعنی جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور خلق و امر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے اسی طرح قلب بھی عالم صغیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے ۔انوار قدم کے ظہور کی قابلیت جو ظلیت کی ملاوٹ سے منزہ اور مبرا ہے وہ عرش مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ قابلیت عرش مجید کے سوا نہ عالم خلق رکھتا ہے نہ عالم امر نہ عالم صغیر۔۔۔ عارف کامل کا قلب بھی جامعیت اور برزخیت کے تعلق کے باعث انوار سے نور اقتباس کر لیتا ہے اور دریا سے ایک چلو بھر لیتا ہے۔ عرش اور کامل معرفت والے عارف کے دل کے سوا اور جتنے ظہور ہیں سب پر ظلیت کا داغ ہے اور کسی میں اصل کو بو نہیں۔

قلب کی سلامتی: (مکتوب ۱۱۶ دفتر اول) امر دنیا میں بکثرت مشغول ہونے سے ڈر ہے کہ امور دنیا میں رغبت نہ پیدا ہو جائے اس دل کی سلامتی پر ہرگز مغرور نہ ہو جائیں کیونکہ رجوع ممکن ہے اور جہاں تک ہو سکے دنیوی کاروبار میں اس قدر مشغول نہ ہو کہ ان میں رغبت پیدا ہو جائے اور خسارے میں ڈال دے نعوذ باللہ فقر میں خاکروبی کرنا دولت مندوں کی صدر نشینی سے کئی درجے بہتر ہے سب مقصود یہی ہے کہ چند روز زندگی فقر د نامرادی سے بسر ہو جائے اور دولت مندی اور دولت مندوں سے ایسا بھاگو جیسے شیر گیدڑ سے بھاگتے ہیں۔

قلب اور ارباب ولایت: (مکتوب ۲۱ دفتر دوم) جاننا چاہیے کہ ارباب ولایت لفظ قلب بولتے ہیں اور اس سے انسان کی جامع حقیقت مراد رکھتے ہیں جو عالم امر سے ہے اور نبوت علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زبان میں اس مضغہ سے مراد ہے جسکی درستی تمام بدن کی درستی وابستہ ہے اور جس کے بگڑنے سے تمام جسم کا بگاڑ موقوف ہے جیسے کہ حدیث نبوی ﷺ میں ہے "انسان کے جسم میں ایک مضغہ ہے کہ جس وقت درست ہو جائے تو تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے اور جو حدیث قدسی میں آیا ہے وہ انبیاء کی زبان کے موافق ہے اور مراد اس قلب سے مضغہ ہے اسمیں کچھ شک نہیں کہ ظہور اتم اسی جگہ ہے اور ذات بحردہ کی احدیت کے مراتب اسی کے لیے مسلم ہیں اب ہم اس مضغہ کی حقیقت بیان کرتے ہیں عوام کا وہ مضغہ ہے جو اربعہ عناصر کی ترکیب سے حاصل

ہے اور خواص و اخص خواص کا مضغہ اسی قسم کا ہے جس نے سلوک و جذبہ و تزکیہ کے تمکین اور نفس کے اطمینان کے بعد بلکہ اللہ تعالیٰ کے محض کرم سے اجزائے عشرہ کی ترکیب سے صورت حاصل کی ہے یعنی چار جز وعناصر کے ہیں اور ایک جز ونفس مطمئنہ کا اور پانچ جز و عالم امر کے دونوں طرفوں کے اجزاء حالانکہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں لیکن حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ان کی مخدیت اور مخالفت دور ہوگئی ہے اور باہم جمع ہوگئے ہیں اور ہیت وحدانی پیدا کر کے اس عجوبہ کو حاصل کیا ہے جز و اعظم اس معاملہ میں عنصر خاک ہے اور ہیت وحدانی پیدا کر کے اس عجوبہ کو حاصل کیا ہے جز و اعظم اس معاملہ میں عنصر خاک ہے اور ہیت وحدانی نے بھی جز و ارضی کا رنگ اختیار کر کے خاک کے ساتھ قرار پکڑا ہے وہ قلب جس کے اطمینان کے لیے حضرت (ابراہیم علیہ السلام) خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوال کیا تھا۔ یہی مضغہ ہے کیونکہ ان کی حقیقت جامعہ تمکین تک پہنچ چکی تھی اور نفس مطمئنہ ہو چکا تھا اور تمکین و اطمینان مرتبہ ولایت میں متصور ہے جو نبوت کا زینہ ہے شان نبوت کا زینہ ہے شان نبوت کے مناسب مضغہ کی بے قراری اور اضطراب ہے نہ حقیقت جامع کی ہے بے قراری اور بے آرامی کہ یہ عوام کا نصیب ہے اور حضرت رسالت خاتم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قلب کی ثابتی طلب فرمائی ہے اور کہا ہے ''اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت رکھ'' اس سے مقصود مضغہ کا ثبات ہے اور بعض احادیث میں جو امتوں کے احوال پر نظر کرنے کے باعث دل کی بے قراری کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اگر قلب کے وہ معنی مراد لیے جائیں جو حقیقت جامع اور مضغہ دونوں کو شامل ہے تو ہوسکتا ہے ظہور جس قدر اتم و اکمل ہوتا جاتا ہے اور شیون و صفات کی آمیزش سے صاف ہوتا جاتا ہے اسی قدر جہل و حیرت پیدا کرتا جاتا ہے بیگانگی اور نایافت زیادہ تر حاصل ہوتی جاتی ہے بسا اوقات اس ظہور اور گنجائش کے باوجود کمال جہل و حیرت سے صانع کے وجود پر دلیل کرتا ہے اور عوام کی طرح استدلال و تقلید کے بغیر اس کو وجود صانع کا یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اضطراب و بے قراری اس کے حال کے مناسب ہے اور اطمینان کا طلب کرنا اس کے لیے ضروری ہے اب وہ وجود جو قلب کے دونوں طاقوں میں فرق ظاہر کرتے ہیں بیان کیے جاتے ہیں۔ (۱) حقیقت جامعہ جو عالم سے ہے تصفیہ اور تزکیہ کے بعد اس کی تمکین تام دائمی طور پر میسر ہے برخلاف مضغہ کے کہ اس کا اطمینان جو اس کے ادراک سے وابستہ ہے جب تک کسی سے کو حواس کے ساتھ ادراک نہ کرے اس کا تعلق نہیں جاتا اسی واسطے حضرت خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ جمیع انبیاء مرسلین والملائکہ مقربین نے اپنے قلب کے اطمینان کے لیے سوال کیا کہ ''یا اللہ! مجھے دکھا کہ کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔'' (۲) حقیقت جامعہ ذکر کے ساتھ متاثر ہوجاتی ہے اور جب کمال ذکر تک پہنچ جاتی ہے تو ذکر

سے متحد اور اس کی ہم جنس ہو جاتی ہے ذکر کے ساتھ قلب کے اس ہم رنگ ہونے کو اس سے تعبیر کیا ہے برخلاف مضغہ کے کہ ذکر کو اس کی طرف راہ نہیں پھر اس کا متاثر ہونا کجا اور ہم جنس ہونا کجا مضغہ میں مذکور کا ظہور اصالت کے طور پر ہے نہ ظلیت کے طور پر اور ذکر کا عروج مذکور کی دہلیز تک ہی ہے (۳) حقیقت جامعہ جب نہایت النہایت تک پہنچ جاتی ہے اور مراتبت خط وافر حاصل کر لیتی ہے تو اس وقت اگر مطلوب کو نمایاں کرنا چاہے تو اس میں مطلوب کا ظل ظاہر ہوگا نہ کہ اس کا عین برخلاف مضغہ کے کہ آئینہ کے برعکس اس میں مطلوب کا عین ظاہر ہے نہ کہ اس کا ظل۔ اسی واسطے فرمایا (گیا ہے) کہ یہ معاملہ نظر وفکر کے طور سے وراء الوراء ہے۔ اس بیان سے کہیں حلول تمکین نہ ہو۔ یہ عقل کا قصور ہے اور حاضر پر غائب کا قیاس۔ (۴) حقیقت جامعہ عالم امر سے ہے اور مضغہ عالم خلق سے بلکہ عالم خلق اور عالم امر دونوں اسی کے اجزاء ہیں۔ خلق اس کا بڑا اجزو ہے اور امر چھوٹا جزو۔ ان دونوں اجزاء کے ملنے سے ایک ایسی ہیئت مصدانی موجود ہوگئی ہے جو اعجوبہ روزگار بن گئی ہے۔ یہ اعجوبہ عالم عالم خلق سے ہے لیکن ہیئت ترکیبی کے باعث ان میں سے کسی کے ساتھ مناسب اور مشابہت نہیں رکھتا مگر اس کو عالم خلق ہی گنتے ہیں کیونکہ اس معاملہ میں سب سے عمدہ اور بہتر جزو ارض ہے اور خاک کی پستی اس کی بلندی کا باعث ہے (۵) حقیقت جامعہ کی وسعت اس اعتبار سے ہے کہ اس میں اشیاء کی صورتوں کا ظہور ہے اور مضغہ کی وسعت جو اس کی تنگی کے بعد مکشوف ہوتی ہے اس اعتبار سے ہے کہ لامحدود اور لامتناہی مطلوب کی اس میں گنجائش ہے اور وہ تنگی اس کی تنگ دہلیز کی ہے جو ماسوا کو وہاں داخل ہونے نہیں دیتی حتیٰ کہ ذکر کو بھی مذکور کے خیموں کے گرد نہیں آنے دیتی اور ظلیت کی آمیزش کو اس حریم مقدس کے گرد پھٹکنے نہیں دیتی۔ (۶) حقیقت جامعہ کی فراخی چونکہ چون کی آمیزش رکھتی ہے اس لیے اس میں بے چون کی گنجائش نہیں اور مضغہ کی فراخی نے چونکہ بے چونی سے حصہ پایا ہے اس لیے اس میں چون کی گنجائش نہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ اسی قلب پر دعوت کے لیے رجوع کرنے کے بعد ظلمت وغین طاری ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے حضرت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے.... 'میرے قلب پر بھی پردہ ڈالا جاتا ہے'.....تو اس مضغہ کو ایک بے اعتبار گوشت کا ٹکڑا نہ خیال کرے بلکہ یہ وہ جوہر نفیس ہے جس میں عالم خلق کے خزائن واسرار پوشیدہ ہیں اور عالم امر کے دفینے اور دقائق مدفون ہیں۔ معاملات خاصہ کی زیادتی جو اس کی ہیئت سے وابستہ ہے یہ ہے کہ اول اس کے اجزائے عشرہ کو تصفیہ۔ تزکیہ اور جذبہ و سلوک اور فنا و بقا کے ساتھ پاک وصاف کیا ہے اور ماسوا کے تعلقات کی آلودگی سے آزاد کیا ہے مثلاً قلب کو تقلب یعنی تغیر سے گذار کر تمکین اور نفس کو آمادگی سے اطمینان تک لے آئے اور جزو آتشی سے سرکشی اور نافرمانی کو دور کیا اور خاک کی پستی اور پست فطرتی سے بلند کیا۔ اس کے تمام اجزاء کو افراط و

تفریط سے ہٹا کر حد اعتدال اور توسط پر لائے ہیں بعد ازاں محض فضل و کرم کے ساتھ ان اجزاء کو مرکب کر کے شخص معین بنایا ہے اور اس کا نام انسان کامل رکھا ہے اور اس کے قلب کو جو اس کا خلاصہ اور اس کے وجود کا مرکز ہے مضغہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

اگر کوئی ناقص کہے کہ ہر ایک انسان ان اجزائے عشرہ سے مرکب ہے اور ان ہی کی ترکیب سے ہیئت مصدانی رکھتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہاں ان ہی اجزاء سے مرکب ہے لیکن وہ اجزاء پاک وصاف نہیں ہوتے اور جذب وسلوک کے ساتھ ماسوا کے تعلقات کی آلائش سے آزاد نہیں ہوئے برخلاف انسان کامل کے اجزاء کے جو فنا و بقا سے پاک وصاف ہو گئے ہوتے ہیں۔

چونکہ ہر ایک انسان میں یہ اجزاء ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہیں اور ہر اجزاء کے احکام واحوال الگ ہیں اس لیے ہیئت مصدانی ان کے نصیب نہیں اور اگر کچھ ہیئت پیدا کی ہے تو وہ اعتباری ہے حقیقی نہیں۔ برخلاف انسان کامل کے کہ اجزاء کے جو تمائز اور تمائن سے نکل کر ایک دوسرے سے مل گئے ہیں اور ان کے مختلف احکام واحوال ہو کر ایک ہی حکم قرار پا گئے ہیں۔

یہ سب کمالات جو مضغہ کے لیے ثابت ہیں مقام قاب وقوسین میں ہیں۔ جہاں ظاہر میں مظہر کے رنگ کا وہم پایا جاتا ہے اگر چہ ظاہر اس جگہ اصل ہے۔ اس کا ظل یا صورت نہیں لیکن شخص ظاہر آئینہ کے رنگ سے پاک ومبرا نہیں پس قوسین ثابت ہوں گے۔ اس مقام سے اعلیٰ مقام 'اوادنیٰ' ہے۔ جہاں ظاہر نے مظہر کا رنگ اختیار نہیں کیا اور کوئی امر زائید خیال میں نہیں آتا پس قوسین اس جگہ مفقود ہوں گے۔ یہاں سوائے یک رنگی کے جو مقام 'اوادنیٰ' کے مناسب ہے کچھ متصور نہیں۔ اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے اگر تمام ورق الٹائیں تو پھر قوسین سے ادنیٰ تک رخت اٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔ تو ہماری کلام اشارات ورموز وبشارات وکنوز ہوتی ہے۔

عرشِ الٰہی اور قلب انسانی

عرش کا نمونہ: (مکتوب ۷۰ دفتر دوم) انسان میں جس طرح دل عرش رحمٰن کا نمونہ ہے اور اس کا ظہور قلبی ظہور عرش کا نمونہ ہے اسی طرح انسان میں بیت اللہ کا بھی نمونہ اور نشان ہے جو میانہ (یعنی فرشتے اور چار پایہ کے درمیان یعنی حقیقت انسانی) اور دائیں بائیں (یعنی شیون واعتبارات وظلال) سے بیگانہ ہے حسن سبقت (یعنی محبت خاص میں یگانہ ہے) اس دولت عظیم یعنی ظہور بیت اللہ کے مالک اصل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور امتوں میں سے وہ لوگ ہیں جن کو بزرگواروں کی تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں تو غنیمت اور کبریت احمر ہے ایسا شخص زمرہ اصحاب میں داخل ہے اور سابقین میں سے ہے۔

عرش مجید کی حقیقت: (مکتوب ۷۶ دفتر دوم) عرش مجید حق تعالیٰ کی عجیب وغریب مصنوعات میں سے ہے اور عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور یہ دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور وہ عالم خلق جو چھ روز میں پیدا ہوا ہے یعنی زمین وآسمان و پہاڑ وغیرہ عرش کی ایجاد ان کی پیدائش سے مقدم ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وہ حق تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا'' اسی آیت کریمہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس عالم خلق سے پانی بھی پہلے پیدا ہوا ہے پس عرش مجید جس طرح زمین کی قسم سے نہیں ہے آسمان کی قسم سے بھی نہیں ہے کیونکہ عرش عالم امر کا بہت حصہ رکھتا ہے اور یہ نہیں رکھتے چونکہ عرش کو زمین کی نسبت آسمانوں سے زیادہ مناسبت ہے اس لیے آسمانوں میں گنا جاتا ہے ورنہ درحقیقت نہ وہ زمین کی قسم سے ہے اور نہ آسمانوں کی قسم سے۔ زمین وآسمان کے احکام وآثار جدا ہیں اور عرش کے جدا آیہ کریمہ۔ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے مفہوم ہوتا ہے کہ کرسی بھی آسمانوں سے جدا ہے اور ان سب سے زیادہ وسیع ہے اور شک نہیں کہ کرسی عالم امر سے نہیں کیونکہ اس کو عرش کے نیچے بتاتے ہیں عالم امر کا معاملہ عرش کے اوپر ہے اور جب عالم خلق سے ہوکر اس کی پیدائش آسمانوں سے جُدا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش ان چھ دنوں کے سوا ہوگی اور اس میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ عالم خلق سب کا سب ان ہی چھ دنوں میں پیدا نہیں ہوا کیونکہ پانی جو عالم خلق سے ہے ان چھ دنوں کے سوا پیدا ہوا ہے اور ان سے اول پیدا ہوا ہے اس تحقیق

سے دو قوی اعتراض دفع ہو گئے ایک یہ کہ جب زمین و آسمان نہ تھے تو چھ دنوں کا تعین و تشخیص کہاں سے ہوئی اور شنبہ کا دن دوشنبہ سے کس طرح الگ ہوا اور سہ شنبہ چہار شنبہ سے اور پنج شنبہ سے جمعہ (کا دن) کیونکہ ممتاز ہوا ہے جب زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے عرش کی پیدائش معلوم ہوگئی تو زمانے کا حصول متصور ہوگیا اور دنوں کا ثبوت واضح ہوگیا اور اعتراض دور ہوگیا یہ ضروری نہیں کہ دنوں کا امتیاز آفتاب کے طلوع و غروب پر ہی مخصوص ہو کیونکہ بہشت میں یہ طلوع و غروب نہیں لیکن دنوں کا امتیاز ثابت ہے دوسرا اعتراض جو رفع ہوا اور اس فقیر کے علم سے مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے "میں نہ اپنے زمین پر سما سکتا ہوں اور نہ آسمان میں لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کامل ظہور مومن انسان کے قلب پر مخصوص ہے اور اس کے سوا کسی اور کو یہ دولت حاصل نہیں معلوم ہوا کہ عرش کے آثار و احکام زمین و آسمان کے آثار و احکام زمین و آسمان اس وسعت کی قابلیت نہیں رکھتے یہ وسعت مومن انسان کے دل کو حاصل ہے جو اس دولت کے لیے مستور ہے پس وسعت قلبی کا حصر زمین و آسمان کے اعتبار سے ہے نہ ان تمام مصنوعات کے اعتبار سے جو عرش کو بھی شامل ہیں تا کہ حدیث قدسی کے مفہوم کے برخلاف متصور ہو پس یہ دوسرا اعتراض بھی رفع ہوگیا جاننا چاہیے کہ جب زمین و آسمان کے اعتبار سے ہے نہ ان تمام مصنوعات کے اعتبار سے جو عرش کو بھی شامل نا کہ حدیث قدسی کے مفہوم کے برخلاف متصور ہو پس یہ دوسرا اعتراض بھی رفع ہوگیا۔ جاننا چاہیے کہ جب زمین و آسمان و مافیہا کو عرش مجید کے مقابلے میں ظہور تام کا محل ہے ڈالتا ہوں تو بے توقف نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ قلب انسانی جو عرش کے رنگ سے رنگا ہوا ہے باقی رہتا ہے اور محض لاشے نہیں ہو جاتا اسی طرح وہ ظہور جو فرق کی جانب میں ماوراء عرش یعنی صرف عالم امر سے تعلق رکھتا ہے عرش کو اس ظہور اور اس مرتبہ سے وہی نسبت ہے جو زمین و آسمان کو عرش کے ساتھ بھی فوق کو اپنے ماتحت کے ساتھ اسی طرح کی نسبت ہے حتیٰ کہ عالم امر ختم ہو جاتا ہے۔

عرش مجید اگرچہ زیادہ وسیع اور مظہر اتم ہے لیکن اپنی اسی دولت کے حاصل ہونے کا علم نہیں رکھتا اور اب کمالات کا شعور اس کو حاصل نہیں برخلاف قلب انسانی کے کہ صاحب شعور ہے اور اپنے علم و معرفت سے معمور ہے قلب کے لیے ایک اور بھی اضافہ ہے جس کو ہم بیان کرتے ہیں مجموعہ انسان جس کو عالم صغیر کہتے ہیں اگرچہ عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہے لیکن اس کو ہیئت وحدانی حقیقی حاصل ہے جس پر آثار اور احکام مترتب ہیں اور عالم کبیر کو یہ ہئیت وحدانی حاصل نہیں اور اگر ہے بھی تو اعتباری ہے پس وہ فیوض جو اس ہیئت وحدانی حقیقی کو حاصل ہے جس پر آثار اور احکام مترتب ہیں اور

عالم کبیر کو یہ ہیئت وحدانی حاصل نہیں اگر ہے بھی تو اعتباری ہے بس وہ فیوض جو اس ہیئت وحدانی کی راہ سے انسان اور قلب انسان کو پہنچتے ہیں عالم کبیر اور عرش مجید جو اس عالم کبیر کے قلب کی طرح ہے ان فیوض و برکات سے بے نصیب ہے اس جز و خاکی کے کمالات نے مجموعہ عالم صغیر میں سرایت کی ہے اور عالم کبیر میں چونکہ درحقیقت یہ مجموعہ نہیں اس لیے یہ سرایت مفقود ہے پس قلب انسانی عرش مجید کے برخلاف کمالات بھی رکھتا ہے یہ فضائل و کمالات جو قلب میں ثابت کیے جاتے ہیں جب اچھی طرح ملاحظہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فضل جزئی میں داخل ہیں کہ فضل کلی ظہور عرش کے لیے معلوم ہوتا ہے کہ فضل جزئی میں داخل ہیں اور فضل کلی ظہور عرش کے لیے معلوم ہوتا ہے عرش اور قلب کی مثال اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ گویا ایک وسیع آگ ہے جس نے دشت وصحرا کو منور کر دیا ہے اور اس آگ سے ایک مشعل بنالیں جس میں بعض امور کے لاحق ہونے سے اس میں اس قسم کی نورانیت پیدا ہو جائے جو اس آگ میں نہیں تو کچھ شک نہیں کہ یہ اضافہ صرف فعل جزئی ہی ثابت کرتی ہے۔

عرش و کرسی: (مکتوب ۵۷ دفتر سوم) سات چیزیں یعنی عرش و کرسی لوح وقلم۔ بہشت اور دوزخ اور روح انسانی فانی نہ ہوں گے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ فنا قبول نہیں کرتے اور زوال کی قابلیت نہیں رکھتے بلکہ قادر مختار جلشانہ کا اختیار ہے جس کو چاہے وجود کے بعد فانی کرے اور جس کو چاہے خاص مصلحتوں اور حکمتوں کے لیے باقی رکھے۔

عالم صغیر و کبیر۔ انسان اور کائنات عالم: (مکتوب ۱۲۵ دفتر اول) جہان کیا چھوٹا کیا بڑا حق تعالیٰ کے انہی صفات کا مظہر اور اس کے شیون اور ذاتی کمالات کا آئینہ ہے حق تعالیٰ ایک خزانہ مخفی اور پوشیدہ تھا اس نے چاہا کہ اپنے آپ کو خلوت سے جلوت میں لائے تو اسے اس طرح پیدا کیا کہ اس کی اپنی ذات وصفات حق تعالیٰ کی ذات وصفات پر دلالت کرے پس جہان کو اپنے صانع کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے مگر یہ کہ اس کی مخلوق ہے اور اس کے اسماء وشیون اور کمالات پر دلالت کرنے والا ہے وہاں اتحاد اور عینیت و احاطہ وسریانی اور معیت ذاتیہ کا حکم لگانا غلبہ حال اور شکر وقت ہے مستقیم الاحوال بزرگوار کہ جن کو صحو کا پیالہ پلایا ہوا ہے جہان کے لیے صانع کے ساتھ کوئی نسبت سوائے مخلوق اور مظہر ہونے کے ثابت نہیں کرتے اور علمائے حق کے مطابق احاطہ وسریان و معیت کو علمی جانتے ہیں صحیح کشف والے لوگ ذات حق کے بسیط حقیقی کے سوا کچھ نہیں جانتے اور اس کے سوائے اور کسی زائد مثل اتحاد وغیبت ومعیت واحاطہ کا ثابت کرنا شکر کے باعث ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات نسبت ومناسبت سے مبرا اور معرا ہے ظاہریت اور مظہریت کی اس قدر مناسبت کے باوجود اسے وحدت وجود کہیں یا نہ

کہیں حقیقت میں متعدد وجوہ ہیں اور اس کے سوا باقی سب وہم و خیالات ہیں۔ یہ مذہب بعینہ مذہب سوفسطائی ہے حقیقت کا اس میں ثابت کرنا اور عام خیالات جو سوفسطائی کا مقصود ہے خارج نہیں ہوتا۔

(مکتوب ۱۲۶ دفتر اول) علماء اہل سنت نے اچھا کیا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات پر زائد ہے۔ وجود کو عین ذات کہنا اور وجود کے سوا دوسرا امر ثابت کرنا قصور نظر ہے اور اس درویش کا جب مرتبہ وجود سے اوپر گزرا ہوا تو کچھ مدت تک مغلوب الحال تھا۔ اپنے آپ کو ذوق و وجدان کی وجہ سے ارباب تعطیل سے پاتا تھا اور حق تعالیٰ کے وجود کا حکم نہیں کرتا تھا کیونکہ وجود راہ میں چھوڑ گیا تھا۔ مرتبہ ذات میں وجود کی گنجائش نہ پاتا تھا۔ فقیر کا اسلام اس وقت تقلیدی تھا نہ حقیقی۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے خلق کے لیے اپنی طرف کوئی سوائے اس کے نہیں بنایا کہ اس کی معرفت سے عجز کا اقرار کیا جائے۔ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے حاصل ہونے سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ممکن واجب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور اس سے حقائق کا تغیر و تبدل لازم آتا ہے پس جب ممکن واجب نہ ہو تو ممکن کا نصیب سوائے عجز کے کچھ نہ ہوگا۔

عالم کائنات حقیقت ہے: (مکتوب ۹۷ دفتر سوم) صوفیہ نے جو عالم موہوم کہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ عالم محض وہم کا اختراع اور تراش ہے کیونکہ یہ سوفسطائی اور کم عقل کا مذہب ہے بلکہ موہوم اس اعتبار سے ہے کہ حق تعالیٰ کے خلق سے مرتبہ وہم میں مخلوق ہوا ہے اور اس مرتبہ میں حق تعالیٰ کی صنعت سے ثبوت و استقرار پیدا کیا ہے۔

خلافتِ انسانی: (مکتوب ۹۵ دفتر سوم) ہماری مشتِ خاک کو زمین سے لیکر اپنا خلیفہ بنایا اور اپنا نائب بنا کر تمام اشیاء کا قیوم کیا اور اس کو بلاواسطہ تمام اشیاء کے نام سکھائے اور فرشتوں کو جو اس کے مکرم و بزرگ بندے ہیں اس کا شاگرد بنایا اور باوجود بزرگی کے اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس جو معلم الملکوت کے لقب سے ملقب تھا اور اطاعت و عبادت میں بڑی اعلیٰ شان رکھتا تھا اس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اس کی تعظیم و توقیر بجا نہ لایا تو اس کو اپنی درگاہ معلیٰ سے دھتکار دیا اور ملعون و مردود کر دیا طعن و ملامت کا مستحق بنا دیا اور اس مشتِ خاک کو اس قدر ہمت اور قدرت بخشی کہ اس نے اس کی امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا جس کے اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے انکار کیا اور ڈر گئے اس کو قوت عطا فرمائی جس کے باعث اس نے باوجود اپنی چون اور چگون ہونے کے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے بے چون و بے چگون مولیٰ کی رویت کی قابلیت پیدا کی حالانکہ پہاڑ باوجود سخت اور مضبوط ہونے کے حق تعالیٰ کی ایک ہی تجلی سے پارہ پارہ اور خاکستر ہو گیا۔

تخلیق انسانی کا مقصد: (مکتوب ۲۰۶ دفتر اول) آدمی کو چرب، لذیذ اور نفیس کھانوں اور عجیب (عمدہ) کپڑوں کے لیے دنیا میں نہیں لائے۔ عیش وعشرت اور کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ انسان کے پیدا کرنے سے مقصود اس کی ذلت، انکسار اور عجز ومحتاجی ہے جو بندگی کی حقیقت ہے لیکن وہ انکسار اور احتیاج جس کا شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے حکم فرمایا ہے کیونکہ باطل لوگوں کی وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو شریعت روشن کے موافق نہیں ہیں سوائے خسارہ کے کچھ فائدہ نہیں دیتے اور ان سے سوائے حسرت وندامت کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

انسان جامع نسخہ ہے: (مکتوب ۱۱۴ دفتر اول) انسان جامع نسخہ ہے جو تمام موجودات میں ہے انسان میں تنہا ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ قلب انسان بھی اسی جامعیت پر پیدا کیا گیا ہے کہ جو کچھ پورے انسان میں ہے وہ سب تنہا قلب میں ہے۔ اسی واسطے اس کو حقیقت جامعہ کہتے ہیں اور اسی جامعیت کے باعث بعض مشائخ نے قلب کی وسعت سے ایسی خبر دی ہے کہ اگر عرش اور مافیہا عارف کے دل کے گوشہ میں ڈال دیں تو کچھ محسوس نہ ہو کیونکہ قلب عناصر اور افلاک۔ عرش وکرسی وعقل ونفس کا جامع ہے اور مکانی اور لامکانی کو شامل ہے لیکن مشائخ میں سے اصحاب قدس سرہم جانتے ہیں کہ یہ حکم سکر پر مبنی ہے اور شے کی حقیقت اور اس کے نمونے کے درمیان تمیز نہ کرنے پر محمول ہے۔ عرش مجید جو ظہور تام کا محل ہے اس سے بہت بلند ہے کہ تنگ قلب میں سما سکے۔ جو کچھ دل میں عرش کی نسبت ظاہر ہوتا ہے وہ عرش کا نمونہ ہے نہ کہ عرش کی حقیقت۔ اور کچھ شک نہیں کہ وہ نمونہ دل کے مقابل میں جو بے شمار نمونوں کا جامع ہے۔ کچھ مقدار نہیں رکھتا۔ وہ آئینہ کہ جس میں اس قدر بڑا آسمان مع دوسری اشیاء کے دکھائی دیتا ہے نہیں کہہ سکتے کہ آسمان سے وسیع ہے ہاں آسمان کا نمونہ جو آئینہ میں ہے آئینے کے مقابلے میں چھوٹا ہے نہ آسمان کی حقیقت مثلاً انسان میں کرۂ خاک کا نمونہ پوشیدہ ہے تو انسان کی جامعیت پر نظر کر کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان کا وجود کرۂ خاک سے زیادہ وسیع ہے بلکہ انسان کا وجود کرۂ خاک کے مقابلے میں ایک حقیر شے کے کچھ مقدار نہیں رکھتا۔

انسان کی حقیقت: (مکتوب ۲۸۴ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ انسان مرکب ہے عالم خلق سے جو اس کا ظاہر ہے اور عالم امر سے جو اس کا باطن ہے۔ وہ احوال ومواجید۔ مشاہدہ وتجلیات جو ابتداء اور توسط میں ظاہر ہیں عالم امر کا نصیب اور ایسے ہی حیرت۔ جہالت اور عجز ویاس جو انتہا میں حاصل ہوتے ہیں وہ بھی عالم امر کا حصہ ہیں جو انسان کا باطن ہے۔ باطن کو احوال حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کا احوال کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ظاہر نہ ہوتا دانش وتمیز کا راستہ نہ کھلتا۔ مثالیہ صورتوں اور مقامات ومعارج کا

ظہور ظاہر کے ادراک کے لیے ہے۔ پس حال باطن کے لیے ہے اور ان احوال کا علم ظاہر کے لیے۔ وہ اولیاء جو صاحب علم ہیں اور وہ جو علم سے بے نصیب ہیں احوال کے نفس وصول میں کچھ فرق نہیں رکھتے۔ اگر کچھ فرق ہے تو ان احوال کے علم یا عدم علم کے باعث۔

انسان بحیثیت خلیفہ رحمٰن: (مکتوب ۲۸۸ دفتر اول) ملائکہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں کیونکہ وہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہیں اور چون کے داغ سے موسوم ہیں۔ اسی واسطے انسان خلیفہ الرحمٰن جل شانہٗ بن گیا۔ شے کی صورت اس شے کا خلیفہ ہوتی ہے اور جب تک شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو شے کی خلافت کے لائق نہیں ہوئی اور جب تک خلافت کے لائق نہ ہو اپنے اصلی امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتی۔ آیت کریمہ ''ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمیں اور پہاڑوں کو پیش کیا لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ واقعی یہ ظالم اور جاہل ہے۔'' (القرآن)

اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس حیثیت سے کہا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں چھوڑتا اور زیادہ نادان و جاہل اس لیے ہے کہ اس کو اتنا ادراک نہیں ہوتا کہ مقصود پا سکے۔ اور نہ ہی اس قدر علم ہوتا ہے کہ مطلوب کو حاصل کر سکے بلکہ اس مقام میں ادراک سے عاجز ہونا ادراک ہے اور جہالت کا اقرار کرنا معرفت ہے اسی واسطے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا زیادہ عارف ہے وہ سب زیادہ حیران و پریشان ہے۔

انسان کامل: (مکتوب ۱۱ دفتر دوم) جب انسان کامل ذات احدیت کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو کر ذات احد سے گرفتاری حاصل کر لیتا ہے اور صفات و شیونات سے کچھ بھی اس کے ملحوظ منظور و مطلوب نہیں ہوتا۔ حضرت احدیت مجردہ کے ساتھ ایک قسم کا مجہول الکیفیت اتصال پیدا کر لیتا ہے اور وہ گرفتاری جو ذات احد کے ساتھ اس کو حاصل ہوتی ہے ذات بیچون کے ساتھ قریب چون کی نسبت اس میں ثابت کر دیتے ہیں اس وقت انسان کامل ذات احد کا اس قسم کا آئینہ بن جاتا ہے کہ اس میں صفات و شیون کچھ مشہود اور مرئی نہیں ہوتی بلکہ احدیت مجردہ اسی میں ظاہر اور جلوہ گر ہوتی ہے سبحان اللہ العظیم۔ وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہ تھی اس انسان کامل کے آئینہ میں مجرد اور تنہا طور پر متجلی ہو گئی اور حسن ذاتی حسن صفاتی سے الگ ہو گیا۔ اس قسم کا آئینہ اور مظہر بننا انسان کامل کے سوا کسی اور کو میسر نہیں اور حضرت ذات صفات و شیون کی آمیزش کے بغیر انسان کے سوا اور کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوتی۔ عالم کبیر میں عرش مجید حضرت ذات مجمع الصفات کا مظہر ہے جو اعتبارات سے مجرد ہے اس

میں عرش مجید حضرت ذات مجمع الصفات کا مظہر ہے جو اعتبارات سے مجرد ہے اس قسم کا آئینہ اور مظہر بننا انسان کی نہایت عجوبہ باتوں میں سے ہے۔

انسان اور فرشتہ: (مکتوب ۱۲ دفتر دوم) ملائکہ کرام اصل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسی کی طرف متوجہ ہوتے اور اسی کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں ظلیت کی آمیزش ان کے حق میں مفقود ہے انسان بے چارہ اس جہان میں دائرۂ ظلیت سے بمشکل قدم باہر نکال سکتا ہے اور نفس اور آفاقی آئینوں کے وسیلے کے بغیر شہود دائمی بمشکل حاصل کرسکتا ہے اصل تک پہنچنے کے بعد اصل کے انوار کی شعاعوں کا پرتو اس کے قلب کے آئینہ میں جلوہ گر کر کے پھر اس کو عالم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالے کرتے ہیں اس رجوع میں اپنی بھی تربیت ہے دوسروں کی بھی کیونکہ اصل انوار کا وہ پرتو جو اس کی جزو کی طرح بنایا گیا ہے رجوع کی مدت میں دوسرے اجزاء کو بھی اپنے رنگ پر لے آتا ہے اور اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے جس طرح کہ دوسروں کو نقص سے کمال میں لے آتا ہے اور غیب سے شہادت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جب اس کی دعوت اور رجوع کی مدت تمام ہو جاتی ہے اور کتاب وقت مقررہ تک پہنچ جاتی ہے تو اس کو اپنے اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور رفیق اعلیٰ کی ندا اس سے نکلتی ہے اور مختلف تعلقات سے آزاد ہو کر غیب سے شہادت کی طرف اسباب لے جاتا ہے۔ مدت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے اس وقت صادق آتا ہے فرشتہ اگرچہ اصل کا مشابہ ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینے میں ہے لیکن اس دولت کو انسان میں جز کی طرح بنایا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کو بقا بخشتا ہے برخلاف فرشتے کے کہ اس دولت کو اس میں جس جزو کی طرح نہیں بنایا باہر ہی میں نظارہ کرتا ہے اور بقاء و تحقیق اس کے ساتھ حاصل نہیں کرتا۔ یہ انصباغ و تلون جو انسان کو اصلی رنگ سے میسر ہوا ہے فرشتہ نہیں رکھتا اور وہ خصوصیت جو خاکیوں کو حاصل ہوئی ہے قدسیوں کو میسر نہیں کیونکہ اندر سے باہر تک بہت فرق ہے اسی واسطے خواص بشر خواص ملک سے افضل ہو گئے اور ان کے ہوتے خلافت کے مستحق بن گئے۔ یہ دولت انسان کو جز و ارضی کے باعث میسر ہوئی ہے اور قلب کو جو عرش الٰہی کہتے ہیں عنصر خاکی کی بدولت ہے جو کل کا جامع اور دائرہ امکان کا مرکز ہے۔ زمین کو اس کی پستی اور عاجزی کے باعث یہ سب رفعت و بلندی حاصل ہوئی ہے اور اس فروتنی نے اس کو اتنا بلند کر دیا ہے جب انسان رجوع اور دعوت کی مدت کے تمام ہونے اور اصلی رنگ میں رنگے جانے کے بعد اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور جناب پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس وقت جو خصوصیت اور انبساط اس کو میسر ہوتا ہے یقین نہیں کہ دوسروں کو بھی حاصل ہو۔ اور وہ قرب

و مرتبہ جو اسکو حاصل ہوتا ہے کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اصل میں فانی ہو کر اسکے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے اور اصل کے رنگ میں رنگا جاتا ہے کسی اور کی کیا مجال ہے کہ اسکے ساتھ برابری کرے کیونکہ دوسروں کا انصباغ یعنی اصل کے رنگ میں رنگا جانا اگرچہ تجرد و تنزہ کے اعتبار سے اتم و اکمل ہوتا ہے لیکن خارج سے آیا ہے اس لیے عارض کا حکم رکھتا ہے۔

انسان کی ہیئتِ ترکیبی : (مکتوب ۱۱ دفتر سوم) انسان ایک ایسا جامع نسخہ ہے جو اجزائے عشرہ یعنی اربعہ عناصر اور نفس ناطقہ اور قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ سے مرکب ہے اور دوسرے قوٰی و جوارح و اعضا جو انسان میں ہیں ان ہی اجزاء میں شامل ہیں یہ اجزاء ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف ہیں اربعہ عناصر کا ایک دوسرے کی ضد ہونا ظاہر ہے اسی طرح عالم خلق اور عالم امر کی ضدیت ہے بھی معلوم ہے اور عالم امر کے پنجگانہ لطائف میں سے ہے اور نفس ناطقہ خود اپنی خواہش و ہوا کا طالب ہے غرض ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ہر ایک کی سورت یعنی تیزی اور غلبہ کو توڑ کر جمع فرمایا ہے اور ایک خاص مزاج اور ہیئت وحدانی عطا فرمائی ہے۔ اپنی حکمت بالغہ سے اسکو ایسی صورت بخشی ہے جو اجزائے متضادہ و متفرقہ کی حفاظت کر سکے اس مجموعہ کو انسان کے ساتھ مسمّٰی کر کے جامعیت اور ہیئت وحدانی کے حاصل ہونے کے اعتبار سے خلافت کے شرف استعداد سے مشرف فرمایا ہے۔ یہ خلافت کی دولت انسان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوئی عالم کبیر اگرچہ بڑا ہے لیکن جامعیت سے خالی اور ہیئت وحدانی سے بے نصیب ہے یہ ماجرا تمام افراد انسانی میں ثابت ہے اور تمام خاص و عام انسان اس امر میں شریک ہیں۔

انسان کی محتاجی (مکتوب ۴۵ دفتر اول) انسان جس طرح باطنی جمعیت کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح ظاہری جمعیت کی بھی اسکو احتیاج ہے بلکہ یہ احتیاج مقدم ہے بلکہ تمام مخلوقات میں سے زیادہ محتاج انسان ہے اور یہ احتیاج کی زیادتی اس کو جامعیت کے سبب سے ہے اور جو کچھ سب کے لیے درکار ہے وہ اس اکیلے کو درکار ہے اور جس جس چیز کے لیے محتاج ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق بھی ہے پس اس کے تعلق سب سے زیادہ ہیں اور ہر ایک تعلق خدائے تعالیٰ کی طرف سے روگردانی کا باعث ہے پس اس لحاظ سے تمام مخلوقات میں سے زیادہ محروم انسان ہے حالانکہ تمام مخلوقات میں سے اسکے افضل و اشرف ہونے کا سبب بھی یہی وجہ جامعیت ہے اسلیے کہ اسکا آئینہ پورا اور کامل ہے اور جو کچھ تمام مخلوقات کے آئینوں میں ظاہر ہے وہ اس کے ایک ہی آئینہ میں روشن ہے پس اس جہت سے تمام مخلوقات سے بہتر اور اچھا انسان ہے اور مذکورہ بالا جہت سے سب سے بدتر بھی یہی ہے اسی انسان کی

نسل سے حضرت محمد ﷺ تھے اور اسی سے ابو جہل علیہ اللعنت۔

انسان کی حقیقت: (مکتوب ۶۰ دفتر سوم) انسان کی حقیقت اور اس کی ذات عدم ہے جو نفس ناطقہ کی حقیقت ہے جس کو ابتداء میں نفس امارہ سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر فرد انسان ہر لفظ انا سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے پس انسان کی ذات نفس امارہ ہے اور انسان کے باقی لطائف اس کے قویٰ اور اعضاء کی طرح ہیں جس طرح عدم فی ذاتہ محض شر ہے اور خیریت کی بو نہیں رکھتا اسی طرح نفس امارہ بھی محض شر ہے اور اس میں خیریت کی بو نہیں اس میں یہی شرارت و جہالت ہے۔

انسان کی جامعیت: (مکتوب ۱۲۹ دفتر اول) اسی جامعیت کے باعث بہترین موجودات بھی انسان ہی ہے بدترین مخلوقات بھی اسی جامعیت کے باعث وہی ہے اس کا آئینہ اسی جامعیت کے باعث بہترین اور بہت کامل ہے اگر جہان کی طرف منہ رکھے تو اس قدر مکدر ہو جاتا ہے کہ بیان سے باہر ہے اور اگر حق کی طرف منہ کرے تو سب سے زیادہ مصفا اور زیادہ خوشنما ہے ان تعلقات کی آلودگی سے کمال آزادی محمد رسول ﷺ کا خاصا ہے۔

ہندوستان میں پیغمبروں کی بعثت: (مکتوب ۲۵۹ دفتر اول) یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے کوئی ایسی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر ﷺ کی دعوت نہ پہنچی ہو بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح سب جگہ ان کی دعوت کا نور پہنچا ہے حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی مسئلہ جن کو دیوار حائل ہے پہنچا ہوا ہے اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی اس معاملہ سے دور دکھائی دیتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند سے پیغمبر مبعوث نہ ہوا اور حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملہ سے دور دکھائی دیتی ہے معلوم کرتا ہے کہ اہل ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں اگر ان شہروں کا تعین کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر ہے جس کی تابعداری کسی نے نہیں کی اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اور کوئی ایسا پیغمبر ہے کہ صرف ایک ہی آدمی اس پر ایمان لایا اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو اشخاص ہوئے اور بعض کے ساتھ تین آدمی سے زیادہ نظر نہیں آتے جو ہند میں کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوں اور جو کچھ ہند کے رئیس کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات اور اس کے تنزیہ و تقدس کی نسبت لکھا ہے انوار نبوت سے مقتبس ہے کیونکہ گزشتہ امتوں میں سے ہر ایک کے زمانے میں

ایک نہ ایک پیغمبر گزرا ہے جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات قدیمہ اور اس کے تنزیہ و تقدیس کی نسبت خبر دی ہے ان بدبختوں کی ناقص عقلیں اپنی حد ذات میں الوہیت کا حکم دیتی ہیں اور اپنے سوا کوئی اور خدا ثابت نہیں کرتیں اور جب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آگاہ کرنے سے انہوں نے معلوم کیا کہ عالم کے لیے ایک صانع واجب الوجود ہے تو ان کم بختوں میں سے بعض نے اپنے دعویٰ کی برائی کی اطلاع پا کر تقلید و تستر کے طور پر صانع کو ثابت کیا اور اس کو اپنے آپ میں حلول کیا ہوا سرایت کیا ہوا سمجھا ہے اور اس حیلہ سے لوگوں کو اپنی پرستش کی طرف بلایا ہے۔

(ہندوستان میں) ان مبعوث ہونے والے پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی بلکہ کسی کی دعوت ایک قوم سے ہے اور بعض کی ایک گاؤں سے یا ایک شہر سے مخصوص تھی اور ہوسکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے کسی قوم یا گاؤں میں کسی شخص کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہو اور اس شخص نے اس قوم یا اس گاؤں کے لوگوں کو صانع جل شانہ کی معرفت کی طرف دعوت دی ہو اور حق تعالیٰ کے سوا اوروں کی عبادت سے منع کیا ہو اور اس قوم یا گاؤں والوں نے اس کا انکار کیا ہو۔ اس کو ذلیل اور جاہل سمجھا ہو جب انکار اور تکذیب حد سے بڑھ گیا ہو تو حق تعالیٰ کی مدد نے آ کر انکو ہلاک کر دیا اس طرح کچھ مدت کے بعد ایک اور پیغمبر کسی قوم یا گاؤں کی طرف مبعوث ہوا ہو۔ اور اس پیغمبر سے بھی ان لوگوں نے وہی معاملہ کیا ہو جو پہلے پیغمبر سے کیا تھا۔ سرزمین ہند میں گاؤں اور شہروں کی تباہی اور ہلاکت کے آثار بہت پائے جاتے ہیں یہ لوگ اگرچہ ہلاک ہو گئے لیکن وہ دعوت کا کلمہ ان کے ہمسروں کے درمیان باقی رہا۔ ان مبعوث پیغمبروں کی خبر ہم تک پہنچتی جبکہ بہت سے لوگ ان کے تابع ہوتے اور بڑی بھاری قوم بہم پہنچاتے۔ جب ایک آدمی آیا اور چند روز دعوت کر کے چلا گیا اور کسی نے اس کو قبول نہ کیا پھر دوسرا آیا اور اس نے بھی یہی کام کیا اور ایک آدمی اس کے ساتھ ایمان لایا اور تیسرے کے ساتھ دو یا تین آدمی ایمان لائے تو پھر خبر کس طرح پھیلتی اور عام ہوتی اور کفار سب کے سب انکار کے درپے تھے اور اپنے باپ دادا کے دین کے مخالفوں کو رد کرتے تھے تو پھر نقل کون کرتا اور کس طرح نقل کرتا دوسرے یہ کہ نبوت و رسالت و پیغمبری کے الفاظ ان پیغمبروں اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے متحد ہونے کے باعث عربی اور فارسی لغت کے تھے اور یہ الفاظ ہندی لغت میں نہ تھے تاکہ ہند کے مبعوثہ انبیاء کو نبی یا رسول یا پیغمبر کہتے اور ان ناموں سے ان کو یاد کرتے اور نیز ہم معارضہ کے طور کہتے ہیں کہ اگر ہند میں انبیاء کرام مبعوث نہ ہوئے ہوں اور ان کی زبان میں ان کی دعوت بھی نہ کی ہو تو پھر ان

کا حکم بھی شاہق جبل (پہاڑوں میں آباد کفار) کا حکم ہوگا کہ باوجود سرکشی اور دعوٰی الوہیت کے دوزخ میں نہ جائیں اور ہمیشہ کے عذاب میں نہ رہیں اس بات کو بھی نہ تو عقل سلیم پسند کرتی ہے اور نہ ہی کشف صحیح اسکی شہادت دیتا ہے کیونکہ ہم ان میں سے بعض سرکش مردوں کو دوزخ کے وسط میں دیکھتے ہیں۔

ورع وتقوٰی: (مکتوب ۷۶ دفتر اول) نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے ایک امر کا بجالانا اور دوسرا نواہی سے رک جانا اور ان دونوں چیزوں میں سے بزرگ تر جز واخیر ہے جو ورع وتقوٰی سے تعبیر کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کا ذکر عبادت اور اجتہاد سے کیا گیا تھا اور دوسرے شخص کا ذکر ورع کے ساتھ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ورع یعنی پرہیزگاری کے برابر کوئی چیز نہیں اور نیز فرمایا کہ تمہارے دین کا مقصود پرہیزگاری ہے۔

انسان کی فضیلت فرشتوں پر اسی جزو سے ثابت ہے اور قرب کے درجوں پر ترقی اسی جزو سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ فرشتے پہلی جزو میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے پس ورع وتقوٰی کی جزو کا مدنظر رکھنا اسلام کے اصلی مقصودوں اور بڑی ضروریات میں سے ہے یہ جزو جس کا مدار محرمات سے بچنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ فضول مباحات سے پرہیز کی جائے اور بقدر ضرورت مباحات پر کفایت کی جائے۔ کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ کا ڈھیلا چھوڑنا مشتبہ تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے جو شخص چراگاہ کے گرد پھرا قریب ہے کہ اس میں جا پڑے پس کمال تقوٰی کے حاصل ہونے کے لیے بقدر ضرویت مباحات پر کفایت کرنا ضروری ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس میں وظائف بندگی کے ادا کرنے کی نیت ہو ورنہ اس قدر بھی وبال ہے اور اسکا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے اور جب فضول مباحات سے پورے طور پر بچنا تمام اوقات میں اور خاص کر اس وقت بہت ہی دشوار ہے۔ اس واسطے محرمات سے بچ کر حتی المقدور فضول مباحات کے اختیار کرنے کا دائرہ بہت تنگ کرنا چاہیے اور اس ارتکاب میں ہمیشہ پشیمان ہونا چاہیے اور توبہ وبخشش طلب کرنی چاہیے اور اسکو محرمات میں داخل ہونے کا دروازہ جان کر ہمیشہ حق تعالیٰ کی جناب میں التجاء اور گریہ وزاری کرنی چاہیے شاید کہ ندامت اور استغفار اور التجاء وتضرع فضول صباحات سے بچنے کا کام کر جائے اور اس کی آفت سے محفوظ کر دے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ گناہ گاروں کی عاجزی فرماں برداروں کے دبدبہ سے بہتر ہے۔

محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے۔ ایک وہ قسم جو اللہ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے اور دوسری قسم کی رعایت نہایت ضروری ہے۔ حق تعالیٰ غنی مطلق اور بڑا رحم کرنے والا ہے اور بندے فقراء اور محتاج اور بالذات بخیل اور کنجوس ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا ہے کہ "اگر کسی شخص پر اسکے بھائی کا مال یا اور کسی قسم کا حق ہے تو اس کو چاہیے کہ آج ہی معاف کرالے قبل اسکے کہ اسکے پاس دینار و درہم نہ ہوں۔ اگر اسکا کوئی نیک عمل ہوگا تو حق تعالیٰ اسکے موافق لے کر صاحب حق کو دیگا اور اگر اسکی نیکیاں نہ ہونگی تو صاحب حق کی برائیوں پر زیادہ کی جائینگی" اور نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کیا تم نہیں جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و اسباب وغیرہ کچھ نہ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز۔ روزہ اور زکوۃ سب کچھ کر کے آئے مگر ساتھ ہی اس نے اگر کسی کو گالی دی ہو اور کسی پر تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون گرایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اسکی نیکیوں میں سے ہر ایک حق دار کو اس کے حق کے برابر دیدیا جائیگا اور اگر اسکی نیکیوں میں سے ہر ایک حق دار کو اس کے حق کے برابر دے دی جائینگی اور اگر اسکی نیکیاں اسکے حقوق کے برابر نہ ہوئیں تو ان حق داروں کے گناہ لے کر اسکی برائیوں میں شامل کیے جائینگے پھر اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

(مکتوب ۷۷ دفتر اوّل) خدائے بے مثل اور بے مانند کی عبادت اس وقت میسر ہوتی ہے جبکہ تمام ماسوی اللہ کی غلامی سے آزاد ہو کر توجہ کا قبلہ احدیت کے سوا اور کچھ نہ رہے اور اس توجہ کا مصداق حق تعالیٰ کے انعام و ایلام کا برابر ہونا ہے بلکہ اس مقام کے حاصل ہونے کی ابتداء میں انعام کی نسبت رنج و الم زیادہ مرغوب ہوتا ہے اگرچہ آخر کار تفویض تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور جو کچھ اس طرف سے پہنچتا ہے اسکو مناسب اور بہتر جانتا ہے جو عبادت رغبت اور خوف سے تعلق رکھتی ہے وہ در حقیقت اپنی عبادت ہے اور اس سے مقصود اپنی نجات اور سرور ہے۔

(مکتوب ۸۱ دفتر دوم) حق تعالیٰ نے کمال کرم سے اپنے دوستوں پر مباحات کا دائرہ وسیع کیا ہے۔ وہ شخص بہت ہی بد بخت ہے جو اپنی تنگ دلی کے باعث اس وسعت کو تنگ خیال کر کے اس دائرہ کے باہر قدم رکھے اور حدود شرعیہ سے نکل کر مشتبہ اور محرم میں جا پڑے۔ حدود شرعیہ کو لازم پکڑنا چاہیے اور ان حدود سے سر مو تجاوز نہ کرنا چاہیے۔ رسم و رواج کے طور پر نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے بہت ہیں لیکن پرہیز گار جو حدود شرعیہ کی محافظت کریں بہت کم ہیں۔ وہ فاروق یعنی فرق کرنے والی شے جو حق کو باطل سے اور جھوٹے کو سچے سے جدا کرے یہی پرہیزگاری ہے کیونکہ نماز روزہ جھوٹا اور سچا دونوں ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "دین کا اصل ورع یعنی پرہیزگاری ہے" مزید فرمایا ورع اور پرہیزگاری کے برابر کوئی شے نہیں۔" یار لوگ اگرچہ پر تکلف کھانے کھاتے ہیں اور نفیس لباس پہنتے ہیں لیکن

لذت کا پانا اور نفع حاصل کرنا فقراء کے طعام ولباس میں ہے۔ آں وایں میں بہت فرق ہے کیونکہ وہ رضائے مولیٰ سے دور ہے اور یہ رضائے مولا کے نزدیک اور نیز اس کا حساب بھاری ہے اور اس کا حساب ہلکا۔

نوافل و فرائض: (مکتوب ۸۲ دفتر دوم) خاص کر ادائے فرض میں بڑی کوشش کرنی چاہیے اور حلال وحرمت میں بڑی احتیاط بجالانی چاہیے اور عبادات نافلہ کو عبادات فرائض کے مقابلے میں راستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کی طرح بے اعتبار جاننا چاہیے اکثر اس زمانے کے لوگ نفلوں کو رواج دیتے ہیں اور فرائض کو خراب کرتے ہیں نوافل کو ادا کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خوار اور بے اعتبار جانتے ہیں، روپیہ سب کا سب وقت بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں لیکن ایک جیتل زکوٰۃ کے طور پر خرچ نہیں کر سکتے۔ یہ نہیں جانتے کہ ایک جیتل زکوٰۃ کے طور پر معرف شرعیہ دینا صدہا صدقہ نافلہ سے بہتر ہے کیونکہ ادائے زکوٰۃ میں حق تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری ہے اور صدقہ نافلہ میں اکثر ہوائے نفسانی کی تابعداری۔ اسی واسطے فرض میں ریا کی گنجائش نہیں اور نفل میں ریا کا دخل ہے یہی سبب ہے کہ زکوٰۃ کو ظاہر کر کے دینا بہتر ہے تاکہ تہمت دور ہو جائے اور صدقہ نافلہ کو چھپا کر دینا بہتر ہے جو قبولیت کے لیے مناسب ہے۔

(مکتوب ۹ دفتر سوم) قرآن مجید میں ہے: ''جو کچھ رسول تمہارے پاس لے آئے اس کو پکڑ لو اور جس سے منع کرے اس سے ہٹ جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔'' اور امر کے بجالانے اور منہیات سے ہٹ جانے کے بعد تقویٰ کا ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ منہیات سے ہٹ رہنا ضروری ہے کیونکہ یہ تقویٰ کی حقیقت ہے جو دین کا اصل مقصود ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''تمہارے دین کا اصل مقصود ورع ہے۔'' دوسری جگہ فرمایا ہے ''ورع کے برابر کوئی شے نہیں'' کسی امر کا بجالانا گویا اس کی ضد سے ہٹ جانا ہے اور یہ ظاہر ہے لیکن انتہا یعنی منہیات سے ہٹ جانے کا عموم کی جہت کے سوا کثیر النفع ہونا اس لیے ہے کہ اس میں محض نفس کی مخالفت ہے اور اس میں نفس کی کوئی لذت نہیں برخلاف امتثال اور امر کی صورت کے کہ اس میں اکثر نفس کی لذت بھی ہوتی ہے اور جس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہو کچھ شک نہیں کہ اس کا نفع بھی زیادہ ہوگا اور نجات کے لیے سب سے زیادہ اقرب راستہ ہوگا کیونکہ تکلفات شرعیہ کا اصل مقصود نفس کو مغلوب کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور ندامت میں قائم رہتا ہے حدیث قدسی میں ہے کہ ''اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ میری عداوت پر قائم ہے۔

زہد اور ورع: (مکتوب ۲۶ دفتر دوم) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے

کہ ”تو پرہیزگار بن۔ تمام لوگوں سے زیادہ عابد بن جائے گا۔“ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مثقال ورع ہزار مثقال نماز روزہ سے بہتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کو پرہیزگار اور زاہد اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لیے جیسے ورع کام دیتا ہے ویسے اور کوئی شے نہیں۔ بعض علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کرے تب تک ورع حاصل نہیں ہوتی۔

(۱) زبان کو غیبت سے بچائے۔
(۲) بدظنی سے بچے۔
(۳) مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے۔
(۴) حرام سے آنکھ بند رکھے۔
(۵) سچ بولے۔
(۶) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا احسان جانے تا کہ اس کا نفس مغرور نہ ہو۔
(۷) اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے اور راہِ باطل میں خرچ کرنے سے بچے۔
(۸) اپنے نفس کے لیے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے۔
(۹) نماز کی محافظت کرے۔
(۱۰) سنت و جماعت پر استقامت اختیار کرے۔

عبادت اور قلبی امراض: (مکتوب ۱۰۵ دفتر اوّل) پس انسان جب تک مرض قلبی میں مبتلا ہے کوئی عبادت و طاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ اس کے لیے مضر ہے (قرآن مجید میں ہے کہ اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے) حدیث مشہور ہے کہ بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ ان کے نصیب نہیں ہوتا خبر صحیح ہے۔ دلی امراض کا علاج کرنے والے یعنی مشائخ بھی اول مرض کے دور کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور اس مرض سے مراد ماسوائے حق میں گرفتاری ہے بلکہ اپنے نفس کی گرفتاری ہے کیونکہ ہر ایک شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے اگر فرزند کو دوست رکھتا ہے تو اپنے لیے اگر مال و ریاست اور حب جاہ ہے تو اپنے لیے پس درحقیقت اس کا معبود اس کی اپنی انسانی خواہش ہے۔ جب تک اس قید سے خلاصی نہ ہو جائے تب تک نجات کی امید مشکل ہے۔

مسلمان خواتین اور حضرت مجدد الف ثانی

عورتوں کی بیعت: (مکتوب ۴۱ دفتر سوم) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے نبی! جب مومنہ عورتیں تیرے پاس آ کر اس شرط پر بیعت کریں (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی (۲) اور چوری نہ کریں گی (۳) اور نہ اولاد کو قتل کریں گی (۴) اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گی۔ (۵) اور نہ کسی شرعی امر میں تیری نافرمانی کریں گی۔ تو ان کو بیعت میں لے لو اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے" یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے روز نازل ہوئی مردوں کے بعد عورتوں کی بیعت شروع فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے صرف قول ہی سے بیعت کیا۔ آنحضرت ﷺ کا ہاتھ ہرگز بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھوں تک نہ پہنچا۔ چونکہ مردوں کی نسبت عوتوں میں ردی اور بے ہودہ اخلاق زیادہ پائے جاتے ہیں اس لیے مردوں کی نسبت عورتوں کی بیعت میں زیادہ شرائط کو مدنظر رکھا گیا۔

شرک: (مکتوب ۴۱ دفتر سوم) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "شرک میری امت میں اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو سیاہ رات میں پتھر پر چلتی ہے" نیز فرمایا "کہ شرک اصغر سے بچو صحابہؓ نے عرض کیا شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا شرک و کفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے اور دو دینوں یعنی کفر اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہل شرک میں سے ہے اسلام اور کفر کے مجموعہ احکام پر عمل کرنے والا مشرک ہے کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان ہے دکھ درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لیے اصنام (بتوں) اور طاغوت یعنی اور شیطان سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے شرک اور گمراہی ہے تراشیدہ پتھروں سے حاجتیں طلب کرنا واجب الوجود جل شانہ کا محض کفر اور انکار ہے۔ اگر عورتیں کمال جہالت کے باعث اس قسم کی ممنوع استمدادوں میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمّیٰ اسموں سے بلیہ و مصیبت کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں شرک اور اہل شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں خاص کر جدری کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلا اور چیچک کہتے ہیں نیک و بد عورتوں سے یہ بات مشہور ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو۔ ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان دنوں میں مشہور رسموں کو بجالانا سراسر کفر اور شرک ہے جیسے کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خاص کر ان کی عورتیں کافروں کی رسوم کو بجالاتی اور اپنی عید مناتی ہیں کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدایا اور تحفے اپنی بیٹیوں کو بھیجتی ہیں اور اس موسم میں کافروں کی طرح اپنے برتنوں کو رنگ کرتی

ہیں۔ ان کو سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بناتی ہیں سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے اور حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جاکر ذبح کرتے ہیں روایات فقہیہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جن کے ذبحوں کی قسم سے خیال کیا ہے جو ممنوع شرعی ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے اس عمل سے پرہیز کرنا چاہیے کہ اسمیں بھی شرک کی بو پائی جاتی ہے نذر اور منت کے وجود اور بہت ہیں کیا حاجت ہے کہ حیوان ذبح کرنے کی منت و نذر مانیں اور اسکو ذبح کر کے ان کے ذبحوں سے ملائیں اور ان کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں۔

اسی طرح وہ روزے ہیں جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت پر رکھتی ہیں اور اکثر انکے ناموں کو اپنے پاس سے گھڑ کر انکے نام پر اپنے روزے اور روزے کی نیت کرتی ہیں اور ہر روزہ کے

افطار کیلیے کھانے کا خاص اہتمام کرتی ہیں اور خاص طور پر افطار کرتی ہیں اور روزوں کیلیے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں اور اپنے مطلبوں اور مقاصد کو ان روزوں پر موقوف کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان پیروں اور بیبیوں سے حاجتیں طلب کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتی ہیں۔ یہ سب عبادت میں شرک ہے اور غیر کی عبادت اس غیر سے اپنی حاجتوں کا طلب کرنا ہے حالانکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"روزہ میرے ہی لیے ہے اور روزہ کی عبادت میں کوئی شریک نہیں"

اگرچہ کسی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا جائز نہیں لیکن روزہ کی تخصیص اس عبادت کے بلند شان ہونے کے باعث ہے جس میں تاکید کے ساتھ شریک کی نفی کی گئی ہے اور یہ جو بعض عورتیں اس فعل کی برائی ظاہر کرنے کے وقت کہتی ہیں کہ ہم ان روزوں کو خدا تعالیٰ کے لیے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں۔ یہ ان کا حیلہ اور بہانہ ہے۔ اگر یہ اس امر میں سچی ہیں تو روزوں کیلیے دنوں کو مقرر کیوں کرتی ہیں اور افطار کے وقت طعام کی تخصیص اور طرح طرح کی دمنوں کا تعین کیوں کرتی ہیں؟ اکثر اوقات افطار کے وقت محرمات کی مرتکب ہوتی ہیں اور حرام چیز سے افطار کرتی ہیں اور بے حاجت سوال و گدائی کر کے اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اس فعل محرم کے کرنے پر اپنی حاجتوں کا پورا ہونا جانتی ہیں۔ یہ سب گمراہی اور شیطان لعین کا مکر و فریب ہے۔

شرط دوم جو عورتوں کی بیعت میں لائے ہیں کہ ان کو چوری سے منع کیا گیا ہے جو کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ چونکہ یہ بری خصلت بھی اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس بری

عادت سے خالی ہوگی۔ وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں کے مالوں میں انکی اجازت کے بغیر تصرّف کرتی ہیں
اور نڈر ہو کر خرچ اور تلف کرتی ہیں چوروں میں داخل ہیں۔ اور چوری کے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہیں۔ یہ
بات عام عورتوں میں ثابت ہے اور یہ خیانت عام طور پر عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ جب عورتوں میں
خاوندوں کے مالوں کو بارہا دفعہ چرانے کے باعث خیانت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور غیروں کے مال
میں تصرف کرنے کی برائی ان کی نظروں سے دور ہو جاتی ہے تو خاوندوں کے سوا اور لوگوں کے مالوں
میں بھی تعدی سے تصرف کرتی ہیں اور بے تحاشا دوسروں کے اموال میں خیانت کرتی اور چراتی ہیں۔
زنا اکثر عورتوں کی رضامندی سے وقوع میں آتا ہے۔ یہ خود اپنے آپ کو مردوں کے سامنے پیش کرتی
ہیں اور اس عمل میں پہل عورتوں کی طرف سے ہوتی ہے اور اس عمل کے حصول میں ان کی رضامندی
معتبر ہے۔ مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں زانیہ
عورت کو زانی مرد پر مقدم فرمایا ہے۔

حضرت ابو حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔ ''اے آدمیوں کے گروہ زنا سے پرہیز کرو
کہ اس میں چھ بری خصلتیں ہیں جن میں سے تین دنیا میں اور تین آخرت میں لیکن وہ تین جو دنیا میں
ہیں ایک یہ کہ زنا کرنے والے سے خوبی۔ نورانیت اور صفا دور ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ اس سے فقر
اور محتاجی پیدا ہوتی ہے۔ تیسری یہ کہ عمر کم ہوتی ہے۔ آخرت کی تین خصلتیں حق تعالیٰ کا غصہ اور
غضب۔ بری طرح سے حساب ہونا۔ تیسرے دوزخ کا عذاب ہے۔''

''قرآن مجید (میں ہے) ''اے محمد ﷺ مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو محرمات سے ڈھانپیں اور
اپنی شرمگاہوں کو حفاظت میں رکھیں۔ یہ ان کے واسطے بہت اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو دیکھتا
ہے اور مومنات سے کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو محرمات سے ڈھانپیں اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔''

جاننا چاہیے کہ دل آنکھ کے تابع ہے۔ جب آنکھ کو محرمات سے بند نہ کریں دل کی محافظت مشکل ہے۔
جب آنکھ گرفتار ہو جائے تو دل کی حفاظت مشکل ہے اور جب دل گرفتار تو شرمگاہ کی محافظت دشوار ہے
قرآن مجید میں اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ عورتیں بیگانے مردوں کے ساتھ بدکار عورتوں کی
طرح ایسی نرم و ملائم کلام نہ کریں جن سے بدکار مردوں کو بدکاری کا وہم پیدا ہوا اور اس امر سے بھی منع
کیا گیا ہے کہ عورتیں اپنی زینت و خوبی اور بناؤ سنگار بیگانے مردوں کے سامنے ظاہر نہ کریں کہ مردوں
کو خواہش میں ڈالیں اور اس امر سے بھی یہی کوئی ہدایت آئی ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں
تاکہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر ہو یعنی پازیب وغیرہ حرکت میں آئے اور اس سے آواز نکلے جس سے
مردوں کو عورتوں کی طرف بری خواہش پیدا ہو غرض جو بات فسق اور بدکاری کی طرف لے جانے والی
ہے اس سے منع کیا گیا ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ بیگانی عورت کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنے اور ہاتھ لگانے میں عورت بھی بیگانہ مرد کی طرح ہے عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو اپنے خاوند کے سوا کسی دوسرے کے لیے خواہ عورت ہو یا مرد آراستہ کرے اور ان کو اپنی زیب و زینت دکھائے جس طرح مردوں کو امردوں یعنی بے ریش یا نابالغ لڑکوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنا اور مس کرنا حرام ہے اسی طرح عورتوں کو بھی عورتوں کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا اور ہاتھ لگانا منع ہے۔ دین و دنیا کے خسارہ کا موجب مرد کا عورت تک پہنچنا دونوں کی جنس کے مختلف ہونے کا باعث ہے کیونکہ کئی رکاوٹیں درمیان ہیں برخلاف ایک عورت کے دوسری عورت تک پہنچنے کے کہ دونوں ہم جنس اور متحد ہونے کے باعث نہایت آسان ہے یہاں زیادہ احتیاط کرنی چاہیے اور مرد کو عورت کی طرف اور عورت کو مرد کی طرف بہ نظر شہوت دیکھنے اور مس کرنے کی نسبت عورت کو عورت کی طرف بہ نظر شہوت دیکھنے اور مس کرنے سے اچھی طرح منع کرنا اور ڈرانا چاہیے۔ پانچویں شرط جو بیعت میں فرمائی ہے اس میں بہتان و افترا سے منع کیا گیا ہے چونکہ یہ بری صفت عورتوں میں زیادہ تر پائی جاتی ہے یہ تمام بری صفات سے بری ہے اور یہ عادت تمام ردی عادتوں میں سے ردی ہے جس میں جھوٹ بھی شامل ہے جو تمام مذاہب میں حرام ہے نیز اس میں مومن کا ایذاء ہے بہتان و افترا روئے زمین میں خسارہ برپا کرنے کا موجب ہے جو نص قرآن کے ساتھ مکروہ ممنوع اور منکر ہے غنا یعنی سرود اور گانے بجانے سے بھی بچنا ضروری ہے کیونکہ لہو و لعب اور کھیل کود میں داخل ہے جو حرام ہے اس کے بارے میں آیا ہے کہ سرود زنا کا افسون اور منتر ہے غیبت اور سخن چینی سے بھی اجتناب کرنا لازم ہے کیونکہ اس سے بھی شرع نے منع فرمایا ہے۔ مسخرہ پن اور مومن کو ایذا دینے سے بچنا چاہیے شگون بد کا اعتبار نہ کریں اور اس کی کچھ تاثیر نہ جانیں۔ اور ایک شخص سے دوسرے شخص کو مرض لگ جانے یعنی مریض سے کسی تندرست شخص کو لاحق ہونے کا اعتبار نہ کریں۔

کاہن اور نجومی کی باتوں کا اعتبار نہ کریں اور اُن کی غیبی باتوں کو کچھ نہ جانیں اور نہ ان سے کچھ پوچھیں اور ان کو امور غیبی کا عالم نہ جانیں کیونکہ شریعت نے بڑے مبالغہ کے ساتھ ان سے منع فرمایا ہے نہ خود جادو کریں اور نہ جادوگر کے پاس اس نیت سے جائیں کیونکہ حرام قطعی ہے اور کفر میں قدم راسخ رکھنا ہے۔ ساحروں اور ساحری سے بڑھ کر زیادہ کفر کے نزدیک اور کوئی کبیرہ گناہ نہیں بڑی احتیاط کرنی چاہیے کہ اسکا کوئی چھوٹا امر بھی نہ ہونے پائے کیونکہ شرع میں آیا ہے کہ مسلم جب تک اسلام رکھتا ہے اس سے سحر ظاہر نہیں ہوتا جب ایمان اس سے جدا ہو جاتا ہے اس وقت سحر بھی اس سے صادر ہوتا ہے گویا سحر اور ایمان ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں اگر جادو ہے تو ایمان نہیں۔

پس جو عورتیں ان شرطوں کو قبول کرلیں اور ان کے موافق عمل کریں حکما اس بیعت میں داخل ہو جاتی ہیں

اور اس استغفار کی برکات کی امیدوار بن جاتی ہیں جو حضور ﷺ کی دعا بوقت بیعت ان عورتوں کو حاصل ہوئیں۔

نامحرم عورتیں اور مرد: (مکتوب ۲۳۴ دفتر اول) شریعت میں مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں امردوں یعنی بے ریش لڑکوں اور بیگانی عورت کے حسن دنیوی زیب و زینت کی طرف رغبت و خواہش سے نظر کرنا منع فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ حسن و طراوت عدم کی مقتضیات سے ہے جو ہر شر و فساد کا محل ہے اور جو منکوحہ خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں سے تمتع حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ اولاد حاصل کرنے اور نسل کے باقی رکھنے کے لیے ہے جو انتظام عالم کے باقی رکھنے کیلیے مطلوب ہے دنیوی حسن و جمال اور اسکی حلاوت و طراوت رستے میں چھینکتے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہیں اور منظور نظر نہیں ہیں اور آخرت کا جمال ہی ہے جو نظر کے لائق ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

(مکتوب ۳۴ دفتر سوم) میر محمد امین کی والدہ کے نام مکتوب شریعت اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت والجماعت کے موافق درست کریں اور احکام فقہ کے مطابق عمل بجالائیں کیونکہ جس چیز کا امر ہو چکا ہے اسکا بجالانا ضروری ہے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے ہٹ جانا لازم ہے پنج وقتی نماز کو سستی اور کاہلی کے بغیر شرائط اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کریں۔

نصاب کے حاصل ہونے پر زکوٰۃ ادا کریں امام اعظمؒ کے مطابق عورتوں کے زیور پر بھی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے سرود نغمہ گانے بجانے کی خواہش نہ کریں اور اسکی لذت پر فریفتہ نہ ہوں یہ ایک قسم کا زہر ہے جو شہد میں ملا ہوا ہے اور ستم قاتل ہے جو شکر سے آلودہ ہے

لوگوں کی غیبت اور سخن چینی سے اپنے آپ کو بچائیں شریعت میں ان خصلتوں پر بڑی وعید آئی ہے جھوٹ بولنے اور بہتان لگانے سے پرہیز کریں یہ بری عادات تمام مذاہب میں حرام ہیں۔ خلقت کے عیبوں اور گناہوں کا ڈھانپنا اور انکے قصوروں سے درگذر اور معاف کرنا بڑے عالی حوصلہ والے لوگوں کا کام ہے۔

غلاموں اور ماتحتوں پر مشفق و مہربان رہنا چاہیے اور انکے قصوروں پر مواخذہ نہ کرنا چاہیے اور موقع بے موقع ان نامرادوں کو مارنا کوٹنا۔ گالی دینا اور ایذا پہنچانا نامناسب ہے۔

خلت (مرتبہ خلیل اللہ)

(مکتوب ۸۸ دفتر سوم) جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی خلت کی دولت سے جو دراصل حضرت ابراہیم (خلیل اللہ) علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایت ابراہیمی سے سرفراز کرتا ہے تو اسکو اپنا انیس و ندیم بنالیتا ہے اور انس والفت کی نسبت جو خلت کے لوازم سے ہے درمیان

آ جاتی ہے خلت نہایت ہی بلند اور بڑ برکت والا مقام ہے عالم مجاز میں جس کو دوسرے کے ساتھ انس والفت وسکونت وآرام ہے سب مقام خلت کے ظلال میں سے ہے وہ الفت جو باپ کو بیٹے کے ساتھ اور بھائی کے ساتھ اور عورت کو شوہر کے ساتھ ہے سب خلت کی قسم ہے ایسے ہی ہر ایک حظ ولذت وآرام جو اچھی صورتوں اور جمیلہ مظہروں سے ثابت ہے مقام خلت ہی سے ہے لیکن محبت اور ہی چیز ہے اور اسکا منشاء بھی اور ہی ہے اگر خلت اور اسکا انس والفت درمیان نہ ہو کوئی مرکب وممکن وجود میں نہ آئے اور کوئی جزو دوسرے جزو کے ساتھ نہ ملے خاص کر جبکہ ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہوں بلکہ کوئی وجود ماہیت کے ساتھ نہ ملے حدیث قدسی میں ہے ''میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس خلق کو پیدا کیا'' اور جب خلت کا فرد کامل ہے پس اگر خلت نہ ہوتی کوئی چیز موجود نہ ہوتی اور کوئی دوسرے کے ساتھ جمع نہ ہوتا اور الفت نہ پکڑتا۔ جہان کا وجود اور اسکا نظام خلت سے وابستہ ہے اگر خلت نہ ہوتی نظام بھی وجود کی طرح مفقود ہوتا پس خلت ہی ایجاد کا اصل ہے خلت ہی نے ممکن کو وجود کے قبول کرنے کے لیے مانوس کیا ہے اور اسکو ایجاد کی قید میں لائی ہے۔ مقام خلت اصالت کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور انکی ولایت ابراہیمی ہے۔ وہ قسم جو وصول نظری ہے بلااصالت حضرت خلیل کے نصیب ہے کیونکہ تمام تعینات میں سے زیادہ قریب حضرت ذات سے تعین اول ہے جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے جب تک اس تعین تک نہ پہنچیں نظر اس سے . . . . .
آگے نہیں گزرتی اور وہ قسم جو باعتبار قدم کے ہے بلااصالت حضرت حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے جو محبوب رب العالمین ہیں۔ محبوبوں کو اس جگہ لے جاتے ہیں جہاں خلیل نہیں جاسکتے سوائے اس کے کہ انکی تبعیت سے ان کو وہاں لے جائیں۔ خلیل بھی ایسا ہونا چاہیے کہ اس کی نظر وہاں تک پہنچ جائے جہاں محبوبوں کے رئیس پہنچے ہیں غرض تجلی ذات ایک وجہ سے اصالت حضرت خلیل کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے انکے تابع ہیں اور دوسری وجہ سے وہ تجلی ذات حضرت خاتم الرسل ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے انکے تابع ہیں اس لیے تجلی ذات کو حضرت خاتم الرسل کے ساتھ زیادہ تر مناسبت حاصل ہے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خلیل اور باقی تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں وصول نظری میں حضرت خلیل اصل ہیں اور حضرت حبیب ان کے تابع ہیں اور وصول قدمی میں حضرت حبیب اصل ہیں اور حضرت خلیل انکے تابع ہیں۔

محبوبیت: (مکتوب ۸۸ دفتر سوم) وہ محبوبیت جو حضرت خاتم الرسل ﷺ کا حصہ ہے تمام

فضائل و مراتب قرب پر غالب آگئی ہے اور سب سے پیش قدم اور برتر کر دیا قرب کے ہزار مراتب محبوبیت کی ایک نسبت کے برابر نہیں ہو سکتے۔ محب اپنے محبوب کو اپنی جان سے زیادہ عزیز جانتا ہے دوسروں کو لائق نہیں کہ اس کی مشارکت کریں

حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت: (مکتوب ۱۱۴ دفتر سوم) حضرت خلیل اللہ علیہ الصلواۃ والسلام کی ولایت اسرافی ولایت ہے اسلیے حضرت اسرائیل کا مبداء تعین بھی یہی تعین وجودی ہے اور ہر ایک پیغمبر اور رسول کا مبداء تعین بالاصالت اس تعین اول وجودی کے حصوں میں سے ایک ایک حصہ ہے۔ تعین اول وجودی کا ایک حصہ اسم الحیات ہے اور دوسرا حصہ اسم العلم ہے مشہود ہوتا ہے کہ اسم الحیات اس جامعیت کے اعتبار سے کہ ملائکہ علیہم علیٰ نبینا وعلیہم السلام والسلام کا مبداء تعین ہے حضرت روح اللہ کو بھی جو ملائے اعلیٰ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اس قیام سے حصہ حاصل ہے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی چونکہ حضرت روح اللہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اس مقام کے امیدوار ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام: (مکتوب ۱۰۰ سوم) حضرت یعقوب علیہ السلام کی گرفتاری کی نسبت جو حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی (اس سلسلے میں) سرسری نظر میں ظاہر ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خلقت اور انکا حسن و جمال اس عالمِ دنیا کے خلقت اور حسن و جمال کی قسم سے نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس جہان کے انکا حسن صباحت حور و غلمان کے حسن کی مانند ہے۔ کوئی یہ نہیں کہے کہ حق تعالی کے ماسوا کی گرفتاری نہیں کیونکہ مخلوق حق تعالی کے حسن و جمال کا آئینہ ہے جیسے کہ صوفیا نے کہا ہے کہ اور کثرت کے آئینہ میں وحدت کا شہود تجویز کیا ہے۔ اس سوال کی بنا ایک مقدمہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کا حسن و جمال اور وہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کی مانند نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن و جمال خیر در خیر ہے اور وہ لذت و نعمت حق تعالی کو مقبول اور پسندیدہ ہے اور یہ حسن و جمال سراسر شر و نقص ہے اور یہ لذت و نعمت نامقبول و ناپسندیدہ ہے اس واسطے دار آخرت دار رضا ہے اور دار و دنیا مولٰی جلشانہٗ کے غضب کا مقام ہے اللہ تعالی کے فضل سے کشف صریح کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وجود اگرچہ اس جہان میں پیدا ہوا ہے لیکن اس جہان کے تمام موجودات کے برخلاف ان کا وجود عالم آخرت سے ہے اور انکے وجود کی جانب کو ترجیح دے کر اس حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے۔ جو اسماء و صفات کے وجود سے تعلق رکھتا ہے اور عدمیت کی آمیزش کو جو ان کے نفس یا اصل سے تعلق رکھتی ہے منتفیٰ کیا ہے اور عدم

کی علت سے کہ ہر قبیح ونقص کا منشاء ہے ان کو اور انکے اصل کو پاک کیا ہے اور نور وجود کے غلبہ کے سوا جو بہشتیوں کے نصیب ہے ان میں کچھ نہیں چھوڑا۔اسی واسطے ان کے حسن و جمال کی گرفتاری بہشت اور بہشتیوں کے حسن و جمال کی طرح محمود اور پسندیدہ اور کاملوں کے نصیب ہوئی ہے۔ محب جس قدر زیادہ کامل ہوگا اسی قدر آخرت کے حسن و جمال کا زیادہ گرفتار ہوگا اور اس قدر حق تعالیٰ کی رضامندی میں اس کا قدم بڑھ کر ہوگا کیونکہ آخرت کی گرفتاری آخرت کے صاحب یعنی حق تعالیٰ کی عین گرفتاری ہے ۔جن لوگوں نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح مذموم جانا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا سمجھا ہے۔انہوں نے آخرت کی حقیقت کو پورے طور پر نہیں جانا۔رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ بے چاری اگر بہشت کی حقیقت کو پورے طور پر جانتی تو اس کے جلانے کا فکر نہ کرتیں۔

بہشت: (مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم) فقہ کے نزدیک ہر شخص کا بہشت اس اسم الٰہی جل شانہٗ کے ظہور سے مراد ہے جو اس شخص کا مبداء تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و نہار اور حور و قصور اور ولدان وغلمان کی صورت اور لباس میں ظہور فرمایا ہے۔جس طرح اسماء الٰہی جلشانہ میں بلندی، پستی، جامعیت اور عدم جامعیت کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح جنتوں میں بھی انکے اندازہ کے موافق فرق ہے اس فقیر کا کشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر ایک بہشتی شخص کی رویت بھی اسی اسم الٰہی جلشانہٗ کے اندازہ کے موافق ہوگی جو اس کا مبداء وتشخص ہے اور بہشتی درختوں، نہروں اور حور و غلمان کے لباس میں ظاہر ہوا ہے اسی طرح کچھ مدت کے بعد حق تعالیٰ کے کرم سے یہ درخت اور نہریں وغیرہ جو اس مقدس کے مظہر ہیں تھوڑی دیر کے لیے عینک کا حکم پیدا کرلینگے اور اس شخص کے لیے رویت منکفیہ کی دولت کا وسیلہ ہو جائیں گے اور پھر اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے اور اسکو اپنے ساتھ مشغول رکھیں گے جس طرح کہ تجلی ذاتی برقی ہے جس کو صوفیہ نے اس جہان میں ثابت کیا ہے جب اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے کرم کے ساتھ مخصوص کر کے فنا اتم کی دولت سے مشرف فرمایا ہے اور عدم کی قید سے کہ اسکی ماہیت تھی خلاص کرتا ہے اور اسکا عین واثر باقی نہیں چھوڑتا تو اس فنا کے بعد اسکو ایسا وجود بخشتا ہے جو عالم آخرت کے وجود کیے مانند ہوتا ہے جس کا تعلق ممکن کی جانب وجود کی ترجیح کے ساتھ ہوتا ہے اور اسمائے صفات الٰہی جل شانہٗ کے جانب وجود کے کمالات کا مظہر ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام پہلے ہی وجود میں اس دولت سے مشرف ہوئے تھے اور یہ عارف دوسرے وجود اور ولادت میں چونکہ وہ دولتِ جبلی اور پیدائش تھی اس لیے ظاہری حسن بھی عطا فرمایا اور یہ چونکہ کسب کے بعد حاصل ہوئے اس لیے نور باطن پر کفایت کی اور اسکے ظاہری حسن کو آخرت کے لیے ذخیرہ رکھا۔

مجاز حقیقت کا پل ہے: (مکتوب ۲۶ دفتر سوم) جاننا چاہیئے کہ مجاز حقیقت کا ظل ہے جو ظل سے اصل کی طرف سیدھا شاہراہ ہے شاید اسی اعتبار سے کہتے ہیں ''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا'' مجاز حقیقت کا پل اس صورت میں ہے کہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں نہ آئے اور نظر ثانیہ تک نہ پہنچے وہ نظر اولی ہی ہے جو حقیقت کا پل ہے اگر نعوذ باللہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں آ جائے اور نظر ثانیہ تک نوبت پہنچ جائے تو وہی مجاز حقیقت تک پہنچنے کا مانع ہے وہ قنطرہ یعنی پل کیا ہوگا بلکہ بت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے اور دیو ہے جو حقیقت کی طرف سے روگردانی کرتا ہے۔ اسی واسطے مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے۔ (نظر ثانی کو مضر جان کر) ''دوسری بار کی نظر تجھ پر وبال ہے''۔ فرمایا ہے کہ اس سے بڑھ کر زیادہ مضر چیز کون سی ہوگی جو حق سے ہٹا رکھتی ہے اور باطل کے ساتھ گرفتار کرتی ہے نظر اولی اس وقت نافع ہے جبکہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اختیار سے ہو تو نظر ثانیہ کا حکم رکھتی ہے (اسی لیے مومنوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے) بے وقوف کچے صوفی اس عبادت کے معنی غلط سمجھ کر صورت جمیلہ کے ساتھ گرفتاری پیدا کرتے ہیں اور اسکی ناز و ادا پر فریفتہ ہوتے ہیں اس طمع پر کہ اس حقیقت تک پہنچنے کا وسیلہ اور مطلوب حاصل ہونے کا زینہ بنائیں۔

حاشا وکلا: یہ امر سراسر مطلوب کا سدِّ راہ ہے اور مقصود کے حاصل ہونے کا حجاب ہے یہ ایک باطل ہے جو انکی نظر میں آراستہ ہوا ہے اور حقیقت کے دھوکہ میں آ گئے ہیں اور ان میں سے بعض صوفیہ صورتوں کے حسن و جمال کو حق تعالٰی کا حسن و جمال سمجھ کر انکے تعلق کو عین حق تعالٰی کا تعلق مانتے ہیں اور انکے مشاہدے کو حق تعالٰی کا مشاہدہ خیال کرتے ہیں معلوم نہیں ان بے وقوفوں نے حق تعالٰی کو کیا گمان کیا ہے اور اسکے حسن و جمال کو کیا تصور کیا ہے شاید انہوں نے نہیں سنا کہ اگر بالفرض اس مخلوق میں اسے بہشت کا ایک بال بھی دنیا میں آ پڑے تو اس بال کی چمک اور روشنی کے باعث دنیا میں کبھی رات نہ آئے اور نہ اندھیرا چھا جائے اور حق تعالٰی کی ایک ہی تجلی سے کوہ طور جل کر ریزہ ریزہ ہونا اور حضرت موسٰی کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باوجود اس قرب و منزلت کے بے ہوش ہو کر گر پڑنا قرآن کریم سے ثابت ہے لیکن یہ بے وقوف ہر وقت خدا تعالٰی کو بے پردہ دیکھتے ہیں اور آخرت کے رویت کے وعدہ پر تعجب کرتے ہیں اہل سنت کے سوا باقی تمام گروہ کیا اہل ملت آخرت کی رویت کے قائل نہیں بلکہ اسکو محال عقلی سمجھتے ہیں۔ اہل سنت نے عالم آخرت پر مخصوص رکھا ہے لیکن ان بوالہوسوں نے اس اعلیٰ دولت کو اسی عالم فانی میں تصور کیا ہے اور اپنے خواب و خیال پر خوش ہو رہے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت
اوران کی ضرورت

انبیاء کی ضرورت (مکتوب ۲۳ دفتر سوم) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اہل جہان کے لیے سراسر رحمت ہیں جن کی بعثت کے ذریعہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات سے ہم ناقص عقلوں اور کم فہموں کو خبر دی ہے اور ہمارے کوتاہ فہم کے موافق اپنے ذاتی وصفاتی کمالات پر اطلاع بخشی ہے اور اپنی رضا مندی کو اپنی ناراضی سے جدا کیا ہے اور ہمارے دنیا وآخرت کے نفعوں کو ہمارے لیے ضروری سے ممتاز فرمایا ہے۔ اگران کے وجہ شریف کا وسیلہ نہ ہوتا تو انسانی عقلیں حق تعالیٰ کے اثبات میں عاجز رہتیں اوراس کے کمالات کے ادراک میں ناقص اور قاصر ہوتیں۔ نمرود جوروئے زمین کا بادشاہ ہوگزرا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں کے خالق کے اثبات میں حضرت خلیل اللہ کے ساتھ اس کا جھگڑا مشہور ہے۔ اور قرآن مجید میں مذکور ہے۔ فرعون بدبخت کہا کرتا تھا کہ میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا۔ نیز فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اگر تو میرے سوا اور کوئی معبود پکڑے گا تو تجھے قید کردوں گا اس بدبخت نے ہامان سے کہا اے ہامان! ایک بڑا اونچا مکان بنوا تا کہ میں آسمانوں پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کی خبر لوں۔ میرا گمان ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ غرض عقل اس اعلیٰ ذات کے اثبات میں کوتاہ ہے اوران بزرگواروں کی ہدایت کے بغیراس دولت سرائے سے گمراہ ہے۔ جب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام متواتر طور پر مخلوقات کو خدا کی طرف جوزمین وآسمان کا خالق ہے دعوت فرمائی اوران بزرگواروں کا بول بالا ہوا تو ہر زمانے کے جاہل اور بے وقوف لوگ جو مانع ثبوت میں تردد رکھتے تھے اپنی برائی پر مطلع ہوکر بے اختیار صانع کے وجود کے قائل ہوگئے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ یہ وہ نور ہے جوانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے انوار سے حاصل ہوتا ہے اور یہ وہ دولت ہے جوانبیاء کے دسترخوان سے ملی ہے۔ اسی طرح تمام سمعیات یعنی سنی سنائی باتیں جوانبیاء کی تبلیغ سے ہم تک پہنچی ہیں یعنی حق تعالیٰ کی صفات کمال کا وجود انبیاء کی بعثت۔ فرشتوں کی عصمت۔ حشر ونشر۔ بہشت ودوزخ اوران کا دائمی رنج وراحت وغیرہ وغیرہ جوشریعت نے بیان کی ہیں عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے اوران بزرگواروں کے سننے کے بغیران کے اثبات میں ناقص اور غیر مستقل ہے جس طرح عقل طور حس سے ماورا ہے کہ جو چیز حس سے مدرک نہ ہوسکے عقل اس کا ادراک کرسکتی ہے اسی طور نبوت بھی طور عقل کے مدرک نہ ہوسکے جو

چیز عقل سے مدرک نہ ہو نبوت کے ذریعے ادراک میں آ جاتی ہے جو شخص طور عقل کے ماسوا اور کوئی طریقہ صانع کی معرفت کے لیے ثابت نہیں کرتا وہ در حقیقت طور نبوت کا منکر اور بداہت وصراحت کا مخالف ہے پس انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وجود ضروری تھا تاکہ منعم جلشانہ کے شکر پر عقل کی رو سے واجب ہے۔ دلالت کریں اور نعمتوں کے دینے والے مولیٰ جل وعلا کی تعظیم جو علم وعمل سے تعلق رکھتی ہے اس کی طرف سے معلوم کر کے ظاہر کریں کیونکہ حق تعالیٰ کی وہ تعظیم جو اس کی طرف سے حاصل ہو وہ اس کے شکر کے لائق نہیں۔ اس لیے کہ قوت انسانی اس کے ادراک میں عاجز ہے۔ بسا اوقات اس کی بے تعظیمی کو تعظیم سمجھتا ہے اور شکر سے ہجو میں آ جاتا ہے۔ حق تعالیٰ سے اس کی تعظیم کے استفادہ کا طریق نبوت اور انبیاء الصلوۃ والسلام کی تبلیغ پر موقوف ہے۔

انبیاء کی دینوی زندگی ۔ (مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بہت سے احکام میں عوام کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور خلقت اور اہل وعیال کے ساتھ رہنے سہنے میں عوام کی طرح گزارہ کرتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حسن معاشرت کے اخبار مشہور ہیں۔

انبیاء کا ایمان ۔ (مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم والسلام کا ایمان اور ان کے اصحاب کا ایمان اور ان اولیاء کا ایمان جو اصحاب سے ملحق ہیں شہود کے بعد دعوت کی طرف رجوع کرنے کے باعث غیب سے بدل جاتا ہے جس طرح کوئی شخص دن میں آفتاب دیکھے اور آفتاب کے وجود کے ساتھ ایمان شہودی حاصل کرے اور جب رات ہو جائے تو اس کا ایمان شہودی غیب کے ساتھ بدل جائے۔ اور علماء کا ایمان اگرچہ غیب کے ساتھ ہے لیکن ان کے غیب اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی متابعت کے نور کے باعث حدس کا حکم پیدا کر لیا ہے اور نظریت سے نکل چکا ہے۔ علماء سے مراد اس جگہ علمائے آخرت ہیں نہ کہ علمائے دنیا کیونکہ علمائے دنیا عام مومنین میں داخل ہیں اور ایمان بالغیب جو عام مومنین کی طرف منسوب ہے اس کے اقسام میں سے بہترین قسم وہ ایمان جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید سے وابستہ ہے اور قال اللہ وقال الرسول سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ ایمان جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے وہی ایمان استدلالی ہے کیونکہ صاحب تقلید دلیل کے ساتھ جانتا ہے کہ انبیاء کرام تبلیغ ورسالت میں صادق ہیں کیونکہ وہ شخص جس کی اللہ تعالیٰ معجزات کے ساتھ تصدیق کرے بے شک سچا ہوتا ہے پس انبیاء کرام جن کی تائید معجزات کے ساتھ ہوئی ہے سب کے سب صادق اور راست ہیں۔ تقلید غیر معتبر ہے کہ ایمان میں اپنے باپ دادا کی تقلید

کرے اور انبیاء کرام کی صداقت۔ تبلیغ کی حقیقت اور راستی کو منظور نہ کرے۔ یہ ایمان اکثر علماء کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ اس صاحب استدلال پر نہایت افسوس ہے۔ جو ایمان کو صرف استدلال ہی سے حاصل کرے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تقلید اس کی دست گیری اور مدد نہ کرے۔

انبیاء کرام کی دعوت: (مکتوب ۲۷۳ دفتر اول) تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام آفاقی و انفسی جھوٹے خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور انکے باطل ہونے کی دعوت فرماتے ہیں اور اس واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بے چون اور بے چگون ہے رہنمائی کرتے ہیں۔ کبھی کسی نے نہیں سنا کہ کسی پیغمبر نے ایمان تشبیہی کی طرف دعوت کی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو۔ تمام پیغمبر واجب الوجود کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا تمام ارباب کی نفی کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام: (مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) حضرت نوح علیہ السلام نو سو پچاس سال تک اپنی قوم میں رہ کر دعوت کرتے رہے اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرتے رہے۔ لکھا ہے کہ ان کی قوم کے لوگ دعوت کے وقت اس قدر پتھر ان کو مارتے تھے کہ وہ بے ہوش کر گر پڑتے تھے اور پتھروں کے نیچے دب جاتے تھے۔ جب ہوش میں آتے تھے تو پھر دعوت کرنے لگ جاتے اور قوم کے لوگ وہی معاملہ ان کے ساتھ کرتے تھے۔

دنیا کے مصائب و آلام ---- رنج ومحنت

رنج ومحنت -(مکتوب ۴۰ا دفتر اول) رنج ومحنت محبت کے لوازم میں سے ہے- فقر اختیار کرنے میں درد وغم ضروری ہے دوست رنج اور آوارگی چاہتا ہے تا کہ اس کے غیر سے پورے طور پر انقطاع حاصل ہو جائے- یہاں آرام بے آرامی میں ہے اور ساز سوز میں ہے اور قرار بے قراری میں اور راحت جراحت میں- اس مقام میں آرام طلب کرنا اپنے آپ کو رنج میں ڈالنا ہے اپنے آپ کو ہمہ تن محبوب کے حوالے کر دینا چاہیے اور جو کچھ اس کی طرف سے آئے خوشی قبول کرنا چاہیے اور ہرگز سر نہ پھیرنا چاہیے- زندگانی کا طریق اسی صورت میں ہے- جہاں تک ہو سکے استقامت اختیار کریں ورنہ فتور پیچھے ہے-

دوستوں کیلیے کفارہ - (مکتوب ۷۵ دفتر دوم) دنیا کے رنج وغم اور مصائب و تکالیف دوستوں کے لیے کفارہ ہیں عاجزی، زاری اور التجاء وانکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عفو و عافیت طلب کرنی چاہیے حتیٰ کہ قبولیت کا اثر مفہوم ہو جائے اور فتنہ کا فرو ہو جانا معلوم ہو جائے- اگرچہ دوست اور خیر خواہ سب اس کام میں لگے ہیں مگر صاحب معاملہ اس کام کا زیادہ مستحق ہے- دوا کھانا - پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے- دوسرے لوگ مرض کے دور کرنے میں صرف اسی کے مددگار ہیں--- معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو کچھ آئے کشادہ پیشانی اور فراخ دلی سے احسان کے ساتھ اس کو قبول کر لینا چاہیے بلکہ اس سے لذت حاصل کرنا - وہ رسوائی اور بے ناموسی جس میں محبوب کی مراد ہو محب کے نزدیک اسی ننگ و ناموس اور عزت سے بہتر ہے جس میں محب کے اپنے نفس کی مراد ہو- اگر یہ بات محب کو حاصل نہیں تو محبت میں ناقص بلکہ کاذب ہے-

انبیاء کرام اور اولیاء ---- اور مصائب و آلام -(مکتوب ۹۹ دفتر دوم)

سوال- حق تعالیٰ اپنے محبوبوں اور خواص مقربوں کو بلیات و رنج کے حوالے کیوں کرتا ہے اور دشمنوں کی ناز ونعمت میں اور دوستوں کو رنج ومصیبت میں کیوں رکھتا ہے؟

جواب: دنیا نعمت ولذت کے لیے نہیں ہے- وہ آخرت ہی ہے جو نعمت ولذت کے لیے تیار کی گئی ہے- چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی سوکن اور ضد اور نقیض ہیں- ایک کی رضامندی میں دوسرے کی ناراضی ہے اس لیے ایک میں لذت پانا اور دوسرے میں رنج والم کا باعث ہوگا- پس انسان جس قدر دنیا میں نعمت ولذت کے ساتھ رہے گا اسی قدر رنج والم آخرت میں اٹھائے گا- ایسے ہی جو شخص دنیا میں زیادہ

تر رنج والم میں مبتلا ہوگا آخرت میں اسی قدر زیادہ ناز ونعمت میں ہوگا - کاش دنیا کی بقا کو آخرت کی بقا کے ساتھ وہی نسبت ہوتی جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہے متناہی کو لامتناہی کے ساتھ کیا نسبت ہو. گی - اسی لیے دوستوں کو اپنے فضل وکرم سے اس جگہ کی چند روزہ محنت ومصیبت میں مبتلا کیا تاکہ ان کو دائمی ناز ونعمت سے محظوظ ومسرور فرمائے اور دشمنوں کو مکر واستدراج کے بموجب تھوڑی سی لذتوں کے ساتھ محظوظ کردیا تاکہ آخرت میں بے شمار رنج والم میں گرفتار رہیں - کافر خدا کا دشمن اور دائمی عذاب کا مستحق ہے - دنیا میں اس سے عذاب دور رکھنا اور اس کو اپنی وضع پر چھوڑ دینا اس کے حق میں عین ناز ونعمت ولذت ہے - اسی واسطے کافر کے حق میں یہ دنیا پر جنت کا اطلاق کیا گیا ہے خلاصہ یہ کہ دنیا میں بعض کفار سے عذاب رفع بھی کردیتے ہیں اور لذت ونعمت بھی دیتے ہیں اور بعض سے صرف عذاب ہی ہٹا رکھتے ہیں اور لذت ونعمت کچھ نہیں دیتے بلکہ فرصت ومہلت کی لذت اور عذاب کے دور ہونے پر کفایت کرتے ہیں -

سوال: حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور توانا ہے کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذت ونعمت بخشے اور آخرت میں بھی ناز ونعمت کرامت فرمائے -

جواب: ایک یہ کہ دنیا میں جب تک چند روز محنت وبلیات کو برداشت نہ کرتے تو آخرت کی لذت ونعمت کی قدر نہ جانتے اور دائمی صحت وعافیت کو کما حقہٗ معلوم نہ کر سکتے - جب تک بھوک نہ ہو طعام کی لذت نہیں آتی اور جب تک مصیبت میں مبتلا نہ ہوں اور فراغت وآرام کی قدر معلوم نہیں ہوتی گویا ان چند روزہ مصیبتوں سے مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی ناز ونعمت کامل طور پر حاصل ہو - یہ ان لوگوں کے حق میں سراسر جمال ہے جو عوام کی آزمائش کے لیے جلال کی صورت میں ظاہر ہوا ہے ---- کیونکہ نفس نعمتوں کو چاہتا ہے اور بلا ومصیبت سے بھاگتا ہے پس بلا ان بزرگواروں کے نزدیک عین نعمت سے بڑھ کر ہے اور وہ حظ جو ان کو دنیا میں حاصل ہے - وہ بلیات ومصائب ہی کے باعث ہے - اگر دنیا میں یہ نمک بھی نہ ہوتا تو ان کے نزدیک جو کے برابر بھی قیمت نہ تھی - اور اگر اس میں یہ صورت نہ ہوتی تو ان کو عبث بے فائدہ دکھائی دیتی ---- حق تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی متلذذ ہیں اور آخرت میں بھی محظوظ ومسرور ہیں انکی یہ دنیاوی لذت انکی آخرت کی لذت کے مخالف نہیں - وہ حظ جو آخرت کے حظ کا مخالف ہے اور ہے' جو عوام کو حاصل ہے -

الٰہی! یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے کہ جو کچھ دوسروں کے رنج والم کا سبب ہے وہ ان کی لذت کا باعث ہے اور جو کچھ دوسروں کے لیے زحمت ہے ان کے واسطے رحمت ہے - دوسروں کی قسمت

ان کی نعمت ہے لوگ شادی میں خوش ہیں اور غمی میں غمناک۔ یہ لوگ شادی میں بھی اور غم میں بھی خوش و خرم ہیں کیونکہ ان کی نظر افعال جمیلہ و رزذیلہ کی خصوصیتوں سے اٹھ کر ان افعال کے فاعل یعنی جمیل مطلق کے جمال پر جا لگی ہے اور فاعل کی محبت کے باعث اس کے افعال بھی ان کی نظروں میں محبوب اور لذت بخش ہو گئے ہیں۔ جو کچھ جہان میں فاعل جمیل کی مراد کے موافق صادر ہو خواہ وہ رنج و ضرر کی قسم سے ہو وہ ان کے محبوب کی عین مراد ہے اور ان کی لذت کا موجب ہے۔ خداوندا یہ کیسا فضل و کرامت ہے کہ ایسی پوشیدہ دولت اور خوشگوار نعمت اغیار کی نظر بد سے چھپا کر اپنے دوستوں کو تو نے عطا فرمائی ہے اور ہمیشہ ان کو اپنی مراد پر قائم رکھ کر محظوظ و متلذذ کیا ہے اور کراہت و تالم جو دوسروں کا نصیب ہے ان بزرگواروں سے دور کر دیا ہے اور ننگ و رسوائی کو جو دوسروں کا عیب ہے اس گروہ بلند کا جمال و کمال بنایا ہے۔ یہ نامرادی ان کی عین مراد ہے۔ یہ درد و ابتلا و آزمائش ہے جس میں حق و باطل کے ساتھ جھوٹا سچے کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اگر دوستوں کو بلا و محنت نہ دیتے تو دوست دشمن کی تمیز نہ ہوتی اور اختیار و آزمائش کی حکمت باطل ہوتی۔ یہ امر ایمان کے منافی ہے جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں پس دشمنوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر دوستوں کو بھی محنت و بلا میں مبتلا کیا ہے تا کہ ابتلاء و آزمائش کی حکمت تمام ہو اور دوست عین بلا میں لذت پائیں اور دشمن دل کے اندھے خسارہ اور گھاٹا کھائیں۔

انبیاء کرام کا معاملہ کفار کے ساتھ اس طرح ہوا کہ کبھی اس طرف کا غلبہ اور کبھی اس طرف کا۔ جنگ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی اور جنگ احد میں کافروں کو غلبہ ہوا۔ حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور توانا کہ دوستوں کو یہاں بھی ناز و نعمت عطا فرمائے اور وہاں بھی لیکن یہ بات حق تعالیٰ کی حکمت و عادت کے برخلاف ہے۔ حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنی حکمت و عادت کے پیچھے پوشیدہ رکھے اور اسباب و علل کو اپنے جناب پاک کا روپوش بنائے پس دنیا و آخرت باہم نقیض ہونے کے باعث دوستوں کے لیے دنیا کی محنت و بلا کا ہونا ضروری ہے تا کہ آخرت کی نعمتیں ان کے حق میں خوشگوار ہوں ...... درد و بلا مصیبت کا سبب اگرچہ گناہوں اور برائیوں کا کرنا ہے لیکن درحقیقت بلا و مصیبت اور ان برائیوں کا کفارہ اور ان گناہوں کے ظلمات دور کرنے والی ہیں۔ پس کرم یہی ہے کہ دوستوں کو زیادہ بلا اور محنت دیں تا کہ ان کے گناہوں کا کفارہ اور ازالہ ہو ...... دوستوں کے گناہوں اور برائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور برائیوں کی طرح خیال نہ کریں۔ پس درد و مصائب کا زیادہ ہونا برائیوں کے زیادہ کفارہ ہونے سے دلالت کرتا ہے نہ کہ برائیوں کے زیادہ کمانے پر ...... دوستوں کو زیادہ بلا دیتے

ہیں تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ کر کے ان کو پاکیزہ لے جائیں اور آخرت کی محنت سے ان کو محفوظ رکھیں۔

آنحضرت ﷺ کی سکرات موت کے وقت حضرت فاطمہ الزہرؓ نہایت بے قرار تھیں اور وبے آرام ہوگئیں تو ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ تیرے باپ کے لیے یہی ایک محنت اور تکلیف ہے۔ اس سے آگے کوئی تکلیف ومصیبت نہیں۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ چند روزہ محنت کے عوض دائمی سخت عذاب دور ہو جائے ایسا معاملہ دوستوں کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کے گناہوں کا کفارہ کما حقہٗ اس جگہ نہیں فرماتے بلکہ ان کی جزا آخرت پر ڈال دیتے ہیں پس ثابت ہے کہ دوست ہی دنیاوی رنج وبلا کے زیادہ مستحق ہیں اور دوسرے اس دولت کے لائق نہیں ان کے گناہ کبیرہ ہیں۔ التجا وتضرع واستغفار وانکسار سے بے بہرہ ہیں اور گناہوں کے کرنے پر دلیر ہیں۔ ارادہ وقصد سے گناہ کرتے ہیں جو تمرد وسرکشی سے خالی نہیں ہیں اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ہنسی اڑائیں اور انکار کریں۔ جزا گناہ کے اندازہ کے موافق ہے اگر گناہ خفیف ہے اور گناہ کرنے والا بھی التجا وزاری کرنے والا ہے تو اس گناہ کا کفارہ دنیاوی بلا رنج سے ہو جائے گا اور گناہ غلیظ وشدید وثقیل ہے اور گناہ کرنے والا سرکش ومتکبر ہے تو وہ جرم آخرت کی جزاء کے لائق ہے جو گناہ کی طرح شدید اور دائمی ہے۔

جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے عذاب کو دائمی جانتا ہے۔ دنیاوی چند روزہ فانی بلا ومحنت اس کو ہیچ نظر آتی ہے بلکہ اس چند روزہ محنت کو جس سے ہمیشہ کی راحت حاصل ہو عین راحت تصور کرتا ہے اور لوگوں کی گفتگو پر نہیں جاتا۔ درد وبلا محنت کا نازل ہونا محبت کا گواہ عادل ہے کور باطن اور بے وقوف لوگ اس کو محبت کے منافی جانیں تو جانیں۔ جاہلوں اور ان کی گفتگو سے روگردانی کے سوا اور کوئی علاج نہیں--- بلا تازیانہ محبوب ہے جس کے ذریعے محب اپنے محبوب کے ماسوا کی التفات سے ہٹ کر کلی طور پر محبوب کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے پس درد وبلا کے لائق دوست ہی ہیں اور یہ بلا اس برائی کا کفارہ ہے کہ ان کی التفات ماسوا کی طرف ہے اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں ان کو زور سے محبوب کی طرف کیوں لائیں جس کو چاہتے ہیں مار کوٹ کر بھی محبوب کی طرف لے آتے ہیں اور اس کو محبوبیت سے سرفراز فرماتے ہیں اور جس کو محبوب کی طرف لانا نہیں چاہتے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر سعادت ابدی اس کے شامل حال ہوگئی تو توبہ وانابت کی راہ سے ہاتھ پاؤں مار کر فضل وعنایات کی امداد سے مقصد تک پہنچ جائے گا۔ ورنہ وہ جانے اور اس کا کام۔ پس معلوم ہوا کہ مریدوں کی نسبت مرادوں پر زیادہ بلا آتی ہے اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے جو مرادوں اور محبوبوں کے

رئیس ہیں فرمایا ہے کہ
''کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی ہے'' گویا بلا دلالہ اور رہنما ہے جو اپنی حسن دلالت سے ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہنچا دیتی ہے اور دوست کے ماسوا کی کی التفات سے پاک کر دیتی ہے عجب معاملہ ہے کہ دوست کروڑہا دے کر بلا خریدتے ہیں اور دوسرے کروڑہا دے کر بلا کو دفع کرنا چاہتے ہیں کبھی درد و بلا سے دوستوں کو بھی اضطراب اور کراہت مفہوم ہوتی ہے۔ یہ اضطراب و کراہت بہ تقاضائے بشری ضروری ہے اور اس کے باقی رکھنے میں کئی طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں کیونکہ ان کے بغیر نفس کے ساتھ جہاد اور مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سکرات موت کے وقت کس قسم کی بے قراری اور بے آرامی ظاہر ہوئی تھی گویا وہ نفس کے جہاد کا بقیہ تھا تاکہ حضرت خاتم الرسل ﷺ کا خاتمہ خدا کے دشمن سے جہاد پر ہو۔ شدت مجاہدہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صفات بشریت کے تمام مادے دور ہو جائیں اور نفس کو کمال فرمانبردار بنا کر اطمینان کی حقیقت تک کی پہنچائیں۔ اور پاک و پاکیزہ رکھیں۔ گویا بلا بازار محبت کی دلالہ ہے اور جو کوئی محبت نہیں رکھتا اس کو دلالہ سے کیا کام ہے۔ دلالگی اس کے کس کام آئے گی۔ اس کے نزدیک کیا قدر و قیمت رکھے گی۔ نزول بلا کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محب و صادق اور مدعی کاذب کے درمیان تمیز ہو جائے۔ اگر صادق ہے تو بلا سے متلذذ و محفوظ ہوگا اور اگر مدعی کاذب ہے تو بلا سے کراہت و رنج اس کے نصیب ہوگا سوائے صادق کے اس تمیز کو کوئی نہیں معلوم کر سکتا۔ صادق ہی کراہت والم کی حقیقت کو کراہت والم کی صورت سے جدا کر سکتا ہے اور صفات بشریت کی حقیقت کو صفات بشریت کی صورت سے الگ کر سکتا ہے۔

خلق کی ایذا: (مکتوب ۷ دفتر سوم) خلق کی ایذا کو برداشت کرنے اور نزدیکی رشتہ داروں کی جفا پر صبر کرنے سے چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو امر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''صبر کر جس طرح اُولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے اور ان کے واسطے جلدی نہ کر''۔ اس مقام کی سکونت میں نمک یہی ایذا و جفا ہے۔

مصیبت طاقت سے بڑھ کر: (مکتوب ۱۹ دفتر سوم) اس مصیبت سے جو طاقت سے بڑھ کر ہو بھاگنا انبیاء علیہم والصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔

حزن واندوہ: (مکتوب ۲۹ دفتر دوم) مصائب میں اگرچہ بڑی تکلیف وایذا برداشت کرنا پڑتی ہے لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے۔ اس جہان کا بہتر اسباب حزن واندوہ ہے اور اس

دستر خوان کی خوشگوار نعمت الم ومصیبت ہے ان شکر پاروں پر داروئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھا ہوا ہے اور اس حیلے سے ابتلا د آزمائش کا رستہ کھولا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر کر کے تلخی کو شکر کی طرح چبا جاتے ہیں اور کڑواہت کو صفرا کے برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں لیکن شیریں معلوم نہ کریں جب کہ محبوب کے افعال سب شیریں ہوتے ہیں۔ علتی اور بیمار شاید ان کو کڑوا معلوم کرنے تو کرے۔ جو ماسوا میں گرفتار ہے مگر دولت مند محبوب کے ایلام ورنج میں اس قدر حلاوت پاتے ہیں جو اس کے انعام میں ہرگز متصور نہیں اگرچہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں لیکن ایلام میں محب کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے۔

(مکتوب ۳۳ دفتر دوم) معلوم ہوتا ہے کہ شکر پر حمد کا اضافہ اسی سبب سے ہے کہ شکر میں منعم کا انعام ملحوظ ہوتا ہے جو صفت کہ فعل کی طرف راجع ہے اور حمد میں محمود کا حسن و جمال ملحوظ ہوتا ہے خواہ ذاتی ہو یا وصفی یا فعلی اور خواہ انعام ہو یا ایلام کیونکہ حق تعالیٰ کا ایلام اس کے انعام کی طرح حسن ہے۔

(مکتوب ۳۳ دفتر دوم) ظاہر کی کراہت باطنی رضا کے منافی نہیں اور ظاہری کڑواہٹ حقیقی حلاوت کے برخلاف نہیں کیونکہ عارف کامل کے ظاہر وصورت کو صفات بشریت پر مقرر کیا ہے تا کہ اس کے کمالات کا پردہ ہوں اور آزمائش وامتحان کا محل ہے اور حق و باطل کے ساتھ ملا رہے۔ عارف کامل کی اس ظاہر و صورت کو اس کے باطن و حقیقت کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کپڑے پہننے والے شخص کے ساتھ نسبت ہے اور معلوم ہے کہ کپڑے کو شخص کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ یہی حال عارف کامل کی صورت کا اور اس کی حقیقت کے مقابلہ میں ہے۔ عارف کی اس صورت کو نادان اور بے بصر لوگ اپنی طرح خیال کرتے ہیں اور اپنی بے حقیقت صورتوں کی مانند سمجھتے ہیں اس لیے ان کا انکار کر دیتے ہیں اور ان کے کمالات سے محروم رہ جاتے ہیں۔

(مکتوب ۱۷ دفتر دوم) یہ مصائب بظاہر جراحت نظر آتی ہے مگر حقیقت میں ترقیات اور مرہم ہیں وہ ثمرات ونتائج جن کے ملنے کی امید وتوقع ہے آخرت میں ہے۔ ان نتائج وثمرات کا سواں حصہ ہیں جو حق تعالیٰ کی عنایت سے اس جہان میں ان مصیبتوں پر مترتب ہوئی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی: (مکتوب ۸۸ دفتر سوم) چونکہ محبت درد وحزن کا موجب ہے اس لیے جس فرد میں محبت غالب ہوگی اس میں درد وحزن زیادہ ہوگا۔ شاید اسی سبب سے کہا ہوگا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دردمند اور فکرمند رہا کرتے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

''جیسی ایذا مجھے پہنچی ہے ویسی کسی نبی کو نہیں پہنچی''

کیونکہ افرادانسانی میں سے فرد کامل محبت کے حاصل ہونے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہی تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اگرچہ محبوب ہوئے لیکن محبت کی نسبت درمیان میں آگئی ہے اس لیے محبوب بھی محب کی طرح فریفتہ اور گرفتار رہا۔

دعا قضا دور کر دیتی ہے: (مکتوب ۱۷ دفتر سوم) دعا قضا کو دور کر دیتی ہے جیسے کہ مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے "سوائے دعا کے کوئی چیز قضا کو نہیں ٹالتی"

دعا کی اہمیت۔ (مکتوب ۴۷ دفتر سوم) وہ کام جو غزا اور جہاد کرنے والے لشکر پر موقوف ہے۔۔۔ دعا کے لشکر پر بھی جو ارباب فقر اور احباب بلا سے بڑا معتبر کام وابستہ ہے۔ فتح و نصرت کی ایک قسم کو اسباب کے حوالے کیا ہے اور فتح و نصرت کی صورت ہے۔ جو غزا کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو فتح و نصرت کی حقیقت ہے اور مسبب الاسباب کی طرف سے ہے۔ پس لشکر دعا نے اپنی ذلت وانکساری کے باعث لشکر غزا سے سبقت کی اور سبب سے سبب کی طرف دلالت فرمائی۔ تلوار اور جہاد میں یہ طاقت نہیں کہ قضا کو رد کر سکے۔ پس دعا باوجود ضعف و عاجزی کے لشکر غزا سے زیادہ قوی ہے نیز لشکر دعا روح کی طرح اور لشکر غزا جسم کی طرح۔ لشکر غزا کے لیے لشکر دعا کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جسم بغیر روح کے تائید و نصرت کے لائق نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ لشکر غزا اور لڑائی کرنے والوں کے غلبہ کے لیے فقراء مہاجرین کے وسیلے سے فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے۔ پس فقراء جو دعا کا لشکر ہیں باوجود خواری۔ زاری اور بے اختیاری کے ضرورت کے وقت کام آتے ہیں۔

دعا اور دفع بلا۔ (مبداء و معاد) اگر یہ کہیں کہ جب) کسی کام میں) نفس اپنے مولیٰ کے فعل سے راضی ہونے سے اس کی مخلوق کی رضا لازم نہیں آتی بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مخلوق سے رضا بصورت کفر و معاصی بری ہوتی ہے پس خلق قبیح سے راضی ہونا لازم اور نفس قبیح سے کراہت کرنا واجب ہے۔ جب مولیٰ نفس قبیح سے راضی نہیں ہوسکتا بلکہ بندہ اس صورت میں شدت و غلظت کے لیے مامور ہے پس مخلوق سے کراہت کرنا اس کے خلق کی رضا کا منافی نہیں ہوسکتا اس واسطے دفع بلا کی طلب ضروری ہے۔ جن لوگوں نے رضا حاصل ہو جانے کے بعد وجود کراہت میں مفعول سے کراہت اور فعل سے راضی ہونے میں فرق نہیں کیا وہ شبہ میں رہے ہیں۔ شبے کو دور کرنے کے لیے انہوں نے طرح طرح کے تکلفات سے کام لیا اور کہا ہے کہ وجود کراہت حال رضا کا منافی ہے نہ مقام رضا کا سو حال اور مقام میں بڑا فرق ہے۔ حق بات وہی ہے جو میں نے بذریعہ الہام الٰہی تحقیق کر دی ہے۔

عالم اسباب اور دعا۔ (مکتوب ۶ دفتر اول) عجب معاملہ ہے کہ پہلے جو بلا و مصیبت واقع

ہوتی تھی فرحت اور خوشی کا باعث ہوتی تھی اور فعل مَن یَدَ کہتا تھا اور جو کہ کچھ دنیاوی اسباب سے کم ہوتا تھا اچھا معلوم ہوتا تھا اور اس قسم کی خواہش کرتا تھا۔ اب جب عالم اسباب میں لائے ہیں اور اپنی عاجزی اور محتاجی پر نظر پڑی ہے۔ اگر تھوڑا سا بھی ضرر لاحق ہو جاتا ہے تو پہلے ہی صدمہ میں ایک قسم کا غم پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر چہ جلدی دور ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں رہتا۔ اور ایسے ہی پہلے اگر بلا و مصیبت کے دفع کرنے کے لیے دعا کرتا تھا تو اس سے اس کا دفع کرنا مقصود نہ ہوتا تھا بلکہ امر ادعونی کی تابعداری مقصود ہوتی تھی لیکن اب دعا سے مقصود بلا و مصیبت کا رفع کرنا ہے اور وہ خوف و حزن زائل ہو گئے ہوئے تھے اب پھر رجوع کر رہے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ حال شکر کی وجہ سے تھا صحت کی حالت میں عجز اور محتاجی اور خوف و حزن اور غم اور شادی جیسے عام لوگوں کو لاحق ہے ویسے ہی اس خاکسار کو بھی لاحق ہے۔ ابتداء میں بھی جب دعا سے بلا کا رفع کرنا مقصود نہ تھا۔ یہ بات دل کو اچھی نہ لگتی تھی لیکن حال غالب تھا دل میں گزرتا تھا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دعا اس قسم کی نہ تھی کہ جس سے اپنی مراد کا حاصل ہونا مقصود ہو اب جب کہ فقیر اسی حالت میں مشرف ہوا اور حقیقت کار ظاہر ہوئی تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دعائیں عجز اور حاجت مندی اور خوف و حزن کے سبب سے تھیں نہ مطلق امر کی تابعداری کے لیے۔ بعض امور جو ظاہر ہوتے ہیں حکم کے موافق کبھی کبھی ان کے عرض کرنے میں گستاخی کرتا ہے۔

(مکتوب ۱۲۱ دفتر اول) اگر حقیقی طور پر التجا اور تضرع حاصل نہ ہو تو ظاہری تضرع اور نیازمندی کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے یہ محافظت شیخ کامل کے ملنے تک ہے بعد ازاں اپنی سب مرادیں اس بزرگ کے سپرد کر دینی چاہیں اور اس کی خدمت میں مردہ بدست غسال کی طرح ہونا چاہیے۔

(مکتوب ۷ دفتر اول) اپنے پیر بزرگوار کی خدمت جلیلہ میں دوسری عرض ہے کہ آیا بعض امراض اور سختیوں کے دفع کرنے کے لیے توجہ کرنا اس بات پر مشروط ہے کہ اول معلوم ہونا چاہیے کہ توجہ کرنے میں خدائے تعالیٰ کی رضامندی ہے یا توجہ اس بات پر مشروط نہیں ہے؟

(مکتوب ۱۱ دفتر اول) اور یہ عرض ہے کہ کئی دفعہ بعض امراض کے دور کرنے کے لیے توجہ کی گئی اور اس کا اثر ظاہر ہوا اور ایسے ہی بعض مردوں کے احوال جو عالم برزخ میں ظاہر ہوئے تھے ان کے رنج و تکلیف کے رفع کرنے کے لیے بھی توجہ کی گئی لیکن اب توجہ پر طاقت نہیں رہی کیونکہ فقیر کسی چیز پر اپنے آپ کو جمع نہیں کر سکتا۔ لوگوں کی طرف سے بعض تکالیف فقیر پر گزریں اور انہوں نے بہت ظلم و ستم کیے اور اس طرف کے بہت سے متعلقین کو ناحق ویران اور جلا وطن کر دیا لیکن فقیر کے دل پر کسی قسم کا غبار اور رنج نہیں آیا چہ جائیکہ ان کے ساتھ برائی کرنے کا خیال دل میں گزرتا۔

توبہ وانابت

(مکتوب ۶۶ دفتر دوم) گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کے لیے واجب اور فرض عین ہے۔ کوئی بشر اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام توبہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔ حضرت سید المرسلین خاتم المرسلین فرماتے ہیں کہ میرے دل پر پردہ آ جاتا ہے اس لیے رات دن میں ستر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں۔ پس اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے جیسے کہ زنا شراب پینا۔ سرور و ملاہی کا سننا اور غیر محرم کی طرف بہ نظر شہوت دیکھنا اور بغیر وضو قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ تو ان کی توبہ ندامت اور استغفار اور حسرت اور افسوس اور بارگاہ الٰہی میں عذر خواہی کرنے سے ہے اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہو گیا ہو تو توبہ میں اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریق یہ ہے کہ بندوں کے حقوق اور مظالم ادا کیے جائیں اور ان سے معافی مانگیں اور ان پر احسان کریں اور ان کے حق میں دعا کریں اور اگر مال و اسباب والا شخص مر گیا ہو تو اس کے لیے استغفار کریں اور صاحب مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو فقراء و مساکین پر صدقہ وخیرات کر دیں۔ حضرت علی کرم وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جو صادق ہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ جب کسی بندے سے گناہ سرزد ہو تو وضو کرے اور نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور الرحیم پائے گا" رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ

"جو شخص گناہ کر کے نادم ہو تو یہ ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہے" اور حدیث میں ہے۔ "کہ جب آدمی نے کہا میں بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں تو پھر اس نے گناہ کیا اور پھر اسی طرح کہا پھر گناہ کیا۔ تین بار چوتھی بار کبیرہ گناہ لکھا جائے گا" ایک اور حدیث میں ہے "آج کل کرنے والے ہلاک ہو گئے"

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کے طور پر فرمایا کہ اے بیٹا! توبہ میں کل تک تاخیر نہ کر کیونکہ موت ناگاہ آ جاتی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ

فرماتے ہیں کہ حرام کے ایک پیسے کا پھیر دینا سو پیسوں کا صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی کا پھیر دینا اللہ کے نزدیک چھ سو حج قبول سے افضل ہے۔ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میرے بندے جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے ادا کر۔ تو سب لوگوں میں سے زیادہ عابد ہو جائے گا اور جن باتوں سے میں نے منع کیا ہے ہٹ جا تو سب سے بڑا پرہیزگار ہو جائے گا اور جو کچھ میں نے تجھے رزق دیا ہے اس پر قناعت کر تو سب سے زیادہ غنی بن جائے گا۔''

اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہو جائے اور تمام محرکات اور مشتبہات سے ورع اور تقویٰ حاصل ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت اور نعمت ہے ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کی برکات وانوار بعض دوسروں پر بھی اثر کر جائیں اور تمام گناہوں سے توبہ ورع کی توفیق نصیب ہو جائے۔ جو چیز ساری حاصل نہ ہو اس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہیے۔

تکوین

(مبداء و معاد): تکوین واجب الوجود کی ایک حقیقی صفت ہے۔ ابوالحسن اشعریؒ کے پیرو تکوین کو ایک اضافی صفت جانتے ہیں۔ جہان کو وجود میں لانے کے لیے قدرت اور ارادہ ہی کو کافی خیال کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ تکوین ایک الگ صفت حقیقی ہے جو قدرت اور ارادت کے علاوہ ہے اس کا بیان یہ ہے کہ قدرت درحقیقت فعل و ترک کی صحت ہے اور ارادہ قدرت دونوں پہلوؤں یعنی فعل و ترک کی تخصیص ہے پس قدرت کا مرتبہ ارادہ کے مرتبے سے مقدم ہے۔ تکوین کا مرتبہ جسے ہم ایک حقیقی صورت خیال کرتے ہیں قدرت و ارادت کے مرتبہ کے بعد ہے۔ اس کا کام صرف تخصیص شدہ کو وجود میں لانا ہے پس قدرت فعل کی مصحح ہے اور ارادت اس کی تخصیص کو کرنے والی اور تکوین اس کی موجب۔ پس قدرت و ارادت کے علاوہ تکوین بھی ضروری ہے۔ اس کی مثال استطاعت مع الفعل کی طرح ہے جسے اہل سنت علماء نے بندوں میں ثابت کیا ہے اس میں شک نہیں کہ یہ استطاعت قدرت کے ثبوت کے بعد ہے بلکہ ارادت کے متعلق اور ایجاد کی تحقیق کے بعد اسی استطاعت سے وابستہ بلکہ وہ استطاعت ہی

موجب فعل ہے اور ترک کا پہلو وہاں مفقود ہے۔
صفت تکوین کی بھی یہی حالت ہے کہ ایجاد اس کے ساتھ بطریق ایجاب ہے لیکن یہ ایجاب واجب تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ قدرت کے حاصل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ اصل میں قدرت ہی فعل و ترک کی صحت ہے نیز ارادہ کی تخصیص کے بعد تکوین ہے اور یہ بات حکمائے فلسفہ کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلا شرطیہ واجب الصدق ہے (اگر چاہے تو پیدا کر سکتا ہے) اور دوسرا شرطیہ (اگر نہ چاہے تو نہیں پیدا کرتا) ممتنع الصدق ہے۔ انہوں نے ارادت کی نفی کی ہے۔ صریحاً ایجاب میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت برتر ہے وہ ایجاب جو ارادت کے تعلق اور دونوں مقدوروں میں سے ایک کی تخصیص کے بعد پیدا ہوا۔ اس کے لیے اختیار لازمی امر ہے۔ اس کی تاکید کرنے والا اختیار کا منافی نہیں شیخ ابن العربی قدس سرہ کا کشف بھی حکماء کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے یعنی قدرت میں پہلے شرطیہ کو واجب الصدق اور دوسرے شرطیہ کو ممتنع الصدق جانا ہے اور یہ جاننا ایجاب ہے۔ ایسی صورت میں ارادہ فضول معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں فعل یا ترک کی تخصیص کوئی بھی نہیں۔ ہاں اگر تکوین میں اس بات کو ثابت کریں تو گنجائش ہے کیونکہ وہ ایجاب کی ملاوٹ سے مبرا ہیں۔ یہ فرق بہت ہی باریک ہے۔ اس کے بیان کی جرات و سبقت بہت کم اشخاص نے کی ہے۔ گو علمائے ماتریدیہ نے اس صفت کو ثابت کیا ہے لیکن اس قدر غور خوض سے کام نہیں لیا۔ سنت نبوی کی پیروی کے سبب وہ تمام متکلمین میں اس معرفت سے ممتاز ہیں حقیر بھی ان بزرگوں کو خوشہ چین ہے۔

عقل کے چار مراتب اور فلسفی

(مبداء و معاد) کوتاہ اندیش اور احمق فلسفیوں نے عقل کے چار مراتب ثابت کر کے انہیں اس کے کمالات کا انحصار رکھا ہے۔ یہ ان کی کمال نادانی ہے۔ عقل کی حقیقت اور اس کے کمالات کا اندازہ عقل اور وہم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس مطلب کے لیے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے جو افراد نبوت کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہوں۔ مشائخ نے عقل کو روح کا ترجمان لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ عدم و معارف جو روحانی تلقی کے باعث مبدائے فیاض سے حاصل ہوئے ہیں انہیں قلب جو کہ عالم ارواح سے ہے اخذ کرتا ہے ان کا ترجمان ہے کہ ان کو چھانٹ کر عالم خلق کے گرفتاروں کی سمجھ کے لائق بناتا ہے کیونکہ اگر وہ ترجمانی نہ کرے تو ان کا سمجھنا مشکل بلکہ محال ہو جاتا ہے چونکہ دل گوشت کا لوتھڑا قلبی

حقیقت جامعہ کا خلیفہ ہے اس واسطے وہ اصل کی طرح ہو گیا ہے اور اس کی تلقی بھی روحانی تلقی ہو گئی ہے۔ اس واسطے اسے ترجمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جو نفس مطمنہ کی ہمسائیگی کے شوق کا باعث ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ نفس مطمنہ کو اس کے مقام تک پہنچاتا اور جسم کو خالی چھوڑتا ہے اس وقت تعلق تذکر و تعقل بھی قلبی ٹکڑے میں قرار پکڑتا ہے پس قالب میں قلب حقیقی کا خلیفہ یہی گوشت کا ٹکڑ ہے اور نفس مطمنہ کا نائب مناسب جزو ناری ہے۔ جزو ہوائی روح سے مناسبت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سالک جب مقام ہوا تک عروج کر جاتا ہے تو اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان جاننے لگتا ہے اور اسی میں گرفتار رہتا ہے چنانچہ مقام روح میں بھی یہی شہود ہاتھ آتا ہے اور اس میں گرفتار رہتا ہے۔ ایک شیخ نے فرمایا ہے کہ میں تیس برس روح کو خدا سمجھ کر اسکی پرستش کرتا رہا لیکن جب اس مقام سے مجھے عبور حاصل ہوا تو حق و باطل میں تمیز ہو گئی۔ یہ جزو ہوائی مقام روحی کی مناسبت کے سبب اس قالب میں روح کا قائم مقام ہوتا ہے اور بعض امور میں روح ہی کا کام دیتا ہے۔ جزو آبی حقیقت جامعہ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے اسی واسطے اس کا فیض تمام اشیاء کو پہنچتا ہے۔۔ ''ہم نے پانی سے تمام چیزوں کو زندہ کیا''۔۔ اس کی بازگشت بھی یہی قلبی گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جزو خاکی اس قالب کا جزو اعظم ہے۔ اپنی ذات صفات آلودگی۔ کمینگی اور خبیثت سے پاک ہو کر اس قالب میں غالب و حاکم بن جاتا ہے۔ قالب میں طرح کا حکم اسی کو حاصل ہوتا ہے اور اسی کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ یہ بات اسے خاک کی جامعیت تامہ کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ تمام اجزائے قالب درحقیقت اسی کے اجزاء ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کرہ ارض تمام عناصر افلاک کا مرکز ہے اور کرہ زمین کا مرکز تمام جہان کا مرکز ہے اس وقت قالب کا معاملہ بھی انجام تک پہنچ جاتا ہے اور عروج و نزول کا انتہائی درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اعلیٰ درجہ کی تکمیل نصیب ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ روح مع اپنے توابع و مراتب کو بطریق عروج اپنی جائے قرار پہنچ چکی ہو چونکہ ابھی اسے قالب کی ترتیب کرنا ہوتی ہے اس واسطے اس جہان کی طرف اس کے لیے متوجہ ہونا ضروری تھا جب قالب کا معاملہ انجام تک پہنچ جاتا ہے تو روح مع سِرّ۔ خفی، اخفیٰ۔ قلب۔ نفس اور عقل جناب باری کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس قلب سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے اس وقت قالب بھی ہمہ تن مقام عبودیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے پس روح مع اپنے مراتب شہود و حضور کے مقام میں جگہ پکڑتی ہے اور غیر حق کی دید و دانش سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے اور قالب سر بسر مقام طاعت و بندگی میں راسخ ہو جاتا ہے اس مقام کو فرق بعد الجمع'' وصال کے بعد جدائی کہتے ہیں۔۔۔ مجھے اس مقام میں خاص قدم حاصل ہے اس خاص قدم سے مراد روح کا اپنے مراتب عالم خلق کی طرف لوٹنا ہے تاکہ

خلقت کو حق سبحانہ کی طرف بلائے - اس وقت بمنزلہ قالب ہوتی ہے اس کی تابع ہوتی ہے - یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اگر قالب حاضر ہے تو روح بھی حاضر ہے اگر قالب غافل ہے تو روح بھی غافل ہے -

غفلت کی حقیقت

یہ "غفلت" جمع کثیر کے حضور کا سبب ہے - غافلوں کو اس غفلت کی خبر نہیں اور حاضروں کو اس رجعت کا علم نہیں - یہ مقام بظاہر برا لیکن بباطن اچھا ہے - ہر ایک کوتاہ اندیش اسے نہیں سمجھ سکتا - اگر میں اس غفلت کے کمالات بیان کروں تو کوئی شخص بھی حضور کی آرزو نہ کرے - یہ وہ غفلت ہے جس نے خواص ملک پر فضیلت دی ہے - وہ غفلت ہے جس کے سبب جناب سرور کائنات ﷺ رحمت عالمیاں بنے - یہ وہ غفلت ہے جو ولایت سے نبوت تک پہنچاتی ہے - یہ وہ غفلت ہے جو نبوت سے رسالت تک لے جاتی ہے - وہ غفلت ہے جو اولیاء عشرت کو اولیاء عزلت پر فوقیت بخشی ہے یہ وہ غفلت ہے جو جناب سرور کائنات ﷺ کو صدیق اکبرؓ پر سبقت دیتی ہے حالانکہ دونوں گھوڑے کے دو کانوں کی طرح تھے - یہ وہ غفلت ہے جو ہوش کو مستی پر ترجیح دیتی ہے - یہ وہ غفلت ہے جو نبوت کو ولایت سے افضل بناتی ہے - یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب قطب ارشاد قطب ابدال سے افضل سمجھا جاتا ہے - یہ وہ غفلت ہے جس کی آرزو صدیق اکبرؓ کیا کرتے تھے چنانچہ فرماتے "کاش محمد ﷺ کی سی ہوش مجھے نصیب ہوتی" یہ وہ غفلت ہے کہ حضور اس کا ایک ادنیٰ خادم ہے - یہ وہ غفلت ہے کہ وصول اس کے حصول کا پیش خیمہ ہے یہ وہ غفلت ہے کہ بظاہر تنزل ہے لیکن حقیقت میں عروج ہے - یہ وہ غفلت ہے جس سے خواص پر عوام کا شبہ پڑتا ہے اور ان کے کمالات کے قموں میں پھرتی ہے -

عقل فعال - (مکتوب ۵۷ دفتر سوم) عقل فعال کے اپنے نفس وجود اور ثبوت میں ہزاروں اعتراضات ہیں کیونکہ اس کا ثبوت اور حصول فلسفہ کے چند ملمع اور جھوٹے مقدمات پر مبنی ہے جو سب کے سب اسلام کے اصول حقہ کے مقابلے میں ناتمام و نامرجام ہیں - اشیاء کے لیے ننگ و عار ہے کہ فلسفہ کے تراشیدہ اور خودساختہ امر کی طرف منسوب ہوں بلکہ اشیاء کے لیے بہتر ہے کہ اپنی عدم پر راضی اور خوش رہیں اور ہرگز وجود کی خواہش نہ کریں -

فلسفی اور مذہب: (مکتوب ۲۵۹ دفتر اول) یونان کے فلسفیوں نے باوجود اعلیٰ دانا ہونے کے صانع کے وجود کی طرف ہدایت پائی اور کائنات کے وجود کو دھر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے انوار کا دن چڑھا تو متاخرین فلسفیوں نے انبیاء کے انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کو رد کیا اور صانع جل شانہ کے وجود کے قائل ہوئے اور حق تعالیٰ کی وحدت کو ثابت کیا پس ہماری عقلیں انوار نبوت کی تائید کے بغیر اس کام سے معزول ہیں۔ عقل اللہ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے لیکن حجیت میں ایسی حجت بالغہ نہیں ہے جس پر ایسا سخت عذاب مترتب ہو سکے۔

نظر واستدلال: (مبداء و معاد) فلسفیوں کی طرح نظر و استدلال کا طریقہ علمائے اہل سنت میں شیخ ابوالحسن اشعری ؒ سے شروع ہوا ہے اس کا یہ مدعا تھا کہ کسی طرح اہل سنت کے معتقدات کو فلسفیانہ دلائل سے ثابت کرے۔ ایسا مشکل ہے بلکہ ایک طرح سے مخالفوں کو اکابرین پر طعن کرنے کی جرات دلانا اور طریق سلف کو ترک کرنا ہے۔

متقی کا علم و کردار: (مکتوب ۲۳ دفتر سوم) متقدمین اہل فلسفہ جو اپنے آپ کو ارباب عقول فرض کرتے ہیں صانع جل شانہ کے منکر تھے اور اپنی کم عقلی کے باعث اشیاء کو عصر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے (جسے بعد میں مادہ سے تعبیر کیا گیا...... مرتب) اگر عقل کافی ہوتی تو یونان کے فلاسفہ جنہوں نے عقل کو اپنا متقد بنایا ہے گمراہ نہ رہتے اور حق تعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچان لیتے حالانکہ حق تعالیٰ کی ذات صفات کے بارے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر جاہل یہی لوگ ہیں جنہوں نے حق تعالیٰ کو بیکار اور معطل جانا ہے اور ایک چیز کے سوا (ارادہ بھی ایجاب واضطرار کے ساتھ نہ اختیار کے ساتھ) کچھ بھی حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنے کی جہالت حق تعالیٰ کا کمال جانتے ہیں اور اس کے معطل رہنے کو بزرگی سمجھتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے اپنی تعریف کرتے ہیں اور اپنی روح میں رب المشرق والمغرب فرماتے ہیں۔ ان بے وقوفوں کو خیال فاسد میں حق تعالیٰ کے ساتھ کوئی حاجت اور احتیاج نہیں۔ ان کو چاہیے کہ اضطرار و احتیاج کے وقت بھی اپنی عقل فعال طرف رجوع کریں اور اپنی حاجتیں اسی سے طلب کریں کیونکہ اپنا سب کاروبار اسی کے حوالے سے کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں عقل فعال موجب ہے نہ مختار۔ اس سے بھی قضائے حاجت کرنا پسندیدہ نہیں۔ عقل فعال کیا ہے جو اشیاء کا سرانجام کر سکے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہو سکیں۔ اس کے نفس وجود اور ثبوت میں ہزاروں اعتراضات ہیں کیونکہ اس کا تحقیق اور حصول فلسفہ کے چند ملمع شدہ مقدمات پر مبنی ہے جو

اسلام کے اصول حقہ کے مقابلے میں ناتمام اور ادھورے ہیں اور بہت ہی بے وقوف ہے جو اشیاء کو قادر مختار جلشانہ کی طرف سے ہٹا کر موہوم امر کی طرف منسوب کرے بلکہ اشیاء کے لیے ہزار ہا ننگ و عار کا موجب ہے کہ فلسفہ کے تراشیدہ اور وضع کردہ امور کی طرف منسوب ہوں۔ اشیاء کا اپنے عدم پر راضی و خوش رہنا اور ہرگز وجود کی خواہش نہ کرنا ان کے حق میں اس امر سے بہتر ہے کہ ان کے وجود کو فلسفی مجعول یعنی بنائے ہوئے اور موضوع امر کی طرف منسوب کریں اور قادر مختار جلشانہ کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کے سعادت سے محروم ہیں۔

فلاسفہ اور آیات قرآنی: (مکتوب ۱۰۱ دفتر سوم) (ایک کتاب تبصرۃ الرحمٰن) کا مصنف فلاسفہ کے مذہب کی طرف بہت میلان رکھتا ہے اور نزدیک ہے کہ حکماء کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر کرے۔ سورہ ہود کی ایک آیت نظر آئی جس کا بیان اس نے حکما کے طرز پر کیا ہے جو سراسر انبیاء علیہ الصلوٰۃ کے برخلاف ہے۔ حکماء اور انبیاء کے قول کو باہم برابر کہتا ہے۔ فلاسفہ جو عذاب عقلی ثابت کرتے ہیں اس سے عذاب حسی کا رفع کرنا مقصود ہے جس کے ثبوت پر انبیاء کرام کا اجماع ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی جگہ آیات قرآنی کو حکماء کے مذاق کے موافق بیان کرتا ہے۔ اگرچہ مذہب اہل سنت کے مخالف ہی ہو (ایسی) کتابوں کا مطالعہ پوشیدہ اور ظاہری ضرروں سے خالی نہیں۔

عقل معاد اور عقل معاش: (مکتوب ۲۱۹ دفتر اول) انسان کو جب کوئی ظاہری مرض لگ جاتا ہے تو بہت کوشش اور مبالغہ کرتا ہے تاکہ مرض رفع ہو جائے لیکن مرض قلبی جو ماسوائے حق کی گرفتاری سے مراد ہے اس پر اس طرح غلبہ پایا ہوا ہے جو نزدیک ہے کہ اس کو ہمیشہ کی موت تک پہنچا دے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کر دے اس کے دور کرنے کی فکر نہیں کرتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس مرض کو سمجھنے کے لیے عقل معاد درکار ہے کیونکہ عقل معاش اپنی کوتاہ اندیشی سے ظاہر بینی پر لگی ہوئی ہے اور عقل معاش جس طرح باطنی امراض کو فانی عیش و عشرت کے باعث مرض خیال نہیں کرتی اسی طرح عقل معاد بھی ظاہری امراض کو عاقبت کے ثوابوں کی وجہ سے مرض نہیں جانتی عقل معاش کی نظر کوتاہ ہے اور عقل معاد کی نظر تیز۔ عقل معاد انبیاء اولیاء کے نصیب ہے اور عقل معاش دولت مندوں اور دنیاداروں کا حصہ ہے اور دونوں میں بہت فرق ہے۔ عقل معاد کو برانگیختہ کرنے والے اسباب موت کا ذکر۔ آخرت کے احوال کو یاد کرنا اور آخرت کی دولت سے مشرف ہو جانے والے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا ہے۔

بیکار علوم: (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) فلاسفہ بے خبر نے کمال کو ایجاب جان کر حق تعالیٰ کے اختیار کی نفی کر کے ایجاب کو ثابت کیا ہے اور ان بے وقوفوں سے اس واجب الوجود کو معطل اور بیکار سمجھا ہے اور

سوائے ایک مصنوع وہ بھی ایجاب سے ہے- زمین و آسمان کے خالق سے صادر ہونے والا نہیں جانتا ہے اور حوادث کے وجود کو عقل فعال کی طرف نسبت دی ہے جس کا وجود ان کے وہم کے سوا کہیں ثابت نہیں- پس چاہیے تھا کہ اضطراب و اضطرار کے وقت عقل فعال کی طرف التجا کرتے کیونکہ حوادث کے وجود میں اس کا (حق سبحانہ) کا کچھ دخل نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ عقل فعال ہی حوادث کے ایجاد سے تعلق رکھتی ہے- ان بدبختوں میں یہ نسبت اور تمام گمراہ اور بے دین فرقوں کے دو چیزیں زیادہ ہیں- ایک یہ کہ احکام منزلہ کا کفر اور انکار کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اپنے بے ہودہ اور وہی مطالب اور مقاصد ثابت کرنے میں بے ہودہ مقدمات کو ترتیب دیتے ہیں- آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں- ان کا مدار ان کی اپنی حرکات اور اوضاع پر رکھتا ہے اور آسمان کے خالق اور ستاروں کے موجد و محرک اور مدبر کی طرف سے آنکھیں بند کی ہیں- ان سے زیادہ کمینہ- بے وقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا اور عقلمند جانتا ہے--- ان کے مرتبہ علوم میں ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی اور بے ہودہ اور لاطائل ہے- بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دونوں زاویوں کے قائم کے ساتھ برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکل عروضی اور ماموئی جو ان کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے کس غرض کے لیے ہے- علم طب و نجوم اور تہذیب اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علوم ہیں گذشتہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل اور بے ہودہ علوم کو رائج کیا حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی دعوت جب افلاطون کو جو ان بدبختوں کا رئیس تھا پہنچی تو اس نے جواب میں کہا کہ ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں- ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دے-

فلسفی اور اہل ایمان -- (مکتوب ۲۳ دفتر سوم) اور (جو لوگ) حق تعالیٰ کی تائید سے موید ہیں ان بزرگواروں کا کارخانہ پاک فرشتوں کے نزول کے باعث دشمن لعین کے مکر و فریب سے محفوظ ہے- ان کا نقد وقت ہے اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی اور شیطان لعین کے مکر و فریب سے نہیں بچ سکے جب تک ان بزرگواروں کی متابعت کو لازم پکڑا اور ان کے قدم بہ قدم چلے- افلاطون جو فلاسفہ کا رئیس ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی دولت کو پائے اور اپنے آپ کو نادانی کے باعث مستغنی جان کر ایمان نہ لائے اور نبوت کی برکات حاصل نہ کرے اس کی بڑی بدبختی اور نادانی ہے- فلاسفہ کی ناقص عقلیں مبداء میں بھی اور معاد میں بھی طور نبوت کی نقیض ہیں اور ان کے احکام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے احکام کے مخالف ہیں- نہ ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے نہ آخرت کے ساتھ قیوم عالم کے قائل ہیں حالانکہ بڑا مضبوط اجماع ہے اس بات پر کہ عالم مع اپنے تمام اجزاء کے حادث ہے- ایسے

ہی آسمانوں کے پھٹ جانے اور ستاروں کے ختم ہو جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور دریاؤں کے پھوٹنے کے جن کا قیامت کے دن وعدہ ہے قائل نہیں ہیں اور اور حشر اجساد کے منکر ہیں اور ن نصوص قرآنی کا انکار کرتے ہیں- ان میں سے متاخرین جو اہل اسلام میں داخل ہیں اسی طرح اپنے فلسفیانہ اصولوں پر راسخ ہیں اور آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدم اور اور ان کے فنا اور ہلاک نہ ہونے کے قائل ہیں نصوصِ قرانی کی تکذیب ان کی خوراک اور دین کی ضرورت سے انکار ان کا رزق ہے- یہ عجیب قسم کے مومن ہیں کہ خدا اور رسول پر تو ایمان لاتے ہیں لیکن جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے- اس سے بڑھ کر سفاہت اور بے وقوفی کیا ہو گی-- ان لوگوں نے اپنی تمام عمر کو ایک آلہ جو ان کے نزدیک خطائے فکری سے محفوظ ہے یعنی علم منطق کی تعلیم و تعلم میں برباد کر دیا اور اس بارے میں بڑے باریک اور دقیق مسائل نکالے اور بڑی بڑی موشگافیاں کیں لیکن جب حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کے اعلیٰ مقصد تک پہنچے تو ان کے ہوش وحواس جاتے رہے اور ان کا وہ آلہ عاصمہ بھی کام نہ آیا اور ضبط میں پھنس کر گمراہی کے جنگل میں بھٹکتے رہے-- لوگ فلسفہ کے علوم کو بڑا نظم و نسق والا جانتے ہیں اور غلط و خطا سے محفوظ سمجھتے ہیں- اگر اس بات کو بھی مان لیں تو یہ حکم ان علوم پر صادق آتا ہے جن میں عقل و استدلال اور استحکام ہے بعد اس بحث سے خارج اور دائرہ لایعنی میں داخل ہے- گفتگو ان علوم میں ہے جن کے ادراک میں عقل عاجز اور قاصر ہے اور طور نبوت پر موقوف ہیں اور جن پر آخرت کی نجات منحصر ہے-

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اہل فلسفہ علم طب اور علم نجوم گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں سے چرا لیتے ہیں اور دواؤں کی خاصیتیں جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہے انبیاء کی آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے اقتباس کی ہیں اور علم تہذیب واخلاق کو صوفیہ الہیہ کی کتابوں سے جو ہر زمانے میں کسی نہ کسی پیغمبر کی امت رہے ہیں اپنی بے ہودہ باتوں کو رواج دینے کے لیے چرا لیا ہے غرض ان کے یہ تینوں علوم اوروں کے علوم سے سرقہ کیے ہوئے ہیں-

علم الٰہی میں حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال اور ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بارے میں جو خبط انہوں نے ظاہر کیے ہیں وہ سب کے سب نصوصِ قرآنی کے مخالف ہیں- باقی رہا علم ہندسہ جو خاص طور پر ان کے ساتھ مخصوص ہے اگر کامل وتمام بھی ہو گا تو کس کام آئے گا اور آخرت کے کون سے وبال کو دور کرے گا--- جو کچھ آخرت میں کام نہ آئے وہ لایعنی اور بے ہودہ ہے- بعض لوگ جو علوم فلسفہ سے تعلق رکھتے ہیں اور فلسفیانہ تسویلات پر فریفتہ ہیں ان لوگوں کو حکماء جان کا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے

برابر سمجھتے ہیں بلکہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء کی شرائع پر مقدم سمجھتے ہیں جب ان کو حکماء جانتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں تو پھر کیونکر اس بلا میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ حکمت سے مراد کسی شے کا وہ علم ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو۔ لیکن وہ علوم جو ان کے مخالف ہوں اور نفس امر کے غیر مطابق ہوں گے۔ غرض ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق سے انبیاء اور ان کے علوم کی تکذیب ہے۔ جو چاہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کو لازم پکڑے اور حق تعالیٰ کے گروہ میں سے ہو جائے اور نجات پا جائے اور جو چاہے فلسفی بن جائے اور شیطان کے گروہ میں داخل ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے زیاں کار اور نا امید بن جائے۔

دوام آ گاہی کی کیفیت اور حالت نوم

(مکتوب ۹۹ دفتر اول) میں کہتا ہوں کہ انسانی روح کے لیے اس جسمانی صورت کے تعلق سے پہلے ترقی اور عروج کا رشتہ بند تھا لیکن اس جوہر نفیس کی طبیعت میں عروج کی استعداد نزول کی شرط پر بطور امانت رکھی ہوئی تھی اور اسی وجہ سے فرشتہ پر اس کی فضیلت (زیادتی) مقرر فرمائی تھی۔ حق تعالیٰ نے اپنی کمال بخشش سے اس نورانی جوہر کو اس ظلمانی جسم کے ساتھ جمع کر دیا اور چونکہ دونوں امر درحقیقت ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہوتے تھے اس لیے حکیم مطلق جل شانہ نے اس اجتماع کے ثابت کرنے اور اس انتظام کے مقرر کرنے کے لیے روح اور نفس کے درمیان عشق و گرفتاری کی نسبت پیدا کی اور اس گرفتاری کو ان کے انتظام کا سبب بنایا۔

پس اس محبت کی نسبت کے باعث روح نے ہمہ تن اپنے آپ کو عالم نفس میں ڈال کر اپنے آپ کو اس کے تابع بنا دیا بلکہ اپنے آپ کو بھی بھول گئی اور اپنے آپ کو نفس امارہ سے تعبیر کیا۔ روح کی اصلیت اس لطافت اور کمال کی لطافت کے باعث جس طرف متوجہ ہوتی ہے اسی کا حکم اختیار کر لیتی ہے۔ جب تک یہ اجتماع اور انتظام قائم ہے ظاہر کی غفلت بعینہ باطن کی غفلت ہے اور نیند جو ظاہر کی غفلت ہے عین باطن کی غفلت ہے۔ اس قسم کے صاحب دولت کو اگر جہان کی طرف واپس لانا چاہیں اور جہان کو اس کے وجود شریف کی برکت سے نفسانی اندھیروں سے نکالنا چاہیں تو سیر من اللہ وسیر باللہ کے طریق پر جہان کی طرف لے آتے ہیں اور اس کی توجہ ہمہ تن خلق کی طرف ہوتی ہے۔

بغیر اس بات کے کہ اس کو ان کے ساتھ کس قسم کی گرفتاری حاصل ہے کیونکہ وہ اپنی پہلی گرفتاری پر ہے بے اختیار اس کو جہان میں لائے ہیں پس یہ منتہی خدائے تعالیٰ کی طرف سے منہ پھیرنے اور خلق کی طرف توجہ کرنے میں ظاہر طور پر تمام مبتدیوں کے ساتھ مشترک ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ان سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا۔ گرفتاری اور عدم گرفتاری میں بڑا فرق ہے اور نیز خلق کی طرف منہ کرنا اس منتہی کے حق میں بے اختیاری ہے۔ اس میں وہ اپنی کچھ رغبت نہیں رکھتا بلکہ اس توجہ میں حق تعالیٰ کی رضا مندی ہے اور مبتدی میں اپنی ذاتی رغبت اور حق تعالیٰ کی نارضامندی ہے۔ مبتدی کے لیے آسان ہے کہ عالم کی طرف منہ پھیر کر حق تعالیٰ کی طرف سے توجہ کرے لیکن منتہی کے لیے خلق کی طرف سے منہ پھیرنا محال ہے۔ خلق کی طرف ہمیشہ کے لیے توجہ کا ہونا اور اس کے مقام کے لازم ہے۔ ہاں جب اس کی دعوت کا کام مکمل ہو جائے اور اس کو دار فنا سے دار بقا کی طرف لے جانا چاہیں تو اس وقت الرفیق الاعلیٰ کی نداء اس کو سنائی دیتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا -- اس میں دوام آگاہی کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اپنے اور اپنی امت کے احوال سے غافل نہ ہونے کی خبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیند آنحضرت ﷺ کے حق میں وضو کو توڑنے والی نہ ہوئی اور جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کی محافظت میں گڈریے کی طرح ہیں تو پھر غفلت منصب نبوت کے مناسب نہیں --- جاننا چاہیے کہ خلق کی طرف رجوع کرنے کی حالت میں دور ہو چکے۔ پردے پھر عود نہیں کرتے۔ باوجود بے پردگی کے اس کو خلق میں مشغول کیا ہے اور مخلوقات کی بہتری اور خلاصی اس امر پر منحصر ہے۔ ان بزرگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بادشاہ کے ساتھ بڑا تقرب رکھتا ہے۔ اس کے اور بادشاہ کے درمیان ظاہری اور باطنی مانع نہیں ہے۔ اور باوجود اس کے اس کو حاجت مند لوگوں کی خدمت میں مشغول کیا ہے۔ یہ مبتدی اور منتہی مرجوع میں اور فرق ہے کیونکہ مبتدی ابھی حجاب میں ہے اور منتہی کے آگے سے حجاب اٹھائے گئے ہیں۔

خرق عادات و کرامات

(مکتوب ۲۹۳ دفتر اول) خرق عادات دو قسم پر ہیں۔

نوع اول۔ وہ علوم و معارف الٰہی جل شانہٗ ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال و صفات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور وہ عقل کے ماسوائے اور متعارف و متعاد کے برخلاف ہیں جن کے ساتھ اپنے خاص بندوں کو ممتاز کرتا ہے۔

کے کشف سے اعراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے کے باعث ان پر تہمتیں لگاتے ہیں اور اس طرح کہتے ہیں اگر یہ لوگ اہل حق اور ولی ہوتے تو ہم کو ہمارے اور مخلوقات کے احوال کی نسبت خبریں بتاتے اور جب مخلوقات کے احوال کے کشف پر قدرت نہیں رکھتے تو اس سے بڑھ کر اعلیٰ امور کے کشف کی کیسے طاقت رکھتے ہیں۔ اور اس قیاس فاسد سے ان کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ خود اخبار صحیحہ سے اندھے ہوتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اہل حق کو اللہ تعالیٰ نے خلق کے ملاحظہ سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے اور ماسوائے اللہ سے ان کو بچا رکھا ہے اور اگر یہ بھی ان لوگوں میں سے ہوتے جو خلق کے احوال کے در پے ہوتے ہیں تو بارگاہ حق کے لائق نہ ہوتے اور ہم نے اکثر اہل حق کو دیکھا ہے کہ جب وہ کشف صور کی طرف ادنیٰ توجہ کرتے تھے تو اس فراست کے ساتھ جس کو اہل معرفت ثابت کرتے ہیں اور یہ وہ فراست ہے جو حق تعالیٰ اور اس کے قرب سے تعلق رکھتی ہے جہت ایسے امور معلوم کر لیا کرتے تھے جن کے ادراک سے ان غیر طاقت نہ رکھتے تھے لیکن وہ اہل صفا جو مقصود اصلی سے خارج اور خلق کے ساتھ متعلق ہیں ان کی فراست حق تعالیٰ اور اس کے قرب کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتی۔ اس میں مسلمان اور نصاریٰ اور یہود اور باقی گروہ شامل ہیں کیونکہ یہ فراست اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف نہیں ہیں تاکہ اس کو اہل معرفت کے ساتھ مختص کرتا۔ یہ اپنے اہل کے ساتھ ہی خصوصیت رکھتی ہے۔

کرامات: (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں اور ان سے بکثرت خوارق عادات واقع ہونے کے باعث ان کی یہ بات عادت مستمرہ ہو گئی ہے اور کرامت کا منکر علم سے عاری اور ضروری کا منکر ہے۔ نبی کا معجزہ دعوائے نبوت کے ساتھ ملا ہوتا ہے اور کرامت اس بات سے فانی ہے بلکہ اس نبی کی متابعت کا اقرار کرنے کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔

ولایت اور خوارق و کرامات: (مکتوب ۹۲ دفتر دوم) خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں ہے۔ جس طرح علماء خوارق کے حاصل کرنے کے لیے مکلف نہیں اسی طرح اولیاء بھی خوارق کے ظہور پر مکلف نہیں ہیں کیونکہ ولایت قرب الٰہی سے مراد ہے جو ماسوائے کے نسیان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہے بعض کو یہ قرب عطا کرتے ہیں لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع نہیں بخشتے اور بعض کو قرب کچھ نہیں دیتے لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع دے دیتے ہیں۔ یہ تیسری قسم کے لوگ اہل استدراج ہیں۔ نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈالا ہے۔ (قرآن مجید میں ہے) ''گمان کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں۔ خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پا کر ان

کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہی شیطان کا گروہ ہیں خبردار شیطان کا گروہ گھاٹا کھانے والا ہے" ان لوگوں کا نشان حال ہے۔ پہلی اور دوسری قسم کے لوگ جو دولت قرب سے مشرف ہیں اولیاء اللہ ہیں۔ نہ غائبانہ امور کا کشف ان کی ولایت کو بڑھاتا ہے اور نہ عدم کشف ان کی ولایت کو گھٹاتا ہے۔ ان کے درمیان درجات قرب کے اعتبار سے فرق ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عدم کشف والا بباعث زیادہ قرب جو اس کو حاصل ہوتا ہے کشف والے شخص سے افضل اور پیش قدم ہوتا ہے۔ صاحب عوارف جو شیخ الشیوخ ہیں اور تمام گروہوں میں مقبول ہیں "عوارف" میں اس امور کی تصریح کرتے ہیں کہ کرامات و خوارق اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض کو کشف و کرامات کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں اور یہ دولت عطا کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک شخص زیادہ اعلیٰ رتبہ رکھتا ہے لیکن خوارق و کرامات اس کو حاصل نہیں ہوتے کیونکہ کرامات یقین کی زیادہ تقویت کے لیے عطا فرماتے ہیں اور جب کسی کو صرف یقین ہو چکا ہو تو اس کو کرامات کی کیا حاجت ہے یہ سب کرامات۔ ذکر ذات اور اس میں قلب کے فانی ہونے کے ماسوا ہیں

(مکتوب ۹۲ دفتر دوم) امام خواجہ عبداللہ انصاری جو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہیں اپنی کتاب "منازل السائرین" میں فرماتے ہیں کہ فراست کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اہل معرفت کی فراست دوسری اہل ریاضت اور جوع کی فراست اہل معرفت کی فراست طالبوں کی استعداد اور ان اولیاء اللہ کو پہچاننے سے تعلق رکھتی ہے جو حضرتِ جمع کے ساتھ واصل ہو چکے ہیں۔ اہل ریاضت اور اہل جوع کی فراست غائبانہ صورتوں اور احوال کے کشف پر مخصوص ہے جو مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں چونکہ اکثر لوگ جو حق تعالیٰ کی بارگاہ سے جدا ہوتے ہیں اور دنیا سے اشتغال رکھتے ہیں اور جن کے دل صورتوں کے کشف او رمخلوقات کی غائبانہ خبروں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

خرق عادات: (مکتوب ۱۰۷ دفتر اول) خرق عادت کا ظاہر ہونا ولایت کے ارکان میں سے نہیں اور نہ ہی اس کی شرائط میں سے ہے۔ برخلاف معجزہ نبی ﷺ کے مقام نبوت کے شرائط میں سے ہے لیکن خوارق کا ظہور اولیاء اللہ سے شائع اور ظاہر ہے بہت کم جو خلاف واقع ہو لیکن خوارق کی کثرت سے ظاہر ہونا افضل ہونے پر دلالت نہیں کرتا وہاں قرب الٰہی کے درجات کے اعتبار سے فضیلت ہے۔ ممکن ہے ولی اقرب سے بہت کم خوارق ظاہر ہوں اور ولی بعید سے بہت وہ خوارق جو امت کے بعض اولیاء سے ظاہر ہوئے ہیں اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ان کا سواں حصہ بھی ظہور میں نہیں آیا حالانکہ اولیاء میں سے افضل ولی ایک ادنیٰ صحابی کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ خوارق کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ

نظری ہے اور تقلیدی استعداد کے کم کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ نبوت وولایت کے فیض قبول کرنے کے لائق وہ لوگ ہیں جن میں تقلیدی استعداد ان کی قوت نظری پر غالب ہو۔ حضرت صدیق اکبر تقلیدی استعداد کے قوی ہونے کے باعث نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تصدیق میں ہرگز دلیل کے محتاج نہ ہوئے اور ابوجہل یعنی اسی استعداد کے کم ہونے کے باعث اس قدر کثرت سے آیات ظاہرہ اور معجزات غالبہ ظاہر ہونے کے باوجود نبوت کی دولت کے اقرار سے مشرف نہ ہوا۔

باوجود اس کے ہم کہتے ہیں کہ اکثر متقدمین میں سے ساری عمر میں پانچ یا چھ خوارق سے زیادہ نقل نہیں کیے۔ حضرت جنیدؒ جو سید الطائفہ ہیں معلوم نہیں کہ ان سے دس خوارق بھی سرزد ہوئے ہوں اور حضرت حق تعالیٰ اپنے کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے حال سے ایسی خبر دیتا ہے "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ۹ روشن معجزے دیئے اور یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ اس وقت کے مشائخ سے اس قسم کے خوارق ظہور میں نہیں آتے بلکہ اولیاء اللہ سے خواہ متقدم ہوں یا متاخر ہر گھڑی خوارق ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ ورع سے ان کو جانے یا نہ جانے خوارق ظہور میں نہیں آتے۔

کرامت اور استدراج کی پہچان: (مکتوب ۱۰۷ دفتر اول) طالب مبتدی کے لیے اس تفرقہ میں ایک روشن دلیل ہے اور وہ اس کا وجدان صحیح ہے۔ اگر اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ ولی صاحب کرامت ہے اور اگر اس کے برخلاف پائے گا تو سمجھ لے گا کہ یہ مدعی صاحب استدراج ہے۔ اور اگر اس بات میں کچھ پوشیدگی ہے تو عوام کالانعام کے لیے ہے نہ طالبوں کے لیے۔ عوام کی پوشیدگی خواص کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتی کیونکہ اس کا منشاء دلی مرض اور آنکھ کا پردہ ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں عوام سے مخفی ہیں جن کا جاننا اس تفرقہ کے جاننے سے ضروری ہے۔

جب سالک طریقت کی بینائی کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے اور نور فراست سے اپنے تمام عیب دیکھ لیتا ہے اور دوسروں کے حال کا کمال معلوم کر لیتا ہے یعنی سب کو آپ سے بہتر دیکھتا ہے اور نیز حق تعالیٰ کی بصیرت اس کی نظر کے منظور ہو جاتی ہے تاکہ جو کچھ وہ کرتا ہے حق تعالیٰ کی رضامندی کے موافق کرتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ (عوام) نے خیال کیا ہے کہ ولی کے لیے جسم کا زندہ کرنا درکار ہے اور اشیاء غیبی کا اس پر منکشف ہونا ضروری ہے اس قسم کے کئی بے ہودہ اور فاسد ظن ان کے دلوں میں جمے ہوئے ہیں اور نیز خوارق صرف زندہ کرنے اور مارنے پر ہی منحصر نہیں ہیں الہامی علوم اور معارف بڑے بھاری نشان اور بلند خوارق میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی معجزات سب معجزوں سے زیادہ قوی اور

دریا ہیں- ذرا آنکھ کھول کر دیکھیں کہ یہ سب علوم و معارف جو بھاری بادل کی طرح برس رہے ہیں کہاں سے ہیں- یہ علوم باوجود اس قدر کثرت کے سب کے علوم شرعیہ کے موافق ہیں- بال بھر بھی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے- یہی خصوصیت ان علوم کے صحیح اور درست ہونے کی علامت ہے-

خوارق اور ولایت: (مکتوب ۲۱۶ دفتر اول) ولایت فنا و بقا سے مراد ہے کہ خوارق اور کشف خواہ کم ہوں یا زیادہ اس کے لوازم سے ہیں لیکن یہ نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اتم ہو بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خوارق کم ظاہر ہوتے ہیں مگر ولایت اکمل ہوتی ہے- خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے- عروج کے وقت زیادہ بلند ہو جانا اور نزول کے وقت بہت کم نیچے اترنا بلکہ کثرت خوارق کے ظہور میں اصل عظیم قلت نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے- عروج کی جانب خواہ کیسی کیفیت سے ہو کیونکہ صاحب نزول عالم اسباب میں اتر آتا ہے اور اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ معلوم کرتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو عالم اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے اور وہ شخص جس نے نزول نہیں کیا یا نزول کر کے اسباب تک نہیں پہنچا اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے کیونکہ مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث تمام اسباب اس کی نظر سے مرتفع ہو گئے ہیں پس حق تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے- اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور وہ جو اسباب کو نہیں دیکھتا- اس کا کام اسباب کے وسیلے کے بغیر مہیا کر دیتا ہے- بہت مدت تک دل میں کھٹکتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ اس امت میں اکمل اولیاء بہت گزرے ہیں مگر جس قدر کو خوارق حضرت سید محی الدین جیلانیؒ (شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم) قدس سرہ سے ظاہر ہوئے ہیں ویسے خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے- آخر کار حق تعالیٰ نے اس معمہ کا بھید ظاہر کر دیا اور جتلا دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب میں مقام روح تک نیچے اترے ہیں جو عالم اسباب سے بلند تر ہے- حکایت منقول ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ ایک دن دریا کے کنارے پر کھڑے کشتی کا انتظار کر رہے تھے- اسی اثنا میں خواجہ حبیب عجمی بھی آ نکلے پوچھا یہاں کیوں کھڑے ہیں عرض کیا کہ کشتی کا انتظار کر رہا ہوں حضرت حبیب عجمی نے فرمایا کشتی کی حاجت ہے کیا- آپ یقین نہیں رکھتے- خواجہ حسن بصریؒ نے کہا کہ آپ علم نہیں رکھتے- غرض خواجہ حبیب عجمیؒ کشتی کے بغیر دریا سے گزر گئے اور خواجہ حسن بصریؒ کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے- خواجہ حسن بصریؒ نے چونکہ عالم اسباب میں نزول کیا ہوا تھا اس لیے اس کے ساتھ اسباب کے وسیلہ سے معاملہ کرتے تھے اور حضرت حبیب عجمیؒ چونکہ پورے طور پر

اسباب کو نظر سے دور کر دیا ہوا تھا اس کے ساتھ اسباب کے وسیلے کے بغیر زندگانی بسر کرتے تھے لیکن فضیلت خواجہ حسن بصریؒ کے لیے ہے جو صاحب علم ہیں اور جس نے عین الیقین کے ساتھ جمع کیا ہے اور اشیاء کو جیسا کہ وہ ہیں جانا ہے کیونکہ قدرت نے اصل حقیقت کو حکمت کے پیچھے پوشیدہ کیا ہے اور حبیب عجمیؒ صاحب شکر ہیں اور فاعل حقیقی پر یقین رکھتے ہیں بغیر اس بات کے کہ اسباب کا درمیان میں دخل ہو۔۔۔اسباب کا وسیلہ واقع ہے اعتبار سے ثابت اور کائن ہے لیکن تکمیل وارشاد کا معاملہ ظہور خوارق کے معاملہ کے برعکس کیونکہ مقام ارشاد میں جس کا نزول جس قدر زیادہ کم ہوگا کیونکہ ارشاد کے لیے مرشد اور مسترشد کے درمیان اس مناسبت کا حاصل ہونا ضروری ہے جو نزول سے وابستہ ہے اور جاننا چاہیے کہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ جس قدر کوئی اوپر جاتا ہے اسی قدر نیچے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالت خاتمیت ﷺ سب سے زیادہ اوپر گئے اور نزول کے وقت سب سے نیچے آ گئے اسی واسطے آپ کی دعوت اتم ہوئی۔ اور آپ تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے کیونکہ نہایت نزول کے باعث سب کے ساتھ مناسبت پیدا کی اور افادہ کا راستہ کامل تر ہو گیا۔ بسا اوقات اس راہ کے متوسطوں سے اس قدر طالبوں کا فائدہ وقوع میں آتا ہے جو غیر مرجوع منتہیوں سے میسر نہیں ہوتا کیونکہ متوسط غیر مرجوع منتہیوں کی نسبت مبتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اسی سبب سے شیخ الاسلام ہرویؒ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اگر خرقانیؒ اور محمد قصابؒ موجود ہوتے تو میں تم کو محمد قصاب کے پاس بھیجتا اور (حضرت) خرقانیؒ کی طرف نہ جانے دیتا کیونکہ وہ خرقانیؒ کی نسبت تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند ہوتا کیونکہ کامل افادہ کا نہ ہونا اس کے اس حق میں غیر واقعہ ہے کیونکہ محمد ﷺ سب سے زیادہ منتہی تھے حالانکہ آپ کا افادہ سب سے زیادہ تھا پس افادہ کے کم یا زیادہ ہونے کا مدار رجوع اور ہبوط پر ہے نہ کہ انتہا اور عدم انتہا پر۔۔۔

یہاں ایک نکتہ جاننا نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح نفس ولایت کے ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے جیسے کہ مشہور ہے اسی طرح اس کے اپنے خوارق کا علم بھی شرط نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے کو خوارق نقل کرتے ہیں اور اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اولیاء جو صاحب علم اور کشف ہیں ان کے لیے جائز ہے کہ اپنے بعض خوارق ان کو اطلاع نہ دیں بلکہ ان کی مثالیہ صورتوں کو متعدد مکانوں میں ظاہر کریں اور دور دراز جگہوں میں ان صورتوں سے ایسے عجیب وغریب کام ظہور میں لائیں جن کی اس صورتوں والے کو اطلاع نہیں۔

کشف وکرامت: مکتوب ۸۶ دفتر سوم) فضول مباحات کا مرتکب ہونا خوارق کے کم تر ظاہر

ہونے کا باعث ہے خاص کر جب کہ فضول میں بکثرت مشغول ہو کر مشتبہ کی حد تک پہنچ جائیں اور وہاں سے محرم وحرام کے گرد آجائیں پھر خوارق کہاں اور کرامات کجا- مباحات کا دائرہ جس قدر تنگ ہوگا اور قدر ضروری پر کفایت کی جائے گی اسی قدر کشف وکرامت کی زیادہ گنجائش ہوگی اور خوارق کے ظہور کا راستہ زیادہ تر کھل جائے گا- خوارق کا ظاہر ہونا نبوت کی شرط ہے ولایت کی شرط نہیں کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے- ولایت کا اظہار واجب نہیں بلکہ اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ نبوت میں خلق کو دعوت ہے اور ولایت میں قرب حق ظاہر ہے کہ دعوت کا اظہار کرنا ضروری ہے اور قرب کا چھپانا لازم ہے- کسی ولی سے خوارق کا بکثرت ظاہر ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ ولی ان اولیاء سے افضل ہے جن سے اس قدر خوارق ظاہر نہیں ہوئے بلکہ ممکن ہے کہ کسی ولی سے کوئی بھی خرق عادت ظاہر ہو نہ ہو اور وہ ان اولیاء سے افضل ہو جن سے خوارق بکثرت ظاہر ہوئے ہیں جیسے کہ شیخ الشیوخ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں اس امر کی تحقیق کی ہے- جب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں خوارق کا کم یا زیادہ ہونا جو نبوت کی شرط ہے ایک دوسرے سے افضل ہونے کا موجب نہیں تو پھر ولایت میں جہاں یہ شرط نہیں تفاضیل کا سبب کیوں ہوگا- میرے خیال میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ریاضتوں اور مجاہدوں اور اپنی جانوں پر دائرہ مباحات کو زیادہ تنگ کرنے سے اصل مقصود یہ تھا کہ ظہور خوارق حاصل ہو جو ان پر واجب ہے اور نبوت کے لیے شرط ہے نہ کہ قرب الٰہی جلشانہ کے درجات تک پہنچنا کیونکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مجتبٰی اور برگزیدہ ہیں جن کو جذب ومحبت کی رسی سے کھینچ لے جاتے ہیں اور بغیر تکلیف ومشقت کے ان کو قرب الٰہی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں- وہ انابت وارادت ہی سے جہاں قرب الٰہی کے درجات تک پہنچنے کے لیے ریاضتوں اومجاہدوں کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مریدوں کا راستہ ہے اور اجتباء مرادوں کا راستہ ہے- مرید محنت اور مشقت کے ساتھ اپنے پاؤں سے چل کر جاتے ہیں اور مرادوں کو ناز ونعمت کے ساتھ اپنی طرف بلا لے جاتے ہیں اور محنت کے بغیر درجات قرب تک پہنچا دیتے ہیں- جاننا چاہیے کہ ریاضتیں اور مجاہدے راہ انابت ارادت میں شرط ہیں لیکن راہ اجتباء میں مجاہدہ و ریاضت کی کوئی شرط نہیں ہاں نافع اور سودمند ضروری ہیں--- دنیا میں جس قدر محنت ہے آخرت میں اس سے کئی گنا زیادہ مسرت ہے-

علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین

(مکتوب ۲۷۷ دفتر اول) حق سبحانہ تعالیٰ ذات میں علم الیقین ان آیات ونشانات کے شہود سے مراد ہے جو حق تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور ان آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں لیکن ذاتی شہود اور حضور سیر نفسی کے سوائے متصور نہیں اور وہ سالک کے اپنے نفس میں ہوتا ہے پس وہ تجلیات جو حسی یا مثالی صورتوں میں اور انوار کے پردے میں ہوں خواہ کوئی صورت ہو اور خواہ کوئی نور ظاہر ہو۔ وہ نور رنگین ہو یا بے رنگ ہو متناہی ہو یا لامتناہی ہو اور کائنات پر محیط ہو یا نہ ہو۔ سب علم الیقین میں داخل ہیں۔

عین الیقین : حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے، بعد اس کے کہ علم الیقین سے معلوم کر چکیں اور یہ شہود سالک کی فنا کو متلازم ہے اور اس شہود کے غلبہ میں اس کا تعین بالکل گم ہو جاتا ہے اور اس کے دیدہ شہود میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ شہود اس طائفہ علیہ قدس سرہم کے نزدیک اور اک بسیط سے تعبیر کیا گیا ہے اور معرفت بھی اسی کو کہتے ہیں۔ اس ادراک میں خواص وعوام شریک ہیں لیکن عوام کو یہ شہود مانع ہے۔ یہی باعث ہے کہ اس شہود سے غافل اور اس ادراک سے بے خبر رکھتے ہیں ۔ عین الیقین علم الیقین کا جواب ہے جیسے کہ علم الیقین کا حجاب ہے۔ اس شہود کے تحقق کے وقت سرابر حیرت و نادانی ہے۔علم کی اس میں ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عارف وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ حیران و پریشان ہے۔

حق الیقین : حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے بعد اس کے کہ تعین دور ہو جائے اور متعین فانی اور نابود ہو جائے لیکن عارف کے لیے حق تعالیٰ کا یہ شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ نہ کہ عارف کے اپنے ساتھ۔ اس مقام میں علم وعین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتے بلکہ عارف کا وہ تعین ہے۔ جس مقام میں عارف اپنے آپ کو حق پر پاتا ہے اور اس مقام میں حق کو حق کے سوا نہیں دیکھ سکتے اور یہ حق الیقین ہی کا مرتبہ ہے جہاں کہ شہود کی حقیقت محقق ہے۔

(مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم) **علم الیقین** اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنے سے مراد ہے جس طرح آگ کے وجود کا یقین جو استدلال کے طور پر دھوئیں کے وجود کے علم سے حاصل ہوتا ہے۔ عین الیقین آگ کے دیکھنے سے مراد ہے اور حق الیقین شان آتش کے ساتھ متحقق ہونے سے مراد ہے۔ عین

ہونے کا باعث ہے خاص کر جب کہ فضول میں بکثرت مشغول ہو کر مشتبہ کی حد تک پہنچ جائیں اور وہاں سے محرم وحرام کے گرد آجائیں پھر خوارق کہاں اور کرامات کجا۔ مباحات کا دائرہ جس قدر تنگ ہوگا اور قدر ضروری پر کفایت کی جائے گی اسی قدر کشف وکرامت کی زیادہ گنجائش ہوگی اور خوارق کے ظہور کا راستہ زیادہ تر کھل جائے گا۔ خوارق کا ظاہر ہونا نبوت کی شرط ہے ولایت کی شرط نہیں کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے۔ ولایت کا اظہار واجب نہیں بلکہ اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ نبوت میں خلق کو دعوت ہے اور ولایت میں قرب حق ظاہر ہے کہ دعوت کا اظہار کرنا ضروری ہے اور قرب کا چھپانا لازم ہے۔ کسی ولی سے خوارق کا بکثرت ظاہر ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ ولی ان اولیاء سے افضل ہے جن سے اس قدر خوارق ظاہر نہیں ہوئے بلکہ ممکن ہے کہ کسی ولی سے کوئی بھی خرق عادت ظاہر ہونہ ہوا اور وہ ان اولیاء سے افضل ہو جن سے خوارق بکثرت ظاہر ہوئے ہیں جیسے کہ شیخ الشیوخ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں اس امر کی تحقیق کی ہے۔ جب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں خوارق کا کم یا زیادہ ہونا جو نبوت کی شرط ہے ایک دوسرے سے افضل ہونے کا موجب نہیں تو پھر ولایت میں جہاں یہ شرط نہیں تفاضیل کا سبب کیوں ہوگا۔ میرے خیال میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ریاضتوں اور مجاہدوں اور اپنی جانوں پر دائرہ مباحات کو زیادہ تنگ کرنے سے اصل مقصود یہ تھا کہ ظہور خوارق حاصل ہو جو ان پر واجب ہے اور نبوت کے لیے شرط ہے نہ کہ قرب الٰہی جلشانہ کے درجات تک پہنچنا کیونکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مجتبیٰ اور برگزیدہ ہیں جن کو جذب ومحبت کی رسی سے کھینچ لے جاتے ہیں اور بغیر تکلیف ومشقت کے ان کو قرب الٰہی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ انابت وارادت ہی سے جہاں قرب الٰہی کے درجات تک پہنچنے کے لیے ریاضتوں اومجاہدوں کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مریدوں کا راستہ ہے اور اجتباء مرادوں کا راستہ ہے۔ مرید محنت اور مشقت کے ساتھ اپنے پاؤں سے چل کر جاتے ہیں اور مرادوں کو ناز ونعمت کے ساتھ اپنی طرف بلا لے جاتے ہیں اور محنت کے بغیر درجات قرب تک پہنچا دیتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ریاضتیں اور مجاہدے راہ انابت ارادت میں شرط ہیں لیکن راہ اجتباہ میں مجاہدہ و ریاضت کی کوئی شرط نہیں ہاں نافع اور سودمند ضروری ہیں۔۔۔ دنیا میں جس قدر محنت ہے آخرت میں اس سے کئی گنا زیادہ مسرت ہے۔

علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین

(مکتوب ۲۷۷ دفتر اول) حق سبحانہ تعالیٰ ذات میں علم الیقین ان آیات ونشانات کے شہود سے مراد ہے جو حق تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور ان آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں لیکن ذاتی شہود اور حضور سیر نفسی کے سوائے متصور نہیں اور وہ سالک کے اپنے نفس میں ہوتا ہے پس وہ تجلیات جو حسی یا مثالی صورتوں میں اور انوار کے پردے میں ہوں خواہ کوئی صورت ہو اور خواہ کوئی نور ظاہر ہو۔ وہ نور رنگین ہو یا بے رنگ ہو متناہی ہو یا لامتناہی اور کائنات پر محیط ہو یا نہ ہو۔ سب علم الیقین میں داخل ہیں۔

عین الیقین: حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے، بعد اس کے کہ علم الیقین سے معلوم کر چکیں اور یہ شہود سالک کی فنا کو متلازم ہے اور اس شہود کے غلبہ میں اس کا تعین بالکل گم ہو جاتا ہے اور اس کے دیدہ شہود میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ شہود اس طائفہ علیہ قدس سرہم کے نزدیک اوراک بسیط سے تعبیر کیا گیا ہے اور معرفت بھی اسی کو کہتے ہیں۔ اس ادراک میں خواص وعوام شریک ہیں لیکن عوام کو یہ شہود مانع ہے۔ یہی باعث ہے کہ اس شہود سے غافل اور اس ادراک سے بے خبر رکھتے ہیں۔ عین الیقین علم الیقین کا جواب ہے جیسے کہ علم الیقین کا حجاب ہے۔ اس شہود کے تحقق کے وقت سرا بر حیرت و نادانی ہے۔ علم کی اس میں ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عارف وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ حیران و پریشان ہے۔

حق الیقین: حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے بعد اس کے کہ تعین دور ہو جائے اور متعین فانی اور نابود ہو جائے لیکن عارف کے لیے حق تعالیٰ کا یہ شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ نہ کہ عارف کے اپنے ساتھ۔ اس مقام میں علم وعین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتے بلکہ عارف کا وہ تعین ہے۔ جس مقام میں عارف اپنے آپ کو حق پر پاتا ہے اور اس مقام میں حق کو حق کے سوا نہیں دیکھ سکتے اور یہ حق الیقین ہی کا مرتبہ ہے جہاں کہ شہود کی حقیقت محقق ہے۔

(مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم) علم الیقین اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنے سے مراد ہے جس طرح آگ کے وجود کا یقین جو استدلال کے طور پر دھوئیں کے وجود کے علم سے حاصل ہوتا ہے۔ عین الیقین آگ کے دیکھنے سے مراد ہے اور حق الیقین شان آتش کے ساتھ متحقق ہونے سے مراد ہے۔ عین

الیقین اس حالت سے مراد ہے جو نفس دخان کو آتش کے ساتھ ثابت ہے---- فقیر کے نزدیک یہ حالت عین الیقین سے تعبیر کی گئی ہے جو علم استدلال اور نفس و آفاق سے باہر ہے---- حق الیقین کی نسبت کیا لکھا جائے کیونکہ اس کے ساتھ کامل طور پر متحقق ہونا عالم آخرت سے وابستہ ہے۔ اگر اس دولت کا کچھ حصہ دنیا میں ثابت ہے تو اخص خواص کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔

صوفیہ اور معقول والوں کے علم الیقین میں فرق۔

(مکتوب ۳۹ دفتر سوم) صوفیہ کے نزدیک علم الیقین سے مراد وہ یقین ہے جو اثر سے موثر کی طرف استدلال کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ صوفیہ کے علم الیقین میں وہ ارتباط مکشوف ہے اور اہل استدلال کے علم الیقین میں ارتباط نظری ہے جو فکر اور دلیل کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجود اثر سے وجود موثر کی طرف انتقال کرنا صوفیہ کے لیے حدسی بلکہ بدیہی ہے۔ استدلال والوں اور علماء کے لیے یہ انتقال نظری اور فکری ہے صوفیہ) کا یقین کشف و شہود میں داخل ہے اور دوسرے گروہ کا یقین استدلال کی تنگی سے نہیں نکل سکتا۔ صوفیہ کے علم الیقین میں استدلال کا اطلاق کرنا ظاہر صورت پر مبنی ہے جو اثر سے موثر کی طرف انتقال کرنے پر مشتمل ہے۔ درحقیقت کشف و شہود ہے برخلاف علماء کے علم الیقین کے جو حقیقت میں استدلال ہے چونکہ یہ فرق باریک اکثر لوگوں پر پوشیدہ رہا ہے اس لیے مرتبہ حیرت میں رہے ہیں اور ان میں بعض نے نارسائی اور کم فہمی کی باعث ان بزرگواروں پر جنہوں نے صوفیہ کے علم الیقین کی تفسیر اثر سے موثر کی استدلال کرنے سے کی ہے زبان اعتراض دراز کی ہے۔

ایمان بالغیب اور ایمان شہودی

(مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) اس واجب الوجود کی ذات پاک اور اس کی تمام صفات کے ساتھ غیب سے ایمان لانا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور ان کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین اور ان اولیاء کا کلی طور پر مرجوع ہیں اور ان کی نسبت اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین کی سی نسبت ہے اگرچہ قلیل بلکہ اقل ہے اور علماء اور عام مومنین کا نصیب ہے اور ایمان شہودی عامہ صوفیہ کا نصیب ہے خواہ وہ ارباب عزلت یعنی گوشہ نشیں ہوں خواہ وہ ارباب عشرت یعنی لوگوں میں رہنے والے ہوں- کیونکہ ارباب عشرت اگرچہ مرجوع ہیں لیکن انہوں نے پورے طور پر رجوع نہیں کیا ہے- ان کا باطن اسی طرح فوق کی طرف نگران ہے یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ ہیں اور باطن میں حق جلشانہ کے ساتھ اسی واسطے ایمان شہودی ہر وقت ان کے نصیب ہے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام چونکہ کلی طور پر مرجوع ہیں اور ظاہر و باطن میں خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے میں متوجہ ہیں اس لیے ایمان بالغیب ان کے نصیب ہے- انبیاء کرام جب مقام دعوت سے فارغ ہو جاتے ہیں اور عالم بقا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور رجوع کی مصلحت تمام ہو جاتی ہے تو بڑے شوق کے ساتھ الرفیق الاعلیٰ کی ندا لگا کر کلی طور پر حق جلشانہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں-

(مکتوب ۸ دفتر دوم) ایمان بالغیب جو اخص خواص کے نصیب ہے عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں ہے عوام نے سماع و استدلال کے ساتھ ایمان غیب حاصل کیا ہے اور اخص خواص نے جمال و جلال کے ظلال اور تجلیات و ظہورات کے پردوں کے پیچھے غیب الغیب کا مطالعہ کر کے ایمان غیب حاصل کیا ہے اور متوسط ظلال کو اصلی خیال کر کے اور تجلیات کو عین تجلی جان کر ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں- ان کے حق میں ایمان بالغیب نصیب اعداء ہے-

(مکتوب ۹ دفتر دوم) ایمان بالغیب اس وقت میسر ہوتا ہے جب تیز رفتار وہم کی جولانی نہ رہے اور وہاں کی کوئی چیز قوت متخیلہ میں منقش نہ ہو اور یہ بات حق تعالیٰ کی اقربیت میں ثابت ہوتی ہے جو وہم و خیال کے احاطے سے باہر ہے کیونکہ جس قدر زیادہ دور ہوں اسی قدر وہم کا جولان زیادہ ہوتا ہے اور اسی قدر زیادہ خیال کا غلبہ پڑتا ہے- یہ دولت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ایمان بالغیب بھی ان ہی بزرگواروں کے نصیب ہے اور جس کو چاہتے ہیں ان کی تبعیت و وراثت کے سبب اس

الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے واسطہ وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کے فیض و برکات آنحضرت ﷺ کی طفیل تبعیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ افلاطون بے وقوف نے یہ نہ جانا کہ یہ صفائی جو انبیاء کی متابعت کے بغیر ریاضتوں اور مجاہدوں سے حاصل ہوئی ہے ایسی ہے جیسی سیاہ تانبے پر سونا چڑھا دیں یا زہر کو شکر سے غلافی کر دیں جاننا چاہیے کہ جذبہ کے لیے اگرچہ سلوک کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ جذبہ سلوک پر مقدم ہو یا موخر لیکن جذبہ کے مقدم ہونے میں فضیلت ہے کیونکہ اس صورت میں سلوک اس کا خادم ہے اور جذبہ کے موخر ہونے میں سلوک اس کا مخدوم ہے کیونکہ جذبہ مقدم ہونے میں ایسا نہیں کیونکہ وہ بالذات مطلوب و مدعو ہے۔ اسی واسطے یہ مراد ہوا۔ مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ اس دعوت سے مقصود ذاتی مدعو اولیٰ آنحضرت ﷺ ہی ہیں اور دوسروں کو خواہ مراد ہوں یا مرید حضور ہی کی طفیل بلایا ہے۔ چونکہ دوسرے سب ان کے طفیلی ہیں اور وہ اس دعوت کے اصل مقصود ہیں اس لیے سب ان کے محتاج ہیں اور ان ہی کے ذریعے فیوض و برکات اخذ کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کی محبوبیت ۔(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) مکشوف ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی محبوبیت حق تعالیٰ کی اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جو شیون و اعتبارات کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات بحت سے تعلق رکھتی ہے اور جس محبت کے سبب حق تعالیٰ کی ذات محبوب ہے برخلاف دوسروں کی محبوبیت کو جو اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جس کا تعلق شیون و اعتبارات کے ساتھ ہے اور اسماء و صفات با اسماء صفات کے ظلال کے ساتھ درجہ بدرجہ متلبس ہے۔

مجذوب

اور مطلوب کی طرف روحی انجذاب حاصل نہیں حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ جب تک یہ دونوں یعنی نفس اور روح باہم ملے جلے ہیں اور قلب کی حقیقت جامعہ قائم ہے تب تک خالص روحی انجذاب متصور نہیں اور جب تک منازل سلوک طے نہ ہو جائیں اور سیر الی اللہ کے راستے قطع نہ کر لیں اور سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق نہ ہو جائیں بلکہ جب تک مقام فرق بعد الجمع کو بھی جو سیر عن اللہ باللہ سے تعلق رکھتا ہے حاصل نہ کر لیں تب تک روح نفس سے الگ نہیں ہوتی ---- ان صاحبان قلوب مجذوبوں کا شہود پردہ کثرت میں ہے خواہ وہ ان معنی کو معلوم کریں یا نہ کریں اور اس کثرت میں ان کو عالم ارواح کے سوا اور کچھ مشہود نہیں ہوتا جو لطافت اور احاطہ سریان میں اپنے موجد کے مشابہ صورت رکھتا ہے اور اسی مناسبت کے باعث شہود

وروح کو شہود حق جانتے ہیں اور احاطہ سریان اور قرب و معیت بھی اسی قیاس پر ہے---وہ مجذوب جو سلوک کے ساتھ قلب سے پورے طور پر مقلب القلوب کی طرف متوجہ ہیں ان علوم سے بیزار ہوتے اور توبہ کرتے ہیں۔بعض مجذوب ایسے ہوتے ہیں جو ہر چند راہ سلوک پر آجاتے ہیں اور سلوک سے منازل کو طے کرتے ہیں لیکن ان کی نظر مقام مالوف سے قطع نہیں ہوتی اور فوق کی طرف توجہ پیدا نہیں کرتی۔اس قسم کے علوم ان کا دامن نہیں چھوڑتے اور اس بھنور سے نہیں نکل سکتے۔اسی واسطے مدارج قرب پر عروج کرنے اور مراتب قدس پر صعود کرنے میں لنگڑے رہتے ہیں۔

مجذوبان ارباب قلوب جب مقام قلب! میں تمکین ورسوخ پیدا کر لیتے ہیں اور وہ معرفت وصحو جو اس مقام کے مناسب ہے ان کو حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت طالبوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں کیونکہ خود حد کمال تک نہیں پہنچے ہیں اس واسطے دوسروں کے لیے کمال حاصل کرنے کا واسطہ نہیں بن سکتے۔یہ بات مشہور ہے کہ ناقص سے کوئی کامل نہیں بنتا البتہ ان کا افادہ جتنا ہی ہو---ارباب سلوک کے افادہ سے زیادہ ہوتا ہے اگر چہ ارباب سلوک نہایت سلوک تک پہنچ جائیں اور منتہیوں کا جذب پیدا کر لیں لیکن مقام قلب میں ان کو سیر عن اللہ باللہ کے طریق پر نہیں لاتے کیونکہ وہ منتہی جس نے ابھی عالم کی طرف رجوع نہیں کیا افادہ کا طریقہ نہیں رکھتا۔مجذوب صاحب ہمت وتوجہ ہوتا ہے۔ہمت وتوجہ کے ساتھ طالب کا کام نکال لے جاتا ہے اگرچہ حد کمال تک نہیں پہنچاتا اور نیز نہایت توجہ جو طالبوں کو مجذوبوں سے حاصل ہوتی ہے روح کی وہی سابقہ توجہ ہے جو انہوں نے فراموش کی تھی۔ان کی صحبت میں ان کو یاد آجاتی ہے اور بطریق اندراج توجہ قلبی میں حاصل کر لیتے ہیں برخلاف اس توجہ کے جو منتہیوں کی صحبت میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ توجہ حادث یعنی نئی ہوتی ہے جو پہلے حاصل نہ تھی اور روح کے خالی ہونے بلکہ وجود حقانی کے ساتھ اس کے باقی ہونے پر موقوف تھی۔

شیخ مقتداء کو لازم ہے کہ اس قسم کے مجذوب متمکن کو عام افادہ کے لیے اجازت نہ دے اور مقام تکمیل شیخی میں نہ بٹھائے کیونکہ بعض طالب ایسے ہوتے ہیں جن کی استعداد بلند ہوتی ہے اور کمال وتکمیل کی قابلیت ان میں کامل طور پر ہوتی ہے۔ایسے طالب اگر ایسے مجذوب کی صحبت میں آجائیں تو احتمال ہے کہ ان کی وہ استعداد وضائع ہو جائے اور ان کی وہ قابلیت برطرف ہو جائے اور اگر بالفرض شیخ مقتدا اس کی بہت ہی اجازت میں دیکھے اور افادہ کے معنی اس میں معلوم کرے تو چاہیے کہ اس افادہ کو بعض قیود وشرائط کے ساتھ مقید کرے مثلاً اس کے افادہ کے طریق پر طالب کی مناسبت کا ظاہر نہ ہونا اور اس کی صحبت میں اس کی استعداد کا ضائع ہونا اور اس اقتداء وریاست میں اس کے نفس کا سرکش نہ ہونا کیونکہ

تزکیہ نفس نہ ہونے کے باعث اس سے ہوائے نفسانی زائل نہیں ہوئی اور جب معلوم کرے کہ طالب اس سے اس کے نہایت افادہ تک پہنچ گیا ہے اور طالب کی استعداد میں ابھی ترقی کی قابلیت ہے تو اس کو چاہیئے کہ یہ بات اس پر ظاہر کر دے اور اس کو رخصت دے دے تا کہ وہ اپنے کام کو دوسرے شیخ سے کامل وتمام کرے اور اپنے آپ کو منتہی نہ سمجھ لے اور اس حیلہ سے لوگوں کی رہزنی نہ کرے----

ارباب صفات کے منتہی علوم ومعارف میں مجذوبوں کے نزدیک ہیں اور شہود میں بھی دونوں کے نزدیک ہیں اور شہود میں بھی دونوں یک رنگ ہیں کیونکہ دونوں ارباب قلوب میں سے ہیں- غرض ارباب صفات تفصیلات سے مطلع ہوتے ہیں برخلاف مجذوبوں کے نیز ارباب صفات کو فرق کی طرف سلوک وعروج کرنے کے باعث عروج نا کردہ مجذوبوں کی نسبت قرب زیادہ حاصل ہوتا ہے لیکن اصل کی محبت ان مجذوبوں کے دامنگیر ہوتی ہے اگرچہ حجاب درمیان میں ہوتے ہیں'' آدمی اس کے ساتھ ہے جس کی اس کو محبت ہے'' کے موافق مجذوبوں میں بھی قرب ومعیت کا اعتبار کیا جائے تو کیا تعجب ہے پس مجذوب محبت میں محمدیوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ حب ذاتی اگرچہ حجاب درمیان ہیں مجذوبوں میں بھی متحقق ثابت ہیں-

تین دور: (مبداء ومعاد) پہلا دور، یافت کا ذوق- دوسری حالت کمال اور ولایت خاصہ کے درجے کا حاصل کرنا تیسرا مقام تکمیل اور دعوت کے لیے خلقت کی طرف لوٹنا ہے لیکن مجذوب کو سلوک سے دوسری اور تیسری حالت بالکل نصیب نہیں ہوتی- جو کامل ومکمل ہے وہ مجذوب سالک ہے- دوسرے درجے پر سالک مجذوب جو ان دونوں کے بغیر ہے وہ نہ کامل ہے نہ مکمل-

سلوک سے محروم مجذوب -(مکتوب ۱۵ دفتر اول) اور وہ مجذوب جنہوں نے سلوک حاصل نہیں کیا صاحبان دل ہیں کیونکہ حق تعالیٰ تک پہنچنا سلوک پر منحصر ہے اور کسی شخص کے ساتھ مقام کے متعلق ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس شخص کو اس مقام میں ایک خاص شان اور اس مقام والوں سے اس کو علیحدہ امتیاز حاصل ہے-

(مکتوب ۱۱۳ دفتر اول) جذب اور کشش نہیں ہوتی مگر مقام فوق میں نہ فوق مقام فوق میں اور شہود وغیرہ میں بھی یہی حال ہے پس سلوک (طے) نہ کیے ہوئے مجذوبوں کو جو مقام قلب میں ہیں جذب اور کشش نہیں ہوتی مگر مقام روح میں جو مقام قلب کے اوپر ہے- کشش الٰہی منتہیوں کے جذبہ میں ہے جس کے اوپر کوئی اور مقام نہیں اور جذبہ بدایت میں روح منفوح کے سوائے کچھ مشہود نہیں ہے اور چونکہ روح اپنی اصلی صورت پر موجود ہے- مشہود اور روح کو شہود حق تعالیٰ جانتے ہیں اور جب روح کو عالم اجساد کے

ساتھ ایک طرح کی مناسبت ثابت ہے۔ کبھی اس شہود کو کثرت میں احدیت کا شہود کہتے ہیں اور کبھی حق تعالیٰ کا شہود اور فنا مطلق حاصل ہوئے بغیر جو نہایت سلوک پر متحقق ہے متصور نہیں ہے۔

(مکتوب ۲۸۷ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ وہ مجذوب جنہوں نے ابھی سلوک کو تمام نہیں کیا اگرچہ قوی جذب رکھتے ہوں اور خواہ کسی راہ سے مجذوب ہوں ارباب قلوب کے گروہ میں داخل ہیں کیونکہ سلوک اور تزکیہ نفس کے بغیر مقام قلب سے نہیں گزر سکتے اور مقلب القلوب تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان کا انجذاب قلبی ہے اور ان کی محبت عرضی ہے نہ ذاتی اور غرضی ہے نہ اصلی کیونکہ اس مقام میں نفس روح کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ظلمت نور کے ساتھ خلط ملط ہوتی ہے۔ جب تک روح مطلوب کی طرف توجہ کرنے کے لیے نفس سے مجرد آزاد نہ ہو جائے اور نفس روح سے جدا ہو کر مقام بندگی میں نہ اتر آئے تب تک مقام قلب کی تنگی سے پورے طور پر نہیں نکل سکتے اور قلب کے پھیرنے والے خدائے تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔

علم حصولی اور علم حضوری: (مکتوب ۳۰۶ دفتر اول) میں کہتا ہوں کہ وہ علم جس کا اشیاء کے ساتھ تعلق ہے علم حصولی کی قسم سے ہے اور وہ علم جس کا تعلق حق تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ ہے علم حضوری کے مشابہ ہے پس ہر دو علوم ایک وقت میں جمع ہو جائیں گے اور کوئی محذور و محال لازم نہیں آئے گا۔ محال اس وقت لازم آتا ہے جب کہ دونوں علوم حصولی ہوں اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ علم حصولی کی قسم سے ہے اور حضوری کے مشابہ ہے وہ اس واسطے کہا ہے کہ وہاں نہ تو حصول کی حقیقت ہے اور نہ ہی حضوری کی گنجائش۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا علم جو اشیاء کے ساتھ تعلق رکھتا ہے حصولی نہیں ہے کیونکہ حوادث کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں حلول و حصول نہیں ہے اور اس عارف کا علم اس علم کا ایک پرتو ہے اور اس علم کو بھی جس کا تعلق حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے حضوری نہیں کہہ سکتے کیونکہ حق تعالیٰ بندے سے اس کا اپنے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ علم حضوری کو اس علم کے ساتھ وہی نسبت ہے جو علم حصولی کو علم حضوری کے ساتھ ہے۔ یہ معرفت عقل و فکر کے طور سے باہر ہے۔

(مکتوب ۴۸ دفتر سوم) معلوم درحقیقت وہ ہے جو ذہن میں موجود ہو اور جب ذہن میں صورت موجود ہے تو وہی صورت ہوگی۔ جب صورت کو شے کے ساتھ تغائر کی نسبت پیدا ہو گئی تو صورت کا علم نفس شے کے علم کو مستلزم نہ ہوگا۔ وہ علم حضوری ہی ہے جہاں نفس شے مدرکہ میں حاضر ہے اور کوئی ظل و صورت درمیان میں خلل انداز نہیں پس اس علم میں معلوم نفس شے ہوگی نہ اس شے کی صورتوں میں سے کوئی صورت پس علم حضوری اشرف ہے بلکہ علم ہی یہی ہے۔ علم حضوری کے سوا جو علم حصولی ہے وہ سراسر جہل ہے جو علم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ یہ جہل مرکب ہے کہ اپنے جہل کو علم جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کچھ نہیں

جانتے - پس علم حصولی کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی طرف کوئی راہ نہیں اور اس علم کے ساتھ حق تعالیٰ کی ذات وصفات معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ یہ علم درحقیقت معلوم کی صورت کا علم ہے نہ نفس معلوم کا علم۔ جاننا چاہیے کہ علم حضوری میں علم ومعلوم کا اتحاد ہے اس علم کا عالم سے دور ہونا جائز نہیں کیونکہ معلوم اس کا اپنا نفس ہے جو اس سے الگ نہیں ہے۔ یہ علم حضوری جس کا تعلق واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اس رویت کی طرح ہے جو واجب تعالیٰ کی نسبت ثابت کرتے ہیں جہاں صرف انکشاف ہے اور ادراک مفقود۔ یہاں بھی یعنی اس علم حضوری میں انکشاف ہے اور ادراک مفقود ہے۔ جب رویت حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق حاصل کرتی ہے تو علم کیوں تعلق پیدا نہ کرے۔

(مکتوب ۴۹ دفتر سوم) علم حصولی آفاق کی نسبت ہوتا ہے اور علم حضوری انفس کی نسبت اور وہ علم حضوری جو پہلے انفس سے تعلق رکھتا تھا اس اقربیت سے تعلق پیدا کر لیتا ہے ---- جب حق تعالیٰ کی اقربیت کا معاملہ عارف تام المعرفت پر ظاہر ہوتا ہے اور اس بلند مقام پر ترقی کرتا ہے تو یہ انفس اس کے حق میں آفاق کا حکم پیدا کرتا ہے اور اس کا علم حضوری علم حصولی سے بدل جاتا ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی اقربیت انفس کا حکم پیدا کر لیتی ہے ---- کیونکہ یہ معاملہ توحید شہودی کا ہے اور مقامات قرب سے تعلق رکھتا ہے جن کی نہایت اتحاد تک ہی ہے۔ اقربیت اور چیز ہے اور اس کا معاملہ بھی اور ہی ہے۔

کفر حقیقی اور اسلام حقیقی

اسلام۔ (مکتوب ۴۹ دفتر سوم) وہ اسلام جو کفر طریقت سے پہلے ہے عام مسلمانوں کا اسلام ہے اور وہ اسلام جو کفر طریقت کے بعد ہے اخص الخواص کا اسلام ہے۔

کفر حقیقی اور اسلام حقیقی: (مکتوب ۹۵ دفتر دوم) جس طرح شریعت میں کفر واسلام ہے۔ طریقت میں بھی کفر واسلام ہے۔ طریقت میں بھی کفر سراسر نقص ہے اور اسلام سراسر کمال ہے۔ کفر طریقت مقام جمع سے مراد ہے جو پوشیدہ ہونے کا محل ہے۔ اس مقام میں حق وباطل کی تمیز مفقود ہوتی ہے کیونکہ اس مقام میں سالک کا مشہود اچھے اور برے آئینوں میں وحدت محبوب کا جمال ہوتا ہے۔ پس خیر وشر اور نقص وکمال کو اس وحدت کے ظلال اور مظاہر کے سوا نہیں پاتا اس لیے انکار کی نظر جو تمیز سے پیدا ہوتی ہے اس کے حق میں معدوم ہے۔ جس کے باعث سب کے ساتھ مقام صلح میں ہے اور سب کو راہ راست پر معلوم کرتا ہے۔ کبھی مظہر کو عین جان کر ظلق کو عین خیال کرتا ہے اور مربوب کو عین رب جانتا ہے۔

اس قسم کے سب پھول مرتبہ جمع ہی سے کھلتے ہیں یہ کفر طریقت شریعت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے لیکن شریعت کا کافر مردود اور عذاب کا مستحق ہے اور کافر طریقت مقبول اور اعلیٰ درجات کے لائق ہے کیونکہ یہ کفر واستتار محبوب حقیقی کے غلبہ محبت سے پیدا ہوا ہے جس کے باعث محبوب حقیقی کے سواسب کچھ فراموش ہو جاتا ہے اس لیے مقبول ہے اور وہ کفر (کفر شریعت) چونکہ تمرد و سرکش اور جہل کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے اس لیے مردود ہے اور اسلام طریقت مقامِ فرق اور الجمع سے مراد ہے جو تمیز کا مقام ہے جہاں حق باطل سے اور خیر شر سے متمیز ہے اس اسلام طریقت کو اسلام شریعت کے ساتھ بڑی مناسبت ہے۔ جب اسلام شریعت کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اس اسلام طریقت کے ساتھ اتحاد کی نسبت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ ہر دو اسلامِ شریعت ہیں انکے درمیان فرق صرف ظاہر شریعت اور باطن شریعت اور صورت شریعت اور حقیقت شریعت کا ہے۔ کفر طریقت کا مرتبہ صورت شریعت کے اسلام سے بلند تر ہے۔ گرچہ حقیقت شریعت کے اسلام کی نسبت کم تر ہے مشائخ قدس اسرارہم سے جنہوں نے شطحیات نکالی ہیں اور مخالف شریعت باتیں کہی ہیں سب کفر طریقت کے مقام میں رہے ہیں جو سکر و بے تمیزی کا مقام ہے لیکن وہ بزرگ جو حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں اس قسم کی باتوں سے پاک وصاف ہیں اور ظاہر و باطن میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی اقتدا کرتے ہیں اور ان ہی کے رہتے ہیں۔ پس جو شطحیات کرتا ہے اور سب کے ساتھ صلح رکھتا ہے اور سب کو راہ راست پر خیال کرتا ہے اور حق وخلق کے درمیان تمیز نہیں کرتا وہ دوئی کے مقام کا قائل نہیں ہوتا۔ اگر ایسا شخص مقام جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفر طریقت سے متحقق ہو چکا ہے اور ماسوا کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو وہ مقبول ہے اور اس کی باتیں جو سکر سے پیدا ہیں ظاہر کی طرف سے معروف ہیں اگر وہ شخص اس حال کے حاصل ہونے اور درجہ کمال اول تک پہنچنے کے بغیر اس قسم کی کلام کرتا ہے اور سب کو حق اور صراط مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا تو ایسا شخص زندیق اور ملحد ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ شریعت باطل ہو جائے ---- اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔

بہت مسلمان ارباب سکر کی باتوں کی تقلید کر کے راہ راست سے ہٹ کر گمراہی اور خسارے میں جا پڑے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتوں کا قبول ہونا چند شرائط پر مشروط ہے۔ جو ارباب سکر میں موجود ہیں اور ان میں مفقود۔ ان شرائط میں سے اعلیٰ شرط ماسوی اللہ کا نسیان ہے جو اس قبولیت کی دہلیز ہے۔ سچے اور جھوٹے کے درمیان شریعت کی استقامت اور عدم استقامت سے فرق ظاہر ہوسکتا ہے یعنی جو سچا ہے وہ باوجود سکر ومستی اور بے تمیزی کے ایک بال بھر بھی شریعت کے

برخلاف نہیں کرتا منصور باوجود قول انا الحق کے قید خانے میں زنجیروں کے ساتھ جکڑا ہوا ہر رات پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا اور وہ کھانا جو اس کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ وہ حلال سے ہوتا نہ کھاتا تھا اور جو شخص جھوٹا ہے اس پر احکام شریعہ کا بجالانا کوہ قاف کی طرح بھاری ہوتا ہے۔

کفر طریقت: (مکتوب ۴۳ دفتر سوم) جو کچھ شیخ (شرف الدین یحییٰ منیری) نے کہا ہے درست ہے کہ جب تک کفر طریقت سے متحقق نہ ہوں اسلام حقیقی سے مشرف نہیں ہوتے اور یہ جو شیخ نے فرمایا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو نہ مارے تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ مراد بھائی سے ہم زاد شیطان ہے جو انسان کا ساتھی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی بنی آدم نہیں جس کا ساتھی ایک جن نہ ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کا ساتھی جن ہے؟ فرمایا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے اس پر طاقت دی ہے اور میرا ساتھی مسلمان ہو گیا ہے۔

ماسویٰ حق کا مفہوم۔۔۔فنا و بقا کی حقیقت

ماسویٰ حق: (مکتوب ۵۳ دفتر سوم) فنا ماسوا حق کے نسیان سے مراد ہے اور ماسویٰ دو قسم پر ہے۔ ایک آفاقی دوسرے انفس کا آفاق کا نسیان یہ ہے کہ علم حصولی نہ رہے اور انفس کا نسیان یہ ہے کہ انفس کا علم حضوری زائل ہو جائے کیونکہ علم حصولی آفاق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور علم حضوری انفس کے ساتھ اشیاء کے علم حصولی کا مطلق طور پر زائل ہونا بھی اگرچہ مشکل ہے کیونکہ اولیاء کا نصیب ہے لیکن علم حضوری کا مطلق طور پر دور ہونا بہت مشکل ہے اور اولیاء میں سے کاملین کا حصہ ہے پس ان کے نزدیک علم حضوری کا ایک لمحہ کے لیے بھی زائل ہونا جائز نہیں تو پھر اس علم کا مطلق طور پر اس طرح زائل ہونا کہ پھر اعادہ نہ کرے کس طرح جائز ہوگا۔ پہلا نسیان جو علم حصولی کی نسبت ہے فنائے قلب سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا نسیان جو علم حضوری کی نسبت ہے یہ فنائے نفس کا مستلزم ہے جو اتم و اکمل ہے۔ فنا کی حقیقت اسی مقام میں ہے اور پہلی فنا اس فنا کی صورت کی طرح اور اس کے ظل کی مانند ہے کیونکہ علم حصولی درحقیقت علم حضوری کا ظل ہے اس لیے علم حضوری کی فنا۔ علم حضوری کی فنا کی ظل ہوگی۔ اس فنا کے حاصل ہونے سے نفس مقام اطمینان میں آجاتا ہے اور حق تعالیٰ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے۔

قلب کے ماسویٰ کے نسیان کی علامت یہ ہے کہ قلب میں ماسویٰ کا گزر نہ رہے یہاں تک کہ اگر قلب کو تکلف کے ساتھ ماسوا یاد دلائیں تو بھی اس کو یاد نہ آئے بلکہ اس کو قبول نہ کرے اور نفس عالم کے علم

حضوری کے زائل ہونے کی علامت یہ ہے کہ بالکل ختم ہو جائے اور اس کا کوئی عین واثر نہ رہے تاکہ اس سے علم ومعلوم کا زائل ہونا متصور ہو کیونکہ علم ومعلوم اس مقام میں نفس عالم ہی ہے۔ جب تک نفس عالم زائل نہ ہو علم ومعلوم ختم نہیں ہوتے۔ پہلی فنا فنائے آفاق ہے اور دوسری فنا فنائے انفس جو فنا کی حقیقت ہے۔

(مکتوب ۵۲ دفتر سوم) اولیا کے عروج سے بدنوں کے ساتھ اس کا قرب زیادہ نہیں ہوتا اور اصفیا کے وصول سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال حاصل نہیں ہوتا۔ فنا اور بقا عارفوں کے احول ہیں جو معقولیوں کی سمجھ سے برتر ہیں فنا اور بقا صفات باطنی میں سے ہیں ظاہر کو ان سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ ظاہر ہمیشہ اپنے احکام پر رہتا ہے اور باطن کبھی ان احکام سے خالی ہو جاتا ہے اور کبھی ان کے ساتھ متلبس ہو جاتا ہے۔۔۔ وہ لطیفہ جو فنا و بقا کے ساتھ متحقق ہوتا ہے لطیفہ نفس ہے جو اصل میں انسان کی حقیقت ہے اور جس کی طرف قول انا کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے۔ یہی نفس پہلے امارہ ہوتا ہے پھر مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ یہی پہلے خدائے تعالیٰ کی دشمنی پر قائم ہوتا ہے اور یہی آخر کار راضیہ مرضیہ بن جاتا ہے۔ یہی تمام بروں میں برا ہے اور یہی تمام نیکیوں میں سے نیک ہے اس کا شر ابلیس کے شر سے بڑھ کر ہے اور اس کا خیر تمام تسبیح و تقدیس کرنے والوں یعنی فرشتوں کے خیر سے برتر ہے۔۔۔ فنا زوال وجودی اور بقا کے معنی امکانیت کے باقی رہنے کے باوجود ظل و کُن کے ہیں یعنی صفات بشریت سے نکلنا اور صفات الٰہی سے موصوف ہونا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فنا و بقا قادر مختار جل شانہ کی طرف اعدام اور ایجاد ہے۔ گویا یہ بزرگوار صفات رذیلہ کے زائل ہونے اور اخلاق حمیدہ کے حاصل ہونے کے باعث مجاز اور تشبیہ کے طور پر بقا باللہ کہتے ہیں۔ ممکن میں امکان کے باقی رہنے سے مراد یہ نہیں کہ ممکن کا اثر اور اس کا ثبوت مراتب ثبوت کے کسی مرتبہ میں باقی رہتا ہے کیونکہ یہ امر فنائے اتم کے منافی ہے اور اس فنا کا فانی امانتوں کو امانت والوں کے حوالے کر کے اور وجود اور اس کے توابع یعنی صفات کاملہ اور نعوت فاضلہ کے ظلال کو ان کے اصل کی طرف واپس دے کر محض عدم کے ساتھ جو اپنی عدمیت میں کامل ہے اس طرح مل جاتا ہے کہ اس میں کسی شے کی طرف اضافت و نسبت نہیں پائی جاتی اور نہ ہی اس کا کوئی نام و نشان باقی رہتا ہے۔

مرتبہ فنا: (مکتوب ۲۱ دفتر اول) جان لو جب تک وہ موت جو موت معروف کے پہلے ہے اور اہل اللہ اس کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں ثابت نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کی جناب میں پہنچنا محال ہے بلکہ آفاقی جھوٹے معبودوں اور انفس ہوائی خداؤں کی پرستش سے نجات نہیں مل سکتی۔ اس کے سوا نہ تو اسلام کی حقیت کا پتہ لگتا ہے اور نہ ہی کمال ایمان میسر ہوتا ہے۔ بھلا پھر خدا کے بندوں کے گروہ میں کس طرح داخل ہو سکتے

ہیں اور اوتاد کے درجے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں حالانکہ یہ فنا پہلا قدم ہے جو درجات ولایت میں رکھا جاتا ہے اور بڑا بھاری کمال ہے جو ابتداء میں حاصل ہو جاتا ہے۔ پس یہی بہتر ہے کہ اس ولایت کے اول سے آخر کا حال اور اس کی ابتداء سے اس کی انتہا کا درجہ قیاس کیا جائے۔

(مکتوب ۷۷ دفتر اول) اس دولت (ولایت) کا حاصل ہونا فنائے مطلق سے وابستہ ہے اور یہ توجہ محبت ذاتیہ کا نتیجہ اور ولایت کا خاصہ محمد ﷺ کے ظہور کا مقدمہ ہے اور اس بڑی نعمت کا حاصل ہونا آنحضرت ﷺ کی کمال تابعداری پر موقوف ہے کیونکہ ہر نبی کی شریعت جو از راہ نبوت اس کو عطا فرمائیں اس کی ولایت کے مناسب ہے۔

(مکتوب ۸۳ دفتر اول) جو کچھ ہم پر اور تم لازم ہے حق تعالیٰ کے غیر سے دل کو سلامت رکھنا ہے اور یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ ماسوائے اللہ کا دل پر عبور نہ رہے اور ماسوائے اللہ کا دل پر نہ گزرنا ماسوئی اللہ کے نسیان سے وابستہ ہے جس کی تعبیر اس گروہ کے نزدیک فنا سے کی گئی ہے۔

(مکتوب ۹۷ دفتر اول) ابراہیم بن شیبانؒ جو مشائخ طریقت قدس سرہم میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ فنا و بقا کا علم وحدانیت کے اخلاص اور عبودیت کی صحت کے گرد پھرتا ہے اور اس کے سوائے مغالطہ اور زندقہ ہے اور بے شک سچ فرماتے ہیں اور یہ کلام ان کی استقامت کی خبر دیتا ہے۔ فنا فی اللہ خدائے تعالیٰ کی مرضیات میں فانی ہونے سے مراد ہے اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ وغیرہ اسی قیاس پر ہیں۔

(مکتوب ۱۰۹ دفتر اول) دل کے گرفتار نہ ہونے کی علامت یہی ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر بھول جائے او تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئیں پس اشیاء کی گرفتاری کی اس مقام میں کیا مجال ہے۔ اسی حالت کو اہل اللہ فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور اس راہ میں یہ پہلا قدم ہے۔

(مکتوب ۱۵۳ دفتر اول) غیروں کی غلامی سے پوری پوری خلاصی و آزادی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب فنائے مطلق سے مشرف ہوں اور ماسوائے اللہ کے نقوش بالکل دل کے آئینے سے مٹ جائیں اور اس کے ساتھ کسی چیز کا حبی و علمی تعلق نہ رہے اور حق تعالیٰ کے سوا اس کا کچھ مقصود باقی نہ رہے۔

(مکتوب ۳۰۶ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ فنا جو ماسوائے حق کی نسیان سے مراد ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ ماسوائے حق کی محبت کی گرفتاری دور ہو جائے لیکن قرب نبوت کے مدارج میں اشیاء کی گرفتاری اور محبت دور کرنے کے لیے اشیاء کا نسیان درکار نہیں کیونکہ قرب نبوت میں اصل کی گرفتاری جو فی حد ذاتہٖ حسین و جمیل ہے اشیاء کی گرفتاری کا جو فی نفسہٖ قبیح اور غیر مستحسن ہے نام و نشان نہیں رہنے دیتی خواہ اشیاء فراموش

ہوں یا نہ ہوں کیونکہ اشیاء کے علم نے اشیاء کی گرفتاری کے باعث جو حق تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف سے روگردانی کا موجب ہے۔ ذم کی وصف حاصل کر لی ہے۔ جب اشیاء کی گرفتاری زائل ہوگئی اشیاء کا علم مذموم نہ ہوگا اور کس طرح مذموم ہو جب کہ اشیاء سب کے سب حق تعالیٰ کی معلوم ہیں اور ان سب کا علم صفات کاملہ میں سے ہے۔ اگر کہیں کہ جب ماسویٰ اللہ کا علم زائل نہیں ہوتا تو پھر حق تعالیٰ کا علم اور ماسوائے حق کا علم ایک وقت میں کس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔ پس ماسویٰ اللہ کا نسیان ضروری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ علم جس کا اشیاء کے ساتھ تعلق ہے علم حصولی کی قسم سے ہے اور وہ جس کا تعلق حق تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ ہے علم حضوری کے مشابہ ہے اشیاء کا علم حق تعالیٰ کے علم کے منافی نہیں ہے پس اشیاء کا نسیان کچھ ضروری نہیں ہے برخلاف طریق ولایت کے وہاں اشیاء کی گرفتاری کا زائل ہونا اشیاء کے نسیان کے سوا متصور نہیں کیونکہ ولایت میں ظلال کے ساتھ گرفتاری ہوتی ہے اور ظلال کی گرفتاری میں اس قدر قوت نہیں ہے کہ اشیاء کے علم کے باوجود اشیاء کی گرفتاری کو زائل کرے تا کہ گرفتاری زائل ہو جائے۔ یہ وہ معرفت ہے جو اس درویش کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی نے اس کی نسبت کوئی کلام نہیں کی۔

(مکتوب ۷۸ دفتر دوم) جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے یہ محبت (اللہ اور اس کے دوستوں سے محبت) یہاں تک کہ غالب آ جائے کہ دل دوسروں کی محبت اور تعلقات کو دور کر دے اور لوازم محبت یعنی محبوب کی اطاعت اور اس کی مراد پر قائم رہنا اور اس کے اخلاق و اوصاف سے متخلق ہونا ظاہر ہو جائے تو اس وقت محبوب میں فنا حاصل ہو جاتی ہے جس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں جو اس رہ میں پہلا زینہ ہے۔ یہی فنافی الشیخ پھر فنافی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے جس پر بقاباللہ مترتب ہے جس سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔ غرض ابتداء میں کسی کے وسیلے کے بغیر محبوب حقیقی کا جذب وانجذاب میسر ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت ہے۔ اسی سے فنا و بقا حاصل ہوتی ہے ورنہ شیخ کامل و مکمل کا وسیلہ ضروری ہے یعنی اپنی مرادوں کو اس کی مراد کے تابع کر دے اور اس میں فانی ہو جائے تا کہ یہ فنا فنافی اللہ کا وسیلہ بن جائے اور ماسوا کے تعلقات سے بالکل آزاد کر کے درجہ ولایت تک پہنچا دے۔

(مکتوب ۹۹ دفتر دوم) فنا و بقا شہودی ہے وجودی نہیں ہے۔ کیونکہ بندہ ناچیز نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں ہوتا۔ بندہ بندہ اور خدا خدا ہے۔ وہ زندیق ہیں جو فنا و بقا کو وجودی تصور کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بندہ اپنے وجودی تعینات کو رفع کر کے اپنے اصل کے ساتھ جو تعینات و قیود سے منزہ

ہے متحد ہو جاتا ہے اور اپنے آپ سے فانی ہو کر اپنے رب کے ساتھ بقا حاصل کر لیتا ہے جیسے کہ قطرہ اپنے آپ سے فانی ہو کر دریا سے مل جاتا ہے اور اپنی قید کو رفع کر کے مطلق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔

فنا کی حقیقت یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ بھول جائے اور حق تعالیٰ کے سوا غیر کی گرفتاری اور تعلق دور ہو جائے اور سینہ اور دل کا میدان اپنی تمام مرادوں اور خواہشات سے پاک وصاف ہو جائے۔ مقام بندگی کے مناسب ہے اور بقا یہ ہے کہ انفسی آیات کے مشاہدہ کے بعد بندہ اپنے مولیٰ جلشانہ کی مرادوں پر قائم رہے اور حق تعالیٰ کی مرادوں کو عین اپنی مرادیں معلوم کرے۔

(مکتوب ۳۲ دفتر سوم) فنا سے مراد یہ ہے کہ باطن سے ماسویٰ اللہ کا نسیان ہو جائے۔ وصل ومشاہدہ سے مراد صوری وصل ومشاہدہ ہے جو عین مفارقت اور دوری ہے کیونکہ وہ وصل جو اس طائفہ علیہ کے میسر ہوتا ہے۔ خطرے کا ہونا اس دولت کے منافی ہے اور وسوسہ کا حاصل ہونا اس مرتبہ کا مانع ہے وہ مقام فنا میں جو اس کی دہلیز ہے خطرہ اس طرح دور ہو جاتا ہے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی یاد دلائیں تو اس نسیان کے باعث جو اس کو ماسویٰ سے حاصل ہو چکا ہے ہرگز اشیاء اس کو یاد نہ آئیں۔

(مکتوب ۱۰۹ دفتر سوم) فنا سے مقصود یہ ہے کہ ظل کی گرفتاری دور ہو جائے اور اصل کی گرفتاری حاصل ہو جائے۔ جب ظل کا اصل کی طرف رجوع کرنا یقینی۔ ذوقی اور وجدانی ہو جاتا ہے تو ظل کی گرفتاری زائل ہو جاتی ہے۔

(مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) وہ فنا جو ولایت میں معتبر ہے وہ شعور اور شہود کے اعتبار سے ہے جو ماسوائے حق کے نسیان سے مراد ہے نہ کہ ماسویٰ کے ارتفاع سے حاصل کلام یہ کہ اس فنا کا صاحب سکر کے غلبوں میں اشیاء کے عدم شعور کو عدم اشیاء خیال کرتا ہے اور اس کو ماسویٰ کا رفع ہونا سمجھتا ہے اور اس سے تسلی پاتا ہے اور اگر افضل سے اس کو ترقی دے کر صحو کی دولت سے مشرف فرمائیں اور صاحب تمیز کر دیں تو جان لیتا ہے کہ وہ فنا اشیاء کا نسیان تھا نہ اشیاء کا معدوم ہونا اور اس نسیان سے اگر زائل ہوئی ہے تو اشیاء کی گرفتاری ہی زائل ہوئی ہے۔ ثابت و برقرار اور مذموم تھی نہ کہ نفس اشیاء کیونکہ اشیاء اپنی اس صرافت پر قائم اور موجود ہیں اور اس کی نفی اور معدوم کرنے سے منتفی نہیں ہو سکتیں۔

(مکتوب ۵۷ دفتر سوم) اور حق تعالیٰ کے ماسوا جس کو علام کہتے ہیں یعنی عناصر وافلاک وعقول ونفوس اور بسائط ومرکبات۔۔۔ حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ قدم ذاتی وزمانی اس کی جناب پاک کے لیے ثابت ہے اور حدوث ذاتی وزمانی حق تعالیٰ کے ماسوا کے لیے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ نے جس طرح زمین کو دو روز میں پیدا کیا اسی طرح آسمانوں کو اور ستاروں کو زمین

کے پیدا کرنے کے بعد دو روز میں عدم سے وجود میں لایا ہے۔

معرفت الٰہی

(مکتوب ۱۲۲- دفتر سوم) معرفت کا وجوب اس معنی سے ہے کہ ذات وصفات کی معرفت میں جو کچھ شریعت نے فرمایا ہے اس کا پہچاننا واجب ہے اور جو معرفت شریعت کے بغیر حاصل ہوتی ہے اس کو خدا کی معرفت کہنا دلیری ہے اور ظن وتخمین سے حق پر حکم کرنا ہے۔ حق تعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ان تمام چیزوں کے ساتھ جن کو شریعت نے بیان کیا ہے یعنی کمالات تنزیہات وتقدیسات کے ساتھ پہچانا جائے کیونکہ ان کے سوا معرفت کی کوئی ایسی چیز نہیں جو حق معرفت کی مانع ہو۔۔۔معرفت کا حق یہ ہے کہ ان معارف شرعیہ سے عارف کو معرفت سے عجز لاحق ہو مثلاً شریعت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ کے لیے علم کی صفت ثابت ہے اور وہ علم بھی ذات واجب تعالیٰ کی طرح بے چون اور بے چگون ہے اور ہمارے ادراک واحاطہ سے باہر ہے۔ اگر اس علم کو سالک اپنے علم کے قیاس پر پہچانے تو یہ اس کی پہچان نہیں یہ اپنے بنائے اور گھڑے ہوئے کی پہچان ہے نہ کہ حق تعالیٰ کے علم کی معرفت جو حق تعالیٰ کے کمال کی صفت ہے۔ پس اس صورت میں جب نفس معرفت حاصل نہیں تو حق معرفت کب حاصل ہوگا۔ اور اگر اس کا معاملہ قیاس وتخمین سے عاجزی میں آجائے اور وجدان وحال سے معلوم کرے کہ نہیں پہچان سکتا اور جان لے کہ اس صفت کمال کے ثبوت پر ایمان لانے کے سوا کچھ حاصل نہیں تو اس وقت معرفت بھی حاصل ہوگی اور حق معرفت بھی پس اصل معرفت در حقیقت یہی حق معرفت ہے اور وہ جو حق معرفت نہیں اصل معرفت بھی نہیں پس جب عوام کو حق معرفت میں خواص کے ساتھ شرکت نہ ہوئی تو پھر مساوات کی کیا گنجائش ہے۔ معرفت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ وہ معرفت جو عین حق معرفت ہے معرفت کی حقیقت ہے۔ جو معرفت سے عجز وابستہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس عجز کی حد تک نہ پہنچے اور صفات امکان کے قیاس کی آمیزش سے خالی نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہے کہ معرفت کی صورت کو بھی نفس ایمان میں اعتبار کیا ہے اور نجات کو اس سے وابستہ کیا ہے جیسے کہ ایمان کی صورت کو بھی معتبر رکھا ہے اور جنت میں داخل ہونا اس پر مترتب کیا ہے۔ صورت ایمان میں صورت معرفت کافی ہے اور حقیقت ایمان میں حقیقت معرفت سے چارہ نہیں جو عوام کا حصہ ہے وہ صورت ہے جو خواص کو عطا ہوا ہے وہ حقیقت ہے۔

معرفت سے عجز: (مکتوب ۷۷ دفتر سوم) پاک ہے وہ ذات جس نے معرفت سے عاجز ہونے

کے سوا مخلوق کے لیے اپنی طرف کوئی راستہ نہیں بنایا-معرفت سے عاجز ہونا اولیائے بزرگ کا حصہ ہے-
عدم معرفت اور ہے اور عجز از معرفت اور، عدم معرفت جہل ہے اور عجز از معرفت علم بلکہ عجز دو علوم کو متضمن ہے- ایک شے کا علم دوسرے اس شے کی کمال عظمت و کبریا کے باعث اس شے کی کنہ اور حقیقت کو نہ پانے کا علم- عدم معرفت جو کہ سراسر جہل ہے- بسا اوقات جہل مرکب کا مرض پیدا ہو جاتا ہے یعنی اپنے جہل کو جہل نہیں جانتا بلکہ علم خیال کرتا ہے کیونکہ عجز از معرفت میں اس مرض سے پوری پوری نجات حاصل ہوتی ہے بلکہ اس مرض کی وہاں گنجائش ہی نہیں رہتی کیونکہ اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے- اگر عدم معرفت اور عجز از معرفت دونوں یکساں ہوتے تو تمام نادان عارف ہوتے اور ان کا جہل ان کے کمال کا باعث ہوتا بلکہ جو کوئی زیادہ جاہل ہوتا زیادہ عارف ہوتا کیونکہ معرفت وہاں معرفت کا نہ پانا ہے اور عجز از معرفت میں یہ معاملہ صادق اور سچا ہے کیونکہ جو کوئی معرفت سے زیادہ عاجز ہوگا معارف میں اتنا ہی زیادہ عارف ہوگا--- عجز مقام اصل سے تعلق رکھتا ہے- سبحان اللہ- اس قول کے قائل حضرت صدیق اکبرؓ ہیں اور وہی اس عجز کے ظہور کے مصدر ہیں جو تمام عارفوں کے سردار اور تمام صدیقوں کے رئیس ہیں- علم کیا ہے جو اس عجز سے سبقت لے جاسکے اور وہ کونسا قادر اور زور آور ہے جو اس عاجز یعنی حضرت صدیق اکبرؓ سے آگے ہو سکے-

معرفت اور ایمان حقیقی میں فرق: (مکتوب ۹۱ دفتر سوم) معرفت اور ہے اور ایمان اور کیونکہ معرفت کے معنی پہچاننے کے ہیں اور ایمان کے معنی گرویدہ ہونا- یقین کرنا' شناخت اور پہچان ہو سکتی ہے لیکن یقین نہیں ہو سکتا- معرفت بھی ایمان کی طرح دو قسم پر ہے- ایک معرفت کی صورت ہے جس طرح کہ ایمان کی صورت ہے- دوسرے معرفت کی حقیقت ہے جیسے کہ ایمان کی حقیقت ہے- ایمان کی صورت وہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور رحمت سے شریعت میں آخرت کی نجات کے لیے کفایت فرمائی ہے اور وہ نفس امارہ کے انکار اور سرکشی کے باوجود قلب کا گرویدہ ہونا ہے- اسی طرح معرفت کی صورت بھی نفس امارہ کی جہالت کے باوجود اسی لطیفہ پر موقوف ہے لیکن معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ نفس امارہ اپنی جبلی اور پیدائشی جہالت چھوڑ کر شناسائی پیدا کرے اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ نفس امارہ اپنی طبعی پیدائش امارگی اور سرکشی کو چھوڑ کر مطمئنہ ہو جائے اور شناسائی حاصل کر کے گرویدہ ہو جائے-

حق تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں: (مکتوب ۹۲ دفتر سوم) سوال- بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور اس کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؒ سے

منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک آیت کو بار بار پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سن لیا اور رسالہ غوثیہ میں جو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف منسوب ہے اس طرح مفہوم ہوتا ہے۔
جواب: وہ معنی متلقی جو روحانیت کے طور پر اخذ کیے جاتے ہیں دوبارہ عالم خیال میں جو انسان میں عالم مثال کی تصویر ہے حروف وکلمات مترتبہ صورت میں مشتمل ہوتے ہیں اور وہ تلقی سماع وکلام لفظی کی صورت میں مرتسم ومنتقش ہو جاتا ہے کیونکہ اس عالم میں ہر ایک معنی کی ایک صورت ہے اگرچہ وہ معنی بے چون ہیں لیکن وہاں چون کا ارتسام اور انتقاش چون کی صورت پر ہے جس پر فہم وافہام وابستہ ہے جو اس اور تمام انتقاش کا اصلی مقصود ہے جب سالک متوسط اپنے آپ میں حروف وکلمات مترتبہ پاتا ہے اور کلام لفظی وسماع محسوس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف وکلمات کو اصل سے سنا ہے اور بلا تفاوت وہاں سے اخذ کیا ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ حروف وکلمات اس معنی متلقی کی خیالی صورتیں ہیں۔ لفظی سماع و کلام بے چونی سماع وکلام کی تصویر ہے۔ عارف تام المعرفت ہونا چاہیے تاکہ ہر مرتبہ کے حکم کو جدا کر دے پس ان بزرگواروں کا سماع وکلام جو مرتبہ بے چونی سے وابستہ ہے تلقی اور القاء روحانی کی قسم سے ہے۔

حیا۔ تواضع اور غصہ

(مکتوب ۹۸ دفتر اول) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ رفیق اور نرمی کو دوست رکھتا ہے اور نرمی پر وہ کچھ دیتا ہے جو سختی اور اس کے سوا اور چیز پر نہیں دیتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نرمی کو لازم پکڑو اور درشت خوئی اور بکواس سے بچو کیونکہ نرمی جس چیز میں ہو اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے نکل جائے اس کو عیب دار کر دیتی ہے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس کو نرمی کا کچھ حصہ دیا گیا اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی کا حصہ مل گیا۔

حدیث پاک میں ہے کہ حیا ایمان سے ہے اور اہل ایمان جنت میں ہے اور بکواس جفا سے ہے اور جفا دوزخ میں ہے اور اللہ تعالیٰ بے حیا بکواسی کو دشمن جانتا ہے۔ کیا میں نہ بتاؤں کہ دوزخ کی آگ کس پر حرام ہے۔ ہر ایک نرم خو۔ متواضع اور قریب سہل پر مومن سب سے نرم اور تواضع کرنے والے ہیں۔ ناک میں مہار ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح۔ اگر اس کو ہانکا جائے تو چل پڑے اور اگر اس کو پتھر پر بٹھائیں تو بیٹھ جائے۔

جس نے غصہ کو پی لیا حالانکہ وہ اس کو جاری کرنے پر قابو رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو سب خلقت کے سامنے بلائے گا تاکہ اس کو اختیار دے کہ جس حور کو چاہتا ہے پسند کرے (حدیث شریف

میں ہے) ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ آپ مجھے وصیت کریں۔ حضور نے فرمایا غصہ مت کر۔ اس نے پھر عرض کیا پھر بھی آپ نے فرمایا کہ غصہ مت کیا کر۔

کیا میں تمہیں جنت کی نسبت خبر نہ دوں۔ وہ ضعیف اور عاجز ہے کہ اگر اللہ پر قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم کو سچا کر دے اور میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں۔ وہ سرکش اکڑنے والا متکبر ہے۔ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے۔ اگر وہ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے پس اگر اس کا غصہ دور ہو گیا تو بہتر ورنہ اسے چاہیے کہ لیٹ جائے کیونکہ غضب (غصہ) ایمان کو بگاڑ دیتا ہے جیسے مصبر شہد کو بگاڑ دیتا ہے۔

جس نے اللہ کے لیے تواضع کی اس کو اللہ بلند کرتا ہے پس وہ اپنے نفس میں حقیر اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہوتا ہے اور جس نے تکبر کیا اللہ اس کو پست کرتا ہے وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور اپنے نفس میں بڑا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور سور سے بھی زیادہ خفیف ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا رب! تیرے بندوں میں تیرے نزدیک زیادہ عزیز کون ہے؟ فرمایا وہ شخص جو باوجود قادر ہونے کے معاف کر دے (حدیث پاک میں ہے) جس نے اپنی زبان کو بند رکھا اللہ تعالیٰ اس کی شرمگاہ کو ڈھانپتا ہے اور جس نے غصہ کو روکا اللہ تعالیٰ قیامت کا عذاب اس سے روک لے گا اور جس نے عذر قبول کیا اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول کرے گا۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے وصیت کے لیے درخواست کی تو انہوں نے جواب میں فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ جو شخص لوگوں کے غصہ کے مقابلے میں اللہ کی رضامندی چاہے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی تکلیف سے بچائے رکھتا ہے اور جس شخص نے اللہ کی ناراضی کے مقابلے میں لوگوں کی رضامندی چاہی اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔

اللہ کے امر کی تعظیم کرنا اور خلق خدا پر شفقت کرنا آخرت کی نجات کے دو بڑے امکان ہیں۔

تواضع اور استغنا۔ (مکتوب ۶۸ دفتر اول) تواضع دولت مندوں سے اچھی ہے اور استغنا فقراء سے کیونکہ معالجہ ضد کے ساتھ ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی امت کے متقی لوگ تکلف سے بری ہیں لیکن متکبروں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔ آپ اس گروہ کو ذلیل و خوار نہ سمجھیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے۔ بہت سے پراگندہ حال درویش ہیں جن کو لوگ دروازہ بہ دروازہ ہانکتے ہیں لیکن اگر وہ اللہ پر قسم کھائیں تو اللہ اس کو پورا کر دے۔

درویشوں کی دنیوی احتیاج اوران کی محبت

(مکتوب ۱۷دفتر اول) اس امت کے فقراء دولت مندوں سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں جائیں گے۔

احتیاج -(مکتوب ۶۲ دفتر دوم) انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے۔تمدن اور بود و باش میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں--"اے نبی ﷺ تجھے اللہ اور تابعدار مومن کافی ہیں"
جب حضرت خیر البشر علیہ الصلوۃ والسلام کے ضروری امور کی کفایت میں مومنوں کو دخل دیا ہو تو پھر اوروں کی ضروریات میں کیا مضائقہ ہے۔--اکثر اس زمانے کے دولت مند لوگ درویشی اس بات کو جانتے ہیں کہ کسی کی حاجت نہ ہو- ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے- احتیاج انسان کیا بلکہ تمام ممکنات کا ذاتی خاصہ ہے اور یہی احتیاج انسان کی خوبی ہے اور ذلت و بزرگی اسی احتیاج سے پیدا ہوتی ہے بالفرض انسان سے احتیاج زائل ہو جائے اور استغنا پیدا ہو جائے تو سوائے طغیان و سرکشی اور عصیان و نافرمانی کے اس سے کچھ صادر نہ ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں--"انسان جب اپنے آپ میں استغنا پاتا ہے تو نافرمانی کرتا ہے"
حاصل کلام یہ ہے کہ وہ فقراء جو ماسویٰ کی گرفتاری سے آزاد ہیں اپنے اسباب کی احتیاج کو مسبب الاسباب کے حوالے کرتے ہیں اور عام پھیلی ہوئی دولت کو اس کی نعمتوں کے دستر خوان سے جانتے ہیں اور معطی اور مانع (نہ دینے والا) درحقیقت حق تعالیٰ کو تصور کرتے ہیں لیکن چونکہ حکمتوں اور مصلحتوں کے لیے اسباب کو پیدا کیا گیا ہے اور خوبی اور برائی اسباب ہی کی طرف منسوب کی گئی ہے اس لیے یہ بزرگوار بھی شکر و شکایت کو اسباب کی طرف راجع کرتے ہین اور نیک و بد کو بظاہر ان ہی سے جانتے ہیں کیونکہ اگر اسباب کو دخل نہ دیں تو کارخانہ عظیم باطل ہو جاتا ہے۔

فقراء کی محبت -(مکتوب ۴۷دفتر اول) فقراء کی محبت اور ان کی طرف توجہ سرمایہ آخرت ہے کیونکہ یہی لوگ اللہ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا اور رسول اللہ ﷺ فقرائے مہاجرین کے طفیل اللہ تعالیٰ سے فتح طلب کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے ان ہی کے حق میں فرمایا ہے"بہت سے ایسے پریشان حال ہیں جو دروازہ سے ہٹائے ہوئے ہیں اگر قسم کھائیں خدا کی تو البتہ پورا کر دے اس کو اللہ تعالیٰ"

دولت مندوں سے دوستی: (مکتوب ۱۹۸ دفتر اول) یہ مکتوب خان خاناں کی طرف تحریر فرمایا ہے:
فقیروں کو دولت مندوں کے ساتھ محبت پیدا کرنا اس زمانے میں بہت مشکل ہے کیونکہ اگر فقراء کچھ کہنے یا لکھنے میں تواضع اور حسن خلق جو فقراء کے لوازم میں سے ہے ظاہر کرتے ہیں تو کوتاہ اندیش لوگ بدظنی سے خیال کرتے ہیں کہ طامع اور محتاج ہیں اس لیے اس بدظنی سے دنیا اور آخرت کا خسارہ حاصل کرتے ہیں اور ان کے کمالات سے محروم رہتے ہیں اگر فقراء استغنا اور لاپروائی سے کہ یہ بھی لوازم فقر سے ہے کوئی بات کریں تو کوتاہ نظر اپنی بدخلقی سے قیاس کرتے ہیں کہ متکبر اور بدخلق ہیں اور نہیں جانتے کہ استغنا بھی لوازم فقر سے ہے کیونکہ جمع ضدین اس جگہ محال نہیں ہے۔ حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع ہونے سے پہچانا۔ اگرچہ اہل نظر اس مقدمہ کو قبول نہیں کرتے اور انکار کرتے ہیں اور محال جانتے ہیں لیکن کچھ غم نہیں کیونکہ ولایت نظر و عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

دولت مندوں کی تواضع: (مکتوب ۱۱۴ دفتر اول) صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جس نے کسی دولت مند کی اس کی دولت کے باعث تواضع کی اس کے دین کے دو حصے چلے گئے پس افسوس ہے اس شخص پر جس نے دولت مندی کے سبب ان کی تواضع کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے بچنے کی توفیق بخشے۔

احکام غیبت اور احکام شہادت: (مکتوب ۴۴ دفتر سوم) پوشیدہ نہ رہے کہ بیہودہ اور جھوٹے شبہات سے خلاصی اور نجات نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ احکام غیبت اور احکام شہادت میں فرق نہیں کرتے اور شاہد پر غائب کا قیاس کرتے ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض احکام شاہد میں صادق ہوں اور غائب میں کاذب۔ شاہد میں کمال ہوں اور غائب میں نقص اس لیے مقامات کے اختلاف کے بموجب دونوں کے احکام جدا جدا ہیں خاص کر جب کہ مقامات کے درمیان بہت ہی فرق و اختلاف ہو۔۔۔ اپنے ادراک کو اپنا مقتدا بنا کر ان احکام کی نفی کر دیں کیونکہ یہ بات صواب و سلامتی سے دور ہے ہو سکتا ہے کہ بہت سی چیزیں نفس امر میں صادق ہوں لیکن ہماری ناقص عقلوں کے ادراک سے دور اور بعید ہوں اگر عقل کافی ہوتی تو بوعلی سینا جیسا شخص جو تمام معقول والوں کا پیشوا اور مقتدا ہے تمام احکام عقلیہ میں حق پر ہوتا اور غلطی نہ کرتا۔ ایک ہی مسئلہ (واحد سے ایک ہی کام صادر ہوتا ہے) میں اس قدر غلطیاں کی ہیں کہ اس مقام پر امام فخر الدین رازی اس پر طعن کرتا ہے کہ اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو اپنی تمام عمر منطق کی تعلیم و تعلم میں جو فکر میں خطا سے بچانے والا ہے صرف کر دے پھر اس اعلیٰ مطلب پر پہنچ کر اس نے ایسی بات صادر ہو جس پر بچے ہنسی اڑاتے ہیں۔ علمائے اہل سنت تمام احکام کی نفی نہیں کرتے مثلاً عذاب

قبر- سوال منکر نکیر اور پل صراط اور اعمال کے ترازو وغیرہ کے بارے میں جن ادراک سے ہماری ناقص عقلیں عاجز ہیں ان بزرگواروں نے کتاب وسنت کو اپنا مقتداء اور پیشوا بنایا ہے اور اپنی عقلوں کو ان کے تابع بنایا ہے- اگر ادراک کر لیا بہتر ورنہ احکام شرعیہ کو قبول کر لیتے ہیں اور عدم ادراک کو اپنے فہم کے قصور پر محمول کرتے ہیں--- لوگ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت اسی لیے ہوئی ہے کہ عقلیں بعض ان مطالب کے سمجھنے سے جن میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے بالکل قاصر ہیں- عقل بے شک حجت ہے لیکن حجت کاملہ نہیں حجت کاملہ انبیاء کرام کی بعثت سے تمام ہوئی ہے-

متفرق معارف

معبود: (مکتوب ۱۱۰ دفتر اول) حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ مقصود ہے وہی معبود ہے- غیر کی عبادت سے اس وقت نجات ملتی ہے جب کہ حق تعالیٰ کے سوا کچھ مقصود نہ رہے خواہ آخرت کا مقصود بہشت کی لذتیں اور نعمتیں ہی ہوں- اگرچہ اس قسم کے مقصود نیک ہیں لیکن مقربین کے نزدیک برائیاں ہیں جب آخرت کے امور میں یہ حال ہے تو امور دنیا کی نسبت کیا کہا جائے کہ دنیا پر تو حق تعالیٰ کا غضب ہے اور جب سے پیدا ہوئی ہے اس کی طرف نگاہ نہیں کی اور اس کی محبت گناہوں کی جڑ ہے اور اس کا طالب لعنت و پھٹکار کا مستحق ہے-

"دنیا بھی ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون مگر اللہ کا ذکر"

خوف ورجا: (مکتوب ۱۱۴ دفتر اول) یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ کوئی شخص ایمان اور نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بالوں کو سفید کرے- حدیث نوی علیہ ہے کہ جو اسلام میں بوڑھا ہوا- وہ بخشا جائے گا- امید کی جانب کو ترجیح دیں اور مغفرت کا ظن غالب رکھیں کہ جوانی میں خوف زیادہ درکار ہے اور بڑھاپے میں رجا (امید) زیادہ غالب چاہیے-

نبوت اور ولایت: (مکتوب ۱۱۴ دفتر اول) بعضوں نے کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے لیکن فقیر کے نزدیک اس قسم کی باتیں بے ہودہ معلوم ہوتی ہیں کیونکہ نبوت میں صرف خلق کی طرف ہی توجہ نہیں ہوتی بلکہ اس توجہ کے ساتھ خالق کی طرف بھی توجہ رکھتا ہے یعنی اس کا باطن حق کے ساتھ ظاہر خلق کے ساتھ ہوتا ہے اور جس کی پوری توجہ خلق ہی کی طرف ہے وہ بد بخت ہے- انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام تمام موجودات میں سے بہتر ہیں اور سب سے بہتر دولت ان ہی کے نصیب ہوئی ہے اور ولایت نبوت کا جزو ہے اور نبوت کل ہے پس نبوت ولایت سے افضل ہے خواہ ولایت نبی کی ہو یا

ولی کی۔!

والدین کی خدمت: (مکتوب ۱۲۷ دفتر اول) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے اٹھایا اور تکالیف ہی سے جنا" دوسری جگہ فرماتے ہیں "میرا اور والدین کا شکرادا کرو" (والدین کا ذکر اپنے بعد کیا ہے)۔ باوجود اس امر کے اس بات کا معتقد ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ مطلوب حقیقی تک پہنچنے کے مقابلے میں بیکار ہی ہے بلکہ منازل سلوک طے کرنے میں تعطیل ہے۔۔حق تعالیٰ کا حق تمام مخلوقات کے حقوق پر مقدم ہے۔ ان کے حقوق ادا کرنا خدا کے حکم کی تابعداری کے باعث ہے اور نہ کس مجال ہے کہ اس کی خدمت کو چھوڑ کر دوسرے کی خدمت میں مشغول ہو جائے۔ پس ان کی (والدین) کی خدمت اس لحاظ سے اللہ ہی کی خدمات میں سے ہے لیکن خدمت خدمت میں فرق ہے۔ کاشتکار اور ہل چلانے والے بھی بادشاہ کی خدمت کرتے ہیں۔ لیکن مقربین کی خدمت اور ہے۔ وہاں زراعت اور ہل چلانے کا نام لینا عین گناہ ہے اور ہر کام کی مزدوری اسی کام کے موافق ہوتی ہے۔ ہل چلانے والے بڑی محنت سے دن بھر میں ایک ٹکہ مزدوری لیتے ہیں اور مقرب ایک گھڑی میں حاضر ہو کر لاکھوں کا مستحق ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو ان لاکھوں سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ تو صرف بادشاہ کے قرب میں گرفتار ہے ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے۔

نیاز و فاتحہ کا جواز: (مکتوب ۱۴۲ دفتر اول) وہ نیاز جو درویشوں کے لیے بھیجی تھی وہ بھی وصول ہوئی اور فاتحہ سلامت پڑھا گیا۔

بت پرستی: (مکتوب ۱۵۴ دفتر اول) اگر بتوں کو پوجتے ہیں تو حقیقت میں اپنے آپ کو پوجتے ہیں۔۔۔ (قرآن کریم میں ہے) "کیا تو نے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو خدا بنالیا ہے"

حقوق خلق: (مکتوب ۷۰ دفتر اول) جس طرح حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں ویسے ہیں خلق کے حقوق کو ادا کرنے اور ان کے ساتھ غم خواری کرنے سے بھی چارہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم اور اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا ان ہی دو حقوق کے ادا کرنے کا بیان فرماتا ہے اور دونوں طرف کو مدنظر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے پس ان دونوں میں سے صرف ایک ہی پر اختصار کرنا سراسر قصور ہے اور کل کو چھوڑ کر جزو پر کفایت کرنا کمالیت سے دور ہے پس خلق کے حقوق ادا کرنا اور ان کی ایذاء کو برداشت کرنا ضروری ہے اور ان کے ساتھ حسن معاشرت یعنی اچھی طرح رہنا واجب ہے۔ بددماغی

اور لاپرواہی اچھی نہیں۔

رعایا اور حکمران: (مکتوب ۹۵ دفتر اول) پس بادشاہوں کا جتنا احسان عام لوگوں تک پہنچتا ہے۔ اس ارتباط اور تعلق کے باعث اتنا ہی بادشاہوں کے نیک اور برے اخلاق اور بری بھلی عادات لوگوں پر اثر کرتے جاتے ہیں اسی سبب سے فرماتے ہیں۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) اب جب کہ سلطنتوں میں انقلاب پڑ گیا ہے اور دشمنی اور فساد نے اہل مذہب کو بگاڑ دیا ہے۔ اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے بڑے وزیروں امیروں اور بزرگ علماء پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت پر لگائیں اور سب سے اول اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کریں کیونکہ تاخیر میں خیریت نہیں ہوتی اور غریبوں کے دل اس تاخیر سے نہایت بے قرار ہیں۔ گذشتہ زمانے کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں برقرار ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تدارک نہ ہو سکے اور اسلام کی غربت اس سے بھی زیادہ ہو جائے جب بادشاہ سنت سنیہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں بادشاہ کے مقربین بھی اس بارے میں اپنے آپ کو الگ رکھیں اور چند روزہ زندگی کو عزیز سمجھیں تو پھر اہل اسلام بے چاروں پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔

علوم دو تین حروف میں ہیں: (مکتوب ۲۰۱ دفتر اول) حضرت امیر (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) نے فرمایا ہے کہ تمام علوم بسم اللہ کی با میں مندرج ہیں بلکہ اس با کے نقطہ میں۔۔۔ اگر وہ شخص اس بات میں کشف کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا امر دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تمام علوم دو تین حروف میں عام طور پر مندرج ہیں خواہ ان دو تین حروف کو خاص طور پر اسے جتلایا گیا ہو یا نہ تو صدق کا احتمال رکھتا ہے اور اگر کہے کہ سب علوم کو دو تین حروف کے ضمن میں مجھ پر منکشف کیا ہے اور ان دو تین حرفوں کے صفحہ میں تمام علوم کا مطالعہ کرتا ہوں تو وہ جھوٹا مدعی ہے۔ اس کی بات کا یقین نہ کرنا چاہیے۔

وقت کی اہمیت: (مکتوب ۲۱۰ دفت اول) عمر کا بہتر اور قیمتی حصہ ہوا و ہوس میں گزر گیا اور خدائے تعالیٰ کے دشمنوں کی رضامندی میں بسر ہوا اور عمر کا نکما حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر آج ہم اس کو خدائے تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف کریں اور اشرف کی تلافی ارذل سے نہ کریں اور تھوڑی محنت کو ہمیشہ کے آرام کا وسیلہ نہ بنائیں اور تھوڑی نیکیوں سے بہت سی برائیوں کا کفارہ نہ کریں کل کونسا منہ لے کر کریم خدائے تعالیٰ کے سامنے جائیں گے اور کیا حیلہ پیش کریں گے۔۔۔ موت آنے سے پہلے ہی اپنا کام بنا لینا چاہیے۔ اول عقائد کا درست کرنا ضروری ہے۔ دوسرے ان باتوں کا علم ضروری ہے جن کا متکفل علم فقہ ہے اور تیسرے طریق صوفیہ کا سلوک بھی درکار ہے نہ اس غرض کے لیے غیبی صورتیں اور

شکلیں مشاہدہ کریں۔ نوروں اور رنگوں کا معائنہ کریں۔ حسی صورتیں اور انوار کیا کم ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں سے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کریں حالانکہ یہ حسی صورتیں اور انوار اور وہ غیبی صورتیں اور انوار دونوں حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حق تعالیٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں۔ چاند اور سورج کا نور جو عالم شہادت سے ہے ان انوار سے جو عالم مثال میں دیکھیں کئی گنا زیادہ ہے لیکن چونکہ یہ دید دائمی ہے اور خاص و عام اس میں شریک ہیں۔ اس لیے اس کو نظر اور اعتبار میں نہ لا کر انوار غیبی کی ہوس کرتے ہیں۔ طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ میں یقین زیادہ حاصل ہو جائے تا کہ استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کے میدان میں آ جائیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف میلان حاصل ہو جائے۔

بے باک طالب علم: (مکتوب ۲۱۳ دفتر اول) بے باک طالب علم خواہ کسی فرقے سے ہوں دین کے چور ہیں ان کی صحبت سے بچنا ضروری ہے۔ یہ سب فتنہ وفساد جو دین میں پیدا ہوا ان ہی لوگوں کی کم بختی سے ہے کہ انہوں نے دنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے (علمائے سو بھی ان میں شامل ہیں)

احسان کا بدلہ: (مکتوب ۲۱۳ دفتر اول) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ احسان کا بدلہ احسان ہے۔

شان نبوت کا منکر: (مکتوب ۲۱۴ دفتر اول) اور وہ شخص جو تمام احکام شرعیہ کو اپنی عقل کے مطابق کرنا چاہے اور عقلی دلائل کے برابر کرنا چاہیے وہ شان نبوت کا منکر ہے۔ اس کے ساتھ کلام کرنا بے وقوفی ہے۔

استخارہ: (مکتوب ۲۳۹ دفتر اول) استخارہ ہر امر میں مسنون و مبارک ہے لیکن ضروری نہیں ہے ممکن ہے کہ استخارہ کے بعد جو خواب یا واقعہ یا بیداری میں ایسا امر ظاہر ہو جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرے بلکہ استخارہ کے بعد دل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر اس امر کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ ہے تو اس کام کے کرنے کی دلالت رکھتا ہے اور اگر توجہ اسی قدر ہے جس قدر پہلے تھی اور کچھ کم نہیں ہوئی تب بھی منع نہیں ہے۔ اس صورت میں استخارہ کو دوبارہ کرے تا کہ توجہ کی زیادتی مفہوم ہو جائے۔ استخارہ کی تکرار کی نہایت سات مرتبہ ہے اور اگر استخارہ کے ادا کرنے کے بعد پہلی توجہ میں نقصان مفہوم ہو تو منع پر دلالت ہے اس صورت میں بھی اگر استخارہ مقرر کرے تو گنجائش ہے بلکہ ہر تقدیر پر استخارہ کو مکرر کرنا بہت بہتر اور مناسب ہے اور اس امر کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیاط ہے۔

نحوست ایام: (مکتوب ۲۵۴ دفتر اول) سوال۔ اہل حدیث نے ہر مہینے میں ایام منحی مقرر کیے

ہیں اور اس بارے میں حدیث نقل کرتے ہیں (جواب) جاننا چاہیے کہ فقیر کے والد قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عبداللہ اور شیخ رحمت اللہ جو اکابر محدثین سے تھے اور حرمین میں محدثین کے لقب سے مشہور تھے کسی تقریب پر ہندوستان میں تشریف لائے وہ فرماتے تھے کہ اس حدیث کو کرمانی شارح صحیح بخاری نے نقل کیا ہے لیکن ضعیف ہے۔ صحیح حدیث اس بارہ یہ ہے کہ دن اللہ کے دن ہیں اور بندے بھی اللہ کے بندے ہیں۔

نیز فرماتے تھے کہ دنوں کی نحوست رحمتہ اللعالمین علیہ وعلیٰ آلہ والصلوۃ والسلام کی پیدائش سے دور ہو گئی ہے ایام نحسات یعنی منحوس دن گذشتہ امتوں کی نسبت تھے اور فقیر کا عمل بھی اسی پر ہے اور کسی دن کو دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا جب تک کہ اس کی ترجیح شارع سے معلوم نہیں کرتا جیسے کہ جمعہ اور رمضان وغیرہ۔

املاک میں تصرف: (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) صاحب شرع نے بعض مصلحتوں کے باعث ان املاک کو ہماری طرف منسوب کیا ہے درحقیقت اسی کے املاک ہیں۔ پس ہمارا تصرف ان املاک میں اس قدر جائز ہے جس قدر کہ اس مالک مختار نے اس تصرف کو تجویز فرمایا ہے اور ہمارے لیے مباح کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے متعلقہ مکتوب سے رجوع فرمائیں)

تبرّی: (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) شیعہ نے جو یہ قاعدہ اہل بیت کی محبت اور دوستی میں جاری کیا ہوا ہے اور خلفائے ثلاثہ پر تبرّیٰ کو اس محبت کی شرط قرار دیا ہے نامناسب ہے کیونکہ دوستوں کی محبت کے لیے شرط ہے کہ ان کے دشمنوں سے تبرّیٰ کیا جائے نہ کہ مطلق طور پر دشمنوں کے سوا غیروں سے بھی اور کوئی منصف عاقل اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے اصحاب اہل بیت کے دشمن ہوں جب کہ ان بزرگواروں نے نبی ﷺ کی محبت میں اپنے مالوں اور جانوں کو صرف کر دیا اور جاہ و ریاست کو برباد کر دیا ۔ کس طرح اہل بیت کی دشمنی ان کی طرف منسوب کر سکتے ہیں جب کہ نص قطعی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے قرابت والوں کی محبت ثابت ہے اور دعوت کی اجرت ان کی محبت مقرر کی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"یارسول اللہ میں تم سے اہل قرابت کی دوستی کے سوا اور کچھ اجر نہیں مانگتا اور جو شخص ایک نیکی کمائے گا ہم اس کی نیکیوں میں اور نیکیاں زیادہ کریں گے۔"

اور حق جل وعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے فقیر کی نظر میں اس تبرّیٰ کے برابر کوئی عمل نہیں ہے (یعنی جو اللہ کے دشمنوں پر کیا جائے) فقیر معلوم کرتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کو کفر اور کافری کے ساتھ عداوت ہے اور اللہ آفاقی مثل۔ لات وعزیٰ اور ان کی عبادت کرنے والے بالذات حق جل

سلطانہ کے دشمن ہیں اور دوزخ کا دائمی عذاب اس برے فعل کی جزا ہے اور اللہ نفسی یعنی ہوائے نفسانی اور تمام برے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے کیونکہ غضب و عداوت ان کی نسبت ذاتی نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو صفات کی طرف منسوب ہے اور اگر عتاب ہے تو افعال کی طرف راجع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوزخ کا دائمی عذاب ان برے افعال کی سزا نہیں بنا بلکہ ان کی مغفرت اور بخشش کو اپنی مشیت اور ارادہ پر منحصر رکھا ہے۔

توجہ / رجوع: (مکتوب ۵۷ دفتر اول) اپنی توجہ کا قبلہ ایک بنائیں۔ توجہ کے لیے قبلہ کا متعدد بنانا اپنے آپ کو تفرقہ میں ڈالنا ہے مثل مشہور ہے کہ...... ہر کہ یک جاست ہمہ جاست و ہر کہ ہمہ جا است ہیچ جائے یعنی جو ایک جگہ ہے وہ سب جگہ ہے اور جو سب جگہ ہے وہ کسی جگہ نہیں۔

(مکتوب ۱۱ دفتر اول) اور عرض یہ ہے کہ کئی دفعہ امراض کے دور کرنے کے لیے توجہ کی گئی اور ان کا اثر ظاہر ہوا۔ اور ایسے ہی بعض مردوں کے احوال جو عالم برزخ میں ظاہر ہوئے تھے ان کے رنج و تکلیف کو رفع کرنے کے لیے بھی توجہ کی گئی لیکن اب توجہ پر طاقت نہیں رہی کیونکہ فقیر کسی چیز پر اپنے آپ کو جمع نہیں کرسکتا۔ لوگوں کی طرف سے بعض تکالیف فقیر پر گزریں اور انہوں نے بہت ظلم و ستم کیے اور اس طرف کے بہت سے متعلقین کو ناحق ویران اور جلاوطن کردیا۔ (غالباً اس کا تعلق قلعہ گوالیار کی قید کے واقعہ سے ہے) لیکن فقیر کے دل پر کسی قسم کا غبار اور رنج نہیں آیا چہ جائیکہ ان کے ساتھ برائی کرنے کا خیال دل میں گزرتا۔

رجوع: (مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) فقیر کے نزدیک کمال یہ ہے کہ عروج کے وقت کثرت بالکل نظر سے دور ہوجائے حتیٰ کہ اسماء و صفات بھی ملحوظ نہ ہوں اور احدیت مجردہ کے سوا اور کچھ مشہود نہ ہو اور رجوع کے وقت نظر سب کی سب کثرت پر پڑے اور عامہ مومنین کی طرح خلق کے سوا اور کوئی امر مشہود نہ ہو اور اطاعت کے ادا کرتے وقت خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کے سوا اس کا کوئی کام نہ ہو اور جب دعوت کے امر کو پورا کرے اور عالم فانی کو وداع کرے تو پورے طور پر جناب قدس کی طرف متوجہ ہو کر اپنا رخ غیب سے شہادت کی طرف لے جائے اور معاملہ گوش سے آغوش تک پہنچ جائے۔ کوئی ناقص پورے طور پر رجوع کرنے کو قصد خیال نہ کرے اور توجہ باطن کو جو حق سبحانہ کی طرف سے ہوتی ہے اس توجہ سے جو ان کی دعوت و تکمیل کے لیے ہوتی ہے بہتر نہ جانے کیونکہ صاحب رجوع اپنے اختیار کے ساتھ مقام رجوع میں نہیں آیا بلکہ اس نے حق تعالیٰ کی مراد کے موافق اعلیٰ سے اسفل کی طرف نزول کیا ہے اور وصل سے ہجر کے ساتھ قرار پکڑا ہے پس صاحب رجوع حق تعالیٰ کی مراد پر قائم اور اپنی مراد سے فانی ہے اور

صاحب توجہ وصل و شہود کے ساتھ محظوظ اور قرب و معیت کے ساتھ خوش ہے۔ رجوع کے فضائل و کمالات بے شمار ہیں۔ صاحب توجہ کو صاحب رجوع کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضور ﷺ اور بچے: (مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) منقول ہے کہ ایک دن سید البشر ﷺ امامینؓ (حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ) کے بوسے لے رہے تھے اور کمال انبساط اور خوشی کے ساتھ ان سے سلوک کر رہے تھے حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے گیارہ لڑکے ہیں میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ حضرت پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو وہ اپنے مہربان بندوں کو عطا کرتا ہے۔ اور جب حضرت سید البشر ﷺ کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا۔ حضرت پیغمبر ﷺ اس کے فوت ہونے پر رو پڑے اور نہایت غمناک ہو کر فرمایا۔ ''اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بہت غم زدہ ہیں'' یعنی بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ اپنا غم و بیان فرمایا۔

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت:۔ (مکتوب ۲۷۳ دفتر اول) (سوال کیا گیا کہ وہ واقعہ جس میں پیغمبر ﷺ کو دیکھیں وہ صادق ہے اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہے کیونکہ شیطان حضور کی صورت سے متمثل نہیں ہو سکتا جیسے کہ احادیث میں وارد ہے)

جواب۔ صاحب فتوحات مکیہ فرماتا ہے کہ شیطان آنحضرت ﷺ کی اس صورت خاص کے ساتھ جو مدینہ منورہ میں مدفون ہیں متمثل نہیں ہو سکتا۔ اس خاص صورت کے سوا اور جس صورت میں حضور کو دیکھیں متمثل ہو سکتا ہے اور ان تمام صورتوں میں متمثل نہ ہونے کا حکم تجویز نہیں کرتا اور کچھ شک نہیں کہ اس صورت خاصہ میں علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تشخیص خصوصاً منامات (خوابوں) میں بہت مشکل ہے پھر کس طرح اعتماد کے لائق ہو اور اگر شیطان کے متمثل نہ ہونے کو آنحضرت ﷺ کی صورت مخصوصہ کے ساتھ مخصوص نہ کریں اور ہر صورت میں دیکھیں عدم تمثل تجویز کریں جیسے کہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں تو یہ بات بھی آنحضرت ﷺ کی بلند شان کے مناسب ہے۔

''میرا قدم تمام اولیائے امت کے کندھوں پر ہے'' (حضرت غوث الاعظمؒ):

(مکتوب ۲۹۳ دفتر اول) عوارف المعارف (کے مصنف) شیخ ابو النجیب سہروردیؒ جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے محرموں اور مصاحبوں میں سے ہیں اور ان کے مرید اور تربیت یافتہ ہیں اس کلمہ کو ان کلمات میں بیان کرتے ہیں جو عجب اور خود بینی پر مشتمل ہیں جو ابتدائے احوال میں بقیہ سکر کے باعث مشائخ سے سرزدہ ہوئے ہیں اور نفحات میں شیخ حماد رتاس سے جو حضرت شیخ کے

مشائخ میں سے ہیں منقول ہے کہ انہوں نے بطریق فراست فرمایا تھا کہ اس عجمی کا ایک ایسا قدم ہے کہ اس وقت میں تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوگا اور اس بات کے کہنے پر مامور ہوگا کہ میرا قدم تمام اولیائے امت کی گردنوں پر ہوگا اور جس وقت یہ بات کہے گا تمام اولیاء اپنی گردنیں جھکا دیں گے بہر صورت شیخ اس کلام میں سچے ہیں خواہ یہ کلام ان سے بقیہ سکر کے باعث سرزد ہوا ہو خواہ اس کلام کے اظہار پر مامور ہوئے ہیں۔ کیونکہ ان کا قدم اس وقت کے تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوا ہے اور اس وقت کے تمام اولیاء ان کے قدم کے نیچے ہوئے ہیں لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیاء کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اولیائے متقدمین اور متاخرین اس حکم سے خارج ہیں جیسے کہ شیخ حمادؒ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کا قدم اس وقت میں تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوگا۔

ایک غوث نے جو بغداد میں ہوئے ہیں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور ابن سقا اور عبداللہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین ان کی زیارت کے لیے گئے تھے۔ بطریق فراست شیخ کے حق میں کہا تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تو بغداد میں منبر پر چڑھا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے قدمی فی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمام اولیاء نے تیرے اجلال و اکرام کے باعث اپنی گردنوں کو پست کیا ہوا ہے۔۔۔ اس سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیاء کے ساتھ ہی مخصوص تھا اور یہ حکم اس وقت کے اولیاء سے تجاوز کر کے کسی اور وقت کے اولیاء تک نہیں پہنچا۔ اولیائے متقدمین کے حق میں یہ حکم کیسے جائز ہو سکتا ہے جن میں اصحاب کرام بھی شامل ہیں جو یقیناً حضرت شیخ سے افضل ہیں اور اولیائے متاخرین میں بھی کیسے جائز ہو سکتا ہے جن میں حضرت مہدیؓ شامل ہیں جن کے آنے کی نسبت آنحضرت ﷺ نے بشارت دی ہے اور امت کو ان کے وجود کی خوش خبری دی ہے اور ان کے حق میں خلیفۃ اللہ فرمایا ہے۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم نبی ہیں ان کے اصحاب سابقین میں سے ہیں اور اس شریعت کی متابعت کے باعث حضرت خاتم الرسل ﷺ کے اصحاب سے ملحق ہیں متاخرین اس بزرگی کے باعث ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ نہیں معلوم ان کے اول بہتر ہیں یا آخیر کے۔ غرض حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ ولایت میں شان عظیم اور بلند درجہ رکھتے ہیں۔ ولایت خاصہ محمدیہ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کو سرؔ کی راہ سے آخر نقطہ تک پہنچایا ہے اور اس دائرہ کے سرحلقہ ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے اکثر مرید شیخ کے حق میں بہت غلو کرتے ہین اور محبت کی جانب میں افراط سے کام لیتے ہیں۔ جس قدر خوارق و کرامات شیخ سے ظاہر ہوئے ہیں اور کسی ولی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ اس لحاظ سے فضیلت ان ہی کے لیے ہے تو میں کہتا ہوں کہ خوارق و کرامات کا بکثرت ظاہر ہونا افضلیت پر دلالت

نہیں کرتا- ممکن ہے کہ کوئی شخص جس سے کوئی بھی خرق عادت ظاہر نہ ہوئی ہو اس شخص سے کہ جس سے خوارق و کرامات بکثرت ظاہر ہوئے ہوں افضل ہو-

لباس: (مکتوب ۲۱۳ دفتر اول) امام احمدؒ ابو داؤد حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مرد پر جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد کا لباس پہنے لعنت ہے اور مطالب المومنین میں ہے کہ عورت مرد کی مشابہت نہ کرے اور اور مرد عورت کی مشابہت نہ کرے کیونکہ یہ دونوں پر لعنت ہوتی ہے-

قرب و معیت: (مکتوب ۸ دفتر دوم) حق تعالیٰ کی قرب و معیت اس کی ذات کی طرح بے چون اور بے چگون ہے کیونکہ چون کو بے چھون کی طرف کوئی راہ نہیں اور اس قرب و معیت سے جو ہمارے عقل وفہم یا کشف و شہود میں آسکے حق تعالیٰ منزہ و مبرا ہے کیونکہ یہ بات مذہب مجسمہ میں قدم رکھتی ہے ہم ایمان لائے ہیں کہ حق تعالیٰ ہمارے قریب اور ساتھ ہے لیکن قرب و معیت کے معنی ہم نہیں جانتے کہ کیا ہیں- اسی جہان میں کاملین کا اعلیٰ نصیب حق تعالیٰ کی ذات و صفات سے غیب کے ساتھ ایمان لانا ہے-

اصحاب شمال اور اصحاب یمین: (مکتوب ۳۹ دفتر دوم) اصحاب شمال ظلمانی حجابوں والے لوگ ہیں اور اصحاب یمین نورانی حجابوں والے سابقین وہ لوگ ہیں جو ان حجابوں سے نکل گئے ہیں اور ایک قدم شمال پر ایک قدم یمین پر رکھ کر سبقت کا گیند اصل کے میدان میں لے گئے ہیں اور ظلال امکانی اور ظلال وجوبی سے اوپر گزر گئے ہیں اور اسم وصفت اور شان واعتبار سے سوائے ذات کے اور کچھ نہیں چاہتے- اصحاب شمال ارباب کفر و شقاوت ہیں اور اصحاب یمین اہل اسلام اور ارباب ولایت ہیں اور سابقین، بالاصالت انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیمات ہیں یا وہ لوگ جن کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں-

اولیاء کرام کا الہام: (مکتوب ۲۳ دفتر سوم) اولیا کرام کا الہام بھی انوار نبوت سے مقتبس ہے اور انبیاء علیہم والصلوۃ والسلام کی ہی متابعت کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے--

(مکتوب ۵۶ دفتر دوم) احکام شرعیہ اولیہ اربعہ یعنی چار دلیلوں پر موقوف ہیں جن میں الہام کی گنجائش نہیں لیکن احکام شرعیہ کے ماسوا بہت سے امور دینی ایسے ہیں جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب وسنت کے بعد تیسرا اصل الہام ہے- یہ اصل جہان کے فنا ہونے تک قائم ہے-- الہام دین کے پوشیدہ کمالات کا ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کا ثابت کرنیوالا جس طرح

اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان دقائق و اسرار کا مظہر ہے جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے اگر چہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کے پیدا کرنے والے جل شانہٗ کی طرف پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گی جو اجتہاد میں نہیں- الہام نبی کے اس اعلام کی مانند ہے جو سنت (عوارف المعارف) کا ماخذ ہے- اگر چہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی- الہام اس نفس مطمئنہ کی صفت ہے جو مقام قلب تک عروج کر گیا ہو-

اجتہاد: (مکتوب ۵۵ دفتر دوم) احکام اجتہاد میں پیغمبر کے غیر کو پیغمبر کے ساتھ خلاف کی مجال ہے بشرطیکہ وہ غیر مخص مرتبہ اجتہاد تک پہنچ چکا ہو لیکن ان احکام میں جو نص کی عبارت و دلالت و اشارت سے ثابت ہیں اور ایسے ہی ان احکام میں جن کا مظہر سنت ہے کسی کو مخالفت کی مجال نہیں بلکہ تمام امت پر ان احکام کا اتباع لازم ہے پس امت کے مجتہدوں کو لازم نہیں کہ احکام اجتہادیہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کی متابعت کریں بلکہ اس مقام میں ان کے لیے اپنی رائے متابعت بہتر اور صواب ہے- وہ پیغمبر جو اولوالعزم پیغمبر کی متابعت کرتے تھے ان پر ان ہی کا اتباع واجب ہوتا تھا جو ان کی کتابوں اور صحیفوں میں نص کی عبارت و اشارت و دلالت سے ثابت تھے- نہ ان احکام میں جو ان کے اجتہاد اور سنتوں سے ظاہر ہوئے تھے کیونکہ احکام اجتہادیہ میں جب امت کے مجتہد کو متابعت لازم نہیں- جیسے کہ گزر چکا تو پیغمبر متابعت کرنے والے کو کس طرح متابعت لازم ہو گی اور وہ احکام جن کا مظہر سنت ہے تو پیغمبر کی متابعت کرنے والے کو کس طرح متابعت لازم ہو گی اور وہ احکام جن کا مظہر سنت ہے جس طرح پیغمبر اولوالعزم کو یہ احکام اعلام کے ساتھ حاصل ہیں اسی طرح غیر اولوالعزم پیغمبر کو وہ احکام اللہ تعالیٰ کے اعلام سے حاصل ہیں پھر ان میں متابعت کی کیا گنجائش ہے کیونکہ ہر وقت ہر گروہ کے لیے مناسب جدا جدا احکام ہیں-

پس ہمارے پیغمبر ﷺ کی پچھلی سنت پہلی سنت کی ناسخ ہو گی- حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نزول کے بعد اسی شریعت کی متابعت کریں گے- آنحضرت ﷺ کی سنت کا اتباع بھی کریں گے کیونکہ اس شریعت کا نسخ نہیں

حکمران کی اصلاح: (مکتوب ۶۷ دفتر دوم) --- (''رعایا اور حکمران'' کے مضمون کے ساتھ ملا کر مطالعہ فرمائیں- مرتب) بادشاہ (حکمران) روح کی مانند ہے اور تمام انسان (رعایا) جسد یعنی جسم کی طرح- اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے اگر اگر روح بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے پس بادشاہ کی بہتری کی کوشش گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے اور بادشاہ کی اصلاح اس امر

میں ہے کہ بلحاظ وقت جس طرح ہو سکے کلمہ اسلام کا اظہار کیا جائے -کلمہ اسلام کے بعد اہل سنت کے معتقدات بھی کبھی کبھی بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دینے چاہیں اور مذہب مخالف کی تردید کرنا چاہیے- اگر یہ دولت میسر ہو جائے تو گویا انبیا علیہ الصلوۃ والسلام کی وراثت عظمٰی ہاتھ آ گئی-

توحید شہودی: (مکتوب ۷۷ دفتر دوم) توحید شہودی جس کے معنی ایک دیکھنا اور جو ماسوئی کے نسیان سے وابستہ ہے ان بزرگواروں کے نزدیک طریقت کی ضروریات میں سے ہے جب تک یہ حاصل نہ ہو اغیار کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ہوتی شہودی ولایت جو ان بزرگواروں کی عبارات میں واقع ہے اس سے مراد حضور بے چونی ہے جو مرتبہ تنزیہہ کے مناسب اور عالم چون کے ادراک سے باہر ہے اور یہ دولت حضور دنیا میں باطن کے ساتھ مخصوص ہے- ظاہر کو ہر وقت دو بینی سے چارہ نہیں اسی واسطے کہتے ہیں کہ جس طرح عالم کبیر میں مشرک و موحد ہے اسی طرح عالم صغیر میں بھی مشرک و موحد ہے- کامل کا باطن ہر وقت موحد ہے اور اس کا ظاہر مشرک یعنی کامل کا باطن ہر وقت خداوند تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے اور اس کا ظاہر اہل وعیال کی تدبیر میں اس میں کوئی ڈر نہیں-

حقوق العباد: (مکتوب ۸۷ دفتر دوم) علماء نے فرمایا ہے کہ نیم دانگ اس شخص کو واپس دے دینا جس سے خلاف شرع ظلم سے لیا ہو سود رہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے--- اگر ایک شخص کے نیک اعمال پیغمبر کے نیک اعمال کی طرح ہوں اور اس پر نیم دانگ جتنا کسی کا حق باقی رہا ہو تو اس شخص کو بہشت میں نہ لے جائیں گے جب تک اس نیم دانگ کو ادا نہ کرے گا-

مقبول بندہ: (مکتوب ۸۸ دفتر دوم) بندہ مقبول وہ ہے جو اپنے مولیٰ کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی رضا کا تابع ہے وہ اپنا بندہ ہے-

اللہ کا عیال: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "الخلق عِيَالَ اللّٰه وَاَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰه مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ (خلق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے اور مخلوقات میں سے زیادہ پیارا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو اس کے عیال کے ساتھ احسان کرے)- حق تعالیٰ بندوں کے رزق کا متکفل ہے اور مخلوقات اس کے عیال کی طرح ہیں جو شخص کسی کے عیال کے ساتھ غم خواری کرے اور اس کے بوجھ کو اٹھائے تو وہ شخص اس عیال والے شخص کے نزدیک بہت محبوب ہوگا کیونکہ اس نے اس کو سبک سار کر دیا ہے اور اس کا بار موت اپنے ذمہ لے لیا ہے-

جادو اور افسون نہ کرنے والے: (مکتوب ۲۱ دفتر سوم) حدیث صحیح میں آیا ہے کہ (حضور نے فرمایا) میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بے حساب جنت میں جائیں گے صحابہ کرام نے پوچھا کہ

یارسول ﷺ وہ کون لوگ ہوں گے آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو نہ داغ دیتے ہیں اور نہ افسون پڑھتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اس مقام میں سر عظیم ہے جس کا ظاہر کرنا مصلحت سے دور ہے کیونکہ اکثر لوگوں کے فہم سے بعید ہے۔

نفس امارہ: (مکتوب ۲۷ دفتر سوم) تمام اشیاء میں سے زیادہ جاہل نفس امارہ ہے جو اپنا ہی دشمن اور بدخواہ ہے اور اس کا ارادہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کی خواہش و آرزو ہمہ تن حضرت رحمٰن جلشانہ کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت ہے جو اس کا جانی دشمن ہے۔ کوئی کوتاہ نظر کسی کامل کو اس قسم کی بیرونی آرزوؤں کے باوجود ناقص نہ سمجھے اور اس کی برکات سے محروم نہ رہے۔

تجلی صوری: (مکتوب ۳۲ دفتر سوم) ہمیشہ مشاہدہ کے دروازے کو کھلا رکھنا چاہیے اور غفلت کی کھڑکی کو بند کرنا چاہیے۔ یہ بات تجلی صوری کے اندازہ کے موافق درس تھے جو اس راہ کے مقدمات میں سے پہلا مقدمہ ہے۔ اس مقام میں اگر وصل ہے اگر چہ درحقیقت فعل ہے۔ صورت کے اعتبار سے ہے اور اگر مشاہدہ ہے اگر چہ حقیقت میں مباعدہ ہے وہ بھی صورت کے ملاحظہ سے موجود ہے۔ یہ تجلی اس راہ کے بزرگواروں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ سالک کے وجود کو فنا کرنے والی نہیں نیز اس تجلی میں جھوٹے اور سچے (دونوں) شریک ہیں۔ ہندو جوگی اور یونان کے فلسفی بھی اس تجلی کے واقف ہیں اس مقام کے علوم و معارف سے محظوظ اور متلذذ ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ سچے کو صفائے قلب کے باعث حاصل ہوتی ہے اور جھوٹے کو صفائے نفس کے سبب سے اس واسطے وہ ہدایت کی طرف لے جاتی ہے اور یہ گمراہی کی طرف لیکن دونوں صورت میں گرفتار اور معنی سے بے خبر ہیں لیکن سچے شخص کو صورت کے تعلق سے نجات پانے کی امید ہے اور جھوٹا صورت ہی میں ہلاک اور فانی ہو جاتا ہے۔

سلامتی اور قلندریہ: (مکتوب ۵۶ دفتر سوم) عجب معاملہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم سلامتی اور قلندریہ زمرے میں ہیں حالانکہ ہم دونوں گروہوں سے جدا ہیں اور ہمارا کاروبار بھی ان سے الگ ہے۔

عالم وجود نمود رکھتا ہے: (مکتوب ۶۸ دفتر سوم) عالم کو موہوم کہتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ عالم وہم کا تراشا ہوا اور بنایا ہوا ہے۔ عالم وہم کا بنایا ہوا کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ وہم بھی عالم کی قسم سے ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ نے عالم مرتبہ وہم میں پیدا کیا ہے اگر چہ وہم اس وقت وجود میں نہ آیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ اور مرتبہ وہم نمود بے بود سے مراد ہے جس طرح کہ وہ دائرہ نقطہ جوالہ سے وہم میں پیدا ہوا ہے اور نمود بے بود رکھتا ہے۔ حکم مطلق جلشانہ نے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا فرما

کر محض امور کو ثبوت وثبات بخشا اور غلط سے صحت میں لایا اور کذب سے صدق میں لا کر نفس الامر بنایا۔

ارباب جمعیت کی صحبت۔(مکتوب ۷۰ دفتر سوم) حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم چند درویش ایک جگہ جمع ہوئے اس ساعت کی نسبت جو جمعہ کے روز میں دعا کی قبولیت کے لیے مقرر ہے گفتگو شروع ہوئی کہ اگر میسر ہو جائے تو اس وقت حق تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیے۔کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ ارباب جمعیت کی صحبت طلب کرنا چاہیے کیونکہ اس میں تمام سعادتیں ہوتی ہیں۔

رب اور عبد کے درمیان فاصلہ:(مکتوب ۷۱ دفتر سوم) عبد اور رب کے درمیان پنجاہ ہزار سال کا راستہ ہے(قرآن مجید میں ہے فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں اس دن میں ہیں جسکی مقدار پنجاہ ہزار سال ہے)کوئی بے وقوف راستہ کی اس دوری سے حق تعالیٰ کو بعید خیال نہ کرے اور اپنے سے دور نہ جانے کیونکہ حق تعالیٰ بندے سے اس کے اپنے نفس سے بھی قریب بلکہ اقرب ہے۔بعد اور اک ومعرفت کے اعتبار سے ہے نہ کہ مکان ومسافت کے اعتبار سے ہاں جب تک بعد کی تکلیف نہ اٹھائیں دولت قرب کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔

خیر وکمال اور حسن وجمال:(مکتوب ۹۸ دفتر سوم) خیر وکمال اور حسن وجمال جہاں کہیں ہے وجود کا اثر ہے جو محض خیر ہے اور واجب الوجود جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ممکن ہے جس طرح وجود اس بارگاہ جل شانہ سے ظلیت کے طور پر منعکس ہوا ہے اسی طرح حسن وجمال بھی اسی مرتبہ مقدسہ سے ظلیت کے طور پر اس میں آیا ہے ممکن کا ذاتی اس کے عدم ذاتی کے باعث محض شر اور سراسر قبیح ونقص ہے لیکن یہ حسن وجمال جو ممکن میں مشہود ہوتا ہے اگرچہ وجود ہی سے آیا ہے لیکن چونکہ عدم کے آئینہ میں ظاہر ہوا ہے اس لیے آئینے کا رنگ پکڑ کر قبح ونقص حاصل کر چکا ہے۔خاکروب کو بدبودار چیزوں سے وہ لذت آتی ہے جو پاکیزہ اور خوشبودار چیزوں سے نہیں آتی۔مشہور قصہ ہے کہ ایک خاکروب عطاروں کے محلہ سے گزرا جونہی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ایک بزرگ اس راہ سے گزر رہا تھا جب اس معاملہ سے واقف ہوا تو فرمایا اسکی ناک کے آگے نجاست لا کر رکھ دو تاکہ اس کی بدبو سے خوش ہو کر ہوش میں آ جائے جب انہوں نے ایسا ہی کیا تو اس کو ہوش آ گیا۔

ماوراء النہر کے علماء اور مشائخ:(مکتوب ۹۹ دفتر سوم) ماوراء النہر کے علماء اور مشائخ کے حقوق ہم دور افتادہ پس ماندگان بلکہ ہندوستان (پاک وہند) کے تمام مسلمانوں پر اس قدر ہیں کہ تحریر و تقریر میں نہیں آ سکتے۔اہل سنت کے عقائد اور آراء صائبہ کے موافق اعتقاد کی درستی اور علمائے حنفیہ

مذہب کے بموجب عمل کی صحت ان ہی بزرگواروں کی تدقیقات وتحقیقات سے حاصل ہوئی اور طریقہ صوفیہ قدس سرہم کا سلوک بھی اس ملک میں اسی مکان شریعت کی حرکت سے میسر ہوا- مقامات جذبہ وسلوک- فنا و بقا- سیری الی اللہ اور سیر فی اللہ جو مرتبہ ولایت سے وابستہ ہیں- ان کی تحقیق اس مبارک جگہ کے بزرگواروں کے فیوض سے پہنچی ہے-

شب بیداری: (مکتوب ۱۰۲ دفتر سوم) اب کاشتکاری اور بیج بونے کا وقت ہے- صرف کھانے اور سورہنے کا موسم نہیں- آدھی رات سونے کیلیے مقرر کریں اور آدھی رات طاعت وعبادت کیلیے- اگر اس قدر ہمت نہ ہو سکے تو رات کا تیسرا حصہ جو نصف سے سدس یعنی چھٹے حصے تک ہے ہمیشہ جاگتے رہیں اور کوشش کریں کہ دولت کے حصول میں فتور نہ پڑے- خلق کے ساتھ اسی قدر اختلاط وانبساط رکھیں کہ ان کے حقوق ادا ہو سکیں-

نسبت رابطہ میں فتور: (مکتوب ۱۰۷ دفتر سوم) کیا باعث ہے جب جب نسبت رابطہ میں فتور آ جاتا ہے تو طاعات میں لذت نہیں پاتا- واضح ہو کہ جو امر رابطہ کے فتور کا سبب ہے طاعات میں لذت کا مانع وہی ہے- کبھی قبض بھی اس فتور کا باعث ہوتی ہے اور کبھی خطا ولغزش کے ہو جانے کے باعث کدورت طاری ہو جاتی ہے- پہلی وجہ مذموم نہیں بلکہ سلوک طریقہ کے لوازم سے ہے- دوسری وجہ کا تدارک توبہ استغفار سے کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس کا اثر دور ہو جائے- چونکہ قبض اور کدورت کے درمیان تمیز ہمشکل ہو سکتی ہے اس واسطے ہر حال میں توبہ واستغفار فائدہ مند ہے-

حاجتوں میں تصرف: (مکتوب ۱۱۶ دفتر سوم) یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ عطیات کا بخشنے والا حق جلشانہٗ اپنے کسی بندے کو بعض بزرگیوں اور فضیلتوں کے ساتھ مخصوص کر کے اپنے بندوں کی حاجتوں کی کنجی اس کے دست تصرف کے حوالے کر دے اور اس کو ان لوگوں کا جائے پناہ بنائے اور یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ بہت سی مخلوقات کو جس کو اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے اپنا عیال فرمایا ہے اس کے متعلق کرے اور ان کی تربیت اس کے سپرد فرمائے- وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جو اس دولت کی حمد میں قیام کرے اور وہ شخص بہت ہی ہوش مند ہے جو اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اپنے مالک کے عیال کی خدمت گزاری میں سعادت جانے اور اپنے مولیٰ کے غلاموں اور لونڈیوں کی تربیت کو اپنا شرف سمجھے-

واصل بحق: (مکتوب ۱۱۷ دفتر سوم) جب عارف ذات تعالیٰ سے واصل ہو جاتا ہے تو اس قسم کی خیالی مثالیں متخیل نہیں ہوتیں کیونکہ حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں نہ خیال میں اور نہ مثال میں اور میرے نزدیک جس طرح اس کی مثل نہیں مثال بھی نہیں کیونکہ صورت خواہ کسی مرتبہ میں ہو حد ونہایت کو

مستلزم ہے اور حق تعالیٰ تحدید و تقیید سے منزہ ہے- یہ تمام مراتب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں-

مکاشفہ -(مکتوب ۱۱۸ دفتر سوم) اور جو کچھ مرتبہ صفات میں حاصل ہوتا ہے اس کا نام مکاشفہ ہے مشہود اور اس کا دوام ان ارباب تمکین کا نصیب ہے جو ذات تک واصل ہیں نہ کہ اہل تلوین کا حصہ جو صفات کے ساتھ مقید ہیں کیونکہ یہ لوگ ارباب قلوب و تقلب ہیں-

انا الحق کے معنی :(مکتوب ۱۱۹ دفتر سوم) قول انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ میں کچھ نہیں ہوں اور موجود حق نہ یہ کہ میں حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوں یا حق تعالیٰ میں حلول کیے ہوں کہ یہ کفر ہے اور توحید شہودی کے منافی ہے کیونکہ اس میں واحد واحد کے سوا کچھ مشہود نہیں اور حلول و اتحاد کی صورت میں مشہود متعدد ہو جاتے ہیں-

مرتبہ وہم :(مکتوب ۱۰۹ دفتر سوم) مرتبہ وہم اس مرتبہ سے مراد ہے جہان نمود بے بود ہے- جس طرح کہ زید کی صورت جو آئینہ میں متوہم ہے بے بود ہے کیونکہ آئینہ میں ہرگز کوئی صورت موجود نہیں اس میں صرف نمود وہمی ثابت ہے اور کشف صحیح اور شہود صادق سے ظاہر ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت سے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا فرمایا ہے اور اپنی کامل صنعت سے محض نمود بخشا ہے- اس مرتبہ میں گرچہ نمود بے بود ہے-

حقیقت محمدی -(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) حقیقت محمدی تمام حقائق کی جامع ہے- اس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں اور دوسروں کے حقائق اس کے اجزاء کی طرح ہیں یا جزئیات کی طرح کیونکہ اگر محمد المشرب ہے تو سالک کی حقیقت اس کلی کے لیے جزئی کی طرح ہے اور اس پر محمول ہے اور محمدی المشرب کے سوا کسی غیر کی حقیقت اس کل کے لیے جزو کی طرح ہے اور اس پر غیر محمول ہے-

اسرار الٰہی -(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) جہاں صحو خالص ہے وہاں اسرار کا ظاہر کرنا کفر ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک ہے- صحو میں سکر کا بقیہ نمک کی طرح ہے- جو طعام کی اصلاح کرنے والا ہے اس قسم کی باتیں جو اسرار کے اظہار پر مبنی ہیں اور ظاہر کی طرف سے معروف اور پھری ہوئی ہیں- ہر وقت مشائخ طریقت قدس سرہم سے سرزدہ ہوتی رہی ہیں اور ان بزرگواروں کی عادت مستمرہ ہو گئی ہین کوئی نیا امر نہیں جس کو فقیر نے شروع کیا ہے یا اس کا اختراع کیا ہے-

مسلمان کا خوار کرنا -(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) جب شریعت میں فاحشہ کا رسوا کرنا اور فاسق کا خوار کرنا حرام و منکر ہے تو پھر اشتباہ ہی سے ایک مسلمان کو خوار کرنا کیا مناسب ہے اور شہر شہر اس کی منادی کرنا کونسی دینداری ہے- مسلمانی اور مہربانی کا طریق یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جو

بظاہر علوم شرعیہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا کہنے والا کون ہے؟ اگر ملحد و زندیق ہو تو اس کو رد کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔ اگر اس کلمے کا کہنے والا مسلمان ہو۔ خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس کی اصلاح میں کوشش کرنا چاہیے اور اس کے واسطے محمل صحیح پیدا کرنا چاہیے یا اس کے کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہیے اگر اس کے حل کرنے میں عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنا چاہیے اور نرمی کے ساتھ امر معروف اور نہی منکر کرنا چاہیے کیونکہ اجازت و قبولیت کے نزدیک ہے۔

حقیقت محمدی حصہ دوم ۔ (مکتوب ۱۲۷ دفتر سوم) (اس کا ایک حصہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس سے تسلسل قائم کریں) حقیقت محمدی جو ظہور اصل اور حقیقت الحقائق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے حقائق کیا انبیاء کرام کے حقائق اور کیا ملائکہ سب اس کے اظلال کی مانند ہیں اور وہ تمام حقائق کا اصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

"سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا"

اور فرمایا کہ "میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے" پس وہ حقیقت باقی تمام حقائق اور حق تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے اور آنحضرت ﷺ کے واسطے کے بغیر کوئی مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا جس طرح آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیاء کرام اور ملائکہ عظام کے ہر فرد سے افضل ہیں اسی طرح کل ہونے کی حیثیت سے کل سے افضل ہیں اس لیے کہ اصل کو اپنے ظل پر فضیلت ہے۔

انبیاء سے فضیلت ۔ (مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) اگر امتوں میں سے کوئی فرد اپنے پیغمبر کی طفیل و تبعیت کے باعث بعض پیغمبروں سے اوپر چلا جائے تو خادمیت اور تبعیت کے طور پر ہوگا کیونکہ معلوم ہے خادم اور طفیلی بروقت طفیلی ہے۔ جو کچھ آخر کار مراتب ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے یہ ہے کہ حقیقت محمدی جو حقیقت الحقائق ہے اس حب کا تعین اور ظہور ہے جو ظہورات کا مبداء اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے "میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا۔"

اور اول وہ چیز جو اس پوشیدہ خزانے سے میدان ظہور میں آئی یہی حب ہے جو مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی ہے۔۔۔ اگرچہ حب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتا۔ حدیث میں ہے "اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمان کو پیدا نہ کرتا" باریک نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حب ہے جو حقیقت محمدی ہے اور اس کا محیط (جو صورت مثال میں دائرہ کی طرح ہے اور اس مرکز کے ظل کی مانند ہے) خلت ہے جس کو حقیقت ابراہیمی کہتے ہیں پس جب اصل ہے اور خلت اس کے ظل

کی طرح اور یہ مجموعہ مرکز و محیط ایک دائرہ ہے -- اس لیے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حبیب اللہ علیہ وسلم کا واسطہ اور وسیلہ طلب کیا ہے اور یہ آرزو فرمائی ہے کہ ان کی امت میں داخل ہوں-

غذا - (مبداء معاد) لذیذ چیزیں کھاؤ جو ہم نے بطور رزق (طیبہ) مقرر کی ہیں بشرطیکہ بذریعہ عبادت اسے مخصوص اور درست کرلو- اگر تم اسے درست نہ کرو بلکہ لہو ولعب میں مشغول ہو تو ملذ ذ اشیاء کا استعمال نہ کرو کیونکہ تم مرض باطنی میں مبتلا ہو اور ملذ ذ اشیاء تمہارے لیے زہر قاتل ہیں جب تم سے مرض زائل ہو جائے تو پھر تمہارے لیے ملذ ذ اشیاء کا استعمال درست ہو سکتا ہے - صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ طلب شکر کو لحوظ رکھتے ہوئے طیبات سے مراد لذیذ اشیاء ہیں-

گناہ اور معرفت - (مبداء معاد) بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اسے گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا - یعنی وہ گناہ جو خدا شناسی حاصل ہونے سے پہلے سرزدہ ہوئے تھے کیونکہ اسلام تمام ان باتوں کو قطع کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ظہور میں آئی ہوں- اسلام کی حقیقت سے مراد صوفیہ کے طریقے کے موافق فنا و بقا حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی شناخت کا حاصل ہونا ہے- سو ایسی خدا شناسی ان تمام گناہوں کو جو اس سے پہلے سرزدہ ہوئے ہیں زائل کر دیتی ہے- یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہوں جو اس معرفت کے بعد سرزد ہوئے ہوں اور ان سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کیونکہ اولیاء اللہ کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں- صغیرہ گناہ اس واسطے نقصان نہیں دے سکتے کہ انہیں چھپایا گیا اور جس وقت کوئی صغیرہ ظہور میں آتا ہے اس وقت توبہ استغفار سے اس کا تدارک کیا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ خدا شناسی (معرفت) کے بعد اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا-

کیونکہ جب گناہ صادر ہی نہ ہوگا تو نقصان کیونکر پہنچا سکے گا- ملحدوں نے اس عبارت کے جو بھی معنی نکالے ہیں کہ عارف کے لیے گناہوں کا ارتکاب وسیع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے - یہ محض باطل اور صریح بے دینی ہے- یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں اور شیطانی گروہ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں- اللہ تعالیٰ سے ہم امید کرتے ہیں کہ حقیقت اسلام سے واقف عارف کو خدا شناسی حاصل ہونے سے پہلے کے گناہ نقصان اور تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے خواہ وہ گناہ مظالم اور حقوق العباد کے متعلق ہی کیوں نہ ہوں ظاہر ہے کہ مطلق اسلام سے مظالم اور حقوق العباد کے سوا باقی گناہ منقطع ہو جاتے ہیں کسی چیز کی حقیقت اور اس کی کمالیت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ اس کے مطلق کے لیے-

علم و دانش کی گرفتاری: (مبداء معاد) جب تک انسان علم و دانش میں گرفتار ہے وہ ماسوائے اللہ کے نقوش سے منقش ہے تب تک خوار و بے اعتبار ہے- ماسوائے اللہ کو بھلا دینا راہ سلوک کی شرط ہے اور ماسوا کا فنا کر دینا قدم پیش گاہ ہے- جب تک باطن آئینہ امکان کی زنگار سے صاف نہ ہو جائے حضرت وجوب کا ظہور محال ہے کیونکہ علوم امکانی اور معارف وجوبی کا جمع ہونا گویا جمع اضداد ہے (جس مقام پر) علوم امکانی اور معارف وجوبی باہم جمع ہوتے ہیں حالانکہ ضدیں ہیں-- عارف باقی باللہ اس وقت برزخ میں ہوتا ہے گویا وجوب اس امکان کے مابین وسیلہ ہے اور دونوں مقامات کے رنگ سے رنگا ہوا ہوتا ہے گو ایسی صورت میں اگر دونوں مقامات کے رنگ سے رنگا ہوا ہوتا ہے گو ایسی صورت میں اگر دونوں مقامات کے علوم و معارف جمع ہو جائیں تو کوئی مشکل نہیں کیونکہ ضدین کے اجتماع کا مقام ایک نہیں ہوتا بلکہ کئی مقام ہو جاتے ہیں سو دونوں جمع نہیں کہلا سکتے -- پس وہ ذات پاک ہے جو حدوث مخلوق سے بلحاظ ذات صفات اور افعال بالکل نہیں بدلتا--- جو عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے اس کا علم بھی اسی طرح کا ہوتا ہے- اس میں بھی اشیاء کے معلومات کی صورتیں حلول نہیں کر سکتیں نہ اس کے حق میں تاثر ہوتا ہے نہ تغیر و تبدل اور نہ ہی یہ بات اس کے لیے نقصان کا باعث ہوتی ہے بلکہ موجب کمال ہوتا ہے- یہ اسرار الٰہی میں سے ایک پوشیدہ راز ہے-

حضرت رابعہ بصری - (نوٹ ایک دفعہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا تھا جیسے کہ پہلے آ چکا ہے-)

"آنحضرت ﷺ کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے"

اسی ضمن میں حضرت رابعہ بصریؒ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں)

یہ بات رابعہ بصریؒ کی بات کا بالکل نقیض ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھ پر اس درجہ غالب ہے کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی- یہ دونوں باتیں سکر سے ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے مگر رابعہؒ نے محض مستی کی حالت میں کہی ہے اور میں ہوش کے آغاز میں- اس کی بات صفات کے مرتبہ کے متعلق ہے اور میری مرتبہ ذات سے رجوع کرنے کے بعد کی اس واسطے کہ مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں- تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں وہاں پر سر بسر حیرت ہے یا جہل بلکہ اس مرتبہ میں بڑے ذوق سے محبت کی نفی کرتا ہے- اور کسی طرح اپنے آپ کو اس محبت کے لائق نہیں جانتا- محبت اور معرفت صرف

صفات میں ہوتی ہے- جسے محبت ذاتی کہتے ہیں- اس سے مراد ذات احدیت نہیں بلکہ ذات مع بعض اعتبارات ذات ہے پس رابعہؒ کی محبت مرتبہ صفات میں ہے-

معوذتین: (مبداء معاد) مخدومی شیخ مشرف الدین منیری اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ معوذتین کو نماز میں نہیں پڑھنا چاہیے کیونکہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کی قرآنیت میں جمہور کے مخالف ہیں پس ان دونوں سورتوں کی قرات کو فرض قطعی میں شمار نہیں کرنا چاہیے-

میں بھی نہیں پڑھتا تھا کہ ایک روز اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ گویا معوذتین موجود ہیں اور مخدوم شرف الدین منیری کی شکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرض میں ان کی قرات کو کیوں ترک کیا گویا ہمیں قرآن شریف سے نکالا ہے تب میں نے ان کا پڑھنا شروع کیا چنانچہ نماز فریضہ میں پڑھنے لگا- جب ان دونوں سورتوں کو نماز فریضہ میں پڑھتا ہوں تو عجیب و غریب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں- واقعی جب علم شریعت کی طرف رجوع کیا جائے تو ان دو سورتوں کو نماز فریضہ میں نہ پڑھنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس متفق علیہ حکم کی قطیعت میں شبہ ڈالنا ہے کہ جو کچھ معوذتین کے اندر ہے وہ قرآن ہے- جب سورہ فاتحہ سے سورہ کا ملانا واجب ہے پس دونوں سورتوں کا پڑھنا خواہ وہ بالفرض محال خواہ ظنی ہی ہو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں سورہ فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جائے- مجھے شیخ منیری کے اس کلام پر سخت تعجب آتا ہے-

جنّات: ایک روز جنات کا حال مجھ پر منکشف فرمایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جنات گلی کوچوں میں عام آدمیوں کی طرح چلتے پھرتے ہین اور ہر ایک جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے کہ قیدیوں اور گرفتاروں کی طرح ہو رہے ہیں- ان میں مخالفت کی مجال بالکل نہیں- ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ان سے کچھ ظہور میں آتا ہے اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا موکل کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہے اگر جن ذرا بھر مخالفت کرے تو ایک ہی چوٹ سے اس کا کام تمام کر دے-

گوشہ نشینی: (مکتوب ۵۶ دفتر سوم) گوشہ نشینی ضعیفوں اور اہل ستر عورتوں کے لیے مناسب ہے (مکتوب ۲۶۵ دفتر اول) آپ گوشہ نشینی اختیار کریں لیکن مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ دیں- مسلمان کے حقوق مسلمان پر پانچ ہیں-

(۱) اسلام کا جواب دینا (۲) بیمار پرسی کرنا (۳) جنازے کے ساتھ چلنا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) اور چھینک کا جواب دینا- لیکن دعوت قبول کرنے میں چند شرائط ہیں- احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں- چھت یا دیوار پر حیوانوں کی تصویریں ہوں- باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو یا کسی قسم کی لہو و لعب اور کھیل کود کا

شغل ہو یا غیبت اور بہتان اور جھوٹ کی مجلس ہو تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے بلکہ یہ سب امور اور اس کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں اور ایسے ہی دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا متبدع یا شریر۔ تکلف کرنے والا یا فخر و مباہات کا طالب ہو تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ مریض کی عیادت سنت ہے۔ اگر اس مریض کا کوئی شخص خبر گیر ہے اور اس کی بیمار پرسی کرتا ہے ورنہ اس بیمار کی بیمار پرسی واجب ہے اور نماز جنازہ میں حاضر ہونے کے لیے کم از کم چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا چاہیے تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے۔ جمعہ و جماعت و نماز پنجگانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریات اسلام سے ہے۔ ان سے چارہ نہیں لیکن چاہیے کہ اول نیت کو درست رکھیں اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں۔ نیت درست کرنے میں بڑی احتیاط کریں اور سات استخارے ادا کریں۔

(مکتوب ۲۷۰ دفتر اول) بعض صحبتیں ایسی ہیں جو گوشہ نشینی پر فضیلت رکھتی ہیں۔ حضرت اویس قرنیؒ کے حال پر قیاس کرنا چاہیے کہ چونکہ گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کر کے حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت میں حاضر نہ ہو سکے اس لیے صحبت کے کمالات ان کے نصیب نہ ہوئے اور تابعین میں سے ہو گئے اور پہلے درجے کی فضیلت اور خیریت سے نکل کر دوسرے درجے میں جا پڑے۔

شیطان: (مکتوب ۳۳ دفتر سوم) شیطان سراسر فتنہ ہے جو حق تعالیٰ نے بندوں کے امتحان اور آزمائش کے لیے مسلط کیا ہے اور اس کو ان کی نظر سے چھپا دیا ہے اور اس کے احوال پر ان کو اطلاع نہیں دی اور اس کو ان کے احوال سے واقف کر دیا ہے اور ان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح جاری کیا ہے۔ شیطان انسان کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور مشتبہات کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نفس امارہ کی مدد سے جو گھر کا دشمن ہے آدمی پر غلبہ پا جاتا ہے اور اس کو اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے۔ شیطان کا مکر فی حد ذاتہٖ ضعیف ہے لیکن خانگی دشمن کی مدد سے اپنا کام کر جاتا ہے۔ درحقیقت ہماری بلا ہمارا نفس امارہ ہی ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے۔ اس کمینے کے سوا کوئی بھی اپنے آپ کا دشمن نہیں باہر کا دشمن اسی کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے پس اول اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہیے اور اس کی تابعداری کو چھوڑنا چاہیے اور اس کو ذلیل و خوار کرنا چاہیے۔ اس جہاد کے ضمن میں بھائی کا سر بھی کٹ جائے گا اور وہ بھی ذلیل و خوار ہو جائے گا۔ اس راستے کے چلنے والے انسان کے حجاب اس کا اپنا ہی نفس ہے اور یہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو مسلمان نہیں ہو سکتا کہ ماں سے مراد عین ثابت ہو جو خارج میں وجود کے ظہور کا سبب ہے اس طائفہ کی اصطلاح ہیں عین ثابت کو ماں سے تعبیر کرتے ہیں۔ ماں سے مراد عین ثابت ہے اور اس مادر کا پدر اسم الٰہی سے مراد ہے جس اسم کا ظل اور عکس اور پرتو عین ثابت ہے چونکہ خارج اس اسم

کا ظہور عین ثابت کے ذریعے ہوا ہے اس لیے اس ظہور سے ولادت تعبیر کر کے مادر (ماں) کہتے ہیں کیونکہ اس طائفہ کے نزدیک تعینات ہیں جن کو تنزلات خمسہ اور حضرت خمسہ کہتے ہیں پس اس شخص کی ماں عالم وجوب سے ہوگی جس نے اس عالم امکانی میں ظاہر کیا ہے اور ماں کے ساتھ جفت ہونے کے معنی ہیں کہ اس شخص کا تعین امکانی اس یقین و جوبی کے ساتھ جو اس کی حقیقت ہے متحد ہو جاتا ہے۔ صوفیہ اپنی دید کے اندازہ کے موافق سکر اور غلبہ حال کے وقت اس قسم کی بہت سی باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ ان کو ظاہر پر محمول نہ جاننا چاہیے بلکہ ان کی توجیہہ میں مشغول ہونا چاہیے۔

مولانا حسن کشمیری: (مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) فضائل ماب مولانا حسن کشمیری دہلوی کے فقیر پر بہت حقوق ہیں کیونکہ ان ہی کے حسن دلالت سے ولایت پناہ۔ طریقی اندارج النہایت فی البدایت کے ہادی رواہی قدس سرہ کی دولت حضور سے مشرف ہوا اور اس طریق میں الف وبا کا سبق ان ہی سے لیا ہے اور ان ہی کی خدمت میں بے اندازہ فیوض و برکات کا استفادہ کیا۔

شہدائی سبیل اللہ کی چند چیزوں میں فضیلت: (مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) شہدا کو غسل کی حاجت نہیں اور انبیاء کو غسل دینا چاہیے شہدا پر نماز جنازہ نہیں آئی جیسے کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور انبیاء پر نماز جنازہ ادا کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ شہداء کو مردہ نہ جانو اور انبیاء کو مردہ فرمایا ہے یہ سب جزئی فضائل ہیں جو انبیاء کے فضل کلی میں قصور پیدا نہیں کرتے پس ہو سکتا ہے کہ ان فضائل جزیہ میں سے بعض کے گم ہو جانے کے باعث آنحضرت ﷺ پر حزن واندوہ طاری ہوتا کہ ان فضائل کی استعداد کے حاصل ہونے اور وہاں تک پہنچنے کا باعث ہو مثلاً نبوت کے ساتھ شہادت جمع ہو جائے۔

بہشت: (مکتوب ۳۰۲ دفتر اول) بہشت اور اس کے درختوں اور نہروں اور حور و غلمان کو دنیا کی اشیاء کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ جیسے کہ غضب و رضا ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ اشجار و انہار وغیرہ جو بہشت میں ہیں سب اعمال صالحہ کے نتائج اور ثمرات ہیں۔ حضرت پیغمبر وعلی آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بہشت میں کوئی درخت نہیں ہے۔ اس میں خود درخت لگاؤ۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم کس طرح درخت لگائیں۔

فرمایا کہ تسبیح اور تحمید اور تمجید اور تہلیل کے ساتھ یعنی سبحان اللہ کہو تاکہ بہشت میں ایک درخت تمہارے لیے لگ جائے پس بہشت کا درخت تسبیح کا نتیجہ ہے جس طرح اس کلمہ میں حروف واصوات کے لباس میں تنزیہہ مندرج ہے اسی طرح ان کمالات کو بہشت میں درخت کے لباس میں پوشیدہ فرمایا۔ جو کچھ

بہشت میں ہے عمل صالحہ کا نتیجہ ہے اور جو کمالات وجوبی کہ نہایت تنزیہ میں ہیں اور قول وعمل صالح کے لباس میں مندرج ہیں بہشت میں وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردے میں ظہور کریں گے پس وہ لذت ونعمت ضرور حق تعالیٰ کی پسندیدہ اور مقبول اور لقا اور وصول کے لیے وسیلہ ہوگی۔ رابعہؒ بے چاری اگر اسس سے آگاہ ہوتی ہرگز بہشت کے جلانے کا فکر نہ کرتی اور اس کی گرفتاری کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے ماسوا نہ جانتی برخلاف دینوی لذتوں اور نعمتوں کے جن کا منشاء خبث وشرارت ہے اور ان کا نجام آخرت میں مایوسی اور نا امیدی ہے۔

اعمال صالحہ: (مکتوب ۳۰۴ دفتر اول) مدت سے فقیر کو اس بات کا تردد تھا کہ ان اعمال صالحہ سے کہ حضرت سبحانہ نے اکثر آیات قرآنی میں ان پر بہشت میں داخل ہونا موقوف رکھا ہے آیا تمام اعمال صالحہ مراد ہیں یا بعض اگر تمام اعمال صالحہ مراد ہیں تو یہ امر بہت مشکل ہے کیونکہ تمام اعمال کے بجالانے کی توفیق شاید ہی کسی کو حاصل ہوئی۔ آخر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے دل میں آیا کہ اعمال صالحہ سے مراد شاید اسلام کے پانچ ارکان ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر اسلام کے یہ پنج گانہ اصول کامل طور پر ادا ہو جائیں تو امید ہے کہ نجات وفلاح ہو جائے گی کیونکہ یہ فی حد ذاتہٖ اعمال صالحہ ہیں اور تمام برائیوں اور منکرات سے روکنے والے ہیں۔

لاہور شہر: شہر لاہور میں آپ (قلیج خان) کے وجود سے بہت سے شرعی احکام اس زمانہ میں جاری ہو گئے ہیں اور اس جگہ میں دین کی تقویت اور مذہب کی ترویج حاصل ہو گئی ہے۔

اور لاہور شہر فقیر کے نزدیک ہندوستان (پاک وہند) کے تمام شہروں کی نسبت قطب ارشاد کی طرح ہے اس شہر کی خیر وبرکت ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگر وہاں ترقی ہے تو سب جگہ ترقی متحقق ہے۔

قرب الٰہی: (مکتوب ۳۱۳ دفتر اول) قرب الٰہی جل شانہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اور جذبہ وسلوک کے تمام مقامات کے طے کرنے پر موقوف ہے اور اصحاب کرام جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک ہی صحبت سے تمام اولیائے امت سے افضل ہو گئے وہ قرب جو فنا وبقا اور سلوک وجذبہ پر موقوف ہے۔ وہ قرب ولایت ہے جس کے ساتھ اولیائے امت مشرف ہوئے ہیں اور وہ قرب جو حضرت خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت سے اصحاب کرام کو میسر تھا۔ وہ قرب نبوت تھا جو تبعیت و وراثت کے طور پر آپ کو حاصل ہوا تھا اس قرب میں نہ فنا ہے نہ بقا نہ جذبہ سلوک اور یہ قرب کئی درجے قرب ولایت سے اعلیٰ وافضل ہے کیونکہ یہ قرب۔ قرب اصالت ہے اور وہ قرب ظلیت۔ اگر قرب

ولایت کی راہ سے کمالات نبوت کی بلندی پر عروج واقع ہو تو پھر فنا و بقا اور جذبہ و سلوک ضروری ہیں کیونکہ یہ سب اس قرب کے مبادی اور مُعِدّات یعنی اسباب ہیں۔ پس فنا و بقا اور جذبہ و سلوک کی عبارت محدث اور مشائخ کی مخترعات سے ہوگی۔ مولوی جامیؒ نفحات میں لکھتے ہیں کہ۔
اول جس شخص نے فنا و بقا کا دم مارا ہے حضرت ابو سعید خراز قدس سرہ ہیں----

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جبہ: (مکتوب ۲۱ دفتر اول) صاحب نفحات نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جبہ (مبارک) شیخ ابو سعید قدس سرہ کو پہنچا ہے۔

محبوبیت: (مکتوب ۹ دفتر اول) مقام عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے کیونکہ یہ معنی مقام عبدیت میں کامل طور پر پائے جاتے ہیں۔ محبوبوں کو اس مقام سے مشرف فرماتے ہیں۔ بندگی میں لذت حاصل ہونا اور اس کے ساتھ انس پکڑنا محبوبوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ محبوں کا انس محبوب کے مشاہدہ میں ہے۔ محبوبوں کا انس محبوب کی بندگی میں۔ اس انس میں ان کو اس (دید نقص) کی دولت سے مشرف فرماتے ہیں اور اس نعمت سے سرفراز کرتے ہیں۔ اس میدان کے شہسوار دین و دنیا کے سردار حبیب رب العالمین ﷺ ہیں اور جس کو محض اپنے فضل سے یہ دولت بخشنا چاہتے ہیں اس کو آنحضرت ﷺ کی متابعت عنایت فرماتے ہیں---محبوبیت میں جذبہ اول کا ہونا شرط ہے ہاں ہر جذبہ میں محبوبیت کے ایک قسم کے معنی حاصل ہیں کہ جن کے بغیر جذبہ نہیں ہوتا---محبوبوں میں ذاتی فضلی معنوں کا ظہور بھی آنحضرت ﷺ کی اتباع سے وابستہ ہے۔ وہ ذاتی معنی بھی آنحضرت کی ذاتی مناسبت کی وجہ سے ہیں۔

(مکتوب ۱۰ دفتر اول) دین و دنیا کے سردار آنحضرت ﷺ مرادیت اور محبوبیت کے سردار کے مقام کے باوجود محبین اور مریدین سے ہوئے ہیں۔

(مکتوب ۱۱ دفتر اول) اور حضرت صدیق اکبرؓ کے مقام کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ جیسا کبھی نظر نہ آیا تھا ظاہر ہوا اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا جس طرح کہ صفہ کو سطح زمین سے ذرا بلند بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت ہے اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا۔ اپنے آپ کو بھی اس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا۔

(مکتوب ۱۴ دفتر اول) حضور (پیر بزرگوار) نے ایک دن واقعات میں کسی واقع میں فرمایا تھا کہ اگر خاکسار میں محبوبیت کے معنی نہ ہوتے تو مقصود تک پہنچنے میں بہت توقف واقع ہوتا اور اس نسبت کو بھی جو خاکسار کی محبوبیت کو حضور کی عنایت کے ساتھ بیان فرمایا تھا۔ اس بات سے بھاری امید لگ رہی ہے

اور یہ جرات و گستاخی بھی اس وجہ سے ہے۔

قضا وقدر: (مکتوب ۱۸ دفتر اول) اور مسئلہ قضا وقدر کے راز پر اطلاع بخشی اور اس کو اس طرح ظاہر کیا کہ شریعت حقہ کے ظاہر اصول سے کسی طرح مخالف نہیں اور ایجاب کے نقص اور جبر کی آمیزش سے پاک وصاف ہے اور ظہور میں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جب یہ مسئلہ اصول شریعت کے مخالف نہیں ہے تو پھر اس کو کیوں پوشیدہ رکھا ہے ہاں اگر اس میں کچھ مخالفت ہوتی تو اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا مناسب ہے۔

فنا: (مکتوب ۲۱ دفتر اول) جب تک وہ موت جو موت معروف کے پہلے ہے اور اہل اللہ اس کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں ثابت نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کی جناب میں پہنچنا محال ہے بلکہ آفاقی جھوٹے خداؤں اور انفسی ہوائی خداؤں کی پرستش سے نجات نہیں مل سکتی۔ اس کے سوا نہ تو اسلام کی حقیقت کا پتہ لگتا ہے اور نہ ہی کمال ایمان میسر ہوتا ہے۔ بھلا پھر خدا کے بندوں کے گروہ میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں۔

ابرار: (مکتوب ۲۵ دفتر اول) ابرار سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو مقرب واصل نہ ہو خواہ ابتدا میں ہو یا وسط میں اگر چہ وسط سے رائی کے دانہ کے برابر باقی رہا ہو۔

درد والم۔ (مکتوب ۶۴ دفتر اول) اگر دنیا میں درد والم نہ ہوتے تو جو کے برابر اس کی قدر نہ ہوتی۔ اس کی ظلمتوں کو واقعات اور حادثات دور کر دیتے ہیں۔ حادثات کی تلخی داروئے تلخ کی طرح نافع ہے جس سے مرض کو دور کرتے ہیں۔

استدراج اور کرامت کی پہچان: (مکتوب ۱۰۷ دفتر اول) جب کرامت کا تصرف اور استدراج کی تاثیر نمائش اور ظہور میں برابر اور یکساں ہیں تو متبدی کس طرح پہچان سکتا ہے کہ یہ ولی صاحب کرامت ہے یا مدعی صاحب استدراج ہے۔۔۔ اگر اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ولی صاحب کرامت ہے اگر برخلاف ہوگا تو سمجھ لے گا کہ یہ مدعی صاحب استدراج ہے۔

خوابوں کی حقیقت: (مکتوب ۲۷۳ دفتر اول) اگر واقعات کا کچھ اعتبار ہوتا۔ منامات اور خوابوں کا کچھ بھروسہ ہوتا تو مریدوں کو پیروں کی حاجت نہ رہتی اور طریق میں سے کسی ایک طریق کا لازم پکڑنا عبث معلوم ہوتا کیونکہ ہر مرید اپنے واقعات کے موافق عمل کر لیتا اور اپنی خوابوں کے مطابق زندگی بسر کر لیتا۔ خواہ وہ واقعات ومنامات پیر کے طریقہ کے موافق ہوتے یا نہ ہوتے اور خواہ پیر کے پسند ہوتے یا نہ ہوتے۔ اس تقدیر پر سلسلہ پیری ومریدی درہم برہم ہو جاتا ہے اور ہر بوالہوس اپنی وضع پر مستقل

و بر قرار ہو جاتا حالانکہ مرید صادق ہزار ہا واقعات کو اپنے پیر کے باوجود نیم جو کے ساتھ نہیں خریدتا اور طالعب رشید حضور پیر کی بدولت منامات کو اضغاث اصلام یعنی جھوٹی خوابیں جانتا ہے اور کچھ التفات ان کی طرف نہیں کرتا۔ شیطان لعین بڑا بھاری دشمن ہے۔ جب منتہی اس کے مکر سے امن میں نہیں ہیں اور اس کے مکر سے ترساں ولرزاں ہیں تو پھر متوسطوں اور مبتدیوں کا کیا ذکر ہے۔ منتہی محفوظ ہیں اور شیطان کے غلبہ سے بچے ہوئے ہیں۔ مبتدیوں اور متوسطوں کا یہ حال ہے کہ دشمن کے مکر سے محفوظ نہیں ہیں۔ ان کے واقعات اعتماد کے لائق نہیں۔

نبی ﷺ کی خواب میں زیارت: وہ واقعہ جس میں حضرت پیغمبر ﷺ کو دیکھیں وہ صادق ہے اور شیطان کے مکروفریب سے محفوظ ہے کیونکہ شیطان حضور ﷺ کی صورت سے متمثل نہیں ہوسکتا جیسے کہ احادیث میں وارد ہے پس یہ واقعات جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں صادق اور شیطان کے مکروفریب سے محفوظ ہیں (سوال)

(جواب) صاحب فتوحات مکیہ فرماتے ہیں کہ شیطان آنحضرت ﷺ کی اس صورت خاصہ کے ساتھ جو مدینہ منورہ میں مدفون ہے متمثل نہیں ہوسکتا اور ان تمام صورتوں میں متمثل نہ ہونے کا حکم تجویز نہیں کرتا اور کچھ شک نہیں کہ اس صورت خاصہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تشخیص خصوصاً منامات میں بہت مشکل ہے پھر کس طرح اعتماد کے لائق ہو اور اگر شیطان کے متمثل نہ ہونے کو آنحضرت ﷺ کی صورت مخصوصہ کے ساتھ مخصوص نہ کریں اور ہر صورت میں کہ دیکھیں عدم تمثل کو تجویز کریں جیسے کہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں تو یہ بات بھی آنحضرت ﷺ کی بلندی شان کے مناسب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس صورت سے احکام اخذ کرنا اور آنحضرت ﷺ کی مرضی اور نامرضی کا معلوم کرنا مشکل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دشمن لعین درمیان میں آ گیا ہو اور خلاف واقع کو واقع کی صورت میں ظاہر کیا ہو اور دیکھنے والے کو شک وشبہ میں ڈال دیا ہو اور اپنی عبارت واشارت کو اس صورت سے علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عبارت واشارت کر دکھایا ہو۔

جب آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بیداری کے وقت صحابہ کی مجلس میں شیطان لعین نے اپنے کلام باطل کو حضور کے کلام میں القا کر دیا اور کسی نے تمیز نہ کی تو حضور کی وفات کے بعد خواب کی حالت میں جو حواس کے معطل اور بیکار ہونے کا محل اور شک وشبہ مقام ہے باوجود دیکھنے والے کی تنہائی کے کہاں سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ شیطان کے تصرف اور مکروفریب سے محفوظ و مامون ہے یا میں کہتا ہوں کہ جب نعتیہ قصیدوں کے پڑھنے اور سننے والوں کے اذہان میں متمکن ہو چکا تھا آنحضرت ﷺ اس عمل سے

راضی ہیں جیسے کہ ممدوح اپنی مدح کرنیوالوں سے راضی ہوتے ہیں اور یہ معنی انکی قوت متخیلہ میں منقش ہو گئے ہوں تو ہوسکتا ہے کہ واقعہ میں اسے اپنی قوت متخیلہ صورت کو دیکھا ہو بغیر اس بات کے کہ وہ واقعہ حقیقی ہو یا تمثل شیطانی اور نیز واقعات اور رویائے صادقہ کبھی ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت وہی ہے جو دیکھنے والے نے دیکھی ہے--- پس کس طرح معلوم ہو سکے کہ یاروں کے یہ واقعات ظاہر پر محسمول ہوں اور ظاہر سے معروف اور پھرے ہوئے نہیں ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان واقعات سے مراد ان کی تعبیریں ہوں اور وہ واقعات دوسرے امور سے کنایہ ہوں- بغیر اس بات کے شیطانی تمثل کی گنجائش ہو- غرض واقعات کا کچھ اعتبار نہ کرنا چاہیے اشیا خارج میں بہت موجود ہیں کوشش کرنی چاہیے کہ اشیاء کو بیداری میں دیکھیں جو اعتبار کے لائق ہے اور اس میں تعبیر کی بھی گنجائش نہیں جو کچھ خواب وخیال میں دیکھا جائے خواب وخیال ہی ہے-

موت وحیات: (مکتوب ۲۹۲ دفتر اول) بزرگوں نے فرمایا ہے کہ شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے- احیاء اماتت مقام شیخی کے لوازم سے ہے اور اس سے مراد روحانی احیاء اماتت ہے نہ جسمانی اور اس حیات وموت سے مراد فنا وبقا ہے جو مقام ولایت وکمال تک پہنچاتے ہیں- باقی رکھنا اور فنا کرنا جسمانی احیا واماتت کو مرتبہ شیخی سے کچھ واسطہ نہیں شیخ مقتداء کہربا کا حکم رکھتا ہے اور جس کسی کو اس سے مناسبت ہوتی ہے خس وخاشاک کی طرح اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اپنا حصہ لے لیتا ہے- خوارق و کرامات مریدوں کے جذب کرنے کے لیے نہیں ہیں- مرید روحانی اور باطنی مناسبت سے **کھچے چلے** آتے ہیں-

جنات (حصہ دوم)- (مکتوب ۵۸ دفتر دوم)

جن جو مختلف شکلیں بن جاتے ہیں اور مختلف جسدوں میں متجسد ہو جاتے ہیں اس وقت ان سے اعمال عجیبہ جو ان شکلوں اور اجسام کے مناسب ہیں ظہور میں آتے ہیں اور ان میں کوئی تناسخ اور حلول نہیں- وہ اس جن کے صفات وحرکات وسکنات کا ظہور ہے-

استمداد اولیاء - (مکتوب ۵۸ دفتر دوم) جب جنوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر عجیب وغریب کام کریں تو اگر کاملین کی ارواح کو یہ طاقت بخش دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کی کیا حاجت ہے--- اسی قسم کی ہیں وہ بعض حکایات جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں--- ان کے لطائف مختلف اجسام میں متجسد ہو کر اور مختلف شکلوں میں

متشکل ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور مردہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا ہے اور ان بزرگوں کو اس بلیہ کے دفع کرنے کی اطلاع کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی ---یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہیں کبھی عالم مثال میں۔ جس طرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں ہیں اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ حاصل کرتے ہیں اور مشکلات کو حل کرتے ہیں۔

تصوف ---- سلوک وطریقت

ولایت کی حقیقت - ولایت کے درجات اور

متعلقہ امور اولیاء اللہ کے قربِ الٰہی کے مراتب

''الٰہی! یہ کیا بات ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کے باطن کو آب حیات بنا رکھا ہے کہ جس نے ایک قطرہ چکھا اسے حیات ابدی نصیب ہوگئی اور ان کے ظاہر کو زہر قاتل بنا رکھا ہے کہ جس نے اس کی طرف دیکھا وہ ابدی موت میں گرفتار ہوا - یہ (اولیاء) ایسے لوگ ہیں کہ ان کا باطن رحمت اور ان کا ظاہر زحمت ہے - ان کے باطن کو دیکھنے والا ان ہی میں سے ہوا اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا بدکیش ہے بظاہر عوام بشر ہیں اور بہ باطن خواص ملک - ظاہر میں زمین پر ہیں اور حقیقت میں آسمان پر ان کا ہم نشین بدبختی سے بچا ہوا ہے اور ان کا غم خوار سعادت مند ہے - یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں اور یہی لوگ اہل نجات وفلاح ہیں - حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ ان کے ظاہر کو بھی اس کے باطنی کمالات کی خبر نہیں چہ جائیکہ غیر انسان ان سے واقف ہو''

(مبداء ومعاد)

اولیاء اللہ اور ولایت

مردہ دلوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے آیت عظمیٰ ہے - یہی لوگ اہل زمین کا امن اور غنیمت روزگار ہیں ان ہی لوگوں کی طفیل لوگوں پر بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی طفیل رزق ملتا ہے -

ان کی کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا - یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا اور ان کا دوست رحمت حق سے ناامید نہیں ہوتا (مکتوب ۳۰ دفتر دوم)

درحقیقت اہل اللہ کا وجود ہی کرامت ہے (مکتوب ۹۲ دفتر دوم)

ولایت قرب الٰہی سے مراد ہے (مکتوب ۹۲ دفتر دوم)

شیخ الاسلام حضرت ہرویؒ فرماتے ہیں کہ:-

''یاالٰہی یہ کیا ہے کہ تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچان لیا تجھ کو پا لیا -- اور جب تک تجھ کو نہ پایا - ان کو نہ پہچانا اس گروہ کا بغض زہر قاتل ہے اور ان پر طعن کرنا ہمیشہ کی مایوسی کا باعث ہے الٰہی! جس کو تو اپنے دربار سے دھتکارنا چاہتا ہے اس کو ہمارا مخالف بنا دیتا ہے-'' اولیاء اللہ دریائے نیل کی طرح ہیں مجوبوں کے لیے بلا اور محبوبوں کے لیے پانی ہیں

(مبداء و معاد)

حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ

''الٰہی جس کو تو تباہ کرنا چاہتا ہے اس کو ہمارا دشمن بنا دیتا ہے-'' حق تعالیٰ سید البشر ﷺ کی طفیل تمام مسلمانوں کو فقراء کے انکار اور درویشوں کے طعن سے نگاہ میں رکھے-

ولایت نظر و عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے (مکتوب ۱۹۸ دفتر اول)

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے- یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کو پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ کو پالیا --- ان کی صحبت سراپا نور و ضیاء ہے- یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ محروم و ناامید ہوا اور جس نے ان کے باطن کو دیکھا بزرگ ہو گیا- (مکتوب ۵۲ دفتر دوم)

اولیاء اللہ کے حجابات ان کی بشری صفات ہیں جن چیزوں کی باقی تمام لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے ان بزرگواروں کو بھی ہوتی ہے ان کا ولی ہونا انہیں احتیاج (ضروریات زندگی) سے بری نہیں کر سکتا --- یہ عجیب معاملہ ہے کہ جس قدر صفات بشریت کا ظہور اہلِ اللہ میں ہوتا ہے باقی لوگوں میں نہیں ہوتا - تاریکی عوام الناس کے قالب - قلب اور روح و نفس میں سرایت کرتی ہے لیکن خواص میں صرف قالب اور نفس تک محدود رہی ہے- خواص الخواص میں نفس بھی اس تاریکی سے بری ہوتا ہے صرف قالب تک محدود رہتا ہے- ان کی ناراضی بھی عام لوگوں کی ناراضی کی طرح ہوتی ہے- حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں بھی عام انسانوں کی طرح ناراض ہوتا ہوں تو اولیاء اللہ کیونکر اس سے بری ہو سکتے ہیں- کھانے پینے اور اہل و عیال سے زندگی بسر کرنے اور ان سے انس کرنے میں اولیاء اللہ اور باقی لوگ بھی شریک ہیں- مختلف تعلقات جو لازمہ بشریت ہیں- خواص و عوام سے زائل نہیں ہو سکتے-

پس جن کی نگاہ اولیاء اللہ کے صرف ظاہر پر پڑتی ہے وہ نعمت الٰہی سے محروم رہتا ہے اور دنیا و آخرت کا نقصان اٹھاتا ہے اسی ظاہر بینی نے ابوجہل اور ابولہب کو دولت اسلام سے محروم رکھا اور ابدی

نقصان میں ڈال دیا باسعادت وہی ہے جو اہل رتبہ کے ظاہر کا چنداں خیال نہیں کرتا بلکہ اس کی نظر ان کے باطنی اوصاف تک پہنچتی ہے (مبداء و معاد)

علم و عمل اور اخلاص۔طریق صوفیہ کے چلنے کی ضرورت۔(مکتوب ۵۹ دفتر اول)

انسان کو تین چیزوں سے چارہ نہیں تا کہ نجات ابدی حاصل ہو جائے (یعنی) علم۔عمل اور اخلاص----
علم دو قسم کا ہے۔ایک وہ علم جس سے مقصود عمل ہے جس کا متکفل علم فقہ ہے۔دوسرا وہ علم ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور دل کا یقین ہے جو علم کلام میں مفصل مذکور ہے۔اور فرقہ ناجیہ اہلسنت کے قیام میں صحیح اور عقیدے کے موافق ہے۔نجات ان بزرگواروں کے اتباع کے بغیر محال ہے اور اگر بال بھر بھی مخالفت ہے تو کمال خطرہ ہے۔یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر حاصل ہو چکی ہے۔
اس میں کچھ خلاف نہیں ہے۔خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس کو ان کی متابعت کی توفیق حاصل ہوئی اور ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس نے ان کی مخالفت کی اور ان سے الگ ہو گیا اور ان کے گروہ سے نکل گیا۔پس وہ خود بھی گمراہ ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔پس رویت اور شفاعت کا منکر ہوا اور صحبت کی فضیلت اور صحابہ کرام کی بزرگی اس سے مخفی رہی اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ اور اولاد بتولؓ کی محبت سے محروم رہا۔
اخلاص۔اور اخلاص کا حاصل ہونا علم و عمل کے لیے (بمنزلہ) روح ہے جو طریق صوفیہ پر چلنے پر منحصر ہے جب تک سیر اللہ قطع نہ کریں اور سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق نہ ہو جائیں حقیقت اخلاص سے دور اور مخلصوں کے کمالات سے مہجور رہتے ہیں۔اگر چہ عام مومنین کو بھی تکلف اور تمحل کے ساتھ بعض اعمال میں مجمل طور پر اخلاص حاصل ہو جاتا ہے مگر وہ اخلاص جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں وہ ہے جو تمام اقوال و افعال اور حرکات وسکنات میں حاصل ہے اور اس میں کسی تکلف اور بناوٹ کو راہ نہیں۔یہ اخلاص انفسی اور آفاقی معبودوں کے فنا پر منحصر ہے جو فنا اور بقا اور ولایت خاصہ کے درجے تک پہنچنے سے وابستہ ہے جو اخلاص تکلف اور بناوٹ کا محتاج ہے وہ ہمیشہ نہیں رہتا۔اخلاص کا دوامی طور پر حاصل ہونا جو مرتبہ حق الیقین میں سے ہے اس میں بے تکلف ہونا ضروری ہے۔پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کے لیے کرتے ہیں نہ اپنے نفس کے لیے کیونکہ ان کے نفوس خدا پر قربان ہو چکے ہیں ان کے لیے اخلاص کے حاصل ہونے میں نیت کو صحیح کرنا ضروری نہیں ہے ان کی نیت فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے درست ہو چکی ہے۔
دوامی اخلاص والا مخلص بفتح لام ہے اور جس کو دوام حاصل نہیں ہے اور ابھی اخلاص کا کسب کرتا ہے مخلص

بکسر لام ہے اوران دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے اور طریق صوفیہ سے علم وعمل میں جونفع حاصل ہوتا ہے کہ علوم کلامیہ استدلالیہ کشفی ہو جاتے ہیں اور اعمال کو ادا کرنے میں بڑی آسانی حاصل ہو جاتی ہے اور جو سستی شیطان اور نفس کی طرف سے واقعہ ہوتی ہے دور ہو جاتی ہے۔

(مکتوب ۴۰ دفتر اول) سلوک کی منزلیں طے کرنے اور جذبہ کے مقامات کو قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ سیر وسلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو آفاقی اور نفسی فنا پر منحصر ہے اور اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے کیونکہ شریعت کے تین جزو ہیں علم وعمل اور اخلاص۔ پس طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے تیسرے جزو اخلاص کی تکمیل کے لیے شریعت کے خادم ہیں مگر ہر ایک کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اکثر اہل جہاں نے بے ہودہ اور نکمی باتوں پر کفایت کی ہے وہ شریعت کے کمالات کو کیا جانتے ہیں اور طریقت اور حقیقت کا کیا پتہ لگا سکتے ہیں۔ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ صوفیہ کی بے ہودہ باتوں پر مغرور اور احوال مقامات پر فریفتہ ہیں۔

ولایت خاصہ اور عامہ۔ (مکتوب ۱۳۵ دفتر اول جاننا چاہیے کہ ولایت فنا اور بقا سے مراد ہے اور وہ عام ہے یا خاص۔ عامہ سے ہماری مراد مطلق ولایت ہے اور ولایت خاصہ سے مراد ولایت محمدیہ ہے علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کہ جس میں فنا اتم اور بقا اکمل ہے اور جو شخص اس بڑی نعمت سے مشرف ہو اس کا بدن طاعت کے لیے نرم ہو جاتا ہے اور اس کا سینہ اسلام کے لیے کھل جاتا ہے اور اس کا نفس مطمئنہ ہو کر اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کا مولیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کا دل دلوں کے پھیرنے والے کے لیے صحیح وسلامت ہو جاتا ہے اور اس کی روح پورے طور پر حضرت صفات لاہوت کے مکاشفہ کی طرف پرواز کرتی ہے اور اس کا سر شیون واعتبارات کے ملاحظہ کے ساتھ مقام مشاہدہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس مقام میں تجلیات ذاتیہ برقیہ سے مشرف ہو جاتا ہے اور اس کا خفی کمال منزہ اور تقدس اور کبریا کے باعث متحیر ہوتا ہے اور اس کے اخفی کو بلا تکلیف وبلا مثال اتصال حاصل ہوتا ہے۔۔۔اور وہ بات کہ جس کا جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ولایت خاصہ محمدیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام عروج ونزول کی دونوں اطراف میں ولایت کے تمام مرتبوں سے متمیز ہے لیکن عروج کی طرف اس وجہ سے کہ اخفی کا فنا و بقا دونوں اس ولایت خاصہ سے مختص ہیں اور باقی ولائتوں کا عروج فقط خفی تک ہے۔ ان کے درجات کے اختلاف کے بموجب یعنی بعض ولایت والوں کا عروج مقام روح تک اور بعض کا سر تک اور بعض کا خفی تک ہے اور یہ درجہ ولایت عامہ کے درجات میں سے زیادہ اعلیٰ ہے لیکن نزول کی طرف میں اس وجہ

سے کہ اولیائے محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسموں کے لیے اسی ولایت کے درجات کے کمالات سے کچھ حاصل ہے۔

سیر وسلوک ۔ (مکتوب ۱۴۴ دفتر اول) سیر وسلوک حرکت علمی سے مراد ہے جو مقولہ کیف سے ہے کیونکہ حرکت اینی یعنی مکانی کی یہاں گنجائش نہیں ہے پس سیر الی اللہ حرکت علمی سے مراد یہ ہے کہ جو علم اسفل سے علم اعلیٰ تک جاتی ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ تک حتیٰ کہ ممکنات کے علوم طے کرنے اور کلی طور پر ان کے زائل ہو جانے کے بعد واجب تعالیٰ کے علم تک منتہی ہو جاتی ہے اور یہ حالت وہی ہے جو فنا سے تعبیر کی گئی ہے اور سیر فی اللہ مراد ہے اس حرکت علیہ سے جو مراتب وجوب یعنی اسماء و صفات وشیون و اعتبارات تقدیسات وتنزیہات میں ہوتی ہے اور اس مرتبہ تک منتہی ہوتی ہے جس کو کسی عبارت سے تعبیر نہیں کر سکتے اور نہ کسی اشارہ سے بیان کی جا سکتی ہے اور نہ کسی نام سے اس کا نام رکھا جا سکتا ہے نہ کسی کنایہ سے ادا ہو سکتی ہے اور نہ اس کو عالم جانتا ہے اور نہ مدرک اس کا ادراک کر سکتا ہے اور اس سیر کا نام بقا رکھا گیا ہے اور سیر عن اللہ باللہ جو تیسرا سیر ہے وہ بھی مراد حرکت علمیہ سے ہے جو علم اعلیٰ سے علم اسفل کی طرف نیچے آتی ہے اور اسفل سے اسفل کی طرف یہاں تک کہ ممکنات کی طرف پس پار جوع کرتی ہے اور تمام مراتب وجوب کے علوم سے نزول کرتی ہے اور ایسا عارف اللہ کے ساتھ بھلانے والا ہے اور اللہ کی طرف سے اللہ کے ساتھ پھرنے والا اور وہ واجد فاقد اور وہ واصل مہجور اور وہ قریب بعید ہوتا ہے اور چوتھا سیر جو اشیاء میں سیر سے یکے بعد دیگرے اشیاء کے علوم حاصل ہونے سے مراد ہے۔ بعد اس کے تمام اشیاء کے علوم میں سیر اول میں زائل ہو جائیں پس سیر اول سیر چہارم کے مقابل ہے اور تیسرا سیر دوسرے کے مقابلے میں سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ نفس ولایت کے حاصل ہونے کے واسطے ہیں جو فنا اور بقا سے مرادہ ہے اور تیسرا سیر اور چوتھا سیر مقام دعوت کے حاصل ہونے کے واسطے ہیں جو انبیائے مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور کامل تابعداروں کو بھی ان بزرگواروں کے مقام سے کچھ حاصل ہوتا ہے۔

ولایت ظلی یا ولایت صغریٰ ۔ (مکتوب ۳ دفتر دوم) جو کچھ انفس و آفاق کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے اس پر ظلیت کا داغ لگا ہوتا ہے اس واسطے نفی کے لائق ہے تاکہ اصل ثابت ہو جائے۔۔ ولایت ظلی جس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اس کا نہایت کمال تجلی برقی کے ظاہر ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ تجلی برقی ولایت کبریٰ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے۔ پہلا قدم ہے اور ولایت صغریٰ اولیاءؒ کی ولایت ہے۔ اس بیان سے اولیاء کی ولایت کی ابتداء ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ

نقشبند قدس سرہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے تبیعت اور وراثت کے طور پر حصہ پایا ہے جس کے سبب انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔ یہ فقیر اس قدر جانتا ہے کہ نقشبندیہ نسبت وحضور جب کمال تک پہنچ جاتے ہیں تو ولایت کبریٰ سے جاملتے ہیں اور اس ولایت کے کمالات سے حظ وافر حاصل کر لیتے ہین برخلاف دوسرے طریقوں کے کہ جن کے کمال کی نہایت تجلی برقی ہی ہے۔۔۔جن لوگوں نے حق تعالیٰ کے فعل کو قدیم کہا ہے انہوں نے صحبت اول کی طرف نظر کر کے کہا ہے اور جنہوں نے حق تعالیٰ کے فعل کو حادث کہا ہے ان کی نظر دوسری جہت ہے۔ اول گروہ کی نظر بلند ہے اور دوسرے گروہ کی پست کیونکہ یہ دونوں گروہ حق کو چھوڑ کر افراط وتفریط کی طرف جا پڑے ہیں اور حق متوسط وہی ہے جس کے ساتھ یہ فقیر ممتاز ہوا ہے۔

پیوستن اور گستن ۔ (مکتوب ۴۲ دفتر دوم) سالک کے آئنہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ظہور جو سیر انفسی میں انہوں نے کہا ہے اور اس تجلیہ بعد تخلیہ کجھی ہیں درحقیقت وہ ظہور اسمائے صفات کا ظہور اور تحلیہ بعد تخلیہ نہیں ہے بلکہ اسماء وصفات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہے جس سے تحلیہ اور تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ظل کے پیوستن (جوڑنا) گستن (توڑنے) سے مقدم ہے یعنی جب تک مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل سالک کے آئینے میں منعکس نہ ہو مطلوب کے غیر سے گستن (توڑنا) متصور نہیں ہوسکتا۔ لیکن اصل کا پیوستن گستن کے حاصل ہونے کے بعد ہے پس مشائخ میں اسے جنہوں نے پیوستن کو مقدم کر رکھا ہے اس سے مراد ظل کا پیوستن ہے اور جنہوں نے گستن کو پیوستن پر مقدم کیا ہے اس سے مراد اصل کا پیوستن سمجھنا چاہیے۔ معلوم ہوا کہ ظل کا پانا آزاد ہونے سے پہلے ہے اور اصل کا پانا آزاد ہونے کے بعد۔ پس کوئی اشتباہ نہ رہا۔ جیسے کہ صبح کے وقت طلوع آفتاب کی شعاعوں کا ظہور ہوتا ہے تاکہ جہان کو اندھیرے سے خالی کر کے صاف کر دے اور اندھیروں کے دور ہونے کے اور صفائی حاصل ہونے کے بعد نفس آفتاب کا طلوع ہوتا ہے پس آفتاب کے ظل کا ظہور ظلمات کے زوال سے پہلے ہے۔

منازلِ سلوک ۔ (مکتوب ۱۶۱ دفتر اول) منازل سلوک طے کرنے سے مقصد ایمان حقیقی کا حاصل ہوتا ہے جو نفس کے مطمئنہ ہونے پر وابستہ ہے جب تک نفس مطمئنہ ہو جائے نجات ناممکن ہے اور نفس اطمینان کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا جب تک اس پر قلبی سیاست نہ ڈالیں اور سیاست قلبی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ دل اس کام سے جو اس کے سامنے ہے فارغ ہو جائے اور ماسوائے حق کی گرفتاری سے سلامتی حاصل کرے اور ماسوائے اللہ کی گرفتاری سے دل کے سلامت ہونے کی علامت

ماسوائے حق کا نسیان ہے۔

مشائخ طریقت کے تین گروہ - (مکتوب ۱۶۰ دفتر اول) مشائخ طریقت کے تین گروہ ہیں- پہلا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ عالم حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہے اور جو کچھ اس میں ہے سب حق تعالیٰ کی ایجاد ہے- یہ بزرگوار مقام معتقدات کلامیہ میں جو کتاب سنت واجماع کے موافق ثابت ہوئے ہیں اور علمائے اہل سنت کے ساتھ متفق ہیں- اس گروہ کے لوگ اتم واکمل ہیں اور کتاب وسنت کے ساتھ اسلم واوفق ہیں- دوسرا گروہ عالم کو حق تعالیٰ کا ظل جانتا ہے اور اس بات کا قائل ہے کہ عالم خارج میں موجود ہے لیکن بطریق ظلیت نہ بطریق اصالت اور ان کا وجود حق تعالیٰ کے وجود سے قائم ہے جیسے کہ سایہ اپنے اصل سے قائم ہوتا ہے تیسرا گروہ وحدت وجود کا قائل ہے یعنی خارج میں ایک ہی موجود ہے اور وہ حق تعالیٰ کی ذات ہے اور عالم خارج میں علمی ثبوت کے سوا ہرگز کوئی ثبوت نہیں ہے- اگرچہ یہ لوگ وصل وکمال کے درجات کی تفاوت کے موافق واصل اور کامل ہیں لیکن ان کی باتیں خلقت کو گمراہی اور الحاد کی طرف رہنمائی کر کے زندقہ تک پہنچا دیتی ہیں-

ترک دنیا - (مکتوب ۱۶۳ دفتر اول) جس طرح اسلام کفر کی ضد ہے اسی طرح آخرت بھی دنیا کی ضد ہے- دنیا اور آخرت دونوں جمع نہیں ہوتیں- دنیا کا ترک دو قسم پر ہے- ایک تو یہ کہ بقدر ضرورت کے سوا اس کے تمام مباحات کو ترک کر دیا جائے دوسری قسم یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ امور سے پرہیز کی جائے اور مباح امور سے فائدہ اٹھایا جائے- یہ قسم بھی خاص کر ان دونوں میں نہایت کمیاب اور عزیز اور عزیز الوجود ہے پس ناچار چاندی سونے کے استعمال اور حریر یعنی ریشم کے پہننے وغیرہ سے جن کو شریعت مصطفوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے حرام کیا ہے پرہیز کرنا چاہیے- چاندی سونے کے برتن سے جو شان وشوکت کے لیے بنائے جاتے ہیں البتہ گنجائش رکھتے ہیں لیکن ان کا استعمال کرنا یعنی ان میں پانی پینا اور کھانا کھانا اور خوشبو ڈالنا اور سرمہ دان بنانا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہیں-

درویشوں کی خدمت میں حاضری - (مکتوب ۱۵۷ دفتر اول) اس گروہ کے پاس خالی ہو کر آنا چاہیے تاکہ بھرے ہوئے واپس جائیں اور اپنی مفلسی کو ظاہر کرنا چاہیے تاکہ ان کو شفقت آئے اور استفادہ کا راستہ کھل جائے- امتلا یعنی پر شکمی کا پھل سوائے بیماری کے کچھ نہیں اور استغنا سے سوائے سرکشی اور کچھ نہیں ہوتا- حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا ہے کہ اول خستہ دل کی عجز و نیاز اور پھر شکستہ دل کی توجہ پس عجز و نیاز شرط ہے۔

قدس جلشانہ کی طرف جانے کا راستہ - (مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم) وہ راہ جو جناب قدس

جل شانہ کی طرف جانے والے ہیں دو ہیں - ایک وہ راستہ جو قرب نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے - اس راہ کے پہنچنے والے بالا صالت انبیاء کرام اور ان کے اصحاب ہیں اور امتوں میں سے جس کسی کو چاہیں اسی دولت سے سرفراز کرتے ہیں مگر یہ لوگ قلیل بلکہ اقل ہیں اس راستے میں واسطہ اور حیلولہ نہیں ہے - ان واصلوں میں سے جو کوئی فیض حاصل کرتا ہے کسی واسطے کے بغیر اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی ایک دوسرے کا حائل نہیں ہوتا - دوسرا وہ راستہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے - تمام اقطاب - اوتاد اور ابدال اور نجیب اور عام اولیاء اللہ سب اسی راستے سے واصل ہوتے ہیں راہ سلوک اسی سے مراد ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے - اس راستے میں واسطہ اور حیولہ ثابت ہے - اس راہ کے واصلوں کے پیشوا سے ہے سرگروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کے سرچشمہ حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان مرتبہ ان ہی سے تعلق رکھتا ہے - اس مقام میں گویا آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک قدم حضرت علی مرتضی کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمۃ الزہرہؓ اور حضرت حسنینؓ بھی اس مقام میں انکے شریک ہیں میرے خیال میں حضرت امیرؓ وجود عنصری یعنی پیدائش سے پہلے بھی اسی مقام کی پناہ میں رہے ہیں جیسے کہ وجود عنصری کے بعد ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض وہدایت پہنچتا ہے ان ہی وسیلے سے پہنچتا ہے لیکن اس راہ کے آخری نقطہ یہی ہیں اور اس مقام کا مرکز ان ہی سے تعلق رکھتا ہے - حضرت امیرؓ کے بعد یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرت حسنینؓ کے سپرد ہوا اور ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب وتفصیل وار قرار پایا - ان بزرگواروں کے زمانے میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرما چکنے کے بعد جس کسی کو فیض وہدایت پہنچتا رہا ان ہی بزرگواروں کے واسطے اور حیلولہ سے ہی پہنچتا رہا گو اپنے زمانے کے اقطاب ونجبا ہی ہوئے لیکن سب کا ملجاو ماویٰ یہی بزرگوار ہوئے ہیں کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ قدس سرہ کی نوبت آ پہنچی اور منصب مذکورہ جس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا اور منصب مذکور بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہ کے سوا اور کوئی شخص اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا - اس راستے میں تمام اقطاب ونجبا کو فیوض وبرکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہ ہی کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا جب تک فیضان کے وسیلے کا معاملہ برپا ہے شیخ قدس سرہ کے توسل وتوسط ہی سے ہے -

ولایت کے مراتب - (مبداء ومعاد) ولایت کی سیر میں اولیاء کے مختلف مراتب ہیں - بعض میں صرف ایک درجہ - ولایت کی استعداد ہوتی ہے بعض میں دو کی بعض میں تین کی اور بعض میں چار کی -

خال خال ایسے ہوتے ہیں جو ولایت کے پانچویں درجے کو حاصل کرتے ہیں ان پانچ درجوں میں سے پہلا درجہ تجلی افعال سے وابستہ ہے۔ دوسرا تجلی صفات اور باقی تین درجے مرتبہ تجلیات ذاتی سے وابستہ ہوتے ہیں لیکن جس کمال کو میں معتبر سمجھتا ہوں وہ ان پانچوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد اس کمال کا ظہور نہیں ہوا جو جذبہ وسلوک کے کمال سے بڑھ کر ہے۔ انشاء اللہ یہ کمال آخری زمانے میں حضرت مہدی موعود میں ظاہر ہوگا۔

مراتب کمال میں استعدادوں کا تفاوت ۔ (مکتوب ۱۵۸ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ مراتب کمال میں استعدادوں کے تفاوت کے موافق تفاوت ہوتا ہے اور کمال میں تفاوت کبھی کمیت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے اور کبھی دونوں کمیت اور کیفیت کی رو سے پس بعض کا کمال تجلی صفائی پر ہے اور بعض دوسروں کا کمال تجلی ذاتی تک ہے۔ باوجود بہت سے تفاوت کے جو ان دونوں تجلیات کے افراد اور ان کے ارباب کے مابین ہے پس بعض کا کمال تجلی ذاتی تک ہے۔ بعض کا کمال ماسوائے حق سے دل کی سلامتی اور روح کی آزادی تک ہے اور دوسرے کا کمال ان دونوں کے علاوہ شہود سری تک اور تیسرے کا کمال ان تینوں کے علاوہ۔

اولیاء کی دعوت ۔ (مکتوب ۹۲ دفتر دوم) ولی کو اپنی ولایت کا علم نہیں ہوتا۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ اپنی ولایت کا علم نہیں رکھتے تو پھر دوسروں کو ان کی ولایت کا علم کس طرح ہوگا۔۔

دعوت۔ علماء صرف ظاہر شریعت کے موافق دعوت کرتے ہیں اور اولیاء شریعت کے ظاہر و باطن کے موافق دعوت کرتے ہیں۔ اول مریدوں اور طالبوں کو توبہ وانابت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور احکام شرعیہ بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں پھر ذکر الٰہی بتاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ تمام اوقات ذکر میں مشغول رہیں تاکہ ذکر غالب ہو جائے اور مذکور کے سوا دل میں کچھ نہ رہے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ رسالہ قدسیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ جسد کا زندہ کرنا اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اعتبار رکھتا تھا اس لیے اہل اللہ اس طرف سے منہ پھیر کر روح اور قلب کو زندہ کرنے میں مشغول ہوئے ہیں واقعی جسدی زندگی قلبی اور روحانی زندگی کے مقابلہ میں راستے میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہے اور اسکی طرف نظر کرنا عبث اور بے فائدہ ہے کیونکہ جسد ہی زندگی کا باعث ہے۔ روحانی اور قلبی زندگی دائمی حیات کا موجب ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ درحقیقت اہل اللہ کا وجود ہی کرامت ہے اور خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کا زندہ کرنا خلق کو حق تعالیٰ کی آیات میں سے آیت عظمیٰ ہے۔ یہی لوگ اہل زمین کا امن اور غنیمت روزگار ہیں۔ ان ہی لوگوں کی طفیل

لوگوں پر بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی طفیل رزق ملتا ہے۔ ان ہی کی شان میں وارد ہے کہ ان کی کلام دوا ہے اور انکی نظر شفا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ لوگ جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اور ان کا دوست رحمت حق سے ناامید نہیں ہوتا۔

جھوٹے اور سچے ولی میں امتیاز ۔ وہ علامت جس سے اس گروہ کا جھوٹا اور سچا جدا ہو سکتے یہ ہے کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں دل کو حق تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے وہ شخص سچا ہے اور درجات کے اختلاف کے بموجب اولیاء میں شمار ہے مگر یہ بھی ان لوگوں کے لئے ہے جو اس گروہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسبت نہیں وہ محروم مطلق ہیں میں لکھتا ہے کہ ایک دن صاحب قران امیر تیمورؔ بخارا کی گلیوں سے گزر رہا تھا۔ اتفاقاً اس وقت حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خانقاہ کے درویش خانقاہ کی دریوں اور بستروں کو جھاڑ دے رہے تھے اور گرد سے پاک کر رہے تھے امیر مذکور مسلمانی کے حسن خلق سے جو اس کو حاصل تھا اس کوچہ میں ٹھہر گیا تا کہ خانقا کی گرد کو اپنا صندل عنبر بنا کر درویشوں کے برکات و فیوض سے مشرف ہو۔ شاید اسی تواضع اور فروتنی کے باعث جو اس کو اہل اللہ کے ساتھ حاصل تھی حسن خاتمہ سے مشرف ہوا۔ منقول ہے کہ حصرت خواجہ نقشبند امیر کے مر جانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ تیمور مر گیا اور ایمان لے گیا۔

خوارق و کرامات ۔ (مکتوب ۹۳ دفتر دوم) آپ پر واضح ہو کہ خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں ہے۔ جس طرح علماء خوارق کے حاصل کرنے کے مکلف نہیں اسی طرح اولیاء بھی خوارق کے ظہور پر مکلف نہیں ہیں کیونکہ ولایت قرب الٰہی سے مراد ہے جو ماسوائے کے نسیان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع نہیں بخشتے اور بعض کو یہ قرب بھی دیتے ہیں اوع غائبانہ اشیاء کی اطلاع بھی بخشتے ہیں اور بعض کو کچھ نہیں دیتے لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع دے دیتے ہیں۔ یہ تیسری قسم کے لوگ اہل استدراج ہیں۔ نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈالا ہے۔ ''عوارف'' میں لکھا ہے کہ کرامات و خوارق اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض کشف و کرامات کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں اور یہ دولت عطا فرماتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک شخص زیادہ اعلیٰ رتبہ رکھتا ہے لیکن خوارق و کرامات اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتے کیونکہ کرامات یقین کو زیادہ تقویت کے لیے عطا فرماتے ہیں اور جب کسی کو صرف یقین حاصل ہو چکا ہو تو اس کو کرامات کی کیا حاجت ہے۔ یہ سب کرامات ذکر ذات اور

اس میں قلب کے فانی ہونے کے ماسوا ہیں۔ اس گروہ کے امام خواجہ عبداللہ انصاری نے جو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہیں اپنی کتاب "منازل السائرین" میں فرمایا ہے کہ فراست کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اہل معرفت اور دوسری اہل رجوع وریاضت کی فراست۔ اہل معرفت کی فراست طالبوں کی استعداد اور ان اولیاء اللہ کے پہچاننے سے تعلق رکھتی ہے جو حضرت جمع کے ساتھ واصل ہو چکے ہیں اور اہل ریاضت اور اہل جوع کی فراست غائبانہ صورتوں اور احوال کے کشف پر مخصوص ہے جو مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ اکثر لوگ جو حق تعالیٰ کی بارگاہ سے جدا ہوتے ہیں اور دنیا کے ساتھ اشتغال رکھتے ہیں اور جن کے دل صورتوں کے کشف اور مخلوقات کی غائبانہ خبروں کی طرف مائل ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہ امر بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے اور گمان کرتے ہیں کہ یہی لوگ اہل اللہ اور حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اور اہل حقیقت کے کشف سے انکار کرتے ہیں اور اہل حقیقت کو ان کے احوال میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں تہمت لگاتے اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہل حق ہوتے جیسے کہ لوگوں کا گمان ہے تو یہ لوگ بھی ہمارے اور تمام مخلوق کے غیبی احوال بتاتے۔ جب ان کشف احوال پر قدرت نہیں تو ان امور کے کشف پر جو مخلوقات کے احوال سے اعلیٰ ہیں کس طرح قدرت رکھیں گے اور اہل معرفت کی فراست جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال سے تعلق رکھتی ہے اپنے اسی قیام فاسد سے جھوٹا جانتے ہیں اور ان بزرگواروں کے علوم ومعارف صحیحہ سے محروم رہ جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو خلق کے ملاحظہ سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو اپنی جناب پاک کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے اور ان کی حمایت وغیرت کے باعث ان کو مخلوقات کی طرف سے ہٹا رکھا ہے اگر یہ لوگ خلق کے احوال کے درپے ہوتے تو بارگاہ الٰہی کے حضور کی صلاحیت ان میں نہ رہتی ۔۔۔ شیخ محی الدین عربیؒ نے لکھا ہے کہ بعض اولیاء جن سے خوارق وکرامات ظاہر ہوئے ہیں آخر دم میں ان کرامت کے ظہور سے نادم ہوئے ہیں اور یہ خواہش کرتے ہیں کہ کاش ہم سے یہ خوارق وکرامات ظاہر نہ ہوتے اگر فضیلت خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث ہوتی تو اس طرح ندامت کا اظہار کیوں کرتے۔

فتور ۔ (مکتوب ۳۰ دفتر دوم) اگر دو چیزوں میں فتور نہیں آیا تو کچھ غم نہیں ان میں سے ایک صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام متابعت ہے دوسرے شیخ کی محبت واخلاص ان دو چیزوں کے ہوتے اگر ہزار ہا ظلمات طاری ہو جائیں تو کچھ غم نہیں۔ آخر اس کو ضائع نہ چھوڑیں گے اور اگر نعوذ باللہ ان چیزوں میں سے ایک میں نقصان پیدا ہو جائے پھر خرابی ہی خرابی ہے۔

سماع ورقص ۔ (مکتوب ۴۳ دفتر دوم) وہ ذوق جو ان کے فہم میں آتا ہے ظاہر کا ذوق ہے جو عالم

چون سے ہے یہی وجہ ہے کہ سماع ورقص اور نعرہ واضطراب وغیرہ جو ظاہری احوال واذواق ہیں ان کے نزدیک بڑے نایاب عظیم القدر ہیں بلکہ اکثر اوقات اذواق مواجید کو ان ہی امور پر منحصر جانتے ہیں اور ولایت کے کمالات کے معنی ان ہی اور کو سمجھتے ہیں۔

مقام شہادت ۔ (مکتوب ۱۸ دفتر اول) مقام ولایت سے اوپر مقام شہادت ہے اور ولایت کو شہادت سے وہی نسبت ہے جو تجلی صوری کو تجلی ذاتی سے ہے بلکہ ولایت وشہادت کا درمیانی بعد ان دونوں تجلیات کے درمیانی بُعد سے کئی درجے زیادہ ہے اور مقام شہادت سے اوپر مقام صدیقیت ہے۔

نور و ظلمت ۔ (مکتوب ۲۲ دفتر اول) پاک اور منزہ ہے وہ ذات جس نے نور کو ظلمات کے ساتھ جمع کیا اور لامکانی کو مکانی کے ساتھ ہم سفر کیا اور ظلمات کو نور کی نظر میں محبوب کر دیا پس وہ نور اس پر فریفتہ ہو گیا اور کمال محبت سے اس کے ساتھ مل گیا (تاکہ) ظلمات کی ہمسائیگی سے اس کی صفائی کامل ہو جائے جس طرح کہ ائینہ کو جب صیقل کرنا اور اس کی لطافت کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کو مٹی سے آلودہ کرتے ہیں (تاکہ) مٹی کی کثافت کی وجہ سے اس کی روشنی زیادہ ہو جائے پس اس نور نے ظلمانی معشوق کے مشاہدہ میں فرق ہونے اور عنصری جسم سے تعلق کے باعث جو کچھ اس کو پہلے قدسی شہود سے حاصل ہوئی تو اس نے غفلت سے سر کو اٹھایا اور جو کچھ متعلقات سے بے خبر ہو گیا ---اور خدا کی عنایت اس کے شامل حال ہوئی تو اس نے غفلت سے سر اٹھایا اور جو کچھ اس سے گم ہوا تھا یاد کیا اور اپنی پہلی حالت کی طرف رجوع کیا۔ اگر اس کو دوبارہ اپنے قدسی مطلوب کے مشاہدہ میں اچھی طرح استغراق حاصل ہو گیا اور بارگاہ مقدس کی طرف پورے طور پر توجہ نصیب ہو گئی تو ظلمت اس کے تابع ہو جائے گی پس استغراق اس حد تک پہنچ جائے کہ ظلمانی تعلق کو بالکل بھول جائے۔ اپنی ذات اور وجود کے توابع سے کلی طور پر بے خبر ہو جائے۔ مشاہدہ نور الانوار میں فانی ہو جائے اور پردوں کے پیچھے مطلوب کا حصول حاصل ہو جائے تو فنائے جسدی اور روحی سے مشرف ہو جائے گی اور اگر اس مشہود میں فنا حاصل ہو گئی اور اب اسم ولایت کا اطلاق اس پر صحیح ہو گیا۔ اس کے مشہود میں کلی طور پر استغراق اور دائمی استہلاک اور فنا ہو گا یا خلقت کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے لیے راجع ہو گا۔ اس طرح پر کہ اس کا باطن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کا ظاہر خلق کے ساتھ ہو گا اور وہ ظلمت اس نور سے بندگی اور اطاعت کے مقام پر اتر آتی ہے اور ہماری مراد نور لامکانی سے ہے۔ روح بلکہ اس کا خلاصہ ہے اور جہت میں مقید ظلمت سے مراد نفس ہے اور ظاہر و باطن سے بھی ہماری مراد یہی ہے۔

نفس کی حقیقت اور تشریح ۔ (مکتوب ۲۲ دفتر اول) چونکہ نفس کا قلب صنوبری کے ساتھ تعلق

ہے اور قلب صنوبری کے تعلق حقیقت جامعہ قلبیہ کے وسیلے سے روح کے ساتھ ہے اور روح سے فیوض و ارادہ مجمل طور پر نفس پر نازل ہوتے ہیں پھر اس کے وسیلے سے تمام قوی واعضاء پر مفصل طور پر پہنچتے ہیں ان اعضاء کا خلاصہ مجمل طور پر نفس میں موجود ہے۔

(مکتوب ۲۴ دفتر اول) بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان حجاب بندے کا اپنا نفس ہے نہ کہ جہان۔ کیونکہ اس کا ذاتی مقصود جہان نہیں ہے تاکہ حجاب ہو جائے بلکہ اس کا مقصد اپنے نفس کے سوا اور کچھ نہیں پس بالضرور حجاب اس کا اپنا نفس ہوگا۔ ظلمات کا پورے طور پر رفع ہونا متصور نہیں جب تک کہ سورج اچھی طرح روشن نہ ہو جائے ۔۔ بندہ جب تک اپنے نفس کی مراد سے بالکل پاک نہ ہو جائے حق تعالیٰ اس کی مراد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی حق تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں آ سکتی ہے پس جب یہ محبت جس کو محبت ذاتی سے تعبیر کرتے ہیں حاصل ہو جائے اس وقت اخلاص حقیقی حاصل ہو جاتا ہے اور خدا کی عبادت اسی کے لیے کرتا ہے نہ اپنے نفس کے لیے یعنی انعام کی طلب اور رنج دفع کرنے کی غرض سے نہیں کرتا کیونکہ یہ دونوں اس کے نزدیک برابر ہیں۔

مقربین ۔ یہ مرتبہ مقربین کا ہے کیونکہ ابرار محبت ذاتی کی سعادت سے کامیاب نہ ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کی عبادت خوف و طمع کی نیت سے کرتے ہیں اور یہ دونوں امر ان کے اپنے نفس کی طرف راجع ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ ہیں۔ پس ابرار کے حسنات ایک وجہ سے نیکیاں ہیں اور ایک وجہ سے برائیاں اور مقربین کے حسنات خالص اور محض نیکیاں ہیں۔ مقربین جنت کو اس واسطے طلب کرتے ہیں کہ وہ اس کی رضا کا مقام ہے نہ کہ اپنے نفسوں کے حظ اور فائدے کیلیے۔ دوزخ سے اس واسطے پناہ مانگتے ہیں کہ اس کے غضب کا مقام ہے نہ کہ اپنی جانوں سے رنج والم دور کرنے کے لیے کیونکہ یہ نفس کی غلامی سے آزاد ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کے ہو گئے ہیں۔ مقربین کے مرتبوں میں سے یہ مرتبہ نہایت اعلیٰ ہے۔ اس مرتبہ والے شخص کو ولایت خاصہ کے مرتبے سے متصف ہونے کے بعد مقام نبوت کے کمالات سے کامل حصہ حاصل ہوتا ہے اور وہ شخص جو عالم اسباب کی طرف نزول نہ کرے وہ مغلوب الحال اولیاء میں سے ہے اور اس کو مقام نبوت کے کمالات سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ اس لیے وہ تکمیل وارشاد کے بھی لائق نہ ہوگا برخلاف اول کے۔

ابرار ۔ (مکتوب ۲۶ دفتر اول) اللہ تعالیٰ نے شوق کو ابرار کے لیے ثابت کیا ہے کیونکہ مقربین واصلین کو شوق نہیں رہتا اس لیے کہ شوق مطلب کے گم ہونے کو چاہتا ہے اور مطلوب کا گم ہونا ان کے حق میں مفقود ہے پس مقرب واصل کا حال جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی اور اپنے نفس سے فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

ساتھ ایسا ہے جیسے انسان کا حال اپنے نفس کے ساتھ - پس ثابت ہوا کہ ابرار ہی مشتاق ہوتے ہین کیونکہ وہ محبت فاقد ہیں - ابرار سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو مقرب واصل نہ ہو خواہ ابتداء میں ہو یا وسط میں - اگرچہ وسط میں رائی کے دانہ کے برابر رہا ہو --- اور شوق دور ہونے کے لیے اول مقام سے بڑھ کر کامل ایک اور مقام ہے اور وہ ادراک و معرفت سے عجز و ناامیدی کا مقام ہے کیونکہ شوق وہاں ہوتا جہاں مطلوب حاصل ہونے کی امید ہو پس جہاں امید نہیں شوق بھی نہیں -

مست اور ہوشیار - وصول الی اللہ کا منقطع نہ ہونا سیر تفصیلی پر ہے جو اسماء و صفات و شیون و اعتبارات میں واقع ہے اور اس سالک کے حق میں نہایت تک پہنچنا متصور نہیں اور اس سے کبھی شوق زائل نہیں ہوتا اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ منتہی واصل وہ ہے جس نے ان مراتب کو اجمالی طور پر طے کیا ہے اور ایسے مقام تک پہنچ گیا ہے جس کو نہ کسی عبارت سے تعبیر کر سکتے ہیں اور نہ کسی اشارے سے اس کو بیان کر سکتے ہیں اسی واسطے اس سے شوق اور طلب زائل ہو جاتا ہے اور یہ حال خواص اولیاء کا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو صفات کی تنگی سے عروج کر کے دربار الٰہی تک پہنچ گئے ہیں برخلاف ان لوگوں کے جو صفات میں تفصیلی طور پر سالک ہین اور شیونات میں ترتیب وار سیر کرنے والے ہیں - یہ لوگ تجلیات صفاتیہ میں ہمیشہ کے لیے محبوس رہتے ہیں --- مست معذور ہیں اور ہوشیار پوچھے جائیں گے ---

ہر مقام کے لیے جدا معارف : - (مکتوب ۳۲ دفتر اول) ہر مقام کے لیے علوم و معارف جدا ہیں اور احوال و مواجید جدا - کسی مقام میں ذکر و توجہ مناسب ہے اور کسی مقام میں تلاوت اور نماز مناسب ہے - کوئی مقام جذبہ سے مخصوص ہے اور کوئی مقام سلوک کے مناسب اور کسی مقام میں یہ دونوں دولتیں ملی ہوئی ہیں - اور کوئی مقام ایسا ہے کہ جذبہ و سلوک دونوں جہتوں سے جدا ہے - نہ جذبہ کو اس سے علاقہ ہے اور نہ سلوک کو اس سے تعلق - یہ مقام نہایت عجیب ہے - آنحضرت ﷺ کے اصحاب اس مقام کے ساتھ ممتاز ہیں اور اس بڑی دولت سے مشرف ہیں - یہ نسبت اصحاب کرام کے بعد حضرت مہدی علیہ السلام میں پورے طور پر ظہور پائے گی - مطلب یہ ہے کہ اصحاب کرام کو یہ نایاب نسبت پہلے ہی قدم میں ظاہر ہو جاتی تھی اور آہستہ آہستہ کمال تک پہنچ جاتی تھی اور دوسرے کو اگر اس دولت سے مشرف کرنا چاہتے ہیں اور اصحاب کرام کی نسبت کے قدم پر تربیت دینا چاہتے ہین تو جذبہ و سلوک کی منزلوں کو قطع کرنے اور ان علوم و معارف کو طے کرنے کے بعد اس دولت عظمیٰ سے سرفراز فرماتے ہیں - ابتداء میں اس نسبت کا ظہور سید البشر ﷺ کے تابعداروں میں سے بھی کسی کو اس برکت سے

مشرف کریں تا کہ اس کی صحبت بھی ابتداء میں اس بلند نسبت کے ظہور کا سبب ہو جائے۔

طریقت کا مدار۔ (مکتوب ۳۹ دفتر اول) ظاہری عمل اور رسمی عبادات (پر نہیں) راہ طریقت میں کام کا مدار دل پر ہے اگر دل حق تعالیٰ کے غیر سے گرفتار ہے تو خراب اور ابتر ہے۔ صرف ظاہری اعمال اور رسمی عبادات ہے۔ کچھ نہیں ہو سکتا۔ ماسوائے حق کی طرف توجہ کرنے سے دل کو سلامت رکھنا اور اعمال صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے جن کے بجالانے کے لیے حکم کیا ہے۔ دونوں درکار ہیں۔ بدن کے نیک اعمال کے بجالانے کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ جس طرح اس جہان میں بدن کے بغیر روح کا ہونا ناممکن ہے ویسے ہی دل کے احوال بدن کے نیک اعمال کے بغیر محال ہیں۔ اس زمانے میں اکثر ملحد اس قسم کے دعویٰ کیے بیٹھے ہیں۔

سکر۔ (مکتوب ۱۴۱ دفتر اول) پس اگر طریقت و حقیقت کی راہ پر چلنے والوں سے اثنائے راہ میں ایسے امور سرزد ہوں جو بظاہر شریعت کے مخالف ہیں تو وہ سکر وقت اور غلبہ حال پر مبنی ہیں اور اگر اس مقام سے گزار کر صحو میں لے آئیں تو وہ مخالفت رفع ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے مخالف علوم سب کے سب دور ہو جاتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی ذات علمائے حق کے نزدیک بے چون اور بے چگون ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس پر زائید ہے اور وہ تعین بھی اگر ان کے نزدیک ثابت ہو جائے تو زائید ہے اور وہ تعین بھی اگر ان کے نزدیک ثابت ہو جائے تو زائید ہوگا اور اس کو حضرت ذات ہے جو ان کے دائرے سے باہر جائیں گے پس اس طرح کے احاطہ کو ذاتی نہ کہیں گے پس علماء (حق) کی نظر صوفیہ سے بلند ہے اور صوفیہ کے نزدیک جو ذات ہے وہ ان علماء کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے اور قرب و معیت ذاتی بھی اس قیاس پر ہیں اور باطنی معارف و شریعت کے ظاہری علوم کے درمیان پورے اور کامل طور پر موافقت کا ہونا یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے امور میں بھی مخالفت کی مجال نہ رہے مقام صدیقیت میں ہے جو تمام مقام ولایت سے بالاتر ہے اور مقام صدیقیت سے بڑھ کر مقام نبوت ہے۔ جو علوم نبی ﷺ کو وحی کے ذریعے پہنچے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ کو الہام کے طور پر منکشف ہوئے ہیں۔ ان دونوں علوم کے درمیان صرف وحی الہام کا فرق ہے پھر مخالفت کی کیا مجال ہوگی اور مقام صدیقیت کے سوا اور جس قدر مقامات ہیں ان میں ایک قسم کا سکر متحقق ہے۔ صحو تام صرف مقام صدیقیت میں ہے۔۔ یہ بات مقرر اور ثابت ہے کہ جس چیز میں محبوب کے اخلاق اور خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ محبوب کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ چیز بھی محبوب ہو جاتی ہے پس آنحضرت ﷺ کی تابعداری میں کوشش کرنا مقام محبوبیت تک لے جانے والا ہے۔

تزکیہ۔ (مکتوب ۳۶ دفتر اول) نفس امارہ بالذات احکام شرعیت کا منکر ہے اور بالطبع ان کے خلاف حکم کرنے والا ہے پس نفس کا پاک کرنا نہایت ضروری ہے۔ بغیر تزکیہ کے یقین حاصل ہونا مشکل ہے پس سیر و سلوک اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے مقصود یہ ہے کہ باطن کی آفتیں اور دلی امراض کہ جن کی نسبت فی قلوبہم مرض میں اشارہ کیا گیا ہے دور ہو جائیں تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو جائے پس تزکیہ نفس اور اس کے اطمینان کے بعد ایمان کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور اس قسم کا ایمان زوال سے محفوظ ہے۔

نفس امارہ۔ (مکتوب ۵۲ دفتر اول) نفس امارہ انسانی حب جاہ و ریاست پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کا مقصود ہمہ تن ہمسروں پر بلندی حاصل کرنا ہے اور وہ بالذات اس بات کا خواہاں ہے کہ تمام مخلوقات اس کی محتاج اور اس کے امر و نہی کی تابع ہو جائے اور وہ خود کسی کا محتاج و محکوم نہ ہو۔ اس کا یہ دعویٰ خدائے بے مثل کے ساتھ الوہیت اور شرکت کا ہے بلکہ وہ بے سعادت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے۔ چاہتا ہے کہ حاکم صرف آپ ہی ہو اور سب اس کے محکوم ہوں۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اپنے نفس کے دشمن رکھو کیونکہ وہ میری دشمنی میں کھڑا ہے پس جاہ و ریاست اور بلندی اور تکبر وغیرہ اسکی مرادوں کے حاصل کرنے میں نفس کی تربیت کرنا حقیقت میں اس خدائے تعالیٰ کی دشمنی میں مدد اور تقویت دینا ہے۔ دنیا کمینی جو خدائے تعالیٰ کی ملعونہ اور مبغوضہ ہے اسی باعث سے ہے کہ دنیا کا حاصل ہونا نفس کی مرادوں کے حاصل ہونے میں مدد دیتا ہے پس جو کوئی دشمن کی مدد کرے وہ لعنت ہی کے لائق ہے اور فقر فخر محمد ﷺ ہے۔ کیونکہ فقر میں نفس کی نامرادی اور عاجزی ہے۔ انبیا علیہم السلام کے پیدا ہونے سے مقصود اور شرعی تکلیفوں میں حکمت یہی ہے کہ نفس امارہ عاجز اور خراب ہو جائے۔ شرعی احکام نفسانی خواہشوں کے فرع کرنے کے لیے وارد ہوئے ہیں۔ جس قدر شریعت کے موافق عمل کیا جائے اس قدر نفسانی خواہشات کم ہوتی ہیں۔ برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی نہیں کی لیکن ان میں سے کوئی فائدہ مند نہ ہوا اور ان سے نفس کی تقویت اور تربیت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔

جذبہ اور سلوک۔ (مکتوب ۶۲ دفتر اول) طریق وصول الی اللہ کے دو جزو ہیں۔ جذبہ اور سلوک یا دوسرے الفاظ میں تصفیہ اور تزکیہ۔ وہ جذبہ جو سلوک سے مقدم ہے اصلی مقصود نہیں اور وہ تصفیہ جو تزکیہ سے ادنیٰ ہے اصلی مطلب نہیں ہے لیکن وہ جذبہ جو سلوک کے تمام ہونے کے بعد اور تصفیہ جو تزکیہ حاصل ہونے کے بعد سیر فی اللہ میں ہے اصلی مقصود اور مطلوب ہیں۔ سابقہ جذبہ اور تصفیہ سلوک کے راستوں کی آسانی کے لیے ہیں کیونکہ بغیر سلوک کے کچھ نہیں ہو سکتا اور منازل طے کرنے کے بغیر مطلوب کا جمال

نظر نہیں آتا۔ پہلا جذبہ دوسرے جذبے کے لیے صورت کی طرح ہے اور حقیقت میں ایک دوسرے کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔

ولایت اور نبوت: (مکتوب ۷۷ دفتر اول) ولایت میں کلی طور پر حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہے اور جب نبوت کے درجے میں لاتے ہیں تو وہی نور ساتھ آجاتا ہے اور اسی کمال کو خلق کی توجہ کے ساتھ جمع کرتا ہے اور مقام نبوت کے کمالات کے حاصل ہونے کا سبب وہی نور ہے۔ اسی واسطے بزرگوں نے کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے کیونکہ ہر پیغمبر کی شریعت اس کی ولایت کے مناسب ہوتی ہے اور اس شریعت کی تابعداری بھی اس ولایت تک پہنچنے کو مستلزم ہے۔

کشف وشہود میں القائے شیطانی: (مکتوب ۱۰۷ دفتر اول) دوسرا سوال یہ ہے (کسی کے سوالات کے جواب میں) کہ صادق طالبوں کے کشف وشہود میں القائے شیطانی کو دخل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کشف شیطان کی کیفیت کس طرح ہے اور اگر دخل نہیں تو کیا وجہ ہے کہ بعض الہامی امور میں خلل پڑ جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ کوئی شخص القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے جب کہ انبیاء میں متصور بلکہ متحقق ہے تو اولیاء میں بطریق اولیٰ ہوگا۔ تو پھر طالب صادق کس گنتی میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس القا پر آگاہ کر دیتے ہیں اور باطل کو حق سے جدا کر دکھاتے ہیں اور اولیاء اللہ میں یہ بات لازم نہیں کیونکہ ولی نبی کے تابع ہے جو کچھ نبی کے مخالف پائے گا اس کو رد کر دے گا اور باطل جانے گا لیکن جس صورت میں کہ نبی کی شریعت اس سے خاموش ہے اور اس کے اثبات ونفی پر حکم نہیں کرتی قطعی طور پر حق وباطل کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہے کیونکہ الہام ظنی ہے لیکن اس امتیاز کے نہ ہونے میں کوئی قصور ولایت میں نہیں پایا جاتا کیونکہ احکام شریعت کا بجالانا اور نبی کی تابعداری دونوں جہان کی نجات کو متکفل ہے اور وہ امور جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے وہ شریعت پر زائد ہیں اور ہم ان زائد امور پر مکلف نہیں...... کشف کا غلط ہو جانا القائے شیطانی پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قوت متخلیلہ میں احکام غیر صادقہ ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں جس میں شیطان کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اسی قسم سے ہے یہ بات کہ بعض خوابوں میں حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتے ہیں اور بعض ایسے احکام اخذ کرتے ہیں جن کا حقیقت میں خلاف ثابت ہے۔ اس صورت میں القائے شیطانی متصور نہیں کیونکہ علماء کے نزدیک مختار ومقرر ہے کہ شیطان حضرت خیر البشر ﷺ کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا پس اس صورت میں قوت متخیلہ کا تصرف ہے جس نے غیر واقع کو واقعہ ظاہر کیا۔

اولیاء اللہ کی شان: (مکتوب ۱۰۹ دفتر اول) اہل اللہ دلی امراض کے طبیب ہیں۔ باطنی

امراض کو دور ہونا ان بزرگواروں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ ان کی کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اور یہی لوگ اللہ کے ہم نشین ہیں۔۔ ان ہی کے طفیل بارش نازل ہوتی ہے اور ان کی طفیل مخلوقات کو رزق دیا جاتا ہے۔ باطنی امراض کی سردار اور اندرونی بیماریوں کی رئیس ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے۔ جب تک اس قید سے پورے پورے آزاد نہ ہو جائے۔ سلامتی محال ہے کیونکہ شرکت کو اس بارگاہ اعلیٰ میں ہرگز دخل نہیں۔ غیر کی محبت کو اس طرح غالب بنانا کہ حق تعالیٰ کی محبت اس کے مقابلے میں معدوم یا مغلوب ہو جائے نہایت بے حیائی ہے۔

تابع قلب ۔ (مکتوب ۱۱۷ دفتر اول) واضح ہو کہ کچھ مدت تک قلب جس کا تابع ہے پس ناچار جو چیز جس سے دور ہے وہ قلب سے بھی دور ہے (حدیث شریف میں ہے) جس نے اپنی آنکھ پر قابو نہ پایا دل بھی اس کے قابو میں نہیں ہے۔ نہایت کار میں جب دل کو جس کی تابعداری نہیں رہتی جس سے دور ہونا دلی قرب میں اثر نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ طریقت نے مبتدی اور متوسط کے لیے شیخ کامل کی صحبت سے الگ ہونا جائز نہیں فرمایا۔

اللہ کا راستے میں دیوانہ پن ۔ (مکتوب ۱۱۹ دفتر اول) اس راستے میں دیوانہ پن درکار ہے۔۔ تم میں سے کوئی ایمان والا نہ ہوگا جب تک اسے یہ نہ کہا جائے کہ وہ دیوانہ ہے'' اور جب دیوانہ پن آ گیا زن و فرزند کی تدبیر سے چھوٹ گیا اور ایں و آں کے اندیشے سے جمعیت حاصل ہو گئی۔۔۔ اس گروہ کی جمعیت خلق کی جمعیت سے الگ ہے۔ خلق کی جمعیت کے اسباب اس گروہ کے تفرقہ کا باعث ہیں۔ خلق کے تفرقہ کے اسباب میں ہاتھ پاؤں مارنا چاہیے تاکہ جمعیت حاصل ہو جائے۔ اگر بالفرض خلق کی جمعیت میں اس گروہ کو جمعیت بخشیں تو اس جمعیت سے ڈرنا چاہیے اور خدا کی جناب میں التجا کرنی چاہیے تاکہ وہ جمعیت جان کی وبال نہ ہو جائے اور حصول فلاں کے احوال پر قیام نہ کرنا چاہیے کیونکہ کامل ہونے سے پیشتر درجات کے تفاوت کے بموجب سب نقص کے مراتب ہیں۔

مشائخ کی صورتیں ان کے لطائف ہیں ۔ (مکتوب ۱۴۴ دفتر اول) مشائخ کی روحانیت کے وسیلے اور ان کی امداد پر ہرگز مغرور نہ ہوں کیونکہ مشائخ کی وہ صورتیں حقیقت میں شیخ مقتدا کے لطائف ہیں جو ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ توجہ کے قبلہ کے لیے ایک ہونا شرط ہے۔ توجہ کا پراگندہ کرنا خسارے کا موجب ہے۔ کام کا سر رشتہ مختصر پکڑیں تاکہ جلدی سرانجام ہو امر ضروری کو چھوڑ کر بے ہودہ امر میں مشغول ہونا عقل و دور اندیشی سے بہت بعید ہے۔

فقراء کے فرائض ۔ (مکتوب ۱۷۲ دفتر اول) جو کچھ ہم فقیروں پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ

ذلیل ومحتاج اور عاجز ہوں اور روتے رہیں اور التجا کرتے رہیں۔ بندگی کے وظائف کو بجالائیں۔ شرعی حدود کی محافظت اور سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کریں اور نیکیوں کو حاصل کرنے میں نیتوں کو درست رکھیں اور اپنے باطنوں کو خالص اور اپنے ظاہروں کو سلامت رکھیں اور اپنے عیوب کو دیکھتے رہیں اور گناہوں کا غلبہ مشاہدہ کرتے رہیں۔ علام الغیوب کے انتقام سے ڈرتے رہیں اور اپنی نیکیوں کو تھوڑا سمجھیں اگر چہ بہت ہوں۔ اور اپنی برائیوں کو بہت خیال کریں اگر چہ تھوڑی ہوں۔ خلقت کی قبولیت اور شہرت سے ڈرتے رہیں۔

مشائخ کے قرب الٰہی کے مرتبے: (مکتوب ۱۸۱ دفتر اول) (مخدوم زادہ میاں محمد صادقؒ کے نام) میرے سعادت مند فرزند نے پوچھا ہے کہ کیا سبب ہے کہ بعض مشائخ قرب الٰہی کے مرتبوں میں ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں لیکن مقامات زہد وتوکل ترک اور جبر ورضا میں بڑے بڑے درجے مفہوم ہوتے ہیں اور بعض مشائخ مراتب قرب میں بڑا درجہ رکھتے ہیں لیکن مقامات زہد وتوکل میں ان کے قدم بہت نیچے ہیں۔

جواب: یہ بات ثابت ومقرر ہے کہ جس قدر یقین اتم ہوگا اسی قدر مقامات اکمل ہوں گے اور یقین کا اتم ہونا حق تعالیٰ کے زیادہ قرب کے سبب ہے۔ یہ بات چند امور سے خالی نہیں ہے۔ یا تو ہماری کشفی نظر عطا کرتی ہے کہ قرب کو بعید اور بعید کو قرب قریب جانتی ہے یا اس مقام سے اکمل ہونے کا باعث یقین کے سوا کچھ اور امر ہے یا قرب پر یقین مترتب نہیں ہے یقین قرب پر مترتب ہے جس قدر قرب زیادہ ہوگا اسی قدر یقین زیادہ ہوگا اور ان مقامات کے اکمل ہونے کا سبب بھی یقین کا اتم ہونا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قرب الطف لطائف کو خاص ہوتا ہے پس یقین بھی ان ہی کا نصیب ہے اور ان مقامات کا اکمل ہونا بھی چونکہ یقین اتم ہونے پر مترتب ہے اس لیے وہ بھی ان ہی کو خاص ہوتا ہے...... ہوسکتا ہے کہ کسی بزرگ نے باوجود قرب کے کم ہونے کے لطائف میں سے زیادہ لطیف مقامات میں سے کسی میں اقامت اختیار کی ہو اور لطائف ہیں سے زیادہ کثیف کی طرف رجوع نہ کی ہو اور مقامات مذکورہ میں اس دوسرے بزرگ سے اکمل ہو جو قرب زیادہ رکھتا ہو اور لطائف میں زیادہ کثیف کی طرف جو لطیفہ قالب رجوع کی ہو کیونکہ لطیفہ قالب جب اس قرب سے محروم ہے پس یقین بھی اس کے نصیب نہیں ہوگا تو پھر ان مقامات کی اکملیت کیسے حاصل کر سکے اور وہ بزرگ جس کا رجوع اس لطیفہ کی طرف ہوا ہے اس نے اسی لطیفہ کا حکم پیدا کرلیا ہے اور باقی لطائف کہ یقیناً جو اس کو پہلے حاصل ہوئے تھے سب پوشیدہ ہوگئے برخلاف اس بزرگ کے جس کا رجوع قالب کی طرف نہیں ہوا۔ اس کا حکم الطف لطائف کا حکم ہے۔

اور قرب یقین کے حق میں استقامت رکھتے ہیں اور اس سے پوشیدہ نہیں ہوئے پاس ناچار مقامات مذکورہ میں اتم واکمل ہوگا۔

لیکن جاننا چاہیے کہ صاحب رجوع جس طرح قرب ویقین میں اکمل ہے اسی طرح مقامات میں اکمل ہے لیکن اس کے ان کمالات کو پوشیدہ کر دیا ہے اور علق کی دعوت اور علق کے ساتھ مناسبت حاصل کرنے کے لیے جوافادہ اور استفادہ کا سبب ہے اس کے ظاہر کو عوام الناس کے ظاہر کی طرح کر دیا ہے رجوع کے بعد صاحب رجوع عوام الناس کی طرح یقین کے حاصل ہونے میں دلائل و براہین کا محتاج ہے۔ اس درویش کے تمام معتقدات کلامیہ رجوع سے پہلے بدیہی ہو گئے تھے اور ان معتقدات کے یقین کو محسوسات کے یقین سے زیادہ پاتا تھا لیکن رجوع کے بعد وہ یقین مستور ہو گیا۔ اور عوام الناس کی طرح دلائل و براہین کا محتاج ہو گیا۔

خطرات اور وساوس: ۔(مکتوب ۱۸۲ دفتر اول) حدیث شریف میں ہے کہ بعض اصحاب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں برے خطرات کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کمال ایمان میں سے ہے۔۔۔ قلب اور اس سے اوپر کے لطائف کو جس قدر قرب الٰہی زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر کمال و یقین بھی زیادہ ہوگا اور قالب کے ساتھ اس کی بے تعلقی زیادہ ہوگی۔ اس وقت خطرات قالب میں زیادہ ہوں گے اور وسوسے بہت نامناسب ظاہر ہوں گے پس ناچار برے خطرات کا سبب کمال ایمان ہوگا۔ جس نہایت النہایت کے منتہی کو جس قدر خطرات زیادہ اور نامناسب ہوں گے اسی قدر ایمان کی اکملیت زیادہ تر ہوگی کیونکہ کمال ایمان اس امر کا مقتضی ہے۔

الطف لطائف کو لطیفہ قلب کے ساتھ زیادہ بے مناسبتی ہو اور یہ بے مناسبتی جس قدر زیادہ ہوگی اس قدر قالب زیادہ خالی اور ظلمت و کدورت کے زیادہ نزدیک اور خطرے اور وسوسے اس میں زیادہ ہونگے برخلاف مبتدی اور متوسط کے اس قسم کے خطرات ان کے لیے زہر قاتل ہیں اور باطن کو نقصان دینے والے ہیں۔

راہِ سلوک کے دس مقامات: ۔(مکتوب ۲۰۰ دفتر اول)۔ (نفحات کی مشکل عبارات کے حوالے سے)

راہ سلوک سے مراد واللہ اعلم طریق سلوک اور دس مشہور مقامات کا ترتیب وار مفصل طور پر طے کرنا ہے۔ اس طریق میں نفس کا تزکیہ قلب کے تصفیہ پر مقدم ہے اور اس مین انابت و توبہ ہدایت کی شرط ہے اور راہ نا سلوک سے مراد جذبہ اور محبت کا طریق ہے اور اس میں تصفیہ قلب تزکیہ نفس پر مقدم ہے اور یہ اجتباہ کا

راستہ ہے جس میں انابت وتوبہ کی شرط نہیں - یہ طریق محبوبوں اور مرادوں کا طریق ہے برخلاف پہلے طریق کے کہ وہ محبوں اور مریدوں کا طریق ہے- پس ان میں جو قوی جذبہ اور محبت کا غلبہ رکھتے تھے آفاقی اور انفسی (ظاہری اور باطنی) شیطانوں سے محفوظ رہے اگرچہ ان کا کوئی رہبر نہ تھا لیکن فضل ایزدی نے ان کی رہبری کی اور مطلوب حقیقی تک پہنچا دیا - ان میں جو ہا تمیز تھا یعنی جذبہ کی قوت نہ رکھتا تھا اور محبت کا غلبہ مفقود تھا - چونکہ کوئی رہبر نہ تھا اس لیے دین کے دشمنوں نے اس کو رستہ سے بہکا دیا اور اس کو ہلاک کر دیا اور دائمی موت میں اس کو گرفتار کیا -

صوفیا اور سلوک - (مکتوب ۲۰۷ دفتر اول) صوفیوں کی بے ہودہ باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے احوال سے کیا بڑھتا ہے - وہاں وجد و حال جب تک شرع کی میزان پر نہ تولیں نیم جو سے نہیں خریدتے کشف اور الہامات کو جب تک کتاب وسنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جو کے برابر بھی پسند نہیں کرتے - طریق صوفیہ پر سلوک کرنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ جو ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور فقہی احکام کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو نہ کہ اس کے سوا کچھ اور امر کیونکہ رویت کا وعدہ آخرت میں ہے اور دنیا میں البتہ واقع نہیں ہے وہ مشاہدات اور تجلیات جن کے ساتھ صوفیہ خوش ہیں وہ صرف ظلال سے آرام پاتا اور شبہ ومثال سے تسلی حاصل کرتا ہے - حق تعالیٰ وراء الوراء ہیں عجب کاروبار ہے کہ اگر ان مشاہدات اور تجلیات کی حقیقت پوری پوری بیان کی جائے تو یہ ڈر لگتا ہے کہ اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور اور ان کے شوق میں قصور پڑ جائے گا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے کہ باوجود علم کے کچھ نہ کہے تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا -

اولیاء پر انبیاء کی فضیلت - (مکتوب ۲۰۸ دفتر اول) سب کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ فضیلت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے - اولیاء جو کچھ حاصل کرتے ہیں یا ولایت کے کمالات تک پہنچتے ہیں ان ہی کی متابعت سے پہنچتے ہیں - انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وہ مقامات ان کے عروج کے نہایت نہیں ہیں بلکہ ان بزرگواروں کا عروج ان مقامات سے کئی مرتبہ بلند ہے کیونکہ وہ مقامات اسمائے الٰہی جل شانہ سے مراد ہیں جو ان کے تعینات کے مبادی اور حضرت حق تعالیٰ کی طرف فیوض کے وسیلے ہیں کیونکہ حضرت ذات کو اسماء کے وسیلہ کے بغیر عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے اور فنا کے سوا کوئی نسبت حاصل نہیں ہے اور جب یہ بزرگوار مراتب عروج سے نزول فرماتے ہیں اور اوپر کے انوار کو اپنے ساتھ لے کر نیچے آتے ہیں تو ان اسماء میں ان کے مرتبوں کے اختلاف کے بموجب جو ان کے طبعی مقامات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہین اقامت فرماتے ہین اور وطن بنا لیتے ہیں پس اگر کوئی

ان کو استقرار کے بعد ڈھونڈے تو ان کو ان ہی اسماء میں پائے گا- پس وہ بلند استعداد والا جو حضرت ذات کی طرف متوجہ ہے ناچار عروج کے وقت ان اسماء میں پہنچے گا اور اس جگہ سے اوپر کو گزر جائے گا لیکن جب وہ سالک اوپر سے نیچے آئے گا اور اس اسم میں جو اس کے وجودی تعین کا مبداء ہے نزول کرے گا اور بیشک ان اسماء سے جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے مقامات ہیں بہت نیچے ہوگا اور اس جگہ مقامات کا فرق ظاہر ہو جائے گا کیونکہ افضلیت کا مدار اس بات پر ہے کہ جس کا مقام بلند ہے وہی افضل ہے اور جب تک سالک اپنے اسم میں واپس نہ آئے اور اپنے اسم ان اسماء سے نیچے معلوم نہ کرتے ان بزرگواروں کی افضلیت کو ذوق و حال کے طور پر معلوم نہیں کر سکتا بلکہ تقلید کے طور پر ان کو افضل کہتا ہے--- یہی وہ مقام ہے جہاں سالک کے قدم پھسل جاتے ہیں--- اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا اور توسط میں ہر مقام ظل اور مثال ہے- مبتدی اور متوسط جب ان کے ظلال میں پہنچتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں- ظلال اور حقائق کے درمیان فرق نہیں کر سکتے-

حقیقت محمدی-(مکتوب ۲۰۹ دفتر اول) تمام مخلوقات کی طرح عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہیں اور وہ اسم الہٰی جو ان کے عالم خلق کی تربیت کرنے والا ہے شان العلم ہے اور جو ان کے علم کی تربیت فرماتا ہے وہ معنی ہے جو اس وجود اعتبار کا مبدء ہے اور حقیقت محمدیؐ شان العلیم سے مراد ہے اور حقیقت احمدی اس معنی سے کنایہ ہے جو اس شان کا مبداء ہے اور حقیقت کعبہ سبحانی بھی اس معنی سے مراد ہے اور حقیقت محمدیؐ کے عروج کی نہایت کو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا-

طریق صوفیہ کا سلوک:-(مکتوب ۲۱۰ دفتر اول) جب واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا وجود اول استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوا تھا اور اس کے اندازہ کے موافق یقین حاصل ہوا تھا- جب طریق صوفیہ کا سلوک میسر ہو تو یہ استدلال و تقلید کشف و شہود سے بدل جاتا ہے اور یقین اکمل ہو جاتا ہے سب اعتقادی امور میں یہی قیاس ہے اور نیز طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکام طریق فقہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس امارگی سے پیدا ہوتی ہے اور اس فقیر کا یہ یقین ہے کہ طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے اور نہ شریعت کے مخالف کچھ اور امر--- صحبت کی بزرگی تمام فضیلتوں اور کمالات سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ ان کا ایمان شہودی ہے اور دوسروں کو یہ دولت ہرگز نصیب نہیں ہوئی-

(مکتوب ۲۱۲ دفتر اول) طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ کی حقیقت پر جو ایمان کی حقیقت ہیں یقین زیادہ حاصل ہو جائے اور احکام شرعیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو نہ

کچھ اور امر اس کے سوا- کیونکہ رویت کا وعدہ آخرت کو ہے اور دنیا میں ثابت نہیں ہے اور وہ مشاہدے اور تجلیات جن پر صوفیہ خوش ہیں وہ ظلال سے آراستہ اور شبہ ومثال کے ساتھ تسلی کیے بیٹھے ہیں اور حق تعالیٰ وراء الوراء ہے- میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان مشاہدات اور تجلیات کی پوری پوری حقیقت بیان کردی تو اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور پڑ جائے گا اور ان کے شوق میں قصور واقع ہو جائے گا اور اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ اگر باوجود علم کے کچھ نہ کہوں تو حق وباطل کے ساتھ ملا رہے گا البتہ اس قدر ضرور ظاہر کرتا ہوں کہ اس راہ کی تجلیات ومشاہدات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہاڑ کی تجلی وشہود کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے- اگر درست نہ ہوں تو ناچار ظلال اور شبہ ومثال پر محمول کرنا چاہیے- تو پھر شاید درست ہوں کیونکہ تجلی سے مقصود دکب وفک یعنی پارہ پارہ ہونا ہے اور دنیا میں اس سے چارہ نہیں ہے خواہ باطن پر متجلی ہو خواہ ظاہر پر دک وفک ضرور ہے لیکن خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس داغ سے پاک ہیں- آپ کو دنیا میں رویت میسر ہوئی اور سرمو اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور آپ کے تابعداروں کو جو اس مقام سے نصیب رکھتے ہیں وہ رویت ظلال میں سے کسی ظل کے پردے کے بغیر نہ ہوگی- صاحب تجلی سمجھے یا نہ سمجھے- جب کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس حال کے مشاہدے سے بغیر اس بات کے کہ تجلی ہو بے ہوش ہو گئے تو پھر اوروں کا کیا حال ہے-

باطنی نسبت -(مکتوب ۲۱۷ دفتر اول) اور باطنی نسبت کی حفاظت نہایت ہی ضروری ہے اور باطنی نسبت جس قدر جہالت کی طرف جائے اسی قدر زیبا ہے اور جس قدر حیرت تک پہنچے اسی قدر بہت ہے کیونکہ کشوف الٰہی وظہورات آسمانی سب راستہ کے درمیان ہیں- وصول کے بعد یہ سب گم ہو جاتے ہیں اور جہالت اور مطلوب کے نہ پانے کچھ نہیں رہتا-

اویسی طریقہ -(مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم) اویسی کہنے میں پیر ظاہر کا انکار نہیں کیونکہ اویسی ایسا شخص ہے جس کی تربیت میں روحانیوں کا دخل ہو- حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کو پیر ظاہر کے باوجود چونکہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے چونکہ باوجود پیر ظاہر کے حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہ کی روحانیت سے مدد پائی تھی اس لیے وہ بھی اویسی تھے- خصوصاً ایسا شخص جو اویسی ہونے کے باوجود پیر ظاہر کا اقرار رکھتا ہے- اس زبردستی پیر کا انکار اس کے ذمہ لگانا عجیب انصاف ہے-

کشوف :-(مکتوب ۲۱۷ دفتر اول) کشوف کی نسبت کیا لکھا جائے کیونکہ ان میں خطا کی مجال بہت ہے اور غلطی کا گمان غالب ہے اور ان کے عدم اور وجود کو یکساں جاننا چاہیے (کیونکہ) بعض کوئی کشوف میں جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ان کے برخلاف ظہور میں آتا

ہے کیونکہ وہ چیز جس کا کشف ہوا ہے اور اس کی خبر دی گئی ہے اس کا حاصل ہونا شرائط پر مشروط تھا کہ صاحب کشف نے اس وقت ان شرائط سے مفصل طور پر اطلاع نہیں پائی اور مطلق طور پر اس شے کے حاصل ہونے کا حکم کیا ہے یا یہ وجہ ہے کہ لوح محفوظ کے احکام میں سے کوئی حکم عارف پر ظاہر ہوا ہے کہ وہ حکم فی نفسہٖ محو واثبات کے قابل ہے اور قضا معلق کی قسم سے ہے لیکن اس عارف کو اس حکم کے محو واثبات کی تعلیق اور قابلیت سے کچھ خبر نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر اپنے علم کے موافق حکم کرے گا تو اس میں ضرور ہی خلاف کا احتمال ہوگا۔

صوفیہ کی غلطیاں:۔ (مکتوب ۲۲۰ دفتر اول) جان لیں کہ صوفیہ کی بعض غلطی یہ ہے کہ کبھی سالک مقامات عروج میں اپنے آپ کو دوسروں سے بلند پاتا ہے جن کی افضلیت علماء کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے--- یہ مقام سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے اس وقت سالک نہیں جانتا کہ ان بزرگواروں نے ان اسماء سے بے نہایت عروج فرمائے ہیں اور فوق الفوق میں پہنچے ہوئے ہیں اور نہیں جانتا کہ وہ اسماء کے عروج کے طبعی مکان ہیں اور اس کا بھی اس جگہ طبعی مکان ہے جو ان اسماء سے بہت نیچے اور پست ہے کیونکہ ہر شخص کا افضل ہونا اس کے اسم کے اقدم ہونے کے اعتبار سے ہے جو اس کے تعین کا مبداء بنا ہے ہمارے خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ رابعہ بھی اسی جماعت سے ہے۔ یہ لوگ چونکہ عروج کے وقت اس اسم سے جو برزخیت کبریٰ کے تعین کا مبداء ہے اوپر گزرے ہیں اس لیے ان کو وہم ہوا ہے کہ برزخیت کبریٰ درمیان حائل نہیں رہی اور برزخیت کبریٰ سے ان کی مراد حضرت رسالت خاتمیت ﷺ کی حقیقت ہے--- اور بعض کے لیے اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ جب سالک کا سیر اس اسم میں واقع ہوتا ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے اور وہ اسم مجمل طور پر تمام اسماء کا جامع ہے کیونکہ انسان کی جامعیت اسی قسم کی جامعیت کے باعث ہے۔ اس ضمن میں وہ اسماء بھی جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبداء میں مجمل طور پر اس سیر میں قطع کرے گا اور ہر ایک سے گذر کر منتہی تک پہنچ جائے گا اور اپنی فوقیت کا وہم پیدا کرے گا اور یہ نہیں جانتا کہ مقامات مشائخ سے جو کچھ اس نے دیکھا ہے وہ ان سے گزر گیا ہے ان کے مقامات کا نمونہ ہے نہ کہ ان مقامات کی حقیقت-- یہ بات اگرچہ آج بعض صوفیہ کو ناگوار گزرے گی لیکن آخر کار ایک دن ان کی سمجھ میں آجائے گی۔ نیز اس مقام میں جب سالک کا سیر اس اسم میں جو اس کا رب ہے واقع ہوتا ہے تو بعض اوقات خیال کرتا ہے کہ بعض بزرگوار جو یقیناً اس سے افضل ہیں اس کے وسیلہ سے بلند مقامات میں پہنچے ہیں اور اس کے وسیلے سے ترقی کی ہے۔ یہاں بھی سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے-- اس درویش کو بھی اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوئے اور

اس قسم کی خیالی باتیں بہت پیدا ہوئی تھیں اور مدتوں تک یہ حالت رہی لیکن فضل خداوندی شامل حال رہا کہ دائمی یقین میں تذبذب پیدا نہ ہوا عاجزی اور زاری سے دعا کرتا تھا کہ اس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں۔۔۔ایک دن یہ خوف غالب ہوا کہ مبادا ان کشفوں پر مواخذہ کریں۔اس خوف کے غلبہ نے بڑا بے قرار اور بے آرام کیا۔بارگاہ الٰہی میں بڑی التجا وزاری کی اتفاقاً ایک بزرگ کے مزار پر گزر ہوا اور اس معاملہ میں اس عزیز کو اپنا مددگار بنایا۔اسی اثنا میں خداوند تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور حضرت رسالت خاتمیت ﷺ کی روح مبارک نے حضور فرمایا اور غم زدہ دل کو تسلی دی اور معلوم ہوا تو بے شک قرب الٰہی ہی فضل کلی کا موجب ہے لیکن یہ قرب جو تجھے حاصل ہوا ہے الوہیت کے ان مراتب کے ظلال میں سے ایک ظل کا قرب ہے جو اس اسم سے مخصوص ہے جو تیرا رب ہے پس فضل کلی کا موجب نہ ہوگا اور اس مقام کی مثالی صورت کو اس طرح پر منکشف کیا کہ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا۔اس فقیر نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہ سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ کہ بہتر ۷۲ گروہوں میں سے اکثر لوگ جو گمراہ ہوئے ہیں اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے ہیں اس کا باعث طریق صوفیہ میں داخل ہونا ہے کہ انہوں نے کام کو انجام تک نہ پہنچا کر غلط راہ اختیار کی اور گمراہ ہو گئے۔

صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں۔(مکتوب ۲۲۲ دفتر اول) عالم امر کے لطائف جس قدر بلند جاتے ہیں اسی قدر عالم خلق سے زیادہ نامناسب ہوتے جاتے ہیں اور یہی نامناسبتی عالم خلق کے زیادہ نیچے آنے کا سبب ہے اور عالم خلق سے جس قدر نیچے آتا ہے اسی قدر سالک کو زیادہ بے مزا کرتا ہے اور عیوب وقصور کی دید زیادہ ہوتی جاتی ہے عالم امر کے لطائف خواہ کتنے ہی نیچے آئیں خلق کے ساتھ کوئی اختلاط نہیں رکھتے اور کچھ ملاوٹ حاصل نہیں کرتے جیسے کہ ابتداء میں رکھتے تھے۔خواجہ اویس قرنی کو باوجود قرب قلبی کے چونکہ قرب بدنی حاصل نہ ہوا اس لیے ان لوگوں میں سے ادنے آدمی کے درجے کو بھی نہیں پہنچے جن کو قرب بدنی حاصل تھا۔پس صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں۔

اطاعت کا راستہ اور دشمن۔(مکتوب ۲۲۳ دفتر اول) بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ دشمن لعین (شیطان) جب طاعت ونصیحت کے راستے سے آئے تو اس کا دفع کرنا بہت مشکل ہے پس ہمیشہ روتے اور التجا کرتے رہیں اور عاجزی سے دعا مانگتے رہیں کہ اس راہ سے آپ کی خرابی اور استدراج مطلوب نہ ہو۔استقامت کا طریق یہی ہے جو سعادت ابدی کی طرف رہنمائی کرے۔

اللہ بندوں کی روزی کا کفیل ہے۔(مکتوب ۲۲۴ دفتر اول) دوسرے یہ امر ہے کہ فقر و نامرادی اس گروہ کا جمال اور حضرت ﷺ کی اقتداء ہے۔حضرت حق تعالیٰ اپنے کمال کرم سے اپنے

بندوں کی روزی کا ذمہ دار ہوا ہے اور ہم کو اور آپ کو اس فکر و تردد سے فارغ کر دیا ہے۔ جس قدر آدمی زیادہ ہوں گے اسی قدر رزق زیادہ ہوگا۔ آپ جمعیت کیساتھ حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں متوجہ ہوں اور متعلقین کا غم حق تعالیٰ کے کرم کے حوالے کر دیں۔

وصول اور حصول میں فرق ۔ (مکتوب ۲۳۱ دفتر اول) حصول باوجود بُعد کے متصور ہے اور وصول متعذر اور دشوار ہے۔ عنقا کو جب ہم صورت مخصوصہ سے تصور کرتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ عنقا ہماری قوت مدرکہ میں حاصل ہے لیکن عنقا تک وصول ثابت نہیں ہے کیونکہ ظلیت جو مرتبہ ثانی میں اس شے کے ظہور سے مراد ہے۔ اس شے کے حصول کے منافی نہیں ہے لیکن شے کا وصول ظلیت کی تاب نہیں لاسکتا پس دونوں کے درمیان فرق معلوم ہوگیا۔

انبیاء اور اولیاء کے اسماء کے تعینات کے مبداء میں فرق ۔ (مکتوب ۲۳۱ دفتر اول)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ان اسماء کے کلیات ہیں اور اولیاء کے تعینات کے مبادی ان اسماء کی جزئیات ہیں جو ان کلیات کے تحت میں مندرج ہیں اور ان اسماء کی جزئیات سے مراد وہی اسماء ہیں جو قیود میں سے کسی قید کے ساتھ ماخوذ ہیں جیسے کہ کسی شے کے ساتھ ارادہ مطلقہ اور ارادہ مقید ہوتا ہے اور چونکہ اولیاء کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث ترقی واقع ہوتی ہے اس لیے اس قید کو دور کر کے مطلق کے ساتھ مل جائے گا۔

دین خالص ۔ (مکتوب ۲۴۳ دفتر اول) خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا اور محبت ذاتیہ کے سوا متصور نہیں ہوتا اس لیے طریق صوفیہ کا سلوک بھی جس سے فنا اور محبت ذاتیہ حاصل ہوتی ہے ضروری ہے تاکہ اخلاص کی حقیقت ہاتھ آئے چونکہ صوفیہ کے طریقے کمال و تکمیل کے مراتب میں اصالتۃً متفاوت ہیں اس لیے ایسے طریق کا اختیار کرنا جس میں سنت سنیہ زیادہ لازم ہو اور احکام شرعیہ کے بجالانے کے زیادہ موافق ہو بہت ہی بہتر اور مناسب ہے اور وہ طریقہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق ہے۔

قطب اور قطب الاقطاب ۔ غوث و خلیفہ کا مفہوم ۔ (مکتوب ۱۴ دفتر دوم) قطب الاقطاب صاحب علم (ہوتا ہے اور شہروں کے اقطاب اس کے اجزاء اور ہاتھ پاؤں کی طرح ہوتے ہیں۔ بعض کو اپنے (قطب) مدار ہونے کا علم ہوتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا۔ (مکتوب ۲۵۶ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ کے تابعداروں کے باعث جب مقام نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے

ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب امامت سے سرفراز کرتے ہیں اور بعض کو صرف اس کمال کے ہونے پر کفایت فرماتے ہیں- یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفس حصول میں برابر ہیں- فرق صرف منصب اور عدم منصب اور ان امور میں ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور جب کامل تابعدار ولایت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو صرف ان کمالات کے حاصل ہونے پر کفایت کرتے ہیں-

یہ دونوں منصب کمالات اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب گویا یہ دونوں مقام جو تحت میں ہیں ان دونوں مقامات کا جو اوپر ہیں ظل ہیں- شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے نزدیک غوث یہی قطب مدار ہے اس کے نزدیک کے منصب غوثیت منصب قطبیت سے کوئی علیحدہ منصب نہیں ہے اور جو کچھ فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہے بلکہ اس کے روزگار کا ممد و معاون ہے- قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے اور قطب کو اس کے اعوان و انصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار حکمی ہیں- اس واسطے صاحب فتوحات مکیہ لکھتا ہے کہ مومنوں اور کافروں کا کوئی گاؤں نہیں ہے جس میں قطب نہ ہو- جاننا چاہیے کہ صاحب منصب کو البتہ اپنے منصب کا علم ہوتا ہے- اور وہ جو اس منصب کا کمال رکھتا ہے اور منصب نہیں رکھتا اس کے لیے لازم نہیں کہ صاحب علم ہو اور اپنی خدمت سے مطلع ہو اور وہ بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے اس مقام کے حاصل ہونے کی بشارت ہے نہ اس مقام کے منصب کی بشارت جو علم سے وابستہ ہے-

کیا مرنے کے بعد ولایت سلب ہو جاتی ہے؟ - (مکتوب ۲۵۶ دفتر اول (شیخ بدیع الدین صاحب نے پوچھا تھا کہ نفحات میں لکھا ہے کہ چار آدمیوں کے سوا تمام اولیاء کی ولایت مرنے کے بعد سلب ہو جاتی ہے-

جواب- جاننا چاہیے کہ ولایت سے تصرفات اور کرامات کا ظہور رہو گا نہ کہ اصل ولایت جو قرب الٰہی سے مراد ہے اور نیز سلب ہونے سے مراد کرامات کے بکثرت ظاہر ہونے کا سلب ہو گا نہ کہ اس ظہور کے اصل کا سبب اور چونکہ یہ بات کشفی ہے اور کشف میں خطا کی بہت مجال ہے- معلوم نہیں کہ کشف والے نے کیا دیکھا ہے اور کیا سمجھا ہے-

قطب ارشاد کی اہمیت - (مکتوب ۲۶۰ دفتر اول) قطب ارشاد جو کمالات فردیہ کا جامع ہوتا

ہے بہت عزیز الوجود اور نایاب ہے اور بہت سے قرنوں اور بیشمار زمانوں کے بعد اس قسم کا ظہور ہوتا ہے اور عالم تاریک اس کے نور ظہور سے نورانی ہوتا ہے اور اس کی ہدایت وارشاد کا نور محیط عرش سے لے کر مرکز فرش تک تمام جہان کو شامل ہوتا ہے اور جس کسی کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت کا حاصل ہونا ہوتا ہے او راسی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور اسی سے مستفادہ ہوتا ہے اور اس کے وسیلے کے بغیر کوئی شخص اس دولت کو نہیں پاسکتا مثلاً اس کی ہدایت کے نور نے دریائے محیط کی طرح تمام جہان کو گھیرا ہوا ہے اور دریا گویا منجمد ہے اور ہرگز حرکت نہیں کرتا اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا یہ کہ وہ بزرگ طالب کے حال کی طرف متوجہ ہے تو توجہ کے وقت گویا طالب کے دل میں ایک روزن کھل جاتا ہے اور اس راہ سے توجہ و اخلاص کے موافق اس دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص ہے جو ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز کیطرف بالکل متوجہ نہیں ہے۔ انکار سے نہیں بلکہ اس کو پہچانتا نہیں ہے اس کو بھی یہ افادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن پہلی صورت میں دوسری صورت کی نسبت افادہ بہتر اور بڑھ کر ہے لیکن وہ شخص جو اس بزرگ کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے آزردہ ہے اگرچہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے لیکن وہ رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہے یہی انکار و آزار اس کے فیض کے مانع ہو جاتا ہے۔ بغیر اس امر کے وہ بزرگ اس کے عدم افادہ کی طرف متوجہ ہو یا اس کے ضرر کا قصد کرے کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہے اور وہ صرف رشد کی صورت ہے اور صورت بے معنی کچھ فائدہ نہیں دیتی اور وہ لوگ جو اس عزیز کے ساتھ محبت و اخلاص رکھتے ہیں گرچہ توجہ مذکور اور ذکر الٰہی سے خالی ہوں فقط محبت ہی کے باعث رشد و ہدایت کا نور ان تک پہنچ جاتا ہے۔

طریقت میں بدعت: (مکتوب ۲۶۷ دفتر اول) کوئی نئی بات جو طریقت میں پیدا کریں فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں جو دین میں پیدا کریں۔ طریقت کی برکتیں اسی وقت تک فائز ہوتی رہتی ہیں جب تک طریقت میں کوئی نئی بات پیدا نہ ہو اور جب کوئی نیا امر طریقت میں پیدا ہو جائے تو اسی وقت اس طریق کے فیوض و برکات کا راستہ بند ہو جاتا ہے پس طریقت کی محافظت کرنا اور طریقت کی مخالفت سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ جہاں کہیں اپنی طریقت کی مخالفت کسی سے دیکھیں توجہ اور مبالغہ سے اس کو منع کریں اور طریقت کی ترویج و تقویت میں کوشش کریں۔

صوفیا کی ایک جماعت کا شہود: (مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالیٰ کا وہ شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے اور تشبیہ و تنزیہ کے درمیان جمع خیال کرتی ہے درحقیقت حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے۔ اس میں ان کا شہود ان کا خیالی اور من گھڑت امر

ہے کیونکہ جو کچھ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب نہیں ہے اور جو کچھ حادث میں پاتے ہیں۔ وہ قدیم نہیں ہے اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہات یعنی بیہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے اور حق تعالیٰ کے غیر کو حق تعالیٰ نہ جاننا چاہیے۔ مانا کہ یہ لوگ خطا کار مجتہد کی طرح معذور ہیں اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے کاش مجتہد مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا تو پھر ان کا کام نہایت مشکل ہے۔

قیاس واجتہاد اور کشف والہام: (مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) قیاس واجتہاد اصول شرعی میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو امر ہوا ہے برخلاف کشف والہام کے اس کی تقلید کا ہم کو امر نہیں ہے اور الہام غیر پر حجت نہیں ہے لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے۔ پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنا چاہیے اور دین کے اصول کو ان دونوں کی آراء کے موافق ڈھونڈنا چاہیے اور صوفیہ جو کچھ علمائے مجتہدین کی آراء کے برخلاف کہیں یا کریں اس کی تقلید نہ کرنی چاہیے اور حسن ظن کے ساتھ ان کے طعن سے لب باندھنا اور اس قسم کی باتوں کو شطحیات سے جاننا چاہیے اور صوفیہ کی کشفیہ باتوں سے حسن ظن کے ساتھ خاموشی اور سکوت اختیار کرنا چاہیے اور لا و نعم پر جرأت نہ کرنی چاہیے۔

مشخیت: (مکتوب ۲۸۴ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو احوال کے نفس کے حصول کا علم نہیں رکھتے اور ان تکوینات سے ہرگز واقف نہیں ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جو احوال کی تکوینات کی خبر رکھتے ہیں لیکن احوال کی تشخیص نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ اگرچہ احوال کی تشخیص نہیں کر سکتے لیکن ارباب علم میں داخل ہیں اور مشخیت یعنی شیخی اور پیشوائی کے لائق ہیں اور احوال کا تشخیص کرنا ہر شیخ کا کام نہیں ہے بلکہ یہ دولت بے شمار زمانوں کے بعد ظہور میں آتی ہے اور صرف کسی ایک کو اس دولت سے سرفراز فرماتے ہیں اور دوسروں کو اس کے علم کے حوالے کر کے اس کے طفیلی بنا دیتے ہیں۔

معرفت: (مکتوب ۳۸ دفتر دوم) خدا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جس کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانہ جتنی بھی ہو اس کے باطن کو دنیا کے ساتھ اس قدر تعلق ہو یا دنیا کی اتنی مقدار اس کے باطن میں گزرتی ہو۔ اس کا ظاہر جو باطن سے کئی منزلیں دور پڑا ہے اور آخرت سے دنیا میں آیا ہے اور اس کو لوگوں کے ساتھ اختلاط پیدا کیا ہے تاکہ وہ مناسب حاصل ہو جو افادہ اور استفادہ سے مشروط ہے اگر دنیا کی بات کرے اور دنیوی اسباب میں مشغول رہے تو گنجائش رکھتا ہے اور کچھ مذموم نہیں کہ محمود ہوتا ہے

تا کہ بندوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور استفادہ افادہ کا طریق بند نہ ہو جائے پس اس شخص کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہوتا ہے۔

ایک اور بلند مرتبہ - (مکتوب ۱۴۱ دفتر دوم) اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کی طفیل عروج کے وقت نہایت النہایت کے مرتبوں کے آگے ایک اور مرتبہ آتا ہے جس مقام کا ہر ایک ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گناہ زیادہ ہے پس اگر اس مقام کا ایک ذرہ سلوک کے ذریعے قطع کیا جائے تو گویا تمام دائرہ امکان سے کئی گناہ زیادہ مسافت طے ہو جائے گی۔ خاص کر جب اس مرتبہ سے لمبی مسافت طے کی جائے پس معلوم ہوا کہ مراتب وجوب "تما فوقھا" کے مقابلے میں دائرہ امکان کی کچھ مقدار نہیں۔ کاش کہ ان میں قطرہ اور دریا کی نسبت ہوتی اس سے ثابت ہوا کہ اپنے پاؤں کی قوت سے دوست کے کوچہ میں نہیں پہنچ سکتے اور اپنی آنکھوں سے اس کو نہیں دیکھ سکتے

سیر آفاقی: (مکتوب ۴۲ دفتر دوم) جب سالک نیت کو درست اور خالص کر کے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے اختیار کرتا ہے اور تزکیہ پا کر اس کے اوصاف رذیلہ اخلاق حسنہ سے بدل جاتے ہیں اور توبہ وانابت اس کو میسر ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت اسکے دل سے نکل جاتی ہے اور صبر و توکل و رضا حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی حاصل شدہ معانی کو درجہ بدرجہ اور ترتیب وار عالم مثال میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بشریت کی کدورتوں اور کمینہ صفات سے پاک وصاف دیکھتا ہے تو اس وقت اس کا سیر آفاقی تمام ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے کلام: (مکتوب ۵۱ دفتر دوم) حق تعالیٰ کا کلام بندے کے ساتھ کبھی روبرو بواسطہ ہوتی ہے۔ اس قسم کا کلام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں سے بعض افراد کے لیے ثابت ہے اور کبھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے کامل تابعداروں کے لیے بھی ہوتی ہے جو وراثت اور تبعیت کے طور پر ان کے کمالات سے مشرف ہوتے ہیں جب اس قسم کا کلام ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بکثرت ہو تو ایسے شخص کو محدث کہتے ہیں جیسے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ یہ کلام الہام القا روحانی اور قلبی اور اس کلام سے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتی ہے الگ ہے۔۔ اس قسم کے کلام کے ساتھ انسان کامل مخاطب ہوتا ہے جو عالم امر۔ خلق اور روح و نفس اور عقل و خیال کا جامع ہو۔۔ روبرو کلام کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلام کرنے والے سننے والے کو دکھائی دے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سننے والے کی آنکھیں کمزور اور ضعیف ہوں جو متکلم کے انوار کی چمک برداشت نہ کر سکتی ہوں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں جو رویت کی بابت آپ سے پوچھا گیا تھا تو فرمایا۔

''وہ نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں'' نیز کلام روبرو ہونے کے وقت تمام شہودی پردے دور ہو جاتے ہیں نہ کہ وجودی -- یہ معرفت شریفہ اس قسم کی ہے کہ آج تک کسی نے بیان نہیں کی-

اولیاء اللہ: (مکتوب ۵۳ دفتر دوم) یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اور ان کا انیس و حبیب محروم نہیں ہوتا - یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آ جاتا ہے- یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کو پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ کو پالیا - ان کی نظر دوا ہے- ان کا کلام شفا اور ان کی صحبت سراپا نور و ضیاء ہے- یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ محروم و نا امید ہوا اور جس نے ان کے باطن کو دیکھا بزرگ ہو گیا- کسی نے کیا اچھا کہا ہے کہ الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پالیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا یعنی ان کا پہچاننا اور تیرا پانا ایک دوسرے سے الگ ہیں-

ندامت: (مکتوب ۵۳ دفتر دوم) احتیاج اور فروتنی کا پیدا ہونا جو ندامت کی خبر دیتا ہے نعمت عظیم ہے اور خلافِ شرع کر چکنے کے بعد ندامت بھی توبہ کی شاخ ہے- (اگر ندامت) پیدا نہ ہو اور گناہ کر لینے سے متلذذ و محظوظ ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ - کیونکہ گناہ سے لذت حاصل کرنا گناہ پر اصرار کرنا ہے اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کرنا کفر کی دہلیز ہے- اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے- تاکہ زیادہ ندامت پیدا ہو اور خلاف شریعت کرنے سے دور کر دے-

عُجب و تکبر اور اعمال صالحہ: (مکتوب ۵۳ دفتر دوم) اعمال صالحہ بجا لانے سے عجب و تکبر پیدا ہو تو یہ ایسا ہے کہ زہر قاتل ہے اور مرض مہلک ہے جو کہ کو نیست و نابود کر دیتا ہے جیسے کہ آگ ایندھن کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے عجب و تکبر کا باعث یہ ہے کہ اعمال صالحہ اعمال صالحہ عامل کی نظر میں زیبا اور پسندیدہ دکھائی دیتے ہیں (چاہیے) کہ اپنی نیکیوں کو تہمت زدہ معلوم کرے اور نیکیوں کی پوشیدہ قباحتوں کو نظر میں لائے تاکہ اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو قاصر و کوتاہ جانے بلکہ لعنت اور رد ہونے کے لائق خیال کرے--- جب اعمال میں دید قصور پیدا ہو جائے تو اعمال کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور قبولیت کے لائق ہو جاتے ہیں- کوشش کریں کہ یہ دیدہ پیدا ہو جائے تاکہ عجب و تکبر دور ہو جائے ورنہ بے فائدہ رنج ہے- بعض لوگ جن کو یہ دیدہ قصور کامل طور پر حاصل ہو جاتی ہے ایسا خیال کرتے ہیں کہ دائیں ہاتھ نیکیوں کا لکھنے والا معطل اور بیکار ہے اور کوئی نیکی نہیں جو اس کے لکھنے کے لائق ہو- بائیں ہاتھ والا برائیاں لکھنے والا ہمیشہ اپنے کام میں ہے-

کفر حقیقی سے اسلام حقیقی کی طرف: (مکتوب ۹۷ دفتر دوم) جس طرح اسلام مجازی کفر مجازی سے بہتر ہے اسی طرح اسلام طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔ کفر طریقت میں سب سکر ہی سکر ہے اور اسلام طریقت میں صحو ہی صحو۔ جس طرح مجازی سکر مجازی سے بہتر ہے اسی طرح صحو طریقت بھی سکر طریقت سے بہتر ہے کفر طریقت کا ثمرہ تشبیہ ہے اور اسلام طریقت کا نتیجہ تنزیہہ۔ جس قدر تشبیہ اور تنزیہہ کے جمع کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور اس کو کمال جانتے ہیں۔ یہ تنزیہہ بھی تشبیہ کی قسم ہے جو ان کی نظر میں تنزیہہ حقیقی کے ساتھ جمع ہو جائے۔ اور اس کے انوار کی شعاعوں میں نیست و نابود ہو جائے۔

توحید اتحاد کی خبر دینے والی عبارتیں: (مکتوب ۸۰ دفتر دوم۔۔تمہیدات عین القضات کی عبارت سے سوال)

"جس کو تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک محمد ﷺ ہیں اور جن کو تم محمد ﷺ جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا ہیں" (عبارت)

جواب۔ اس قسم کی عبارتیں جو توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں سکر کا غلبہ میں جو مرتبہ جمع میں ہے اور جس کو کفر طریقت سے تعبیر کرتے ہیں مشائخ قدس سرہم سے بہت صادر ہوئی ہیں۔ اس وقت دوئی اور تمیز ان کی نظر سے دور ہو جاتی ہے اور ممکن کو عین واجب معلوم کرتے ہیں بلکہ ممکن کو پاتے ہی نہیں اور جب واجب کے سوا کچھ ان کا مشہود نہیں؛ لہٰذا اس صورت میں اس عبارت کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ امتیاز اور دوئی جو تمہارے نزدیک خدائے تعالیٰ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے درمیان ہے ہمارے نزدیک وہ امتیاز اور مغائرت ثابت نہیں بلکہ وہ ایک ہونے سے بھی منزہ ہے دوسرے کا عین ہے جب تمام ممکنات سے نزدیک وہ امتیاز اور مغائرت کی نسبت دور ہو جائے تو پھر محمدؐ الرسول ﷺ حق تعالیٰ کے کمالات کا مظہر اتم ہیں ان کی امتیاز کی نسبت کس طرح ثابت رہے۔ یہ دید مرتبہ جمع کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ جب سالک اس مقام سے بلند چلا جاتا ہے اور سکر کی افراط سے آنکھ کھوتا ہے تو محمد ﷺ کو بندہ پاتا ہے اور اس کا رسول جانتا ہے جیسے کہ ابتدا میں جانتا تھا۔۔ واضح ہو کہ مبتدی اور منتہی دونوں صورت میں مشترک ہیں یہی اشتراک منتہی کے لیے پردہ ہے جس کے باعث لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ جب متوسط کو منتہی کے ساتھ کچھ نسبت نہیں تو مبتدی دور از معاملہ کو اس کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔

دو اہم فرائض: (مکتوب ۱۲ دفتر سوم) ناامیدی کفر ہے امیدوار رہنا چاہیے اگر ان دو امور میں رسوخ ہو تو کچھ غم نہیں۔ ایک صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت دوسرے شیخ طریقت کا

اعتقاد و محبت - تضرع والتجا کرتے رہیں کہ ان دونوں دولتوں میں فتور نہ آئے ان کے سوااور جو کچھ ہے آسان اور سہل ہے اور اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔

علم حضوری: (مکتوب ۲۵۸ دفتر اول) دائمی وصل اور استمراری وقت اس شخص کے لیے مسلّم ہے جو فنائے مطلق سے متحقق ہونے کے بعد بقاباللہ سے مشرف ہوا ہو اور اس کا حصولی علم حضوری سے تبدیل ہو گیا ہو۔

جاننا چاہیے کہ وہ علم جو عالم کو اپنی ذات کے ماسوا سے حاصل ہوتا ہے اس کے حاصل ہونے کا طریق عالم کے ذہن میں معلوم کی صورت کا حاصل ہونا ہے اور جس علم میں صورت کا حاصل ہونا ہے اور جس علم میں صورت کے حصول کی طرف محتاج نہ ہوں۔ وہ اپنی ذات کا علم ہے اور یہی علم حضوری ہے کیونکہ ذات بنفسہٖ عالم کے نزدیک حاضر ہے اور علم حصولی میں جب تک معلوم کی صورت ذہن میں حاصل رہتی ہے تب تک معلوم کی طرف توجہ رہتی ہے اور جب وہ صورت ذہن سے زائل ہو جاتی ہے وہ ذہنی توجہ بھی زائل ہو جاتی ہے پس علم حصولی میں توجہ کا دائمی ہونا محال ہے علوی یعنی از روئے عادت محال ہے برخلاف (اس کے) علم حضور کے کہ اس میں غافل ہونا غیر متصور ہے کیونکہ اس علم کے ثابت ہونے کا منشاء عالم کی ذات کا حضور ہے۔ چونکہ یہ حضور دائمی ہے اس لیے ذات کا علم بھی دائمی ہوگا --- بقاباللہ جو فنائے مطلق کے بعد حاصل ہوتا ہے اس قسم کے علوم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا۔

شرائط راہ: (مکتوب ۲۸۶ دفتر اول) شرائط راہ میں سے اعلیٰ اور اعظم شرط نفس کی مخالفت ہے اور وہ مقام ورع و تقویٰ کی رعایت پر موقوف ہے جو محارم یعنی حرام سے ہٹ کر مراد ہے اور محرمات و حرام سے نہیں بچ سکتے جب تک فضول مباحات سے پرہیز نہ کریں کیونکہ مباحات کے ارتکاب میں نفس کی باگ کا ڈھیلا کرنا مشتبہات تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے اور حرام میں گر پڑنے کا احتمال قوی ہے اور ترقی و عروج ورع سے وابستہ ہے۔

اعمال کے دو جزو - اعمال کے دو جزو ہیں - ایک امتثال اوامر یعنی امر کا بجالانا - دوسرے انتہا مناہی یعنی ملیہات سے بچنا - امتثال امر میں قدسی یعنی فرشتے بھی شامل ہیں - اگر امتثال امر میں ترقی واقع ہوتی تو قدسیوں کو بھی واقع ہوتی اور دنیا ہی سے بچ رہنا قدسیوں میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ بالذات معصوم ہیں اور اور مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تا کہ اس سے نہی کی جائے پس معلوم ہوا کہ ترقی اسی جزو سے وابستہ ہے اور یہ اجتناب سراسر نفس کی مخالفت ہے کیونکہ شریعت ہوائے نفسانی اور رسوم ظلمانی کے رفع کرنے اور ہٹانے کے لیے وارد ہوئی ہے چونکہ نفس کی طبعی خواہش محرم کا ارتکاب یا فضول امر کا

ارتکاب ہے اور جو محرم کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے اس لیے محرم وفضول کے اجتناب میں نفس کی عین مخالفت ہے پس جس طریق میں نفس کی مخالفت زیادہ تر ہے۔ سب طریقوں سے اقرب اور زیادہ نزدیک ہے۔

حق تعالیٰ کا فیض: وہ فیض جو حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچتا ہے دو قسم ہے جو ایجاد (موجود کرنا) اور بقا (باقی رکھنا) اور تخلیق (پیدا کرنا) اور اور ترزیق (رزق دینا) اور احیا (زندہ کرنا و اماتت (مارنا) وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو ایمان ومعرفت اور مراتب ولایت ونبوت کے تمام کمالات سے متعلق ہے۔ پہلی قسم کا فیض سب کو صفات کے ذریعے سے آتا ہے اور دوسری قسم کا فیض بعض کو صفات کے ذریعے آتا ہے اور بعض کو شیونات کے واسطے سے۔ صفات وشیونات کے درمیان بہت دقیق فرق ہے صفات حق تعالیٰ کی ذات پر وجود زائید کے ساتھ خارج میں موجود ہیں اور شیونات حق تعالیٰ کی ذات میں مجرد اعتبار ہیں --- دوسرا فرق شیون صفات کے درمیان یہ ہے کہ مقام شیون ذی شان یعنی صاحب شان کے مواجہ مقابل اور روبرو ہے اور مقام صفات ایسا نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور ان اولیاء کو جو آپ کے قدم پر ہیں فیض ثانی شیونات کے واسطہ سے پہنچتا ہے اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان لوگوں کو جو ان کے قدموں پر ہیں یہ فیض اول بھی صفات کے واسطہ سے پہنچتا ہے پس میں کہتا ہوں کہ وہ اسم جو آنحضرت ﷺ کا رب اور فیض دوم کے پہنچنے کا واسطہ ہے۔ شان العلم کا ظل ہے اور یہ شان اجمالی وتفصیلی شیون کا جامع ہے اور وہ شان علم کے لیے بلکہ اجمالی وتفصیلی شیون کے لیے اس اعتبار سے کہ شان علم ان سب کو شامل ہے ذات حق تعالیٰ کی قابلیت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے ---- کیونکہ شیون عین ذات حق تعالیٰ ہیں۔ ان میں زیادہ ہونے کا اعتبار کرنا عقل کے منوعات سے ہے اسی واسطے تجلی ذاتی آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہوئی اور حضور کے کامل تابعداروں وہ چونکہ حضور علیہ السلام کے راستے سے فیض حاصل کرتے ہیں اس لیے ان کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ مل جاتا ہے اور دوسروں کے لیے چونکہ صفات کے وسائل درمیان ہیں اور صفات وجود زائدہ کے ساتھ موجود ہیں اس لیے بڑا مضبوط حجاب درمیان برزخوں کی طرح ہیں اور برزخ اپنی طرفین کا رنگ حاصل کر لیتا ہے اس لیے قابلیتوں نے بھی صفات کا رنگ پکڑ کر حاملیت پیدا کر لی ہے۔ ظاہر ہوا کہ حق تعالیٰ کی ذات کا بے پردہ ظہور تجلی شہودی کے منافی نہیں ہے لیکن تجلی وجودی کے منافی ہے یہی تجلی ذاتی جو بے پردہ ہے محبوبوں کے لیے دائمی ہے اور محبوں کے لیے برقی کیونکہ محبوبوں کے بدن ان کی روحوں کا سا رنگ حاصل کر لیتے ہیں اور وہ نسبت ان میں کلی طور پر اثر کر جاتی ہے اور محبوں میں یہ سرایت شاذ ونادر ہوتی ہے۔

تجلی ذات اور تجلی صفات: (مکتوب ۲۸۷ دفتر اول) اس گروہ میں سے بعض کی عبارت میں واقع ہے کہ اقطاب کے لیے تجلی صفات ہے۔ افراد کے لیے تجلی ذات ہے۔ اس میں تامل کی مجال ہے کیونکہ قطب محمدی مشرب ہے اور محمدیوں کے لیے تجلی ذات ہے۔ ہاں اس تجلی میں بھی بہت تفاوت ہے۔ وہ قرب جو افراد کے لیے ہے اقطاب کے لیے نہیں ہے لیکن ہر دو کو تجلی ذات سے حصہ حاصل ہے۔ اگر قطب سے مراد قطب ابدال ہو جو حضرت اسرائیل کے قدم پر ہے نہ کہ محمد ﷺ کے قدم پر ہے تو پھر یہ بات درست ہے۔

سر قاب قوسین: (مکتوب ۳۰۰ دفتر اول) جب انسان کامل مراتب اسماء صفات کے لیے تفصیلی سیر کو طے کر کے جامعیت تامہ پیدا کر لیتا ہے اور اسماء صفات الٰہی کے کمالات کا آئینہ بن جاتا ہے اور اس کا عدم ذاتی جو ان کمالات کا آئینہ ہے پورے طور پر پوشیدہ ہو جاتا ہے اور ان کمالات کے سوا اس میں اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی تو اس وقت فنائے تام کے حاصل ہونے کے بعد جو اس کے عدم کے نفی ہونے سے وابستہ تھی ایک خاص بقا کے ساتھ جو ان کمالات پر منحصر ہے مشرف ہوتا ہے اور ولایت کا اسم اس پر صادق آتا ہے اس کے بعد اگر حق تعالیٰ کی عنایت ازلی شامل ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ پھر یہ کمالات جن کے ساتھ عارف نے بقا حاصل کی تھی حضرت ذات کے ائینہ میں منعکس ہو جائیں اور وہاں ظہور پیدا کریں۔ اس وقت قاب قوسین کا سر ظہور میں آتا ہے۔۔۔ اور جب وہ کمالات جن کے ساتھ عارف نے بقا حاصل کی تھی حقیقت و اصالت کے طور پر آنجناب پاک کے آئینہ میں منعکس ہو جاتے ہیں اور وہاں اس کو نسبت مجہول الکیفیت حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت انا جو عارف کے ساتھ تعلق رکھتا تھا وہاں اطلاق پاتا ہے اور اپنے آپ کو ان کمالات ظاہرہ کا عین دیکھتا ہے۔ مقام قاب قوسین میں انا کا نہایت عروج یہیں تک ہے۔۔۔ یہ ہے نہایت النہایت اور غایت الغایت کا بیان جس کا سمجھنا خواص کے ادراک سے کوسوں دور ہے پھر عوام کا کیا ذکر۔ اخص خواص سے بھی بہت کم لوگ اس دولت اور معرفت سے سرفراز ہوئے۔ یہ نہایت ظہورات و تجلیات کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد کسی قسم کی تجلی اور ظہور متصور نہیں۔

قربِ الٰہی: (مکتوب ۳۰۱ دفتر اول)۔ واضح ہو کہ نخست سے مراد وہ قرب الٰہی ہے جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے اور اس کا عروج حق تعالیٰ کی طرف میلان رکھتا ہے اور اس کا نزول خلق کی طرف یہ قرب بالاصالت انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے اور یہ منصب ان ہی بزرگواروں کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ منصب نبوت حضرت سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد حضرت خاتم الرسل ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے۔ حاصل کلام یہ کہ تابعداروں اور خادموں کو اپنے مالکوں اور صاحبوں کی دولت اور پس خوردہ سے حصہ حاصل ہوتا پس انبیاء علیہ الصلوٰۃ کے قرب سے انکے کامل تابعداروں کو بھی حصہ حاصل ہوتا ہے اور اسی مقام کے علوم ومعارف اور کمالات بھی بطریق تبعیت و وراثت کے کمالات نبوت کا حاصل ہونا انکی خاتمیت کے منافی نہیں ہے تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ راستے جو کمالاً نبوت تک پہچانے والے ہیں دو ہیں ایک وہ راستہ ہے جو مقام ولایت کے مفصل کمالات کے طے کرنے پر موقوف ہے اور ان تجلیات اور معارف سکر یہ کے حاصل ہونے سے وابستہ ہے جو قرب ولایت کے مناسب ہے ان تجلیات کے حاصل ہونے کے بعد کمالات نبوت میں قدم رکھا جاتا ہے اور اس مقام میں اصل کی طرف سے وصول ہوتا ہے۔ اسمیں ظلیت کی طرف التفات کرنا گناہ ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ولایت کے ان کمالات کے حاصل ہونے کے بغیر کمالات نبوت تک پہنچنا میسر ہو جاتا ہے اور یہ دوسرا راستہ شاہراہ ہے اور کمالات نبوت تک پہنچنے کے لیے زیادہ قریب راستہ ہے۔ انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انکے اصحاب کرام میں سے جو کوئی بطریق تبعیت وراثت کمالات نبوت تک پہنچے ہیں سب اسی راہ سے پہنچے ہیں اور اس مقام کے علوم و معارف اور کمالات بھی بطریق وراثت کامل تابعداروں کو نصیب ہوتے ہیں پس خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد ان کے کامل تابعداروں کو بطریق تبعیت اور وراثت کے کمالات نبوت تک پہنچنا میسر ہو جاتا ہے اور یہ دوسرا راستہ شاہراہ ہے اور کمالات نبوت تک پہنچے ہیں سب اسی راہ سے پہنچے ہیں۔ پہلا راستہ بہت دور دراز ہے اور اس کا حاصل ہونا دشوار اور اس کا وصول ناممکن ہے۔ بعض اولیاء نے جو مقام ولایت میں شرف نزول سے مشرف ہوئے ہیں مقام نزول کے ان کمالات کو کمالات نبوت خیال کیا ہے اور خلق کی طرف متوجہ ہونے کو جو مقام دعوت کے مناسب ہے مقام نبوت کی خصوصیات سے سمجھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ نزول عروج کی طرح ولایت ہی سے ہے اور وہ عروج و نزول جو مقام نبوت سے تعلق رکھتا ہے وہ اور ہے۔ جو مقام ولایت سے برتر ہے اور وہ توجہ بخلق جو نبوت کے مناسب ہے اس توجہ بخلق کے ماسوا ہے اور یہ دعوت اس دعوت سے جدا ہے جس کو انہوں نے کمالات نبوت سمجھا ہے یہ لوگ کیا کریں۔ انہوں نے دائرہ ولایت سے باہر قدم رکھا ہی نہیں اور کمالات نبوت کی حقیقت کو سمجھا ہی نہیں انہوں نے ولایت کے نصف حصہ کو جو اس کے عروج کی جانب ہے تمام ولایت خیال کیا ہے اور دوسرے نصف حصے کو جو اس کے نزول کی جانب ہے مقام نبوت تصور کیا ہے۔ اصل کا حاصل اس کے ظلال سے بھاگتا اور پناہ مانگتا ہے۔ ظل کی گرفتاری تب تک ہی ہے

جب تک اصل سے واصل نہ ہو- اصل تک پہنچنے کے بعد ظل سراسر لا حاصل ہے اور ظل کی طرف توجہ کرنا بے ادبی ہے- اے فرزند! کمالات نبوت کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کی محض بخشش اور اس کے فضل و کرم سے وابستہ ہے کسب و تحمل کو اس دولت کے حاصل ہونے میں کچھ دخل نہیں برخلاف کمالات ولایت کے جن کے مبادی و مقدمات کسبی ہیں اور ان کا حاصل ہونا ریاضت و مجاہدہ پر منحصر ہے-

مقامات ظلال: (مکتوب ۳۰۲ دفتر اول) وصول مرتبہ نبوت میں ہے اور حصول مقام ولایت میں کیونکہ حصول ظلیت کے سوا ناممکن ہے برخلاف وصل کے شکر ہر وقت مقام ولایت میں لازم ہوگا اور مرتبہ نبوت صحو میں اس مرتبہ کے ساتھ خاص ہے غرض تجلیات و ظہورات ظلال کی خبر دیتے ہیں اور وہ شخص جو ظلال کی گرفتاری سے آزاد ہو چکا وہ تجلیات سے بھی آزاد ہے-

اے فرزند! عشق کا ولولہ اور محبت کا فلسفہ اور شوق انگیز نعرے اور درد آمیز آواز اور وجد و تواجد رقص و رقاصی سب مقامت ظلال اور ظہورات و تجلیات ظلیہ کے وقت ہوتے ہیں-- جاننا چاہیے کہ اس ولایت ہے جو مذکور ہوئی ہے مراد ظلی ولایت ہے جس کو ولایت صغریٰ اور ولایت اولیاء سے تعبیر کرتے ہیں-

بردن اور رفتن: (مکتوب ۳۰۲ دفتر اول) راہ اجتباہ راہ بردن یعنی دوسرے کو لے جانے والا راستہ ہے اور راہ انابت رفتن یعنی چل کر طے کرنے والا راستہ ہے- رفتن سے بُردن تک بڑا فرق ہے- جلدی جلدی لے جاتے ہیں اور جلدی ہی پہنچا دیتے ہیں اور دیر دیر سے چلتے ہیں اور راہ ہی میں رہ جاتے ہیں-

دنیا و آخرت: (مکتوب ۳۰۲ دفتر اول) اے فرزند مقام ولایت میں دنیا و آخرت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح سمجھنا پڑتا ہے اور آخرت کے درد کو دنیا کے درد کی طرح نامناسب جاننا پڑتا ہے- آیہ کریمہ (اپنے اللہ تعالیٰ سے غیب کے ساتھ سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے ڈر سے کانپتے ہیں) اس مقام والوں کے لیے نقد وقت نہ ہے- ان کا نالہ و گریہ احوال آخرت کو یاد کرنے سے ہے اور ان کا الم و اندوہ احوال قیامت کے ڈر سے ہے- ہمیشہ قبر کے فتنے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے اور زاری کرتے ہیں-- حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا درد درد آخرت ہے اور ان کا شوق و محبت آخرت کا شوق محبت ہے کیونکہ اگر لقا ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت میں ہے اور رضا ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر موقوف ہے-

بندے کی مراد: (مکتوب ۲۷ دفتر سوم) بندے کو چاہیے کہ اپنے مولیٰ جلشانہ کے سوا اس کی کچھ مراد اور کوئی مطلب نہ ہو اور مولیٰ کی مراد کے سوا بندے کی کوئی مراد نہ رہے ورنہ اس کا سر بندگی کی رسی

سے اس کا پاؤں غلامی کی قید سے نکلا ہوا ہوگا۔ وہ بندہ جو اپنی مرادوں میں گرفتار ہے اپنی ہوا و ہوس پر فریفتہ ہے۔ وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور شیطان لعین کی اطاعت کر رہا ہے۔ یہ دولت ولایت خاصہ کے حاصل کرنے سے وابستہ ہے جو فنا اور بقا اتم و اکمل پر موقوف ہے۔ نفس کی خواہشات فضول مباح ہیں یا مشتبہ و حرام پس گرفتاری اور بدکرداری کا موجب فضول افعال ہیں اگرچہ مباح کی قسم سے ہوں کیونکہ فضول مباح محرم کے قرب و جوار میں ہے۔

تجلی افعال۔۔ تجلی صفات اور تجلی ذات۔ (مکتوب ۷۵ دفتر سوم) تجلی افعال سے مراد یہ ہے کہ سالک پر حق تعالیٰ کے فعل کا اس طرح ظہور ہو کہ سالک بندوں کے افعال کو اس فعل کے ظلال دیکھے اور اس فعل کو ان افعال کا اصل معلوم کرے اور ان افعال کا قیام اس فعل واحد کے ساتھ پہچانے۔ اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اس کی نظر سے بالکل پوشیدہ ہو کر اپنے اصل کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور ان افعال کے فاعل کو جماد کی طرح بے حس و حرکت معلوم کرے۔ جو کچھ توحید وجودی والوں نے جو اشیاء کے عین ہونے کے قائل ہیں اور ''ہمہ اوست'' کہتے ہیں (انہوں نے بندوں کے بے شمار افعال کو ایک ہی فاعل جلشانہ کا فعل جانا ہے)۔

تجلی صفات سے مراد یہ ہے کہ سالک پر حق تعالیٰ کی صفات کا ظہور اس طرح پر ہو کہ بندوں کی صفات کو حق تعالیٰ کی صفات جانے اور ان کا قیام ان کے اصول کے ساتھ معلوم کرے۔ علم ممکن کو علم واجب کا ظل اور اور اس کے ساتھ قائم جانے اسی طرح اس کی قدرت کو حق تعالیٰ کی قدرت جانے اور اس کا قیام اس کے ساتھ تصور کرے۔ اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال صفات سب کے سب سالک کی نظر سے مختفی ہو کر اپنے اصول سے مل جائیں۔ اس مقام سے سالک کا نصیب یہ ہے کہ اس کی حقیقت فنا اور نیستی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کمالات کا انتساب جن کو اپنے خیال میں اپنی طرف منسوب کرتا تھا منتفی ہو جاتا ہے۔ امانت والوں کے حوالے کر دیتا ہے اور کلمہ انا کا مورد و محل یہاں تک زائل ہو جاتا ہے کہ اگر اس کو بقا باللہ سے بھی مشرف کر دیں تو پھر بھی انا کا مورد نہیں ہوتا۔۔۔ انا الحق کہنا اسی نسبت کے حاصل کا باعث ہے ''اور سبحانی'' زبان پر لانا اس دولت تک نہ پہنچنے کا سبب ہے لیکن اس قسم کے الفاظ کو جو ان بزرگواروں سے صادر ہوئے ہیں ان کے توسط احوال پر حمل کرنا چاہیے۔

تجلی ذات۔ یہ دولت فنا جو نیستی کی حقیقت ہے اگرچہ تجلی صفات کا منتہا ہے لیکن اس کا حاصل ہونا تجلی ذات کے پرتو سے ہے جب تک ذات متجلی نہ ہو فنا کی یہ دولت میسر نہیں ہوتی بلکہ تجلی صفات بھی انجام تک نہیں پہنچتی۔ نفس تجلی ذات کا حاصل ہونا اس دولت فنا کے حاصل ہونے کے بعد ہے پرتو تجلی اور نفس

تجلی کے درمیان وہی فرق ہے جو صبح کی سفیدی اور آفتاب کے طلوع میں ہے۔ صبح کی سفیدی کے وقت تجلی آفتاب کا پرتو ہے اور طلوع کے بعد آفتاب کی نفس تجلی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تجلی ذات کے پرتو کی استعداد ہوتی ہے اور نفس تجلی ذات کی استعداد نہیں ہوتی - حاصل کلام یہ ہے کہ جیسا مرتبہ ہو ویسا ہی اس سے حصہ ملتا ہے۔

ذات حق میں تفکر: (مکتوب ۷۵ دفتر سوم) حق تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنے سے اس واسطے منع کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ فکر و تخیل سے ماوری ہے حق تعالیٰ کو ہی سے پا سکتے ہیں نہ کہ فکر و خیال سے۔

شان العلم: (مکتوب ۷۶ دفتر سوم) شان العلم اگرچہ شان الحیوۃ کے تابع ہے لیکن صفات وشیون کے اعتبارات کے زوال اور گر جانے کے بعد مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ میں علم کا الگ ہی شان اور گنجائش ہے جو حیات کے لیے نہیں ہے- پھر صفات وشیون کا کیا ذکر ہے- یہ ایک ایسا بلند مرتبہ ہے جو تمام نسبتوں سے مجرد ہے اور نور کے اطلاق کے سوا کچھ اپنے اوپر تجویز نہیں کرتا - میرے خیال میں علم ہی کی وہاں گنجائش ہ ہے مگر یہ علم وہ نہیں ہے جس کو حضوری یا حصولی کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں حیوۃ کے تابع ہیں (حضور علیہ ﷺ نے فرمایا ہے-- ''جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اول پیدا کیا وہ عقل ہے)'' جو چیز خدائے تعالیٰ نے اول پیدا کی وہ میرا نور ہے'' ---- دونوں کا ایک ہی مطلب ہے یعنی نور بھی ہے اور عقل وشعور بھی- چونکہ آنحضرت ﷺ نے اس مرتبہ نور کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور نور ہی فرمایا ہے اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ یہ مرتبہ حقیقت محمدی ہے۔

بقائے ذاتی: (مکتوب ۷۹ دفتر سوم) اس صاحب دولت کو جب بقائے ذاتی سے مشرف کرتے ہیں تو ایک ایسی ذات عطا کرتے ہیں جس کے ساتھ اس کی صفات مثل علم وقدرت وغیرہ کا قیام ہوتا ہے جن کا قیام باقی تمام افراد عالم کی طرح ان کے اصول کے ساتھ تھا- اس بقائے اکمل کے حاصل ہونے باجود کلمہ انا کا اطلاق جو اس سے زائل ہوا پھر عود نہیں کرتا اور مراتب بقاء میں سے کسی مرتبہ میں اپنے اوپر انا کا اطلاق نہیں کر سکتا کیونکہ بقاء اکمل فناء اتم پر مترتب ہے جو کلمہ انا کا نام ونشان مٹا دیتا ہے۔

بقائے اکمل: (مکتوب ۸۰ دفتر سوم) وہاں اسم وصفت وشان اعتبار سے فنائے ذاتی ہے پس عالم کو مرتبہ مقدسہ ذات سے مایوسی اور حرمان کے سوا کچھ نصیب نہیں اور وصل واتصال کی وہاں کوئی گنجائش نہیں لیکن عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ بہت سے قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد کسی صاحب دولت کو فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل بخشتے ہیں اور ذات مقدس کا نمونہ اس کو عطا فرماتے ہیں جس کے ساتھ اب اس کا قیام ہوتا ہے جس طرح کہ پہلے اس کا قیام اپنے اصل کے ساتھ تھا جو اسماء وصفات ہیں اور وہ تمام

اعراض سابقہ جو رکھتا تھا اور یہ ذات موہوب۔ دونوں مل کر اس کی حقیقت ہوتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر اس کا کمال انسانی ختم ہو جاتا ہے اور نعمت اس کے حق میں تمام ہو جاتی ہے۔

اصل الاصل کے معاملات: (مکتوب ۱۰۸ دفتر سوم) وہ معاملات جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کو مثالی صورتوں یا کسی اور امر کے طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ اس وقت تک ہے جب تک ان مقامات میں سیر ہے جن کو عالم کے ساتھ مناسبت یا مشارکت ہے خواہ وجہ و اسم کے طور پر ہو۔ یہ سیر مقام رضا کے نہایت تک ہے۔ جب مقام رضا سے اوپر سیر میسر ہوتا ہے تو اس کو وہاں سے کچھ معلوم نہیں ہوتا نہ ہی مثالی صورتوں کے طور پر اور نہ کسی اور امر کے طور پر۔ اس وقت اس عارف کو مقامات فوق کے صرف حصول کا علم ہوتا ہے بغیر اس بات کے کہ اس کو وہاں سے کچھ معلوم ہو۔ ان مقامات میں اسم نبوت و رسالت وغیرہ بھی مفقود ہے۔ میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کل کو دار خلد میں ان مقامات کا علم نصیب کرے گا۔ اس سیر کی نہایت مرتبہ مخصوص تک ہے۔

ظلیت سے خلاصی کے بعد: (مکتوب ۱۱۰ دفتر سوم) جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حصول ظلیت کی قید سے نکل جاتا ہے تو موجودات کے ذرات میں سے ہر ذرہ یعنی عرض و جوہر اور آفاق و انفس اس کے لیے گویا غیب الغیب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ظل کی قید سے نکلنے کے بعد وہ پرنالے کی طرح ہو گیا ہے کہ جو کچھ اس میں آپڑتا ہے اس کو اپنے اندر نہیں رہنے دیتا اور باہر ڈال دیتا ہے۔ اب جو کچھ کرتا ہے اپنے لیے نہیں کرتا بلکہ حق کے لیے کرتا ہے خواہ نیت کرے یا نہ کرے۔ اس وقت اس عارف کی حب حق تعالیٰ کی حب کی طرف لے جاتی ہے اور اس کا بغض حق تعالیٰ کے بغض کے باعث ہوتا ہے اسی طرح اس کی تعظیم و توقیر حق تعالیٰ کی تعظیم و توقیر ہوتی ہے۔ اس کی اہانت اور بے ادبی حق تعالیٰ کی اہانت و بے ادبی۔ آنحضرت ﷺ کے اصحاب کو بھی آنحضرت کے ساتھ اپنے اپنے درجات کے مطابق یہی نسبت ہے کہ ان کا حب و بغض آنحضرت کے حب و بغض تک پہنچا دیتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا۔ آنحضرت ﷺ کے اہل بیت کو بھی آنحضرت کے ساتھ یہی نسبت ہے لیکن اس نسبت عالیہ کا ظہور حضرت مرتضیٰ اور حضرت (سیدۃ النساء) فاطمہ زہرہؓ اور حسنینؓ رضی اللہ عنہم میں کامل طور پر ہے۔ اور باقی بارہ اماموں میں بھی اس کا اثر مشہود ہوتا ہے اور ان کے سوا اور کسی میں یہ نسبت محسوس نہیں ہوتی۔

مشاہدہ: (مبداء و معاد) جو کچھ مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مشاہدہ بیرونی کی طرح قابل اعتماد

نہیں- اس واسطے کہ وہ مشاہدہ دراصل حق سبحانہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کیونکہ جب حق تعالیٰ بے چون اور بے چگون ہے پھر چون کے آئینہ میں کیونکر سما سکتا ہے خواہ وہ آئینہ اندرونی ہو یا بیرونی اللہ تعالیٰ نہ جہان کے اندر ہے اور نہ اس سے باہر ہی ہے- نہ جہاں سے ملا ہوا اور نہ الگ ہے اس واسطے جو بتائے حق میں حاصل ہوتا ہے اسے بھی بلا کیف ہی لکھا ہے جو عقل اور وہم کے احاطہ سے باہر ہے- دنیا میں بھی یہ بھید خواص الخواص پر منکشف کیا ہے اگرچہ اسے رویت تو نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن پھر بھی رویت ہی کی طرح ہے-

اولیاء کرام اور حجابات و پردے: (مبداء و معاد) اولیاء اللہ کے حجابات اور پردے ان کی بشری صفات ہیں- جن چیزوں کی باقی تمام لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے- ان بزرگواروں کو بھی ہوتی ہے- ان کا ولی ہونا نہیں احتیاج (ضروریات زندگی) سے بری نہیں کر سکتا- ان کی ناراضی بھی عام لوگوں کی طرح ہوتی ہے اور تو اور خود جناب سید الانبیا ﷺ فرماتے ہیں کہ:

''میں بھی عام انسانوں کی طرح ناراض ہوتا ہوں''

جب آنحضرت ﷺ کی یہ کیفیت ہے تو اولیاء اللہ کیونکر اس سے بری ہو سکتے ہیں- کھانے پینے اور اہل و عیال سے زندگی بسر کرنے اور ان سے انس کرتے ہیں اولیاء اللہ اور باقی لوگ بھی شریک ہیں- مختلف تعلقات جو لازمہ بشریت ہیں خواص و عوام سے زائل نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ جلشانہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے حق میں فرمایا ہے کہ:

''ہم نے ان کے جسم بھی کھانا کھانے والے بنائے ہیں- ظاہر میں کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے'' پس جس کی نگاہ اولیاء اللہ کے صرف ظاہر پر پڑتی ہے- وہ نعمت الٰہی سے محروم رہتا ہے اور دنیا و آخرت کا نقصان اٹھاتا ہے- اسی ظاہر بینی نے ابوجہل اور ابولہب کو دولت اسلام سے محروم رکھا اور ابدی نقصان میں میں ڈالا- سعادت مند وہی شخص ہے جو اہل مرتبہ کے ظاہر کو چنداں خیال نہیں کرتا بلکہ ان کی نظر کی تیزی ان بزرگوں کے باطنی اوصاف تک پہنچتی ہے اور صرف ان کے باطن ہی کو دیکھتا ہے-- اولیاء اللہ دریائے نیل کی طرح ہیں کہ محجوبوں کے لیے بلا محبوبوں کے لیے پانی ہیں- یہ عجیب معاملہ ہے کہ جس قدر صفات بشریت کا ظہور اہل اللہ میں ہوتا ہے باقی لوگوں میں نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہموار اور مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ تھوڑی بھی ہو تو بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور ناہموار اور غیر مصفا پر میل کچیل اور تاریکی خواہ زیادہ ہی ہو کم دکھائی دیتی ہے-

صفات بشری کی تاریکی عوام الناس کے قالب اور قلب اور روح نفس میں سرایت کرتی ہے۔ لیکن خواص میں صرف قالب اور نفس تک محدود رہتی ہے اور خواص الخاص میں بھی اس تاریکی سے بری ہوتا ہے صرف قالب تک محدود رہتی ہے نیز یہ تاریکی عوام الناس کے لیے باعث نقصان و خسارت ہے۔ خواص میں موجب کمال و تر و تازگی۔ خواص ہی کی تاریکی عوام الناس کی تاریکیوں کو زائل کرتی ہے۔ ان کے دلوں کو صرف اور ان کے نفوس کو پاک کرتی ہے۔ اگر یہ تاریکی نہ ہوتی تو خواص کو عوام سے کوئی مناسبت نہ ہوتی اور فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کی راہ بند ہو جاتی۔ یہ تاریکی نہ ہوتی تو خواص میں اتنا عرصہ نہیں رہتی کہ ان کو میلا کر دے بلکہ اس کے بعد جو ندامت اور استغفار ہاتھ آتی ہے وہ کئی کدورتوں اور تاریکیوں کو دور کر دیتی ہے اور ترقی نصیب ہوتی ہے۔ یہی تاریکی ہے جو فرشتوں میں نہ ہونے کے باعث وہ ترقی نہیں کر سکتے۔ اس تاریکی پر لفظ تاریکی کا اطلاق ایسا ہے کہ بظاہر باعث مذمت ہے لیکن حقیقت میں موجب مدح ہے۔ عوام الناس ڈھور ڈنگروں کی طرح ہیں۔ وہ اہل اللہ کی صفات بشری کو اپنی صفات بشری کی طرح خیال کرتے ہیں۔ اس واسطے محروم و خوار رہتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ وہ غائب باطل موجود پر قیاس کرتے ہیں لیکن یاد رکھو ہر مقام کی خصوصیات علیحدہ ہوتی ہیں اور ہر محل کے لوازمات جدا۔

ناقص کو طریقہ تعلیم کی اجازت: (مبداء و معاد) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کامل کسی ناقص کو تعلیم طریقہ کی اجازت دے دیتا ہے اور جب اس کے مرید بہت ہو جاتے ہیں تو اس ناقص کے مرید اس کا کام مکمل کر دیتے ہیں چنانچہ حضرت خواجہ

"نقشبند نے مولانا یعقوب چرخی کو درجہ کمال پر پہنچنے سے پیشتر تعلیم طریقہ کی اجازت عنایت فرمائی اور حکم دیا کہ یعقوب جو کچھ مجھ سے تجھے ملا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دینا۔ مولانا یعقوب چرخی" "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں کہ مولانا یعقوب پہلے خواجہ علاؤالدین عطار کے مرید تھے بعد میں خواجہ نقشبند سے کے مرید ہوئے۔ اس طرح جب کوئی کامل اپنے مرید کو جس نے ولایت کا ایک درجہ طے کر لیا ہو تعلیم طریقہ کی اجازت دے تو وہ مرید ایک لحاظ سے کامل ہے اور ایک لحاظ سے ناقص یہی حال اس مرید کا ہے جس نے ولایت کے دو تین درجے طے کیے ہوں وہ ناقص بھی ہے اور کامل بھی کیونکہ جب تک آخری درجہ طے نہ کرنے وہ کامل بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی۔ جب کامل اپنے مرید کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کا مختار ہے تو یہ ضروری نہیں کہ مرید انتہائی درجہ کر چکا ہو۔ گو نقص اجازت کا منافی ہے لیکن جب کوئی کامل و اکمل کسی ناقص کو اپنا نائب بناتا ہے اور اس کے ہاتھ اپنا ہاتھ دیتا ہے تو نقص کا ضرر تجاوز نہیں کر سکتا۔

طریقہ و سلوک: (مبداء و معاد) یہ راستہ طے کرنا اور نہایت النہایت پر پہنچنا دس مقامات مشہورہ

کے طے کرنے سے وابستہ جن میں پہلا تو یہ ہے اور آخری رضا مراتب کمال میں کوئی مرتبہ و مقام۔ ۔مقام رضا سے بڑھکر نہیں حتیٰ کہ آخرت میں رویت الٰہی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مقام رضا کی حقیقت پورے طور پر آخرت میں ظاہر ہوگی۔ باقی مقامات آخرت میں میسر نہیں ہو سکتے۔ توبہ کے وہاں کچھ معنی نہیں۔ زہد کی وہاں گنجائش نہیں۔ توکل ہو نہیں سکتا۔ صبر کا احتمال نہیں ہاں شکر وہاں میسر ہو سکتا ہے لیکن وہ شکر بھی رضا کی ایک شاخ ہے۔ ان مقامات کا حاصل ہونا قلب و روح سے مخصوص ہے۔ خاص الخاص کو یہ مقامات نفس مطمئنہ (میں بھی) حاصل ہو جاتے ہیں لیکن قالب اس بات سے محروم اور بے نصیب ہے۔ اگرچہ جسم تیزی اور قوت کی وجہ سے مقتضی ہوتا ہے پس اگر کوئی ایسی بات جو مقامات مذکورہ کی منافی ہو کسی کامل کے قالب میں ظاہر ہو تو ہو ضرر نہیں دے سکتی۔ تو وہ اس بزرگ کے باطن کے لیے ان مقامات کے حصول میں خارج نہیں ہو سکتی۔ غیر کامل میں ان مقامات کے نقائص پورے طور پر ظاہر و باطن میں ظہور کرتے ہیں اس لیے وہ ظاہر و باطن میں دنیا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور صورت و حقیقت میں منافی توکل ہوتا ہے۔ یہی باتیں ہیں جنھیں حق تعالیٰ نے اپنے اولیاء کا پردہ بنایا ہے اور ان ہی باتوں کی وجہ سے اکثر لوگ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رہتے ہیں۔ اولیاء اللہ میں جو یہ باتیں پائی جاتی ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ حق و باطل میں تمیز نہیں ہو سکتی جو اس دنیا کی لازم بات ہے جو امتحان کا مقام ہے۔ دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ یہ ان کے لیے ترقی کا باعث ہے۔ اگر اولیاء اللہ سے یہ باتیں مفقود ہو جاتیں تو ان کی ترقی مسدود ہو جائے اور فرشتوں کی طرح مقیدرہ جائیں (وہ باتیں یہ ہیں کبھی کامل و مکمل میں دینوی رغبت پائی جاتی ہے اور بعض ایسی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جو توکل کی منافی ہیں اور بے طاقتی جو منافی صبر ہے اور کراہت جو رضا کی ضد ہے)

اولیاء کرام کا ظاہر و باطن ۔(مبداء و معاد) الٰہی! یہ کیا بات ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کے باطن کو آب حیات بنا رکھا ہے کہ جس نے ایک قطرہ چکھا اسے حیات ابدی نصیب ہو گئی اور ان کے ظاہر کو زہر قاتل بنا رکھا ہے کہ جس نے اس کی طرف دیکھا وہ ابدی موت میں گرفتار ہوا۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا باطن رحمت اور ان کا ظاہر زحمت ہے۔ ان کے باطن کو دیکھنے والا ان ہی میں سے ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا بدکیش ہے۔ بظاہر جو ہیں اور حقیقت میں گیہوں بظاہر عوام بشر ہیں اور باطن میں خواص ملک۔ ظاہر میں زمین پر ہیں اور حقیت میں آسمان پر۔ ان کا ہم نشین بدبختی سے بچا ہوا ہے اور ان کا غم خوار سعادت مند ہے۔ یہ لوگ گروہ الٰہی ہیں اور یہی لوگ اہل نجات فلاح ہیں۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ ان کے ظاہر کو بھی ان کے باطنی

کمالات کی خبر نہیں چہ جائیکہ غیر ان سے واقف ہوں- ان کے باطن کو جو نسبت چونی اور بے چگونی کے مرتبہ سے حاصل ہے وہ بھی بے چون ہے- ان کا باطن چونکہ عالم امر سے ہے اس واسطے بے چون سے انہیں بھی حصہ حاصل ہے اور ظاہر جو سراسر چون ہے انکے باطن سے واقف ہو سکتا ہے بلکہ قریب ہے بسبب جہالت اور عدم مناسبت اس نسبت کے حصول سے بھی انکار کرے- ہو سکتا ہے کہ حصول نسبت کے نفس کو جانے لیکن یہ نہ جانے کا اس کا متعلق کون ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ اس حقیقی متعلق کی بھی نفی کرتا ہے- یہ ساری باتیں اس واسطے ہیں کہ یہ نسبت بہت اعلیٰ ہے اور ظاہر انتہائی ادنی- خود باطن اس نسبت کا مغلوب ہوتا ہے-

مقام رضا- مقام رضا تمام مقامات ولایت سے بڑھ کر ہے- یہ مقام تمام سلوک وجذبہ طے کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے- جس طرح ہر رکن ایمان کی صورت وحقیقت ہے اسی طرح رضا کی بھی صورت شروع میں صورت کا وجود ہوتا ہے اور آخر میں حقیقت حاصل ہوتی ہے- جب منافی رضا ظاہر نہ ہو تو ظاہر شریعت حصول رضا کا حکم فرماتی ہے لیکن تصدیق قلبی کے طور پر جب کوئی بات منافی تصدیق نہ پائی جائے تو تصدیق حاصل ہو جاتی ہے-

ولی کا کمال- (مبداء ومعاد) ولی کو جو کمال حاصل ہوتا ہے یا جس درجے پر وہ پہنچتا ہے- اپنے نبی کے طفیل پہنچتا ہے اگر متابعت نبوی نہ ہوتی تو نفس ایمان ظاہر نہ ہوتا اور اعلیٰ درجات کی راہ نہ کھلتی پس اگر ولی کو کوئی جزوی فضل حاصل ہو جو نبی کو حاصل نہیں تھا اور کوئی ایسا خاص درجہ مل جائے جو میسر نہیں تھا تو نبی کو بھی اس جزوی فضل اور اس خاص درجہ سے حصہ ملتا ہے کیونکہ ولی کو وہ کمال اس نبی کی متابعت سے حاصل ہوا ہے اور یہ اس کی سنت کی پیروی کا ایک نتیجہ ہے- پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے پورا حصہ حاصل ہوتا ہے- ولی کی ولایت اس کے نبی کے درجات کا جزو ہوتے ہیں- جز خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے پھر بھی کل سے کم ہی رہے گا کیونکہ کل ہمیشہ اپنے جزو سے بڑا ہوتا ہے-

ولایت:- (مکتوب ۸۸ دفتر سوم) امت امت ہے اور پیغمبر پیغمبر- امتی خواہ کتنا ہی سرفراز ہو جائے اور کتنا ہی بلند درجہ حاصل کرے پھر بھی ولی ہی ہے جس کا سر پیغمبر کے پاؤں تک پہنچتا ہے-

نفی اور اثبات- (مکتوب ۵۶ دفتر دوم) معقول اور موہوم بلکہ مشہود ومکشوف خواہ آفاقی ہو خواہ انفسی سب دائرہ ماسوئی میں داخل ہیں اور محض کھیل کود اور شعبدہ بازی کی گرفتاری ہے- اسی گرفتاری کا زوال اگر تکلف کے ساتھ ہے تو طریقہ میں داخل ہے اور علم الیقین کی قسم سے ہے اور اگر یہ دولت بے تکلف میسر ہو جائے اور نفی کے تکلف سے ماسوئی کے انتفا تک پہنچ جائے تو طریقت کی تنگی سے آزاد ہو

جائے گا اور علم کے کوچہ سے نکل جائے گا اور فنا کے ساتھ مشرف ہو جائے گا یہ بات کہنے میں آسان ہے مگر حاصل کرنے اور وہاں تک پہنچنے میں دشوار ہے...... وہ کاروبار جو حقیقت سے تعلق رکھتا ہے آگے ہے اور نفی بلکہ انتفا سے گزر کر آگے مقام اثبات ہے اور علم کے آگے عین ہے۔ جاننا چاہیے کہ حقیقت کے مقابلہ میں طریقت کسی گنتی میں نہیں اور نفی اثبات کے مقابلے میں کچھ اعتبار نہیں کیونکہ نفی کا متعلق ممکنات ہیں اور اثبات کا متعلق واجب تعالیٰ۔ نفی اثبات کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے قطرہ دریا کے مقابلے میں ہے اس نفی اثبات حاصل ہونے سے ولایت خاصہ تک پہنچ جاتے ہیں اور ولایت خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد یا عروج ہے یا نزول اگرچہ اس عروج کے لیے بھی نزول لازم ہے۔

تزکیہ نفس: (مکتوب ۶۰ دفتر سوم) تزکیہ نفس کا طریق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ طریق ہے جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریق ہے جو مریدوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرا طریق جذب ومحبت کا طریق ہے جو اجتباء یعنی برگزیدہ کرنے کا راستہ ہے اور مرادوں سے تعلق رکھتا ہے ان دونوں طریقوں میں بہت فرق ہے۔ پہلا طریق مطلوب کی طرف خود چل کر جانے کا ہے اور دوسرا طریق مقصود کی طرف لے جانے کا ہے۔ رفتن اور بردن میں بہت فرق ہے جیسا کہ سابقہ کرم وعنایت سے کسی صاحب نصیب کو اجتباء کے راستے پر لے جانا چاہتے ہیں تو اس کو جناب پاک کی طرف جذب ومحبت عطا فرماتے ہیں اور اس کے ذریعہ کھینچتے ہیں اور لے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا بھی سعادت مند ہوتا ہے جس کو حد فنا تک پہنچاتے ہیں اور ماسویٰ کی تردید ودانش سے چھڑا دیتے ہیں۔

ولایت محمدی کی بلندی: (مکتوب ۹۴ دفتر سوم) جس طرح تعین اول ولایت خلیلی کا منشاء ہے وہ سرور ونشاط جو اس تعین کے مرکز دائرہ مین رکھا ہوا ہے ولایت محمدی کا منشاء ہے۔ وہ ذاتی حسن وجمال جس کا ظل تعین اول ہے صباحت سے مشابہت رکھتا ہے اور وہ اس کو نہیں پاسکتے۔ (اس سے) دونوں ولایتوں کے درمیان فرق معلوم کرسکتے ہیں۔ اگرچہ دونوں حضرت ذات تعالیٰ کے قرب سے پیدا ہوتی ہیں لیکن ایک کا مرجع ذات کے کمالات ہیں اور دوسرے کا معاد صرف ذات تعالیٰ۔ چونکہ ملاحت صباحت سے برتر ہے اس لیے صباحت کے مراتب طے کرنے کے بعد ملاحت تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب تک ولایت ابراہیمی کے تمام مقامات تک وصول میسر نہ ہو ولایت محمدی کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے۔

پوشیدہ اسرار: (مکتوب ۹۵ دفتر سوم) وہ کاروبار جو اس مخصوص ولایت سے وابستہ ہے اگر تھوڑا سا بھی ظاہر کیا جائے یا وہ معاملات جو ان دونوں ولایتوں (ولایت ابراہیمی اور ولایت محمدی) کے متعلق ہیں اگر اشارہ کے طور پر بھی ان کا کچھ بیان کیا جائے تو رگ حلقوم کاٹ دی جائے۔ جب حضرت ابو

ہریرہؓ نے بعض ان علوم کے اظہار میں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کیے تھے "قطع البلوم" کہا تو پھر اوروں کی نسبت کیا کہنا ہے۔ یہ حق تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار ہیں جو اپنے اخص خواص بندوں پر ظاہر فرماتے ہے اور نامحرم کو ان کے گرد نہیں پھٹکنے دیتے۔ حضرت خاتم الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جو رحمۃ للعالمین ہیں کمال معرفت وقدرت سے ان اسرار کو حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کے سامنے بیان کیا اور ان سننے والوں کی قابلیت اور استعداد سمجھ کر ان بیش قیمت اور نایاب موتیوں کو ان پر تصدق وایثار فرمایا۔

وصل عریاں: (مکتوب ۲۹۴ دفتر اول) باقی (دوسرے) طریقوں میں اگرچہ وصل ذات میسر ہوتا ہے لیکن اس سیر کے لیے حقیقت الحائق کے اصول عالیہ کا منتہا کا باریک کپڑا حقیقت محمدی ﷺ درمیان میں حائل ہے۔ اگرچہ حصن حصین اور مانع متعین نہیں ہوتا ہے لیکن اس قدر حاجزیت اور حائلیت بھی بہت ہے جو تجلی ذات کے اطلاق کی مانع ہوئی ہے ورنہ باقی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی بالاصالت حق تعالیٰ کی ذات سے حصہ حاصل ہے اور ان کی امت کے کاملوں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث حاصل ہوتا ہے۔ معلوم ہو چکا ہے کہ وصل عریاں ولایت محمدی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لیے حجاب اگرچہ مرتفع ہو جاتے ہیں۔ وصل عریانی میں بنی کا حیلولہ ضرر نہیں رکھتا کیونکہ وہ وصل تبعیت کے طور پر ہے اور نہ اصالت کے طور پر پس حیلولہ تبعیت کا موکد ہوگا نہ کہ اس کے منافی کیونکہ تبعیت کے معنی متوسط کا حاصل ہونا ہے نہ کہ متوسط کا رفع ہونا کہ وہ مقام اصالت کے مناسب ہے۔ پس حیلولہ بھی ہوگا اور وصل عریانی بھی تبعیت کے طور پر میسر ہوگا۔

دوسروں کا وصل اگرچہ اصالت کے طور پر ہو وصل عریانی نہیں ہے کیونکہ خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت مطلوب کا پیراہن ہے" پس اول جو فیض کہ آتا ہے اور حقیقت کے ساتھ اتصال پاتا ہے۔ بعد ازاں اس کے وسیلہ سے دوسروں تک پہنچتا ہے اور تبعیت کے معنی بھی اس توسط کا حاصل ہونا ہے پس وہ اصالت تبعیت کے مخالف نہیں۔

شیخ اور مرید

شیخ کا معیارِ تعلیم آداب طریقت اور مرید کے فرائض

شیخ اور مرید کیا نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے (مکتوب ۲۲۴ دفتر اول)

یہ بزرگوار جس طرح نسبت عطا کرنے کی کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی دیتے ہیں۔

اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ (مکتوب ۲۲۱ دفتر اول)

اگر چہ حق تعالیٰ دینے کا ارادہ نہ کرتا تو طلب اور درد بھی نہ دیتا (مکتوب ۲۳ دفتر اول)

پیر اگر چہ مریدوں کے کمالات حاصل ہونے کا سبب ہے لیکن مرید بھی پیر کے کمالات کا سبب ہے (مکتوب ۲۵۶ دفتر اول)

تمام مخلوقات میں سے بد بخت وہ شخص ہے جو اس بزرگ گروہ کا عیب بین ہے۔

اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے۔ کسی مومن نے معجزہ طلب نہیں کیا کیونکہ یہ کافروں اور منکروں کا کام ہے۔

پیر اس لیے پکڑتے ہیں کہ شریعت کی طرف ہدایت اور رہنمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد اور عمل میں آسانی اور سہولت حاصل ہو نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں اور پیران کے لیے ڈھال بن جائیں اور عذاب سے بچالیں کہ یہ ایک نکمی اور بے ہودہ آرزو ہے۔ وہاں اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہ کر سکے گا اور جب تک اعمال پسندیدہ نہ ہونگے کوئی شفاعت نہ کرے گا۔ (مکتوب ۴۱ دفتر سوم)

سب کے حقیقی پیر جناب پیغمبر ﷺ ہیں ظاہری ولادت اگر چہ والدین سے ہوتی ہے لیکن معنوی پیدائش پیر سے مخصوص ہے۔ ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہوتی ہے اور حقیقی ولادت کی زندگی ابدی ہوتی ہے۔

مرید کی باطنی پلیدی کو صاف کرنے والا پیر ہی ہے جو اپنے قلب وروح سے مرید کے باطن کی پلیدی کو صاف کرتا ہے بعض طالبوں کو جب توجہ دی جاتی ہے تو واقعی محسوس ہوتا ہے کہ اس کی باطنی نجاستوں کو صاف کرتے ہوئے صاحب توجہ پر بھی آلودگی اثر کرتی ہے اور دیر تک مکدر رکھتی ہے (مبداء ومعاد)

پیر ہی کے وسیلے سے انسان خدارسیدہ ہوتا ہے جو تمام دینوی اوراخروی سعادتوں سے افضل ہے (مبداء ومعاد)

مرید کی آفت پیر کو ناراض کرنے میں ہے۔ پیر کی ناراضی مرید کے لیے بدبختی کی جڑ ہے۔ اگر پیر کو ستانے کے بعد بھی احوال کا کچھ اثر رہے تو اسے استدراج سمجھنا چاہیے کیونکہ آخر اس کا نتیجہ خراب ہوتا ہے اور سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا

اپنی سعادت پیر کی قبولیت میں خیال کرنا چاہیے اور اپنی بدبختی اس کے رد کرنے میں رضائے حق رضائے پیر کے پیچھے (یعنی پردے میں) رکھی ہے۔

جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی مرضیات میں گم نہیں کرتا حق تعالیٰ کی مرضیات تک نہیں پہنچتا۔

مرید کو جو کمال حاصل ہوتا ہے اپنے پیر کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے۔

نوٹ۔ (یہ تمام ارشادات ان کامل واکمل پیروں کے بارے میں ہیں جو شریعت کی مکمل پابندی اور کتاب وسنت کے تمام احکام پر عمل کرتے ہیں اور متابعت سرور کائنات ﷺ کی دولت سے مشرف ہیں)

شیخ اور مرید

پیر کی ضرورت: (مکتوب ۱۶۹ دفتر اول) سب سے بڑھ کر اعلیٰ مقصود اور بزرگ مطلب حق تعالیٰ کی جناب میں واصل ہونا ہے چونکہ طالب ابتداء میں مختلف تعلقات کے باعث کمال آلودگی اور تنزل میں ہے اور حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کمال پاکیزگی اور بلندی میں ہے اور وہ مناسبت جو طالب ومطلوب کے درمیان فیض حاصل کرنے یا دینے کا سبب ہے مسلوب ہے اس لیے راستہ جاننے والے تجربہ کار پیر کی ضرورت ہے جو دونوں کے درمیان بمنزلہ برزخ کے ہو اور دونوں طرف سے حظ وافر رکھتا ہو تا کہ طالب کے مطلوب تک پہنچنے کا واسطہ بن جائے اور جس قدر اور جب طالب کی اپنے مطلوب سے کامل مناسبت پیدا ہو گئی تو پیر نے پورے طور پر اپنے آپ کو درمیان سے الگ کر لیا اور اپنے وسیلے کے بغیر طالب کو

مطلوب سے واصل کر دیا پس ابتداء اور توسط میں پیر کے آئینے کے بغیر مطلوب کو نہیں دیکھ سکتے اور انتہا میں آئینہ پیر کے وسیلے کے سوا مطلوب کو نہیں دیکھ سکتے اور انتہا میں آئینہ پیر کے وسیلے کے سوا مطلوب کا جمال جلوہ گر ہوتا ہے اور وصل عریانی حاصل ہو جاتا ہے (مرید) بے ادبی کی راہ پر نہیں چلتے اور اپنی تمام مرادوں کو پیر ہی کی برکات سے حاصل کرتے ہیں۔

پیر کون ہے: (مکتوب ۱۹۰ دفتر اول) پیر وہ شخص ہے جس سے خدائے تعالیٰ کی جناب پاک کی طرف پہنچنے کا راستہ سیکھے اور اس راستہ میں تو اسی سے مدد و اعانت حاصل کرے۔ صرف کلاہ اور دامنی اور شجرہ جو معروف ہو گیا ہے پیری مریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور رسم و رعایت میں داخل ہے۔ ہاں اگر شیخ کامل سے کوئی متبرک کپڑا تبرک کے طور پر تجھے ہاتھ لگے اور اعتقاد و اخلاص کے ساتھ تو اسے پہن کر زندگی بسر کرنی چاہیے تو اس صورت میں بے شمار فائدوں اور ثمروں کے حاصل ہونے کا قوی احتمال ہے اور تجھے جاننا چاہیے کہ خوابیں اور واقعات اعتماد اور اعتبار کے لائق نہیں ہیں پس جو احوال و مواجید کہ بیداری اور ہوش کی حالت میں ظاہر ہوں وہ اعتماد کے لائق ہیں ورنہ نہیں۔

شیخ کا مقام: (مکتوب ۲۲۴ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ شیخ بننے اور حق کی طرف خلق کو دعوت کرنے کا مقام بہت ہی عالی ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں۔ ہر بے سروسامان کو اس بلند مرتبہ سے کیا مناسبت ہے۔ احوال و مقامات کا مفصل علم ہونا اور مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کا پہچاننا اور کشف و الہامات کا حاصل ہونا اور واقعات کی تعبیر کا ظاہر ہونا اس بلند مقام کے لوازم سے ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ طریقت کے بزرگوار قدس سرہم بعض مریدوں کو پیشتر اس کے کہ وہ مقام شیخی پر پہنچیں کسی مصلحت اور بہتری کے لیے ایک قسم کی اجازت دے دیتے ہیں اور ایک تجویز فرماتے ہیں کہ طالبوں کو طریقہ سکھائیں اور احوال و واقعات پر اطلاع پائیں۔ اس قسم کی تجویز میں شیخ مقتداء کو لازم ہے کہ مرید مجاز کو اس کام کو بڑی احتیاط سے کرنے کا امر کرے اور تاکید کے ساتھ غلطی کے مواد کو ظاہر کر دے اور بار باران کے نقص پر اطلاع دے اور مبالغہ کے ساتھ ان کا ناقص ہونا ظاہر کر دے۔ اس صورت میں اگر شیخ حق کے ظاہر کرنے میں سستی کرے تو خیانت ہے اور اگر مرید کو وہ باتیں بری معلوم ہوں تو بدقسمت ہے۔ کیا نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے۔

(مکتوب ۲۲۱ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف رہنمائی کرے یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما

بھی ہے برخلاف پیر خرقہ کے پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنا چاہیے اور پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے اور اس طریق میں ریاضتیں اور مجاہدے نفس امارہ کے ساتھ شرعی احکام کے بجالانے اور سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے سے ہیں کیونکہ پیغمبروں کے اور کتابوں کے نازل کرنے سے نفس امارہ کی خواہش کو دور کرنا مقصود ہے جو اپنے مولا جلشانہ کی دشمنی پر قائم ہے۔ پس نفسانی خواہشات کا دور ہونا احکام شرعی کے بجالانے سے وابستہ ہے۔ جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر ہوائے نفس سے دور تر ہوگا کیونکہ نفس پر شریعت کے اوامر ونواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے اور صاحب شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں۔ یہ بزرگوار جس طرح نسبت عطا کرنے کی کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی دیتے ہیں اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔

پیر کا معیار: (مکتوب ۱۷۱ دفتر اول) صرف دین کی تائید اور مذہب کی تقویت اور شریعت کو رواج دینے اور خلقت کو حق کی طرف دعوت کرنے ہی سے کسی پر اعتبار نہ کر لینا چاہیے اور نہ ہی اس کو اچھا سمجھنا چاہیے جب تک سنت کی متابعت پر اس کی استقامت معلوم نہ کر لیں کیونکہ اس قسم کی تائید کبھی کافر و فاجر سے بھی ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو مرد فاجر سے مدد دے گا جو مرید کہ طلب کے لیے آئے اور مشغولی کا ارادہ ظاہر کرے اس کو شیر ببر کی طرح جاننا چاہیے اور ڈرنا چاہیے کہ مبادا اسی طرح سے اس کی خرابی مطلوب ہو اور اس کے حق میں یہ امر استدراج ہو۔ اور اگر بالفرض کسی مرید کے آنے میں خوشی اور سرور اپنے آپ میں معلوم کریں تو اس کو کفر اور شرک جانیں اور ندامت اور استغفار سے اس کا ایسا تدارک کریں کہ اس سرور کا کچھ اثر باقی نہ رہے بلکہ خوشی کی جگہ خوف و حزن پیدا ہو اور اچھی طرح تاکید کریں کہ مریدوں کے مال میں طمع اور ان کے دینوی منافع میں توقع پیدا نہ ہو جائے کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت کی مانع اور پیر کی خرابی کا باعث ہے کیونکہ وہاں تو خالص دین طلب کرتے ہیں۔

ناقص پیر: (مکتوب ۲۳ دفتر اول) دنیا آخرت کی کھیتی ہے افسوس اس شخص پر جس نے اس میں نہ بویا اور اپنی استعداد کی زمین کو بیکار رہنے دیا اور اپنے اعمال کے بیج کو ضائع کر دیا زمین کا ضائع کرنا دو طریق پر ہے۔ ایک یہ کہ اس میں کچھ نہ بوئے دوسرا اس میں ناپاک اور خراب بونا اس طرح پر ہے کہ

ناقص سالک سے طریقہ اخذ کریں اور اس کی راہ پر چلیں کیونکہ وہ حرص و ہوا کے تابع ہوتا ہے اور حرص و ہوا والے کی تاثیر کچھ نہیں ہوتی اور بالفرض تاثیر ہو بھی تو اس کی حرص کو ہی زیادہ کرے گی پس اس سے سیاہی پر سیاہی حاصل ہو گی اور نیز ناقص کو چونکہ خود واصل نہیں ہے خدا کی طرف پہنچانے والے اور نہ پہنچانے والے راستوں کے درمیان تمیز حاصل نہیں ہے۔

اور ایسے ہی طالبوں کی مختلف استعدادوں کے درمیان فرق نہیں جانتا اور جب اس نے طریق جذبہ اور سلوک کے درمیان تمیز نہ کی تو بسا اوقات طالب کی استعداد ابتداء میں طریق جذبہ کے مناسب ہوتی ہے اور طریق سلوک سے نامناسب (اسطرح) ناقص شیخ نے ابتداء میں اس کو طریق سلوک پر چلایا تو اس نے راہ حق سے اسے گمراہ کر دیا جیسے کہ وہ خود گمراہ ہے پس شیخ کامل کی صحبت سرخ گندھک یعنی کیمیا ہے۔ اس کی نظر دوا اور اس کی بات شفا ہے۔

(مکتوب ۱۶۱ دفتر اول) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ

اگر اللہ تعالیٰ دینے کا ارادہ نہ کرتا تو طلب اور درد نہ دیتا

اگر حقیقی طور پر التجا اور تضرع حاصل نہ ہو تو ظاہر میں تضرع اور نیازمندی کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے یہ محافظت شیخ کامل کے ملنے تک ہے بعد ازاں اپنی سب مرادیں اس بزرگ کے سپرد کر دینی چاہیں اور اس کی خدمت میں مردہ بدست غسال کی طرح ہونا چاہیے۔ اول فنائی الشیخ ہے اور یہی پھر فنائی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے کیونکہ فائدہ دینا اور فائدہ حاصل کرنا دونوں طرف کی مناسبت پر مبنی ہے۔ اول میں چونکہ طالب علم کو کمال پستی اور کمینہ پن کے باعث حق تعالیٰ کی جناب پاک کے ساتھ مناسبت نہیں ہوتی اس لیے دونوں طرف کے درمیان ایک برزخ کا ہونا ضروری ہے اور وہ شیخ کامل مکمل ہے اور طالب میں فتور اور سستی پڑ جانے کا سب سے بڑا سبب شیخ ناقص کی طرف رجوع کرنا ہے جس نے ابھی جذبہ و سلوک سے اپنے کام کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا اور مشیخیت کی مسند پر بیٹھ گیا ہے۔ طالب کے لیے اس کی صحبت زہر قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے۔ ایسے شیخ کی صحبت طالب کی بلند استعداد کو بلندی سے پستی میں گرا دیتی ہے مثلاً وہ مریض جو ناقص طبیب سے دوا کھاتا ہے وہ اپنے مرض کو زیادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے مرض کے دور ہونے کی قابلیت کو ضائع کر رہا ہے۔ اگرچہ ابتداء میں اس دوا سے مرض میں کچھ تخفیف ہو گی لیکن حقیقت میں عین مضرت ہے۔ یہی مریض اگر بالفرض کسی حاذق طبیب کے پاس جائے تو پہلے اس طبیب کو اس دوا کی تاثیر کو دور کرنے کا فکر

کرنا پڑے گا اور مسہلات سے اس کا علاج کر کے اس تاثیر کے دور ہو جانے کے بعد پھر اصلی مرض کے دور کرنے کا فکر کرنا پڑے گا- ان بزرگواروں (کامل پیروں) کے طریق کا مدار صحبت پر ہے- صرف کہنے سننے سے کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ طلب میں سستی پیدا ہو جاتی ہے-

شیخ کی توجہ: (مکتوب ۱۲۸ دفتر اول) مسلک یعنی راستہ طویل ہے اور مطلب کمال بلندی میں ہے اور ہمتیں نہایت پست ہیں نیز درمیانی منزلیں سراب کی طرح مطلب نما ہیں- نعوذ باللہ اگر کوئی وسط کو نہایت سمجھ کر یک بار غیر مقصد کو مقصد جانے اور چون کو بے چون تصور کر کے اور مطلوب حقیقی تک پہنچنے سے پیچھے رہ جائے- ہمت کو بلند رکھنا چاہیے اور کسی حاصل پر کفایت نہ کرنی چاہیے اور وراء الورا میں ڈھونڈنا چاہیے- اس قسم کی ہمت کا حاصل ہونا شیخ مقتدا کی توجہ پر منحصر ہے اور اس کی توجہ مرید مقتدی کے اخلاص اور محبت کے موافق ہوتی ہے-

(مکتوب ۱۸۷ دفتر اول) واضح ہو کہ تکلف اور بناوٹ کے بغیر مرید کو پیر کا رابطہ کا حاصل ہونا پیر اور مرید کے درمیان اسی مناسبت کے کامل ہونے کی علامت ہے جو افادہ اور استفادہ کا سبب اور وصول الی اللہ کے لیے رابطہ سے زیادہ اقرب کوئی طریق نہیں ہے-

(مکتوب ۱۸۸ دفتر اول) اس شخص کو جس کی استعداد مرتبہ روح یا قلب تک ہے پیر صاحب تصرف اس کو مرتبہ فوق تک پہنچا سکتا ہے-

پیر کے لیے ہدایات: (مکتوب ۲۰۹ دفتر اول) بزرگوں نے کہا ہے کہ پیر کو چاہیے کہ مریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو آراستہ اور شان و شوکت سے رکھے نہ یہ کہ ان کے ساتھ اختلاط کا دروازہ کھول دے اور ان سے ہم نشینوں کی طرح سلوک کرے اور حکایت و گفتگو سے مجلس گرم رکھے-

(مکتوب ۲۱۱ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ جب کوئی طالب آپ کے پاس ارادت سے آئے- اس کو طریقہ سکھانے میں بڑا تامل کریں- شاید اس امر میں آپ کا استدراج مطلوب ہو اور خرابی منظور ہو- خاص کر جب کسی مرید کے آنے میں خوشی اور سرور پیدا ہو تو چاہیے کہ اس بارے میں التجا اور تضرع کا طریق اختیار کر کے بہت سے استخارے کریں تا کہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہیے اور استدراج اور خرابی مراد نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے بندوں میں تصرف کرنا اور وقت ان کے لیے ضائع کرنا خدائے تعالیٰ کے اذن کے بغیر جائز نہیں- ایک بزرگ فوت ہو گیا- اس کو خطاب ہوا کہ تو وہی ہے کہ جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر زرہ پہنی تھی- اس نے کہا کہ ہاں- فرمایا کہ تو نے میری خلق کو میری طرف کیوں چھوڑا اور دل کو کیوں نہ میری طرف متوجہ کیا-

پیر کا تصرف: (مکتوب ۲۱۲ دفتر اول) سوال- کیا صاحب تصرف پیر اپنے تصرف سے مستعد مرید کو ان مراتب میں جو اس کی استعداد سے بڑھ کر ہیں پہنچا سکتا یا نہیں؟
جواب- ہاں پہنچا سکتا ہے لیکن ان بلند مراتب میں جو اس کی استعداد کے مناسب ہیں اور نہ ان مراتب میں جو اس کی استعداد کے مخالف ہیں مثلاً وہ مرید جو ولایت موسوئی کی استعداد رکھتا ہے اور اس کی استعداد کی نہایت قوت اور ولایت کے نصف راہ تک پہنچنے کی ہے تو صاحب تصرف پیر اس کو اس ولایت کے نہایت درجات تک پہنچا سکتا ہے لیکن اسکی ولایت موسوی سے ولایت محمدی میں لائے اور اس ولایت میں اس کو ترقی بخشے معلوم الوقوع نہیں۔

مقام شیخی اور تکمیل: (مکتوب ۲۲۷ دفتر اول--- ملا طاہر لاہوری کی طرف) اے بھائی! حق تعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کریں اور محافظت کریں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو کیونکہ اس میں بڑی خرابی ہے- خلق کی نفرت اس سلامتی گروہ کے حال کے مناسب ہے جن کا دعوت اور شیخی سے کچھ واسطہ نہیں ہے بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے برخلاف ہے- ایسا نہ ہو کہ دونوں مقام آپس میں ملا دیں اور عین شیخی میں ملامت کی آرزو نہ کریں کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے اور مریدوں کے ساتھ کثرت سے میل جول اور انس اختیار نہ کریں کہ خفت اور سبکی کا موجب ہو- (یہ) افادہ اور استفادہ کے منافی ہے اور حدود شرعیہ کی اچھی طرح محافظت کریں اور جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل نہ کریں کہ یہ بھی اس طریقہ علیہ کے منافی اور سنت سنیہ کے تابعداری کے دعویٰ کے مخالف ہے- عارف اس واسطے ریا کرتے ہیں کہ طالب انکی اقتدا کریں- یہ ریا عین اخلاص ہے بلکہ اس اخلاص سے بہتر ہے جو اپنے نفع کے لیے ہو--- عارف اعمال بجالانے میں عام طالبوں کے ساتھ برابر ہیں اور اعمال بجالانے میں کسی کو چارہ نہیں ہے- حاصل کلام یہ کہ بسا اوقات عارفوں کے اعمال میں طالبوں کا نفع مدنظر ہوتا ہے جو تقلید پر وابستہ ہے- اسی اعتبار سے اس کو ریا کہتے ہیں-

ناقص شیخ کے احوال: (مکتوب ۲۳ دفتر اول) اور احوال و واقعات کو ناقص مشائخ کے پاس ظاہر نہ کریں کیونکہ یہ اپنی سمجھ کے موافق تھوڑے کو بہت خیال کرتے ہیں اور ہدایت کو نہایت شمار کرتے ہیں پس مستعد طالب اپنے کمال کے خیال میں پڑ جاتا ہے اور اسکی طلب میں فتور آ جاتا ہے شیخ کامل کی تلاش کرنا چاہیے اور اپنے باطنی امراض کا علاج اس سے کرانا چاہیے اور جب تک شیخ کامل نہ ملے چاہیے کہ ان احوال کو لا (لا) کے نیچے لا کر نفی کریں۔

(مکتوب ۲۵۶ دفتر اول) پیر اگرچہ مریدوں کے کمالات حاصل ہونے کا سبب ہے لیکن مرید بھی

پیر کے کمالات کا سبب ہے۔

شیخ اور مدراج پر عروج: (مکتوب ۲۸۶ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ ان منازل کا قطع کرنا اور ان مدارج پر عروج کرنا شیخ کامل۔مکمل راہ دان۔ راہ بین اور رہنما کی توجہ وتصرف سے وابستہ ہے جس کی نظر امراض قلبی کو شفا بخشنے والی ہے اور اس توجہ ناپسندیدہ روی اخلاق دور کرنے والی ہے پس طالب کو چاہیے کہ اول شیخ کی طلب کرے۔اگر محض فضل خداوندی سے اس کو شیخ کا پتہ بتا دیں تو شیخ کی معرفت کو نعمت عظمیٰ تصور کر کے اپنے آپ کو اس کا ملازم بنائے اور ہمہ تن اس کے تصرف کا تابع ہو جائے --- اور اپنے اختیار کو کلی طور پر شیخ کے اختیار میں گم کر دے اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے کمر ہمت کو اس کی خدمت میں باندھے اور جو کچھ شیخ اس کو فرمائے اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جان کر اس کو بجا لانے میں جان سے کوشش کرے۔ شیخ مقتدا اگر ذکر کو اس کی استعداد کے مناسب دیکھے گا تو اس کا امر کرے گا اور اگر توجہ و مراقبہ کے مناسب دیکھے گا تو اس کی طرف اشارہ کرے گا اور اگر صحبت ہی میں رہنا اس کے لیے کافی دیکھے گا تو اس کا امر کرے گا --- اگر راستہ کی بعض شرائط میں تقصیر واقع ہو گی تو شیخ کی صحبت اسکا تدارک کر دے گی اور اسکی توجہ اس کمی کو پورا کر دے گی اگر ایسے شیخ مقتدا کے شرف صحبت سے مشرف نہ ہو تو پھر اگر مرادوں میں سے ہے تو اس کو اپنی طرف جذب کر لیں گے اور محض عنایت بے نہایت سے اس کا کام کر دیں گے اور جو شرط و ادب اس کے لیے درکار ہو گی جتلا دیں گے اور منازل سلوک قطع کرنے میں بعض بزرگواروں کی روحانیت کو اس راستہ کا وسیلہ بنا دیں گے کیونکہ عادت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ راہ سلوک کے طے کرنے میں مشائخ کی روحانیت کا وسیلہ درکار ہے اور اگر مریدوں میں سے اس کام شیخ مقتدا کے وسیلہ کے بغیر مشکل ہے جب شیخ مقتداء نہ ملے تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا وزاری کرتا رہے۔

پیر سے رابطہ: (مکتوب ۲۴ دفتر دوم) رابطہ کی نسبت ہمیشہ آپ کو صاحب رابطہ کے ساتھ رکھتی ہے اور انعکاسی فیوض کا وسیلہ ہوتی ہے۔اس بڑی نعمت کا شکر بجالانا چاہیے۔قبض اور بسط دونوں اس راہ میں اڑنے کے لیے بازو ہیں۔قبض سے دل گیر اور بسط سے خوش دل نہ ہونا چاہیے۔

(مکتوب ۳۰ دفتر دوم) خواجہ محمد اشرف نے لکھا تھا کہ نسبت رابطہ کی مشق یہاں تک غالب ہو گئی ہے کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور اگر بالفرض اس کو دور بھی کرنا چاہے تو نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ طالب اس دولت کی تمنا کرتے ہیں اور ہزاروں میں سے ایک کو ملتی ہے۔ایسے حال والا شخص کامل

مناسبت کی استعداد رکھتا ہے اور شیخ مقتداء کی تھوڑی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لیتا ہے
رابطہ کی نفی کیوں کرتے ہیں۔ رابطہ مسجود الیہ ہے اور مسجود لہٗ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔
اس قسم کی دولت سعادت مندوں کو میسر ہوتی ہے تا کہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ جانیں
اور تمام اوقات اسی کی طرف متوجہ رہیں نہ ان بد بخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی جانتے ہیں
اور توجہ کے قبلہ کو اپنے شیخ کی طرف سے پھیر لیتے ہیں اور اپنے معاملے کو درہم برہم کر لیتے ہیں۔

مرید صادق: (مکتوب ۲۲۲ دفتر اول) ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس برس تک اس کی بائیں طرف عمل لکھنے والے فرشتے اس کے اعمال نامے میں کچھ نہ لکھنے پائیں اور یہ فقیر پر تقصیر ذوق و وجدان سے اپنے حق میں معلوم کرتا ہے۔ کہ کاتب یمن معلوم نہیں کہ بیس برس کی مدت میں بھی کوئی ایسی نیکی پائے جو اس کے اعمالنامہ میں درج کرے۔ فقیر اس بات کو بناوٹ اور تکلف سے نہیں کہتا اور نیز از روئے ذوق معلوم کرتا ہے کہ کافر فرنگ اس سے کئی درجے بہتر ہے۔ رحمت کے سوا کوئی امید نہیں اور مغفرت کے سوا کوئی وسیلہ نہیں۔

فتور کی صورت میں: (مکتوب ۲۱۸ دفتر اول) باطنی سبق کے تکرار کرنے اور خواجگان قدس سرہم کے طریقے پر استقامت کرنے میں ایسا نہ ہو کہ پراگندہ توجہات سے فتور پڑ جائے۔ اگر بالفرض کچھ ظلمت اور کدورت طاری ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجاء اور زاری اور نیاز شکستگی بجا لائیں اور اپنے مربی یعنی پیر کی طرف جو اس دولت کے حاصل ہونے کا وسیلہ ہے پورے طور پر متوجہ ہوں اور حضور و غیبت میں اس بڑی دولت کے وسیلوں یعنی پیروں کے اداب کو اچھی طرح مد نظر رکھیں اور ان بزرگواروں کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضامندی کا وسیلہ جانیں۔ نجات اور خلاصی کا طریقہ یہی ہے۔

شیخ طریقت کی محبت: (مکتوب ۲۲۸ دفتر اول) اس طریق کا مدار دو اصلوں پر ہے۔ ایک شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے آداب کے ترک پر بھی راضی نہ ہوں دوسرے شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اسطرح راسخ اور ثابت قدم ہوں کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کریں بلکہ اس کی تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں زیبا اور محمود دکھائی دیں۔ یہ دو اصل درست ہو گئے تو دنیا و آخرت کی سعادت نقد وقت ہے۔

اعتکاف کی پابندی: (مکتوب ۲۲۸ دفتر اول) اور رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف جو ایک دفعہ ترک ہو گیا تھا اس کی قضا کی نیت پر اس ذی الحج کے عشرہ میں اعتکاف بیٹھیں تا کہ اس نیت سے سنت کے

مرتکب ہوں اور عشرہ اعتکاف میں گریہ وزاری اور عجز و نیاز سے اپنی تقصیر اور کوتاہیوں کی عذر خواہی کریں۔

اجازت نامہ: (مکتوب ۲۲۸ دفتر اول --- میر نعمان کے نام)

اجازت نامہ (طالبوں کی تعلیم و تربیت کے لیے) کے لکھنے میں آپ جو اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں اس سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ طریقہ تعلیم کرنے کی اجازت جو آپ کو دی گئی ہے اگر وہ کافی نہیں ہے۔ تو اجازت نامہ کیا کرے گا یہ لازم نہیں کہ جو کچھ دل میں گزرے اسی کے واسطے کوشش کرنے لگ جائیں۔ کئی ایسی باتیں دل پر گزرتی ہیں جن کا ترک کرنا بہتر اور مناسب ہوتا ہے۔ نفس بڑا ضدی ہے۔ جس امر کو اختیار کرتا ہے اس کے پورے کرنے کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اسکے حق و باطل ہونے کا لحاظ نہیں کرتا اجازت نامہ اور مرید کچھ کام نہ آئیں گے۔ ہاں اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص بھی طلب سے آ جائے تو اس کو طریقہ سکھا دیں نہ یہ کہ طریقت کی تعلیم کو اپنے (کام) کا اصل خیال کریں اور اپنے معاملہ کو اس کا تابع بنا دیں کہ اس میں سراسر ضرر اور خسارہ ہے۔

مرید صادق اور واقعات: (مکتوب ۲۷۳ دفتر اول) مرید صادق ہزار ہا واقعات کو اپنے پیر کے باوجود نیم جو کے ساتھ نہیں خریدتا اور طالب رشید حضور پیر کی بدولت منامات کو اضغاث احلام یعنی جھوٹی خوابیں جانتا ہے اور کچھ التفات نہیں کرتا۔ شیطان لعین بڑا بھاری دشمن ہے۔ جب منتہی اس کے مکر سے امن میں نہیں ہیں اور اس کے مکر سے ترساں و لرزاں رہتے ہیں تو پھر متوسطوں اور مبتدیوں کا کیا ذکر ہے۔ حاصل کلام یہ کہ منتہی محفوظ ہیں اور شیطان کے غلبہ سے بچے ہوئے ہیں برخلاف مبتدیوں اور متوسطوں کے پس ان کے واقعات اعتماد کے لائق نہیں ہیں اور وہ دشمن کے مکر سے محفوظ ہیں۔

سالک کے دو حال: (مکتوب ۲۹۲ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ اس راہ کے سالک دو حال سے خالی نہیں۔ یا مرید ہیں یا مراد اگر مراد ہیں تو ان کے لیے مبارکبادی ہے محبت و انجذاب کی راہ سے ان کو کھینچ کر لے آئیں گے اور مطلب اعلیٰ تک پہنچا دیں گے اور اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے گی تو جلدی اس سے آگاہ کر دیں گے اور اس پر مواخذہ نہ کریں گے اور اگر پیر ظاہر کی ان کو حاجت ہو گی تو ان کی کوشش کے بغیر اس دولت کی طرف ان کی رہنمائی کریں گے۔ غرض حق تعالیٰ کی عنایت ازلی ان بزرگواروں کے شامل حال ہوتی ہے۔ سبب کے ساتھ یا بے سبب ان کا کام بنا دیتے ہیں --- اور اگر مرید ہیں تو کامل مکمل پیر کے وسیلے کے بغیر ان کام دشوار ہے۔ پیر ایسا ہونا چاہیے جو جذبہ وسلوک کی دولت سے مشرف ہوا اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرہ ور ہو اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء باللہ کو انجام تک پہنچایا ہو اور اگر اس کا جذبہ اس سلوک پر مقدم ہے اور مرادوں کی

تربیت سے تربیت یافتہ ہے تو اس کا وجود سرخ گندھک (کیمیا) کی طرح ہے۔ اس کا کلام دوا اس کی نظر شفا۔ مردہ دل اس کی توجہ شریف سے زندہ ہوتے ہیں اور مرجھائی ہوئی جانیں اس کی لطیف التفات سے تازہ ہوتی ہیں اور اگر اس قسم کا صاحب دولت نہ ملے تو سالک مجذوب بھی غنیمت ہے۔ وہ بھی ناقصوں کی تربیت کر سکتا ہے اور فنا و بقا کی دولت تک پہنچا سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کسی طالب کو اس قسم کا کامل و مکمل پیر مل جائے تو چاہیے کہ اس کے وجود شریف کو غنیمت جانے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالے کر دے اور اپنی سعادت اس کی رضامندی میں اور اپنی بدبختی اس کی نارضامندی میں جانے۔ غرض اپنی خواہش اس کی رضا کے تابع بنا دے۔ جاننا چاہیے کہ صحبت کے آداب اور شرائط کو مدنظر رکھنا اس راہ کی ضروریات میں سے ہے تاکہ افادہ اور استفادہ کا راستہ کھل جائے ورنہ صحبت سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور مجلس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

مرید کے آداب: طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں اس کے اذن کے بغیر نوافل و اذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور بالکل اسی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے حتیٰ کہ جب تک وہ امر نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور اس کی حضور میں نماز فرض و سنت کے سوا کچھ اور ادا نہ کرے اور جہاں تک ہو سکے ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا سایہ پر پڑتا ہو۔ اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کرنے کی جگہ پر طہارت نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے حضور پانی نہ پیے۔ کھانا نہ کھائے اور کسی سے گفتگو نہ کرے بلکہ کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو۔ پیر کی عدم موجودگی میں جہاں کہ وہ رہتا ہے اس طرف پاؤں دراز نہ کرے اور تھوک بھی اس طرف نہ پھینکے جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب اور بہتر جانے اگرچہ بظاہر بہتر معلوم نہ ہو کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کام کرتا ہے۔ اس تقدیر پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے لیکن خطائے اجتہاد الہامی خطائے اجتہاد کی طرح ہے۔ ملامت و اعتراض اس پر جائز نہیں جب اس کو اپنے پیر سے محبت ہے تو جو کچھ محبوب سے صادر ہوتا ہے محب کی نظروں میں محبوب دکھائی دیتا ہے پھر اعتراض کی کیا مجال ہے۔ کھانے پینے اور پہننے اور اطاعت کے چھوٹے بڑے کاموں میں پیر ہی کی اقتدا کرنا چاہیے اور نماز کو بھی اسی طرز پر ادا کرنا چاہیے اور فقہ بھی اسی کے طریق پر سیکھنا چاہیے۔

اس کے حرکات و سکنات میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے اگرچہ وہ اعتراض رائی کے دانہ کے جتنا ہو کیونکہ

اعتراض سے سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور تمام مخلوقات میں سے بدبخت وہ شخص ہے جو اس بزرگ گروہ کا عیب بین ہے- اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلائے عظیم سے بچائے اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے اگرچہ وہ طلب خطرات اور وساوس کے طریق پر ہو- کیا تم نے نہیں سنا کسی مومن نے پیغمبر سے معجزہ طلب نہیں کیا- معجزہ طلب کرنا کافروں اور منکروں کا کام ہے- اگر دل میں کوئی شبہ پیدا ہو بے توقف عرض کر دے- اگر حل نہ ہو اپنی تقصیر سمجھے اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب منسوب نہ کرے اور جو واقعہ ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اسی سے دریافت کرے اور جو تعبیر طالب پر ظاہر ہو وہ بھی عرض کر دے اور صواب خطا کو اسی سے طلب کرے اور اپنے کشف پر ہرگز بھروسا نہ کرے کیونکہ جہاں میں حق باطل کے ساتھ اور خطا صواب کے ساتھ ملا جلا ہے- بے ضرورت اور بے اذن اس سے جدا نہ ہو کیونکہ اس کے غیر کو اس کے اوپر اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے اور اپنی آواز اس کی آواز سے بلند نہ کرے اور اور بلند آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے کہ بے ادبی میں داخل ہے اور جو فیض و فتوح اس کو پہنچے اپنے پیر ہی کے ذریعے سمجھے اور اگر واقعہ میں دیکھے کہ فیض اور مشائخ سے پہنچا ہے اس کو بھی اپنے ہی پیر سے جانے اور جان لے کہ جب پیر تمام کمالات و فیض کا جامع ہے اور پیر کا خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مناسب اس شیخ کے کمال کے موافق جس سے یہ صورت اضافہ ظاہر ہوئی ہے مرید کو پہنچا ہے اور وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جس کے مناسب وہ فیض رکھتا ہے اور اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے- محبت کے غلبہ کے باعث مرید نے اس کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض اس سے جانا ہے یہ بڑا بھاری مغالطہ ہے اور سید البشر ﷺ کی طفیل پیر کے اعتقاد اور محبت پر ثابت قدم رہے- مثل مشہور ہے کہ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا اور اگر مرید بعض آداب بجالانے میں اپنے آپ کو قصور وار جانے اور اس کو کما حقہ ادا نہ کر سکے اور کوشش کرنے کے بعد بھی اس سے عہدہ برا نہ ہو سکے تو معاف ہے لیکن اس کو اپنے قصور کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اگر نعوذ باللہ آداب کی رعایت بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو قصوروار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے- ہاں وہ مرید جو پیر کی توجہ کی برکت سے فنا و بقا کے مرتبے تک پہنچ جائے اور الہام و فراست کا راستہ اس پر کھل جائے اور پیر اس کو مسلّم سمجھے اور اس کے کمال کی گواہی دے دے- اس مرید کو لائق ہے کہ بعض الہامی امور میں پیر کے برخلاف اپنے الہام کے موافق عمل کرے اگرچہ اس کا خلاف پیر کے نزدیک ثابت ہو کیونکہ وہ مرید اس وقت تقلید سے نکل چکا ہے- اب تقلید اس کے حق میں خطا ہے-

کیا نہیں جانتے کہ اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بعض امور اجتہادیہ اور احکام غیر

منزلہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ خلاف کیا ہے اور بعض اوقات حق بجانب اصحاب ظاہر ہوا ہے پس معلوم ہوا کہ مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد مرید کو پیر کے برخلاف کرنا جائز ہے اور بے ادبی سے دور ہے بلکہ یہی ادب ہے...... جاننا چاہیے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ احیاء و اماتت مقام شیخی کے لوازم سے ہے۔ اس احیاء و اماتت سے مراد روحانی احیاء و اماتت ہے نہ کہ جسمانی اور اس حیات و موت سے مراد فنا اور بقا ہے جو مقام ولایت و کمال تک پہنچاتے ہیں اور شیخ مقتداء اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان دو امور کا مکلف ہے پس شیخ کے لیے احیاء و اماتت ضروری ہے۔ باقی رکھنا اور فنا کرنا یحی و یمیت کے معنی یقی و یفنی ہیں جسمانی احیاء و اماتت کو مرتبہ شیخی سے کچھ واسطہ نہیں۔ شیخ مقتدا کہربا کا حکم رکھتا ہے اور جس کسی کو اس سے مناسبت ہوتی ہے خس و خاشاک کی طرح اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اپنا حصہ اس سے لے لیتا ہے۔ خوارق و کرامات مریدوں کے جذب کے لیے نہیں ہیں مرید روحانی اور باطنی مناسبت سے کھچے چلے آتے ہیں اور جو شخص ان بزرگوں کے ساتھ نسبت نہیں رکھتا وہ ان کے کمالات کی دولت سے محروم رہتا ہے اگرچہ ہزار ہا معجزے اور خوارق و کرامات دیکھے۔ ابوجہل اور ابولہب کا حال اس بات کا شاہد ہے۔

(مکتوب ۳۱۴ دفتر اول) جب تک پیر کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں زیبا اور محبوب نہ ہوں تب تک پیر کے کمالات سے اس کو کچھ حصہ نہیں ملتا۔ اور اگر کچھ کمال حاصل بھی کرے تو یہ استدراج ہے جس کا انجام خرابی اور رسوائی ہے۔ مرید اپنے پیر کی کمال محبت اور اخلاص کے باوجود اگر اپنے آپ میں بال بھر بھی اعتراض کی گنجائش دیکھے تو اسے سمجھنا چاہیے کہ اس میں اس کی خرابی ہے اور وہ پیر کے کمالات سے بے نصیب ہے۔ اگر بالفرض پیر کے کسی فعل میں شبہ پیدا ہو جائے اور کسی طرح دفع نہ ہو سکے تو اس کو اس طرح دریافت کرے کہ اعتراض کی آمیزش سے پاک اور انکار کے گمان سے صاف ہو کیونکہ اس جہان میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اگر پیر سے کسی وقت خلاف شریعت امر صادر ہو جائے تو مرید کو چاہیے کہ اس امر میں پیر کی تقلید نہ کرے اور جہاں تک ہو سکے حسن ظن کے ساتھ اس کو نیک وجہ پر محمول کرے اور اس امر کی صحت و درستی کی وجہ تلاش کرتا رہے۔ اگر صحت کی وجہ نہ ملے تو چاہیے کہ اس ابتلا کے دفع کرنے میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء و تضرع کرے اور گریہ و زاری سے پیر کی سلامتی طلب کرے اور اگر مرید کو پیر کے حق میں کسی امر مباح کے ارتکاب کے باعث کوئی شبہ پیدا ہو تو اس شبہ کا کچھ اعتبار نہ کرے۔ جب مالک الوجود جلشانہ نے امر مباح کے اختیار کرنے سے منع نہیں کیا اور کوئی اعراض نہیں فرمایا تو پھر دوسرے کو کیا حق ہے کہ اپنے پاس سے اعتراض کرے۔ بسا اوقات کئی جگہ

اولیٰ کے بجالانے سے اس کا ترک کرنا بہتر ہوتا ہے۔

شیخ کی محبت اور ظلمات - اگر دو چیزوں میں فتور نہیں آیا تو کچھ غم نہیں۔ ان میں سے ایک صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے اور دوسرے اپنے شیخ کی محبت و اخلاص۔ ان دو چیزوں کے ہوتے اگر ہزارہا ظلمات طاری ہو جائیں تو کچھ غم نہیں آخر اس کو ضائع نہ چھوڑیں گے اور اگر نعوذ باللہ ان چیزوں میں سے ایک میں نقصان پیدا ہو جائے تو پھر خرابی ہی خرابی ہے۔ اگرچہ حضور و جمعیت سے رہیں کیونکہ یہ استدراج ہے جس کا انجام خراب ہے۔ بڑی عاجزی اور زاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں کہ ان دو امروں پر ثبات و استقامت عطا فرمائے کیونکہ یہی دونوں اصلی مقصود اور نجات کا مدار ہیں۔

پیر کی زندگی میں دوسرے پیر سے رجوع: (مکتوب ۶۳ دفتر دوم) جاننا چاہیے کہ مقصود حق تعالیٰ ہے اور پیر حق تعالیٰ کی جناب تک پہنچانے کا وسیلہ ہے۔ اگر طالب رشید اپنے آپ کو کسی اور شیخ کے پاس لے جائے اور اس کی صحبت کو اپنے دل میں جمائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں پیر کے اذن کے بغیر طالب اس شیخ کے پاس جائے اور اس سے رشد و ہدایت طلب کرے لیکن چاہیے کہ پیر اول کا انکار نہ کرے اور نیکی کے ساتھ اس کو یاد رکھے خاص کر اس وقت کہ پیری اور مریدی جو محض رسم و عادت کے طور پر ہے۔ جب اس وقت کے پیروں کو اپنی خبر نہیں اور کفر و ایمان کا پتہ نہیں تو پھر خدائے تعالیٰ کی کیا خبر بتائیں گے اور مریدوں کو کونسا راستہ دکھائیں گے ایسے مرید پر ہزار افسوس ہے کہ اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے اور خدائے تعالیٰ کا راستہ تلاش نہ کرے۔ یہ شیطانی خطرات ہیں جو پیر ناقص کی زندگی کے باعث طالب کو حق تعالیٰ سے ہٹا کر رکھتے ہیں۔ جہاں دل کی جمعیت اور ہدایت ہو بے توقف ادھر رجوع کرنا چاہیے اور شیطانی وسوسہ سے پناہ مانگنی چاہیے۔

ہر نعمت کو اپنے پیر سے منسوب کرنا: (مکتوب ۲۰ دفتر سوم) اس قدر جاننا ضروری ہے کہ دولت اگرچہ بظاہر کسی جگہ سے پہنچے درحقیقت اس کو اپنے شیخ کی طرف منسوب کرنا چاہیے تاکہ توجہ کا قبلہ پراگندہ نہ ہو اور کارخانہ میں خلل نہ پڑے اور جس جگہ سے کوئی فیض پہنچے اس کو اپنے ہی پیر سے جاننا چاہیے کیونکہ وہ ہر صورت میں جامع ہے اور جو تربیت ظاہر ہوتی ہے درحقیقت اسی کی طرف سے ہے۔ اس مقام پر اکثر طالبوں کے قدم پھسل جاتے ہیں اس مقام سے بخوبی واقف ہونا چاہیے تاکہ دشمن لعین موقعہ پا کر پراگندہ نہ کرے۔ ہر کہ یک جا است ہمہ جا است و ہر کہ ہمہ جا است ہیچ جا نے۔

بے ہودہ آرزو: (مکتوب ۴۱ دفتر سوم) پیر و استاد اس لیے پکڑتے ہیں کہ شریعت کی طرف۔

ہدایت اور رہنمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد اور عمل میں آسانی اور سہولت حاصل ہو نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں اور پیران کیلیے ڈھال بن جائے اور عذاب سے بچالیں کہ یہ ایک نکمی اور بے ہودہ آرزو ہے۔ وہاں اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہ کر سکے گا اور جب تک عمل پسندیدہ نہ ہونگے کوئی شفاعت نہ کرگا اور عمل پسندیدہ تب ہوتے ہیں جبکہ شریعت کے موافق عمل کریں شریعت کی متابعت کے باوجود اگر بشریت کے بموجب کوئی لغزش اور قصور اسی سے سرزد ہوگا تو تدارک شفاعت سے ہو سکے گا۔

مریدوں سے بے تکلفی : (مکتوب ۱۰۲ دفتر سوم) وہ شیخ جو مریدوں کیساتھ حد سے زیادہ انبساط رکھتا ہے وہ مریدوں کو ارادت سے نکالتا اور ان کی طلب میں فتور ڈالتا ہے۔ طالبوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کریں جو ان کی اُلفت وانس کا سبب ہو نہ کہ نفرت اور بیگانگی کا موجب۔ خلق سے تنہائی اور گوشہ نشینی بھی ضروری ہے کیونکہ حاجت سے زیادہ ان کے ساتھ آشنائی رکھنا زہر قاتل ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کو یہ بات بڑی آسانی سے میسر ہے۔ ارباب ابتلا یعنی بلا وامتحان میں پھنسے ہوئے جو لوگ ہمیشہ اہل تفرقہ کے ساتھ جمع رہتے ہیں اور اس بلا میں مبتلا ہیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں۔ آپ اس نعمت کی قدر جانیں اور اس کے موافق عمل کریں اور طالبوں کے حال سے بخوبی خبر دار رہیں ظاہر و باطن میں انکی تربیت کی طرف متوجہ رہیں۔ یہ احوال جو طالبوں کو ابتدا میں ظاہر ہوتے ہیں اور ذوق ولذت بخشتے ہیں۔ اسی طرح ہیں جس طرح بچوں کو الف با سکھاتے ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ تجھی سے مولویت حاصل کریں اور شوق ولذت سے ولایت خاصہ کے درجہ تک پہنچ جائیں۔ دوسرے کی تکمیل اپنے کمال کی شاخ ہے جو ولایت خاصہ کا درجہ ہے۔

بیعت کا طریقہ: مکتوب ۱۰۳ دفتر سوم (مبداء ومعاد) جب کوئی طالب علم کسی شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تو شیخ پہلے اس سے تین سے لے کر سات تک استخارے کرائے۔ اگر استخاروں کے بعد طالب میں کسی قسم کا تذبذب پیدا نہ ہو تو اس کے کام کو شروع کرے۔ سب سے پہلے اسے توجہ کا طریقہ سکھائے اور دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے کہے کیونکہ توبہ کے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا مفید نہیں پڑتا لیکن توبہ کے حصول میں مجمل پیر ہی اکتفا کرے۔ یہ نہ کرے کہ طالب اسی وقت ہی توبہ نصوحی کرے بلکہ یہ کرے کہ طالب آہستہ آہستہ تمام بری باتوں سے توبہ کر سکے کیونکہ آج کل ہمتیں بالکل پست ہوگئی ہیں۔ اگر پہلے ہی مفصل توبہ کی تکلیف دی جائے تو اس کے لیے عرصہ درکار ہے ممکن ہے اس میں طالب اس کام سے ہمت ہار جائے بلکہ توبہ ہی کو سرانجام نہ دے سکے۔ جب توبہ مجملا ہو چکے تو پھر طالب کی استعداد کے

موافق خاص طریقہ کی تعلیم کرے اور جو ذکر اس کی قابلیت کے مناسب ہو تلقین کرے اور اس کے کام میں اپنی توجہ صرف کرے اور اس کے حال کو مدنظر رکھے۔ راستے کے آداب و قواعد اور شرائط اسے بتا دے کتاب و سنت اور آثار سلف صالحین کی متابعت کی ترغیب دلائے اور اس کے ذہن نشین کر دے کہ اس متابعت کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوتا اور جتلا دے کہ جو کشف و خواب کتاب و سنت سے بال بھر بھی اختلاف رکھتا ہو۔ وہ قابل اعتبار نہیں بلکہ اس سے استغفار کرنا چاہیے اور اس بات کی نصیحت کرے کہ عقائد فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت کے موافق صحیح کرے اور اس بات کی تاکید کرے کہ وہ فقہ کے احکام سیکھ کر ان پر عمل کرے کیونکہ اس راہ میں دو بازؤں یعنی اعتقاد اور عمل کے بغیر اڑنا محال ہے۔ اس بات کی تاکید کرے کہ مشتبہ اور حرام لقمہ میں نہایت احتیاط سے کام لے۔ جو کچھ یا دنیا سے مل جائے نہ کھائے تاوقتیکہ اس کا کھانا شرعاً جائز نہ ہو۔

ایک خطرناک وہم: (مبداء و معاد) واضح رہے کہ کبھی مریدوں کو اپنے پیروں کے بارے میں یہ وہم پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ جب وہ پیروں کے مقامات حاصل کر لیتے ہیں تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہم اور ہمارے پیر برابر ہیں لیکن معاملہ کی اصل حقیقت وہی ہے جو بیان ہو چکی (اس امت کے کامل تابعین کے مقام تحت میں پیغمبروں کے مخصوصہ مقام فوق الفرق کے کمالات سے بقیہ حاصل ہوتا ہے خادم خواہ کہیں ہو اسے مخدوم کا پس خوردہ پہنچ کر رہتا ہے۔ دور کا خادم مخدوم کے طفیل سے وہ چیز حاصل کر سکتا ہے جو خدمت کی دولت کے بغیر نزدیکیوں کو بھی ہاتھ نہیں آتی) برابری اسی واسطے ہوئی جب ان مقامات پر پہنچ جائیں نہ کہ حاصل ہو جائیں کیونکہ حصول طفیلی ہے۔ اس سے بھی خیال نہ کرنا چاہیے کہ مرید اپنے پیر کے مساوی نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہوتا بلکہ مساوی ہونا جائز ہے اور ایسا ہوا ہے لیکن کسی خاص مقام کے حصول اس کے وصول میں بڑا بار یک فرق ہے ہر مرید کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔ اس فرق کو معلوم کرنے کے لیے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے۔

پیر کا مقام و آداب: (مبداء و معاد) پیر کے آداب کا ملحوظ رکھنا جس سے علم باطن اخذ کیا ہو علم ظاہر کے استاد کے آداب ملحوظ رکھنے سے بدرجہا زیادہ ہے۔۔۔ واضح رہے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق سے فائق ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ کے حقوق چھوڑ کر دوسرے حقوق کو پیر کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں بلکہ سب حقیقی پیر جناب پیغمبر ﷺ ہیں ظاہری ولادت اگرچہ والدین سے ہوتی ہے لیکن معنوی پیدائش پیر سے مخصوص ہے۔ ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہوتی ہے اور حقیقی ولادت کی زندگی ابدی ہوتی ہے۔ مرید کی باطنی پلیدی کو صاف کرنے والا پیر ہی ہے جو اپنے قلب و روح سے مرید کے

باطن کی پلیدی کو صاف کرتا ہے اور اس کے معدے کو پاکیزہ بناتا ہے۔ بعض طالبوں کو جب توجہ دی جاتی ہے تو واقعی محسوس ہوتا ہے کہ اس کی باطنی نجاستوں کو صاف کرتے ہوئے صاحب توجہ پیر بھی آلودگی اثر کرتی ہے اور دیر تک مکدر رکھتی ہے۔ پیر کے وسیلے انسان خدا رسیدہ ہوتا ہے۔ یہ خدا رسیدگی تمام دینوی اور اخروی سعادتوں سے افضل ہے پیر کے وسیلے نفس امارہ جو بالذات خبیث ہے پاکیزہ ہو جاتا ہے اور امارگی چھوڑ کر اطمینان حاصل کرتا ہے اور ذاتی کفر ترک کر کے حقیقی اسلام اختیار کرتا ہے۔ اپنی بدبختی اس کے رد کرنے میں رضائے حق رضائے پیر کے پردے کے پیچھے رکھی ہے۔

جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی مرضیات میں گم نہیں کرتا حق تعالیٰ کی مرضیات تک نہیں پہنچتا۔ مرید کی آفت پیر کو ناراض کرنے میں ہے اس کے بغیر جو خواری ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے لیکن پیر کی ناراضی مرید کے لیے بدبختی کی جڑ ہے۔ اس ناراضی سے اسلامی معتقدات میں خلل اور احکام شرعی کے بجالانے میں فتور آ جاتا ہے جو باطنی احوال و مواجید کا کچھ پوچھو نہیں۔ اگر پیر کو ستانے کے بعد بھی احوال کا کچھ اثر رہے تو اسے استدراج سمجھنا چاہیے کیونکہ آخر اس کا نتیجہ خراب ہوتا ہے اور سوائے نقصان کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔

پیر پر اعتقاد: (مبدا و معاد) ہم چار اشخاص اپنے خواجہ (حضرت باقی باللہ) صاحب کی ملازمت میں باقی تمام دوستوں سے ممتاز تھے۔ ہم چاروں کا اعتقاد حضور خواجہ صاحب کی نسبت الگ الگ تھا اور ہمارے معاملہ بھی ایک دوسرے سے نرالا تھا۔ میرا یہ یقین تھا کہ اس قسم کی صحبت و اجتماع اور اس طرح کی تربیت اور ارشاد جناب سرور کائنات ﷺ کے زمانے کے بعد کبھی میسر نہیں ہوئی۔ اس نعمت کا شکر بجالایا کرتا تھا کہ گو مجھے سرور کائنات ﷺ کی صحبت کا شرف تو حاصل نہیں ہوا لیکن اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ ہمارے خواجہ صاحب نے باقی کے احوال کی نسبت یوں فرمایا کہ فلاں شخص مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد خیال نہیں کرتا اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل کے مرتبے سے زیادہ ہے۔ دوسرے کی نسبت فرمایا کہ اس کا ہم سے کچھ سروکار نہیں۔ تیسرے کی نسبت فرمایا کہ وہ ہمارا منکر ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔ واضح رہے کہ مرید کو اپنے پیر سے جو محبت ہوتی ہے اور فائدہ اٹھانے اور پہچانے کی سبب کا نتیجہ پیر کو افضل اور اکمل جانتا ہے لیکن ضروری ہے کہ پیر ان لوگوں سے افضل جانے جن کی فضیلت شرع میں مقرر ہے کیونکہ ایسا کرنا افراط میں داخل ہے اور یہ اچھا نہیں۔ شیعہ لوگوں کی خرابی محض اہل بیت کی محبت کی افراط سے ہوئی ہے اور عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی افراط محبت سے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اسی واسطے ابدی نقصان میں مبتلا ہیں لیکن اگر ان کے سوا فضیلت دے تو جائز ہے۔ بلکہ طریقت میں واجب ہے۔ یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار میں نہیں بلکہ اگر مرید سعادت مند ہے تو خود بخود بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے وسیلے پیر کے کمالات حاصل کرتا ہے اگر یہ فضیلت دینا مرید اپنے اختیار اور تکلف سے پیدا کرے تو جائز نہیں اور نہ اس کا کچھ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

پیر کی تقلید: (مبداء و معاد) مرید کو جو کمال حاصل ہوتا ہے اپنے پیر کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے۔ پیر کی خطا مرید کے صواب سے بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جناب سرور کائنات ﷺ کے سہو کی طلب کرتے تھے۔ جب جناب سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ کے حق میں فرمایا

''بلالؓ کا سین (س) اللہ کے نزدیک (ش) ہے''

بلالؓ عجمی تھے اس لیے اذان میں بجائے اشہد کے اسہد کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا اسہد اشہد ہے۔ پس بلالؓ کی خطا دوسروں کی درستی سے بہتر ہے۔ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے جو فرماتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اور جن میں مشائخ سے اتفاقاً غلطی ہو گئی ہے اور تلفظ بگڑ گیا ہے۔ اگر ان کے پیرو اور تابعین اپنے مشائخ کی طرح پڑھیں تو تاثیر ہوتی ہے۔ اگر درست کر کے پڑھیں تو تاثیر نہیں ہوتی۔

طریق نقشبندیہ (مجددیہ)

تعلیمات، سلوک وجذبہ، تربیت

اور اصول وقواعد کے بارے میں

''اسی طریق میں زیادہ تر افادہ خاموشی میں ہے اور خاموشی اس طریق کے لوازم میں ہے''
(مکتوب ۲۲۱ حصہ اول)

''اسی طریقہ میں زیادہ افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ ان بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس کو ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ ہوا وہ ہمارے کلام سے کیا نفع حاصل کرے گا اور اس خاموشی کو انہوں نے تکلف کے ساتھ اختیار نہیں کیا بلکہ ان کے طریق کے لوازم اور ضروریات میں سے ہے'' (مکتوب ۲۲۱ حصہ اول)

مختصرات (سلسلہ نقشبندی)

حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا ہے کہ ہم نے انتہا کو ابتداء میں درج کر دیا ہے۔ یہ بعینہ اصحاب کرامؓ کا طریق ہے کیونکہ یہ بزرگوار آنحضرت ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے جو امت کے اولیاء کرام کو نہایت النہایت میں بھی اس کمال کا تھوڑا سا حصہ بمشکل حاصل ہوتا ہے۔۔۔ (یعنی دوسرے سلسلوں کی انتہا طریق نقشبندیہ کی ابتداء ہے) (مکتوب ۶۶ دفتر اول)

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے فرمایا ہے کہ زبان دل کا آئینہ ہے اور دل روح کا اور روح حقیقت انسانی حق کا آئینہ ہے (مکتوب ۲۹۰ حصہ اول)

بلائے ہوئے اور بن بلائے ہوئے میں بہت فرق ہوتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا سلوک سیر آفاقی سے قطع ہوتا ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ کا سلوک (طریق نقشبندیہ) سیر آفاقی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ سلوک اول معارف کی تحصیل ہے اور سلوک ثانی

غلبہ محبت یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہر علم کا دروازہ بن گئے اور حضرت صدیق اکبر کو حضرت ﷺ کی خلت یعنی دوستی کی قابلیت حاصل ہوئی۔ (مکتوب ۲۹۰ حصہ اول)

حضرت امام جعفر صادقؒ (کو یہ دونوں نسبتیں حاصل تھیں) نے اس نسبت مرکبہ کو امانت کے طور پر حضرت بایزید بسطامی کے حوالے کیا جو عارف ربانی حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کو پہنچی پھر حضرت خواجہ نقشبندؒ پر یہ نسبت ظاہر ہوئی جس کا بہت سا حصہ حضرت خواجہ علاؤالدین) عطار) کو حاصل ہوا جو قطب ارشاد کے منصب تک پہنچے۔

اس طریق میں سالک کا سلوک شیخ مقتداء کے تصرف پر منحصر ہے جو نسبت عطا کرنے اور نسبت سلب کرنے کی بھی پوری قوت رکھتے ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ سے میں نے ایسا طریق طلب کیا ہے جو یقیناً واصل بحق کر دیتا ہے۔ آپ کی یہ التجا قبول ہوگئی چنانچہ خواجہ احرار نے "رشحات" میں فرمایا ہے کہ کیونکر اقرب اور موصل نہ ہو جب کہ انتہا اس کے ابتداء میں مندرج ہے۔

وہ شخص بہت ہی بدقسمت ہے جو اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے۔

تجلی مراد ہے شے کے ظہور سے

ان بزرگواروں کا سرمایہ محبت ہے جس کو محبوب کی اطاعت لازم ہے اور محبوب کی اطاعت شریعت کی تابعداری پر موقوف ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے (مکتوب ۴۲ حصہ دوم)

پس کمال محبت کی علامت شریعت کی کمال اطاعت اور تابعداری پر موقوف ہے اور شریعت کا کمال اطاعت علم و عمل اور اخلاص پر منحصر ہے (مکتوب ۴۲ حصہ دوم)

ان بزرگوں کا طریق صحبت ہی صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے (مکتوب ۴۲ حصہ دوم)

جس نے اللہ تعالیٰ کو پہنچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی۔ جہاں علم ہے وہاں گفتگو بھی ہے۔ (مکتوب ۵۸ حصہ دوم)

انفس و آفاق سے آگے جولان --- یہ بات اکثر اولیاء کرام کو مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جب تک زندہ رہتے ہیں "خیال" ان کا دامنگیر رہتا ہے۔ (مکتوب ۵۸ حصہ دوم)

علم الدنی کے درست اور صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرعی کے مطابق ہوں (مکتوب ۱۰ دفتر اول)

کسی نے حضرت خواجہ نقشبندؒ سے سوال کیا کہ سلوک کیا ہے؟ فرمایا کہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی کشفی سے بدل جائے۔ (مکتوب ۱۰ حصہ اول)

اس طریقہ علیہ میں زندہ مرے ہوئے بوڑھے۔ بچے۔ درمیانی عمر کے لوگ اور (عورتیں) سب وصول کے حق میں برابر ہوں گے۔ (مکتوب ۲۶۰ دفتر اول)

طریق نقشبندیہ (مجددیہ)

حضرت مجدد الف ثانی اور طریق نقشبندیہ

حضرت باقی باللہؒ: (مکتوب ۲۹۰ دفتر اول) تجھے جاننا چاہیے کہ اس درویش کو اس راہ کی ہوس پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے ہادی راہ ہو کر ولایت پناہ حقیقت آگاہ ایسے طریق کی ہدایت دینے والے جس کی ہدایت میں نہایت مندرج ہے اور ایسا راستہ بتانے والے جو درجات ولایت تک پہنچانے والا ہے۔ دین پسندیدہ کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ اور امام حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں جو حضرات مشائخ قدس سرہم کے خاندان بزرگ کے بڑے خلفاء میں سے تھے پہنچایا۔ انہوں نے اس درویش کو ذکر اسم ذات تعلیم فرمایا اور مقررہ طریق سے ایسی توجہ فرمائی کہ مجھ میں کمال لذت پیدا ہوئی اور کمال شوق سے گریہ شروع ہوا۔ ایک روز کے بعد بے خودی کی کیفیت جوان بزرگواروں کے نزدیک معتبر ہے اور غیبت سے موسوم ہے طاری ہوئی اور اس بے خودی کی حالت میں ایک دریائے محیط کو دیکھا جس میں عالم کی صورتیں اور شکلیں سایہ کی طرح معلوم ہوئیں۔ یہ بیخودی رفتہ رفتہ غالب ہوتی گئی اور اس قدر بڑھ گئی کہ کبھی ایک پہر روز تک رہتی اور کبھی دو پہر تک اور بعض اوقات تمام رات طاری رہتی۔ حضرت ایشاں نے فرمایا کہ تھوڑی سی فنا حاصل ہوگئی ہے اور ذکر کرنے سے منع فرمایا اور اس آگاہی کی نگہداشت کا امر فرمایا دو روز کے بعد فنائے اصطلاحی حاصل ہوگئی۔ پھر عرض کیا تو فرمایا...... اپنے کام میں مشغول رہو بعد ازاں فنائے فنا حاصل ہوئی۔ عرض کیا تو فرمایا کہ کیا تو تمام عالم کو ایک دیکھتا ہے اور متصل واحد یعنی واحد کے ساتھ متصل پاتا ہے۔ عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا کہ فنائے فنا میں معتبر یہ ہے کہ اس اتصال دید کے باوجود بے شعوری حاصل ہو۔ اسی رات کو اس قسم کی فنا حاصل ہوگئی عرض کیا کہ میں نے اپنے علم کو حق سبحانہ کی نسبت حضوری پاتا ہوں اور ان اوصاف کو جو میری طرف منسوب تھے حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف منسوب پاتا ہوں۔ بعد ازاں وہ

نور جو تمام اشیاء کو محیط ہے ظاہر ہوا- میں نے اس کو حق سبحانہ وتعالیٰ جانا- اس نور کا رنگ سیاہ تھا- آپ نے فرمایا کہ حق سبحانہ پردہ نور میں مشہود ہے- یہ انبساط اور پھیلاؤ جو اس نور میں دکھائی دیتا ہے علم نہیں ہے- حق تعالیٰ کی ذات کا اشیاء متعددہ کے ساتھ جو بلندی اور پستی میں واقع ہیں تعلق ہونے کے باعث انبساط اور پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے اس کی بھی نفی کرنا چاہیے-

بعد ازاں وہ پھیلا ہوا سیاہ نور کم کم اور تنگ ہونے لگا یہاں تک کہ ایک نقطہ بن گیا- فرمایا اس نقطے کی بھی نفی کرنی چاہیے تا کہ حیرت آ جائے میں نے ایسا ہی کیا اور وہ نقطہ موہوم بھی درمیان سے دور ہو گیا اور حیرت تک جا پہنچا کہ جس مقام میں حق تعالیٰ کا شہود و وجود ہے- فرمایا یہی حضور نقشبندیہ کا حضور ہے اور نسبت نقشبندیہ اسی حضور سے مراد ہے اس کو حضور بے غیبت بھی کہتے ہیں اور ہدایت کا نہایت میں مندرج ہونا اسی مقام میں حاصل کیا ہے- فقیر کو عزیز الوجود نسبت ایک سیکھنے سے دو ماہ اور چند روز میں حاصل ہو گئی- اس کے بعد فنائے حقیقی حاصل ہوئی- دل میں میں اس قدر وسعت پیدا ہوئی کہ عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام عالم کا اس کے مقابلے میں رائی کے دانے جتنا بھی قدر نہ تھا- پھر ہر فرد وعام بلکہ ہر ذرہ کو حق تعالیٰ دیکھنے لگا- اس کے بعد ہر ذرہ عالم کو الگ الگ اپنا عین اور اپنے آپ کو ان سب کا عین معلوم کرنے لگا حتی کہ تمام عالم کو ایک ذرہ میں گم پایا- بعد ازاں اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرہ کو تمام عالم کا مقدم (جس کے ساتھ کسی چیز کا قیام ہو) معلوم کیا- (شیخ کی بارگاہ عالی) میں عرض کیا تو فرمایا کہ توحید مرتبہ حق الیقین یہی ہے اور جمع الجمع اس سے مراد ہے- بعد میں عالم کی صورتوں اور شکلوں کو جن کو اول حق معلوم کرتا تھا اس وقت موہوم معلوم کیا اور ہر ذرہ کو کہ بے تفاوت حق پاتا تھا- ان کو بھی موہوم پایا اور نہایت حیرت حاصل ہوئی- حضور نے فرمایا- کہ ابھی تیرا حضور صاف نہیں ہو- اپنے کام میں مشغول رہو تا کہ موہوم سے موجود کی تمیز ظاہر ہوا- حضور کی توجہ سے دو روز کے بعد موہوم اور موجود میں تمیز ظاہر کر دی- خارج میں ایک ذات کے سوا کچھ موجود نہ دیکھا فرمایا کہ مرتبہ فرق بعد الجمع یہی ہے اور سعی وکوشش کی نہایت یہیں تک ہے اس مرتبہ کو مشائخ نے مقام تکمیل کہا ہے- (تفصیل جلد اول ۶۴) --- اس وقت مجھے بتایا گیا کہ صفت تنزیہ کا مشہود ذات حق نہیں ہے- حق تعالیٰ اس سے برتر ہے اور اس کے تکوین کے تعلق کی صورت مثالی ہے-

حضرت خواجہ نے کامل ومکمل جان کر تعلیم طریقہ کی اجازت فرمائی اور طالبوں کی ایک جماعت میرے حوالے کی حسب الامر طریقت کی تعلیم شروع کی- سالکوں کا برسوں کا کام گھڑیوں میں ہونے لگا-

طریقہ ماحصل -طریقہ کا ماحصل یہ ہے کہ اہل سنت کے عقائد کے موافق اپنا عقیدہ درست

کرے- سنت کی متابعت کرے- بدعت اور ہوائے نفس سے پرہیز کرے- رخصت سے احتراز کرے- اس کے بعد اول جہت جذبہ میں استہلاک کو اور اضمحلال یعنی فنا استغراق حاصل کریں- بقا جو اس جہت میں استہلاک کے متحقق ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے- اس کو وجود عدم سے تعبیر کرتے ہیں اور اس بقا والے کے لیے ممکن ہے کہ صفات بشریت کی طرف رجوع کرے اور اخلاق نفسانیہ کی طرف لوٹ آئے- اس بقا کا جو جذبہ میں پیدا ہوا اس کا رخ توحید وجودی کی طرف ہے- حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے فرمایا ''زبان دل کا آئینہ ہے اور دل روح کا اور روح حقیقت انسانی حق تعالیٰ کا آئینہ ہے- اگر حق سبحانہ تعالیٰ اپنی کمال عنایت کے ساتھ ان میں سے بعض کو اس جذبہ حاصل ہونے کے بعد سلوک کی دولت سے مشرف فرمائے تو جذبہ کی مدد سے دور دراز مسافت کو جس کا انداز پنجاہ ہزار سال کا راستہ مقرر ہے تھوڑی سی مدت میں قطع کر سکتے ہیں اور فنافی اللہ اور بقاباللہ کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں- سلوک کا منتہا سیر الی اللہ کی نہایت تک ہے جس کو فنائے مطلق سے تعبیر کرتے ہیں- بعد ازاں پھر مقام جذبہ ہے جس کو فنافی اللہ اور بقاباللہ کی سیر سے تعبیر کرتے ہیں سلوک پر جذبہ مقدم ہونا ایک قسم کی محبوبیت کا معنی چاہتا ہے- جب تک مراد نہ ہو جذبہ نہیں کرتے اور جب جذبہ کرتے ہیں تو بہت ہی نزدیک ہو جاتے ہیں اور قرب زیادہ تر حاصل کرتے ہیں تو بہت ہی نزدیک ہو جاتے ہیں-

بلائے ہوئے اور بن بلائے میں بہت فرق ہوتا ہے

دوسرے سلسلوں میں بعض کو یہ دولت اتفاقیہ حاصل ہوتی ہے-

یاد داشت - یاد داشت جذبہ وسلوک کی دونوں جہتوں کے متحقق ہونے کے بعد متصور ہوتی ہے- (یہ) مراتب شہود و آگاہی کا نہایت ہے- یہی مشہود ہے- اگر فضل ایزدی سے دائمی ہو جائے اور پورے طور پر پردوں کی تنگی سے نکل جائے تو اس کی تعبیر یادداشت سے کرتے ہیں جس کو حضور بے غیب کہتے ہیں- ان کے جسم ان کی روحوں کی طرح نرم ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ان کے ظاہر باطن کی طرح اور باطن ظاہر کی طرح ہو جاتے ہیں پس یہ نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے-

(مکتوب ۲۷ دفتر اول) ہماری نسبت سب نسبتوں سے بڑھ کر ہے- نسبت سے مراد ان کی مراد حضور و آگاہی ہے اور جو ان کے (خواجگان نقشبند) کے نزدیک معتبر ہے حضور بے غیبت ہے جس کو یاد داشت سے تعبیر کرتے پس بزرگواروں کی نسبت سے مراد یاداشت ہے اور جو اس فقیر کے فہم قاصر میں پائی ہے اس تفصیل پر مبنی ہے کہ تجلی ذاتی حضرت ذات کے حضور سے مراد ہے جو ملاحظہ اسماء صفات وشیون واعتبارات کے ظاہر ہوا اور مشائخ نے اس تجلی کو تجلی برقی کہا ہے اور یعنی تھوڑی دیر کے لیے

شیون و تجلی اعتبارات رفع ہو جاتے ہیں اور پھر شیون و اعتبارات کے پردے چھا جاتے ہیں پس اس تقدیر پر حضور بے غیبت متصور نہیں بلکہ تھوڑی دیر میں حضور ہے اور اکثر اوقات غیبت پس یہ نسبت ان عزیزوں کے نزدیک معتبر نہیں ہوتا حالانکہ اس تجلی کو دوسرے سلسلوں کے مشائخ نے نہایت النہایت کہا ہے اور جس وقت یہ حضور دائمی ہو جائے اور ہرگز پردے میں نہ آئے اور ہمیشہ بے پردہ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کے جلوگر ہو تو اس وقت حضور بے غیبت ہو گا۔

پس ان بزرگواروں کی نسبت کو دوسروں کی نسبت کے ساتھ قیاس کرنا چاہے اور بے تکلف سب سے برتر جاننا چاہیے اس قسم کا حضور اگرچہ بہت لوگوں کو بعید معلوم ہوتا ہے لیکن یہ نسبت علیہ ایسی نادر اور قلیل الوجود ہے کہ اگر بالفرض اسی بزرگ سلسلہ کے مشائخ کے سامنے بیان کی جائے تو گمان ہے کہ اکثر ان میں سے انکار کر دیں گے اور ہرگز یقین نہ کریں وہ نسبت جو اب اس خانوادہ بزرگ کے مشائخ میں متعارف اور مشہور ہے مراد ہے حق تعالی کے حضور اور شہود سے اس طرح پر کہ مشاہدی اور مشہودی کے وصف سے پاک ہو اور مراد ہے اس توجہ سے جو جہات ششہ مشہودہ سے خالی ہو۔ اگرچہ فوق کی جہت کا وہم گزرتا ہے اور بظاہر دوام قبول کرتا ہے۔ یہ نسبت صرف مقام جذبہ میں بھی ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی فوقیت کے لیے کوئی وجہ ظاہر نہیں ہے برخلاف یادداشت سابقہ کے جس کا حاصل ہونا جہت جذبہ اور مقامات سلوک کے تمام ہونے کے بعد ہے اور اس کے درجے کی بلندی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر پوشیدگی ہے تو صرف اس کے حاصل ہونے میں ہی ہے۔ اگر کوئی حاسد حسد کے باعث انکار کر دے اور ناقص اگر اپنے نقص کی وجہ سے منکر ہو جائے تو معذور ہے۔

سلوک اور مقام جذبہ

(مکتوب ۲۹۰ دفتر اول) ان عزیزوں کا جذبہ دو قسم پر ہے پہلا وہ حضرت صدیق اکبرؓ سے پہنچا ہے اور اسی اعتبار سے ان کا طریقہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہے۔ یہ جذبہ ایک خاص قسم کی توجہ کے ساتھ جو تمام موجودات کی قیوم ہے اور اس میں استہلاک و اضمحلال یعنی فنا و استغراق کے ساتھ حاصل ہوتا ہے دوسری قسم وہ ہے جس کے ظہور کا مبداء اس طریق میں حضرت خواجہ نقشبندؒ ہیں اور یہ جذبہ معیت ذاتیہ کی راہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جذبہ حضرت خواجہ سے پہلے ان کے خلیفہ خواجہ علاؤ الدین عطارؒ کو پہنچا جو اپنے وقت کے قطب ارشاد تھے۔ انہوں نے ایک خاص طریقہ وضع کیا جو طریقہ علائیہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اصل حضرت خواجہ نقشبند سے ہے لیکن طریقہ انہوں نے وضع کیا ہے جو بہت کثیر البرکت ہے۔

پہلے جذبہ کو حاصل ہونے کے لیے جدا موضوع ہے جو طریق وقوف عددی ہے۔ ایک قسم میں حضرت صدیق اکبر مقصود تک پہنچے ہیں ان میں (آنحضرت ﷺ میں فانی تھے۔ باقی اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین میں سے اس خاص طریق کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں۔ جذبہ وسلوک یہی نسبت اس خصوصیت کے ساتھ حضرت امام جعفر صادقؓ تک پہنچی ہے۔ چونکہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت صدیق اکبرؓ کی اولاد سے تھیں۔ انہیں اپنے آباواجدا کی طرف سے جدا نسبت حاصل تھی اس لیے دونوں طریقوں کے جامع ہوئے ہیں اور اس جذبہ کو ان کے سلوک کے ساتھ جمع کیا اور اسی سلوک سے مقصود تک پہنچے۔ حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کا سلوک سیر آفاقی سے قطع ہوتا ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ کا سلوک سیر آفاقی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا ---سلوک اول میں معارف کی تحصیل ہے اور سلوک ثانی میں غلبہ محبت یہی وجہ ہے کہ حضرا امیر (علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ) شہر علم کا دروازہ بن گئے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خلت یعنی دوستی کی قابلیت حاصل کی ---حضرت امام جعفر صادقؓ نے اس نسبت مرکبہ کو امانت کے طور پر حضرت بایزید بسطامی کے حوالے کیا جو عارف ربانی خواجہ عبدالخالق غجدوانی کو پہنچی جو حضرت خواجگان کے سلسلے کے سرحلقہ ہیں پھر حضرت خواجہ نقشبند پر یہ نسبت ظاہر ہوئی جس کا بہت سا حصہ حضرت خواجہ علاوالدینؒ کو حاصل ہوا اور وہ قطب ارشاد کے مقام تک پہنچ گئے۔ غرض وہ بقا جو جذبہ جہت میں ہے خواہ کسی قسم کا ہو سکر سے نہیں نکالتا اور صحو میں نہیں لاتا۔ اسی واسطے باوجود بقا کے انا باقی پر رجوع نہیں کرتا۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کو اپنے ننہال کی طرف سے ایک نسبت حاصل تھی اور اثنا عشر یعنی دوازدہ اقطاب کے مقام سے جن کے ساتھ دین کی تائید وابستہ ہے اور محبت میں عظیم شان رکھتے ہیں۔ ان کے بعد ارشاد پناہی معارف آگاہی شیخنا ومولانا حضرت محمدؒ باقی سلمہ اللہ تعالیٰ کے نور ظہور کی برکت سے ان بزرگاروں کا طریق عالی بالخصوص ممالک ہندوستان (ہندو پاک) میں جہاں کے رہنے والے ان کمالات سے بے بہرہ تھے از سر نو زندہ ہوا۔

طریق نقشبندی کی اہمیت اور تصرف شیخ۔ (مکتوب ۲۲۱ دفتر اول)

اس طریق میں سالک کا سلوک شیخ مقتداء کے تصرف پر منحصر ہے۔ جس طرح یہ بزرگوار نسبت عطا کرنے مین کامل طاقت رکھتے ہیں اسی طرح اس نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری پوری طاقت رکھتے ہیں اور اس طریق میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے اور خاموشی اس طریق کے لوازم میں ہے۔ اس بلند طریق کے سرحلقہ حضرت صدیق اکبرؓ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تحقیقی طور پر تمام بنی آدم سے افضل ہین اور اسی اعتبار سے اس طریق کے بزرگواروں کی عبارات میں آیا ہے کہ ہماری

نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ ان کی نسبت جس سے مراد خاص حضور اور آگاہی ہے بعینہ حضرت صدیق اکبرؓ کی نسبت اور حضور ہے جو تمام آگاہیوں سے بڑھ کر ہے اور اس طریق میں نہایت اس کے ابتدا میں مندرج ہے۔ اس طریقہ علیہ کی نہایت اگر میسر ہو جائے وصل عریانی ہے جس کے حاصل ہونے کی علامت مطلوب کے حاصل ہونے سے ناامیدی کا حاصل ہونا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس عالی مقام کا ایک پرتو ان کے باطن پر چمکا ہے جس کو بعض نے وصل خیال کیا ہے اور بعض (کے نزدیک) یاس اور یہ تفاوت ہر ایک گروہ کی استعداد سے پیدا ہوتا ہے۔ اس حقیر کے نزدیک وصل کی استعداد سے یاس کی استعداد بہت اچھی ہے اگرچہ وصل و یاس ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ وصل مطلق اور ہے اور وصل عریاں اور ہر دونوں میں بڑا فرق ہے۔

وصل عریانی ۔ وصل عریانی سے ہماری مراد یہ ہے کہ حجابات سب کے سب اٹھ جائیں اور تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں اور چونکہ ہر قسم کی تجلیات اور مختلف قسم کے ظہورات بہت بڑے اور قوی حجاب ہیں اس لیے ان سب تجلیات و ظہورات سے گزر جانا اور آگے بڑھنا ضروری ہے خواہ یہ تجلی و ظہور امکانی آئینوں میں ہو خواہ وجوبی مظہروں میں کیونکہ اصل حجابوں کے حاصل ہونے میں دونوں برابر ہیں اور اگر کچھ فرق ہے تو شرف و رتبہ میں ہے۔۔۔ حضرت ذات تک پہنچنا اسماء و صفات کو مجمل طور پر طے کرنے سے وابستہ ہے پس اس وجہ سے تجلیات کی نہایت ہوگی۔ تجلی مراد ہے شے کے ظہور سے جو دوسرے یا تیسرے یا چوتھے مرتبے میں ہو۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے اور یہاں سب مراتب ساقط ہو گئے ہیں اور تمام مسافت طے ہو چکی ہے۔ اور جان لینا چاہیے کہ وصل اس مقام میں مطلب کی طرح بے چون اور بے چگون ہے اور وہ اتصال جس کو عقل سمجھ سکے وہ بحث سے خارج ہے اور اس جناب پاک کے لائق نہیں ہے کیونکہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں۔۔۔ اس طریق سے دوسرے طریقوں سے اس نہایت کے واصل بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اگر ان کے افراد کی تعداد ظاہر کریں تو نزدیک ہے کہ نزدیک لوگ دوری اختیار کریں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے صدقے سے نہایت النہایت تک کمال وصول کے سبب سے ہے۔

سفر در وطن ۔ اور اسی طریقہ علیہ کی خصوصیات میں سے ایک سفر در وطن ہے جو سیر انفسی سے مراد ہے وہ سیر آفاقی کے قطع کرنے کے بعد نہایت میں میسر ہوتا ہے اور اس طریق میں ابتداء اس سیر سے ہے اور سیر آفاقی اس کے ضمن میں قطع ہو جاتا ہے پس اس سیر کا منشاء جو ابتداء میں حاصل ہوتا ہے ابتداء ہی انتہا کا مندرج ہونا ہے۔

خلوت درانجمن: دوسرا خاصہ خلوت درانجمن ہے جو سفر در وطن پر متفرع ومترتب ہے۔ جب سفر دروطن میسر ہو جائے خلوت درانجمن اس کے ضمن میں میسر ہو جائے گا۔ پس سالک تفرقہ کی انجمن میں ہوتے ہوئے وطن کے خلوت خانہ میں سفر کرتا ہے اور آفاق کا تفرقہ انفس کے ہجر میں راہ نہیں پاتا۔ یہ خلوت درانجمن اگرچہ دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو حاصل ہے لیکن اس طریق میں چونکہ ابتداء ہی میں میسر ہو جاتی ہے اس لیے اس طریق کے خواص میں سے ہے۔ خلوت درانجمن اس تقدیر پر ہے کہ وطن کے خلوت خانہ کے دروازوں کو بند کیا ہو اور تمام سراخوں کو مسدود کر دیا ہو۔

تفرقہ اور حقوق: جاننا چاہیے کہ بعض اوقات ظاہر کے تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا تاکہ خلق کے حقوق ادا ہوں پس تفرقہ ظاہر بھی بعض اوقات اچھا ہے لیکن تفرقہ باطن کسی وقت بھی جائز نہیں کیونکہ وہ خالص حق تعالیٰ کے لیے ہے پس بندوں سے تین حصے خدائے تعالیٰ کے لیے مقرر ہوئے۔ باطن سب کا سب اور ظاہر سے ایک نصف اور ظاہر کا دوسرا نصف خلق کے حقوق ادا کرنے کے لیے باقی رہا لیکن ان حقوق کے ادا کرنے میں چونکہ حق تعالیٰ کے امر کی بجا آوری ہے اس لیے وہ دوسرا نصف حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

جذبہ اور سلوک: اس طریق میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور سیر کی ابتداء عالم امر سے ہے نہ کہ عالم خلق سے برخلاف اکثر دوسرے طریقوں کے کہ ان کی سیر کی ابتداء عالم خلق سے ہے اور اس طریق میں اس سلوک کی منزلیں جذبہ کے مراتب طے کرنے کے ضمن میں قطع ہو جاتی ہیں اور عالم کے خلق کا سیر عالم امر کے سیر میں میسر ہو جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ ابتداء سیر اس طریق میں انتہا کے سیر میں مندرج ہے نہ یہ کہ انتہا سے ابتدا کی سیر کے لیے اتر آتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ سے میں نے ایسا طریقہ طلب کیا ہے جو بے شک موصل ہے اور آپ کی یہ التجا قبول ہوگئی ہوئی ہے چنانچہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار سے منقول ہے کہ کیونکر اقرب اور موصل نہ ہو جب کہ انتہا اس کے ابتداء میں مندرج ہے۔

احکام شرعیہ کی پابندی: (وہ شخص بہت ہی بدقسمت ہے جو اس طریق میں داخل اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے۔

اس طریقہ علیہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے۔ اذواق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم بنایا ہے، احکام شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے عوض ہاتھ سے نہیں دیتے اور صوفیہ کی بے ہودہ باتوں پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے اور ان کے احوال کو شرعی ممنوعات اور سنت سنیہ کے خلاف اختیار کرنے سے حاصل ہوں قبول نہیں کرتے۔

سماع و رقص: یہی وجہ ہے کہ سماع اور رقص کو پسند نہیں کرتے اور ذکر جہر کی طرف توجہ نہیں کرتے - ان کا حال دائمی ہے اور ان کا وقت استمراری - وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لیے برق خاطف کی طرح ہے ان کے لیے دائمی ہے اور حضور جس کے پیچھے غیبت ہے ان بزرگواروں کے نزدیک بے اعتبار ہے بلکہ ان کا معاملہ حضور و تجلی سے برتر ہے - حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اس طریقہ علیہ کے خواجگان قدس سرہم ہر زراق اور رقاص یعنی مکر کرنے والے اور ناچنے والے کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے - ان کا کارخانہ اس سے بلند تر ہے -

پیر اور مرشد - اور اس مقام میں پیری اور مریدی طریقہ کے تعلم و تعلیم پر موقوف ہے نہ کلاہ و شجرہ پر جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں موسوم ہے حتیٰ کہ ان میں متاخرین نے پیری اور مریدی کو کلاہ پر منحصر کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد تجویز نہیں کرتے اور طریق سکھانے والے کو مرشد کہتے ہیں پیر نہیں جانتے اور آداب پیری کو اس کے حق میں مدنظر نہیں رکھتے - یہ ان کی بڑی جہالت اور نادانی ہے -- نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے پیر تعلیم اور پیر صحبت کو بھی پیر کہا ہے اور پیر کا تعدد تجویز فرمایا ہے بلکہ پیر اول کی حین حیات میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ پہلے پیر کے انکار کے بغیر دوسرے پیر کو اختیار کرے - حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے اس بات کی تجویز کے لیے علمائے بخارا سے اس بات کا فتویٰ درست فرمایا تھا - ہاں اگر ایک پیر سے خرقہ ارادت لیا ہو تو پھر دوسرے سے خرقہ ارادت نہ لے - اگر چہ تو تبرک کا خرقہ لے مگر اس سے لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے بلکہ روا ہے کہ خرقہ ارادت ایک سے لے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی سے میسر ہو جائیں تو زہے قسمت و نعمت اور جائز ہے کہ مشائخ متعددہ سے تعلیم و صحبت کا استفادہ کرے -

پیر کامل - جاننا چاہیے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف راہنمائی کرے - یہ بات تعلیم اور طریقت میں زیادہ ملحوظ ہے اور واضح ہے کیونکہ پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہیے - پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے اور اس طریق میں ریاضتیں اور مجاہدے نفس امارہ کے ساتھ احکام شرعی کے بجالانے اور سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے سے ہیں کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے نفس امارہ کی خواہشوں کو دور کرنا مقصود ہے جو اپنے جلشانہ کی دشمنی میں قائم ہے پس نفسانی خواہشات کا دور ہونا احکام شرعی کے بجالانے پر وابستہ ہے -

جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر ہوائے نفسانی سے دور تر ہوگا کیونکہ نفس پر

شریعت کے اوامر نواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے اور صاحب شریعت کی پیروری کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں کیونکہ جوگی۔ ہندو برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے لیے گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور سوائے خسارہ کے کچھ فائدہ نہیں دیتیں اور اس طریقہ میں طالب کا سلوک شیخ مقتداء کے تصرف پر منحصر ہے۔ اس کے تصرف کے بغیر کچھ کام نہیں ہو سکتا کیونکہ ابتداء میں نہایت کا درج ہونا اسی کی شریف توجہ کا اثر ہے۔ بے چونی اور بے چگونی کا حاصل ہونا اسی کے کمال تصرف کا نتیجہ ہے۔ بے خودی کی وہ کیفیت جس کو انہوں نے مخفی یعنی پوشیدہ راہ سے تعبیر کیا ہے اس کا حاصل ہونا مبتدی کے اختیاری میں نہیں ہے اور وہ توجہ جو شش جہات سے معرّہ ہے اس کا وجود طالب کے حوصلہ سے باہر ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند

کہ برانداز رہ پنہاں بہ حرم قافلہ را

یہ بزرگوار جس طرح نسبت عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں۔ اللہ تعالٰی اور اپنے اولیائے کرام کے غضب سے بچائے اور اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ ان بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ جس کو ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ ہوا وہ ہمارے کلام سے کیا نفع حاصل کرے گا اور اس خاموشی کو انہوں نے تکلف کے ساتھ اختیار نہیں کیا بلکہ ان کے طریق کے لوازم اور ضروریات میں سے ہے کیونکہ ان بزرگواروں کی توجہ ابتدا ہی سے احدیتِ مجرّدہ کی طرف ہے اور اسم و صفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں جانتے اور معلوم ہے کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے موافق خاموشی اور گونگا ہونا (جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی)

اس بات کی مصداق ہے (مکتوب ۲۲۱ دفتر اول)

تخلیہ۔ بری صفات سے خالی ہونا تجلیہ۔ نیک صفات سے آراستہ ہونا

سیرِ انفس و آفاق۔ (مکتوب ۴۲ دفتر دوم)

(صوفیہ نے سیر کو آفاق و انفس ہی میں منحصر رکھا ہے اور تخلیہ اور تحلیہ اسی سیر میں ثابت کیا ہے اور حضرت ایشان یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اس سے منع فرماتے ہیں اور نہایت النہایت کو آفاق و انفس سے باہر ثابت کرتے ہیں اس سلسلے میں خواجہ جمال الدین ولد مرزا حسام الدین کے نام تحریر فرماتے ہیں)

جب سالک نیت کو درست اور خالص کر کے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے سخت ریاضتیں اور مجاہدے اختیار کرتا ہے اور تزکیہ پا کر اس کے اوصاف رذیلہ اخلاق حسنہ سے بدل جاتے ہیں اور توبہ و انابت اس کو میسر ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ صبر و توکل اور رضا حاصل ہو جاتے ہیں اور اپنی حاصل شدہ معانی کو درجہ بدرجہ اور ترتیب وار عالم مثالی میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بشریت کی کدورتوں اور کمینہ صفات سے پاک وصاف دیکھتا ہے تو اس وقت اس کا سیر آفاقی تمام ہو جاتا ہے۔۔۔اور انسان کے ساتوں لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ کے لیے عالم مثال میں اس کے مناسب انوار میں سے ایک نور مقرر کیا ہے اور اس نور مثالی میں سے نور کے ظاہر ہونے کو اس لطیفہ کی صفائی کی علامت مقرر کیا ہے اور اس سیر کو لطیفہ قلب سے شروع کر کے بتدریج و ترتیب لطیفہ اخفیٰ تک جو تمام لطائف کی منتہا ہے پہنچایا ہے مثلاً صفائی قلب کے نور کا ظہور مقرر کیا ہے اور عالم مثال میں وہ نور سرخ کی صورت میں ہے اور صفائی روح کی علامت اس کے نور کا ظہور ہے جو نور زرد رنگ کی صورت میں ہے اسی طرح دوسرے لطائف کا حال ہے پس سیر آفاقی کا حال یہ ہے کہ سالک اپنے اوصاف کی تبدیلی اور اخلاق کے تغیر کو عالم مثال کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی کدورتوں اور ظلمتوں کا دور ہونا اس دنیا میں محسوس کرتا ہے تاکہ اس کو اپنی صفائی کا یقین اور اپنے تزکیہ کا علم ہو جائے۔ جب سالک اس سیر میں دم بدم اپنے احوال و اطوار کو عالم مثال میں جو منجملہ آفاق کے ہے مشاہدہ کرتا اور اس عالم میں ایک حالت سے دوسرے حالت میں تبدیلی دیکھتا ہے تو گویا اس کا یہ سیر آفاقی ہی میں ہے اگرچہ در حقیقت یہ سالک کے اپنے نفس کا سیر ہے لیکن چونکہ دور بینی کے باعث اس کے مدنظر آفاق ہے نہ انفس اس لیے یہ سیر بھی آفاق کی طرف منسوب ہے۔ اس سیر کے تمام ہونے کو جو آفاق کی طرف منسوب ہے سیر الی اللہ کا تمام ہونا مقرر کیا ہے اور فنا کو اس پر موقوف رکھا ہے اور اس سیر کو سلوک سے تعبیر کیا ہے۔۔۔ یہ لوگ سیر انفس کو بے تکلف سیر فی اللہ اور بے تحاشا اس کو بقا باللہ کہتے ہیں اور مقام وصال و اتصال خیال کرتے ہیں۔ یہ اطلاق اس فقیر پر بہت گراں گزرتے ہیں۔

اور بعض نے یوں کہا ہے کہ وہ ستر ہزار پردے جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے سب کے سب سیر آفاقی میں دور ہو جاتے ہیں کیونکہ ساتوں لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ دس دس ہزار پردوں کو دور کر دیتا ہے اور جب یہ سیر تمام ہو جاتا ہے تو پردے سب کے سب دور ہو جاتے ہیں اور سالک سیر فی اللہ سے مستحق ہو جاتا ہے اور مقام وصل میں پہنچ جاتا ہے- یہ ارباب ولایت کے سیر و سلوک کا حاصل اور ان کے کمال و تکمیل کا نسخہ جامع ہے اور اس بارے میں جو کچھ اس فقیر پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ظاہر کیا گیا ہے- تجھے جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ بے چون اور بے چگون ہے-- جس طرح آفاق سے وراء الورا ہے- اسی طرح انفس سے بھی وراء الورا ہے پس سیر آفاقی کو سیر الی اللہ کہنا اور سیر انفس کو سیر فی اللہ کہنا فضول ہے بلکہ سیر آفاقی اور سیر انفسی دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو آفاق و انفس سے کئی منزلیں دور اور ان سے وراء الوراء ہے--- پس آفاق کے آئینوں اور انفس کی جلوہ گاہوں میں حق تعالیٰ کی کچھ گنجائش نہیں اور جو کچھ ان میں ظاہر ہوتا ہے وہ بھی چند و چون کا مظہر ہے پس نفس و آفاق سے آگے گزرنا چاہیے-- جب تک انفس و آفاق سے باہر نہ نکلیں حق تعالیٰ کے اسماء صفات کی ظلیت کے معنی سمجھ میں نہیں آتے تو پھر اسماء و صفات تک وصول کیسے حاصل ہوگا-

فقیر مدتوں تک اس مقام میں ٹھہرا رہا اور ان کے قلیل و کثیر پر خوب غور کیا- آخر کار فضل خداوندی جلشانہ سے ظاہر ہوا کہ سب ظلال کے شعبدے اور شبح و مثال کی گرفتاری ہے- مطلوب ان سب سے ورا الوراء اور مقصود ان سے سوا ہے ناچار ان سب سے منہ پھر کر بے چون کی بارگاہ پاک کی طرف متوجہ ہوا اور مشہود ہوا ہے کہ ظلماتی پردوں کا دور ہونا امکان کے تمام مراتب طے کرنے یعنی سیر آفاقی اور سیر انفسی کے تمام ہونے سے وابستہ ہے اور نورانی پردوں کا دور ہونا حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی سیر پر موقوف ہے حتیٰ کہ نظر میں نہ اسم رہے اور نہ صفت اور نہ شان اور نہ اعتبار- اس وقت تمام نورانی پردے دور ہو جاتے ہیں اور وصل عریانی حاصل ہوتا ہے اور یہ وصل بہت ہی کم کسی کو حاصل ہوتا ہے اور ایسے وصل والا نہایت ہی عزیز الوجود ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ظلمانی پردوں میں مختلف اور متفاوت مرتبے ہیں جو اشتباہ کا سبب ہو جاتے ہیں--- یہ طریق کہ جس کے سلوک سے فقیر کو مشرف فرمایا ہے ایسا طریق ہے جو جذبہ و سلوک کا جامع ہے- وہاں تخلیہ اور تجلیہ باہم جمع ہیں اور تصفیہ و تزکیہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اس مقام میں سیر انفسی آفاقی کو شامل ہے- عین تصفیہ میں تزکیہ اور عین تجلیہ میں تخلیہ جذبہ سے سلوک حاصل ہوتا ہے اور انفس کو آفاق شامل ہے لیکن ذاتی تجلیہ اور جذب کے لیے ہے اور تزکیہ پر تصفیہ کی ذاتی سبقت ہے اور مدنظر و ملحوظ انفس ہے نہ آفاق یہی وجہ ہے کہ یہ راستہ سب راستوں سے اقرب اور

حصول کے نزدیک تر ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ طریقہ البتہ موصل ہے- موصل اس لیے ہے کہ اس راہ کا پہلا قدم جذبہ ہے جو وصل کی دہلیز ہے-- کیونکہ یہ سلوک طفیلی ہے جو جذبہ کے ضمن میں حاصل ہو جاتا ہے- یہاں نہ سلوک خاص ہے اور نہ جذبہ ناقص تاکہ سد راہ ہون- یہ وہ طریق ہے جو انبیاء علیھم اسلام کا شاہراہ ہے- یہ بزرگوار اس راستہ سے اپنے درجات کے موافق وصول کی منزلوں تک پہنچے ہین اور آفاق وانفس کو ایک قدم سے قطع کر کے دوسرا قدم آفاق وانفس کے آگے رکھا ہے اور اپنا معاملہ سلوک وجذبہ سے آگے لے گئے ہیں کیونکہ سلوک کی نہایت سیر آفاقی کی نہایت تک ہے اور جذبہ کی نہایت سیر انفسی کی نہایت تک جب سیر آفاقی وانفسی ختم ہوا سلوک وجذبہ کا معاملہ بھی تمام ہوا بعد ازاں نہ سلوک ہے نہ جذبہ--- یہ بات ہر مجذوب سالک اور سالک مجذوب کی سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ ان کے نزدیک آفاق وانفس کے آگے کوئی مرتبہ نہیں-

اپنی بلند فطرتی اور عالی ہمتی سے طریقت کی ابتدا سیر انفسی سے مقرر کی ہے اور سیر آفاقی کو اس کے ضمن میں قطع کر لیتے ہیں- ان کی عبارت میں سفر در وطن سے مراد یہی سیر ہے دوسروں کے سیر کی نہایت ان کے سیر کی ابتدا ہے اسی واسطے (بزرگواروں) نے فرمایا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے برتر ہے اور نسبت سے ان کی مراد حضور وآگاہی ہے چونکہ انفس وآفاقی اور جذبہ وسلوک کے آگے اولیاء کی ولایت کی گزرگاہ نہیں اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ جذبہ وسلوک اور آفاق وانفس کے باہر ولایت کا قدم گاہ نہیں ہے وہ اس لیے ہے کہ ولایت کے ان چاروں ارکان کے آگے کمالات نبوت کے مبادی اور مقدمات ہیں جس کے بلند درخت تک ولایت کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا--- بزرگواروں کے کام کی ابتدا جذب ومحبت الٰہی جلشانہ پر ہے- جب اللہ تعالیٰ کی عنایت بے غایت سے یہ محبت دم بدم غالب آجاتی ہے اور قوت وغلبہ پکڑتی جاتی ہے تو آہستہ آہستہ ماسوئی کی محبت زائل ہوتی جاتی ہے اور اغیار کی گرفتاری کا تعلق بتدریج دور ہوتا جاتا ہے اور جب صاحب دولت پر حق تعالیٰ کی محبت غالب آجاتی ہے اور ماسوئی کی محبت بالکل زائل ہو کر اس کی جگہ حق تعالیٰ کی محبت اور گرفتاری آجاتی ہے تو اس کے برے اوصاف اور ردی اخلاق سب دور ہو جاتے ہیں اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو کر مقامات عشرہ کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے اور جو کچھ سیر آفاقی سے تعلق رکھتی ہے سلوک اور ریاضتوں اور مجاہدوں کی تکالیف کے بغیر اس کو میسر ہو جاتا ہے کیونکہ محبت محبوب کی اطاعت چاہتی ہے جب محبت کامل ہو جائے تو اطاعت بھی کامل طور پر حاصل ہو جاتی ہے- جب محبوب کی اطاعت قوت بشری کے اندازہ کے موافق پورے طور پر حاصل ہو جائے تو مقامات عشرہ حاصل ہو جاتے ہیں اور اسی سیر محبوبی سے جس طرح سیر آفاقی تمام ہو جاتا ہے سیر

انفسی بھی ختم ہو جاتا ہے۔۔۔ان بزرگواروں کا سرمایہ محبت ہے جس کو محبوب کی اطاعت لازم ہے اور محبوب کی اطاعت شریعت کی تابعداری پر موقوف ہے جو اللہ تعالیٰ کی نزدیک پسندیدہ دین ہے پس کمال محبت کی علامت شریعت کی کمال اطاعت شریعت کی تابعداری پر موقوف ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے پس کمال محبت کی علامت شریعت کی اطاعت ہے اور شریعت کا کمال اطاعت علم وعمل اور اخلاص پر منحصر ہے۔

سلوک وجذبہ کی سیر سے مقصد یہ ہے کہ نفس ان ردی اخلاق اور اوصاف رذیلہ سے جن کا رئیس انفس کی گرفتاری اور انفس کی مرادوں اور خواہشات کا حاصل ہونا ہے پاک وصاف ہو جائے۔ پس سیر انفسی بڑی ضروری ہے کیونکہ اس کے سوا صفات رذیلہ سے صفات حمیدہ تک جانے کا اور کوئی راستہ نہیں سیر آفاقی مقصود سے خارج ہے۔۔۔پس سیر انفسی ضروری ہے اور سیر آفاقی اس کے ضمن میں اس کی طفیل میسر ہو جاتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ سیر آفاقی سیر انفسی میں قطع ہو جاتا ہے اور سالک اسی ایک سیر سے اپنی گرفتاری اور دوسروں کی گرفتاری سے بھی نجات پاتا ہے۔ ذرا غور سے سنو! کہ سالک کے آئینہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا ظہور جو سیر انفسی میں انہوں نے کیا ہے اور اس کو تجلیہ بعد تخلیہ سمجھے ہیں درحقیقت وہ ظہور اسماء صفات کا ظہور اور تجلیہ بعد تخلیہ نہیں ہے بلکہ اسماء وصفات کے ظلال میں کسی ظلال کا ظہور ہے جس سے تجلیہ اور تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔

ذوق کی کیفیت: (مکتوب ۴۳ دفتر دوم) وہ ذوق جو ان کے فہم میں آتا ہے ظاہر کا ذوق ہے جو عالم چون سے ہے یہی وجہ ہے کہ سماع ورقص اور نعرہ واضطراب وغیرہ جو ظاہری احوال واذواق میں ان کے نزدیک بڑے نایاب اور عظیم القدر ہیں بلکہ اکثر اوقات اذواق ومواجید کو ان ہی امور پر منحصر جانتے ہیں اور ولایت کے کمالات ان ہی امور کو سمجھتے ہیں۔

اس طریقہ علیہ کے مبتدی رشید یافت کا ذوق ثابت کرتے ہیں اور انعکاس کے طور پر نہایت کا پرتو مبتدی رشید کے باطن میں ڈالتے ہیں۔ اس سے طریقہ علیہ نقشبندیہ کی بلندی اور ان کی نسبت کی رفعت معلوم ہوتی ہے۔ مریدوں اور طالبوں کے حق میں ان بزرگواروں کا کمال اہتمام اور حسن تربیت مفہوم ہوتا ہے۔ پہلے ہی قدم میں جو کچھ خود رکھتے ہیں مرید رشید اور طالب صادق کے حوصلے کے موافق عطا فرماتے ہیں اور جبی تعلق اور ارتباط کے باعث توجہ اور انعکاس سے اس کی تربیت کرتے ہیں اس طریق میں شیخ منتہی اپنی توجہ اور تصرف سے اپنی نہایت کی دولت کی چاشنی انعکاس کے طور پر مبتدی رشید

کو عطا فرماتا ہے اور ہدایت میں اپنی نہایت کا نمک ملا دیتا ہے- اس میں کونسی مساوات اور کونسا مشتبہ ہے-

پیری مریدی: (مکتوب ۱۸ دفتر دوم) طریقہ علیہ نقشبندیہ میں پیری مریدی طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر موقوف ہے نہ کہ کلاہ وشجرہ پر جیسے کہ دوسرے سلسلوں میں متعارف اور مشہور ہے- ان بزرگواروں کا طریق صحبت ہی صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے- اسی واسطے ان کی ابتداء میں دوسروں کی نہایت (انتہا) مندرج ہے اور سب راستوں سے زیادہ قریب یہی راستہ ہے- ان کی نظر دل کے امراض کو شفا بخشتی ہے اور ان کی توجہ باطنی بیماریوں کو دور کرتی ہے-

عالم مثال کے علوم و معارف: (مکتوب ۵۸ دفتر دوم) واضح ہو کہ عالم مثال تمام عالموں سے زیادہ فراخ ہے- جو کچھ تمام عالموں میں ہے اس کی صورت عالم مثال میں ہے معقولات و معانی سب وہاں صورت رکھتے ہیں- بزرگوں نے کہا کہ حق تعالیٰ کے لیے مثال نہیں وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) کے مطابق مثال ہے- تنزیہ صرف کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں مثال بھی نہیں"- عالم صغیر میں عالم مثال کا نمونہ خیال ہے کیونکہ تمام اشیاء کی صورت خیال میں متصور ہے- خیال ہی سالک کے احوال و مقامات کی کیفیات کو مختلف صورتوں میں سالک کے سامنے ظاہر کرتا ہے اور صاحب علم بنا دیتا ہے- اگر خیال نہ ہو جس جگہ خیال نہ پہنچ سکتا ہو وہاں سامنے ظاہر کرتا ہے اور صاحب علم بنا دیتا ہے- اگر خیال نہ ہو یا جس جگہ خیال نہ پہنچ سکتا ہو وہاں جہل لازم ہے- یہی وجہ ہے- جہاں عقل نہیں خیال کی بھی وہاں گنجائش نہیں--- جب صورت تنزیہی عالم مثال میں نہیں آ سکتی جیسے کہ گزر چکا تو خیال میں جو مثال کا پرتو ہے صورت تنزیہی کس طرح متصور ہو سکتی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی اور جہاں علم ہے وہاں گفتگو بھی ہے- پس زبان درازی ظلال میں ہوتی ہے اور زبان کی گنگی مراتب ظلال سے اوپر ہوتی ہے- خواہ فعل ہو یا صفت اسم ہو یا مسمی پس جو کچھ خیالات کا اپنا بنایا ہوا ہے چونکہ وہ ظلال سے ہے اس لیے وہ معلول اور جعلی طور سے بنایا ہوا ہے لیکن چونکہ مطلوب کے علامت و آثار سے ہے اس لیے علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے اس سے زیادہ کچھ فائدہ نہیں دیتا- عین الیقین اور حق الیقین ظلال و خیال سے وراء الوراء ہے

خیال کی تراش سے تب ہی نجات مل سکتی ہے جبکہ سیر انفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پیچھے چھوڑ دیں اور انفس و آفاق سے آگے جولان کریں- یہ بات اکثر اولیاء اللہ کو مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے- جب تک زندہ رہتے ہیں خیال ان کا دامن گیر رہتا ہے اور بزرگواران اولیاء میں سے بہت کم لوگوں کو یہ دولت

جہان بھی میسر ہو جاتی ہے اور وہ خیال کے تصرف سے نکل جاتے ہیں۔ اس وقت تجلی برقی ان بزرگواروں کے حق مین دائمی ہو جاتی ہے اور وصل عریانی پر توڑ ڈالتا ہے۔

اس قسم کے وہ واقعات (جورویت میں اپنے آپ کو بادشاہ یا قطب دیکھتے ہیں) ان میں استعداد پائی جاتی ہے لیکن ضعیف ہوتی ہے۔ اس لائق نہیں کہ عالم شہادت میں ظہور پائے۔ اگر یہ معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قوت پا جائیں تو اس بات کے لائق ہو جائیں گے کہ عالم شہادت میں ظہور پیدا کریں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بادشاہ یا قطب بن جائیں۔

وہ واقعات جو اس راہ کے طالب دیکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مقامات عالیہ میں پاتے ہیں اگر یہ معنی عالم شہادت میں ظہور پیدا کریں تو بڑی اعلیٰ دولت ہے اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفایت کریں تو لا حاصل ہے پس واقعات پر اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ عالم شہادت میں جو کچھ حاصل ہو جائے اس کو اپنا سمجھنا چاہیے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم واقعات کا اعتبار نہیں کرتے اور طالبوں کے واقعات کی تعبیر کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ معتبر وہی ہے جو آفاقہ اور بیداری میں حاصل ہو۔

مرتبہ حق الیقین: (مکتوب ۵ دفتر اول) حاصل کلام یہ ہے کہ بقا سے پہلے جہالت محض ہے اور بقا کے بعد جہالت اور علم دونوں اکٹھے ہیں۔ عین نادانی کی حالت شعور میں ہے اور عین الیقین ہے۔ جہاں علم و عین ایک دوسرے کے حجاب نہیں ہیں اور علم جو ایسی حالت سے پہلے حاصل ہوتا ہے احاطہ اعتبار سے خارج ہے۔ اس حالت کے باوجود اگر علم ہے تو اپنے آپ میں ہے۔ اگر شہود ہے تو وہ بھی اپنے آپ میں ہے اگر معرفت یا حیرت ہے وہ بھی اپنے آپ ہی میں ہے۔ جب تک نظر باہر میں ہے بے حاصل ہے اگرچہ اپنے آپ ہی میں نظر رکھی ہو۔ نظر باہر سے بالکل منقطع ہو جانی چاہیے۔۔۔ شہود اور معرفت اور حیرت صرف اپنے نفس میں ہے ان میں سے کوئی بھی (باہر) میں نہیں ہے۔ جب تک ان تینوں میں سے ایک بھی باہر میں ہے اگرچہ اپنے آپ میں رکھتا ہو فنا حاصل نہیں ہوتی تو بقا کیسے حاصل ہو گی۔ فنا اور بقا میں نہایت مرتبہ یہی ہے اور یہ فنا مطلق ہے اور مطلق فنا عام ہے اور بقا فنا کے اندازے کے موافق ہے۔ اسی واسطے بعض اہل اللہ فنا اور بقا کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد باہر میں بھی شہود رکھتے ہیں لیکن ان عزیزوں یعنی مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کی نسبت تمام نسبتوں سے برتر ہے۔ جب اس سلسلہ کے بڑے بڑے مشائخ میں سے ایک یا دو کو بہت سے قرنوں کے بعد اس نسبت سے مشرف کرتے ہیں تو دوسرے سلسلوں کی نسبت کیا بیان کیا جائے۔

یہ نسبت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی ہے اور اسی نسبت کو پورا اور کامل کرنے والے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہم ہیں اور ان کے خلفاء میں حضرت علاؤالدین قدس سرہم اس دولت سے مشرف ہوئے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ خاص: (مکتوب ۷ دفتر اول)

عرض کیا تھا کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں اس واسطے آیا ہوں کہ تجھ کو آسمانوں کا علم سکھاؤں اور جب میں اچھی طرح متوجہ ہوا تو تمام خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان اس مقام کو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مخصوص پایا۔

مقام عبدیت - (مکتوب ۹ دفتر اول) پس یہی وجہ ہے کہ مقام عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے کیونکہ یہ معنی مقام عبدیت میں کامل اور پورے طور پر پائے جاتے ہیں۔ محبوبوں کو اس مقام سے مشرف فرماتے ہیں۔۔۔ بندگی میں لذت حاصل ہونا اور اس کے ساتھ انس پکڑنا محبوبوں کے ساتھ مخصوص ہے محبوں کے انس محبوب کے مشاہدہ میں ہے۔ محبوبوں کا انس محبوب کی بندگی میں۔ اسی انس کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ اس میدان کے تیز رفتار شہسوار اور دین و دنیا کے سردار اور اولین و آخرین کے سردار حبیب رب العالمین ﷺ ہیں اور جس کسی کو محض اپنے فضل سے یہ دولت بخشنا چاہتے ہیں اس کو آنحضرت ﷺ کی کمال متابعت عنایت فرماتے ہیں اور اس وسیلے سے اس کو بلند درجے پر لے جاتے ہیں۔

قُربْ اور وصل: (مکتوب ۱۰ دفتر اول) عجب معاملہ ہے کہ بُعد کا نام قرب رکھا ہے اور نہایت فراق کو وصل کہتے ہیں پس اس واسطے ہمیشہ کا غم اور دائمی فکر دامنگیر ہے۔ مراد کو بھی آخر کار مرید کی ارادت پر مرید ہونا پڑتا ہے اور محبوب کی محبت پر محب ہونا پڑتا ہے۔ محب محبت کے بوجھ کو اٹھا سکتے ہیں محبوبوں کو اس بوجھ اٹھانا دشوار ہے۔ یہ قصہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔

بندگی: (مکتوب ۳۰ دفتر اول) جب حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے میدان میں سخن کی مجال نہیں ہے تو پھر ہم اپنی بندگی کے مقام اور ذلت و عاجزی کی نسبت گفتگو کرتے ہیں۔ انسانی پیدائش سے مقصود وظائف بندگی کا ادا کرنا ہے اور اگر ابتدا میں اور وسط میں کسی کو عشق و محبت بھی ذاتی مقصود نہیں ہیں بلکہ مقام عبودیت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ انسان خدا تعالیٰ کا بندہ اس وقت ہوتا ہے جب ماسوائے اللہ کی گرفتاری اور بندگی سے پورے طور پر خلاصی پا جائے اور عشق و محبت صرف اس انقطاع کا وسیلہ ہیں۔ اس واسطے مراتب ولایت میں سے نہایت کا مرتبہ مقام عبدیت ہے اور ولایت کے درجات میں مقام عبدیت

سے اوپر کوئی مقام نہیں - اس مقام میں بندہ اپنے مولیٰ کے ساتھ اپنے لیے کوئی نسبت نہیں پاتا مگر بندے کی طرف سے احتیاج اور مولیٰ کی طرف سے آرزوئے ذات اور وصف سے پوری پوری استغنا -- یہ نہیں کہ اپنے آپ کو اس کی ذات کے ساتھ اور اپنی صفات کو اس کی صفات کے ساتھ اور اپنے افعال کو اس کے افعال کے ساتھ کسی وجہ سے مناسب جانے - ظلیت کے اطلاق بھی من جملہ مناسبات سے ہے - اس سے بھی پاک اور منزہ بناتے ہیں اور حق تعالیٰ کو خالق اور اپنے آپ کو مخلوق جانتے ہیں نقشبندی بزرگوار جن کو توحید فعلی اثنائے راہ میں حاصل ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی کو فاعل نہیں پاتے جانتے ہیں کہ ان افعال کا پیدا کرنے والا واحد حق تعالیٰ ہے نہ کہ ان افعال کا اختیار کرنے والا کیونکہ یہ بات خود نزدیک ہے زندقہ اور الحاد تک پہنچا دیتی ہے --- صریح حق یہی ہے کہ فاعل بے شمار ہیں اور افعال کا خالق ایک ہی ہے اور ایسی ہی وہ کلام ہے جو بعض صوفیہ نے توحید وجودی میں کہی ہے - وہ بھی سکر وقت اور غلبہ حال پر مبنی ہے -

علم الدنی: (مکتوب ۳۰ دفتر اول) علم الدنی کے درست اور صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرعی کے مطابق ہوں اگر بال بھر بھی متجاوز ہو تو وہ سکر ہے اور حق وہی ہے جو علمائے اہل سنت نے تحقیق کیا ہے اور اس کے سوا زندقہ یا الحاد یا سکر وقت یا غلبہ حال اور یہ تمام مطابقت مقام عبدیت میں میسر ہے - اس کے ماسوائے میں ایک قسم کا سکر ثابت ہے کسی نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے سوال کیا کہ سلوک سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اجمالی معرفت تفصیلی ہو جائے اور استدلالی کشفی سے بدل جائے اور یہ نہ فرمایا کہ معارف شرعیہ سے زیادہ کوئی اور معرفت حاصل کی جائے جس طرح نبی ﷺ ان علوم کو بذریعہ وحی اخذ کرتے تھے - یہ بزرگوار الہام کے طور پر ان علوم کو اصل یعنی حق تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں - علماء نے ان علوم کو شرائع سے اخذ کر کے اجمال کے طریق پر بیان کیا ہے - یہ علوم جس طرح انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تفصیلی اور کشفی طور پر حاصل تھے ان کو بھی اسی طرح پر حاصل ہوتے ہیں - فرق درمیان میں صرف اصالت اور تبعیت کا ہے - اس قسم کے کمال کے لیے اولیاء میں سے بعض کو قرنوں اور زمانوں کے بعد منتخب فرماتے ہیں -

جواہر خمسہ: (مکتوب ۳۴ دفتر اول) جواہر خمسہ جو اہل فلسفہ نے ثابت کیے ہیں سب عالم خلق میں ہیں - نفس و عقل کو جو مجردات سے گنتے ہیں - یہ ان کی نادانی ہے - نفس ناطقہ خود یہی نفس امارہ ہے جو تزکیہ کا محتاج ہے اور بالذات اس کی ہمت کمینہ پن اور پستی کی طرف ہے - عالم امر سے اس کو کیا نسبت اور تجرد کو اس سے کیا مناسبت --- عالم امر کی ابتداء مرتبہ قلب سے ہے اور قلب کے اوپر روح اور روح کے

اوپر سر اور سر کے اوپر خفی اور خفی کے اوپر اخفی ہے- ان پنجگانہ عالم امر کو جواہر خمسہ کہیں تو مناسب ہے- کوتاہ نظری سے چند ٹھیکریوں کو جمع کر کے فلسفیوں نے ان کا نام جواہر رکھا ہے- عالم امر کے ان جواہر خمسہ کا ادراک کرنا اور ان کی حقیقت پر اطلاع پانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے کامل تابعداروں کے نصیب ہے- جب عالم صغیر یعنی انسان میں عالم کبیر کا نمونہ ہے تو عالم کبیر میں بھی ان جواہر خمسہ کے اصول ثابت ہیں- انسان کے دل کی طرح عرش مجید عالم کبیر کے ان جواہر کا مبداء ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قلب کو بھی عرش اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اور جواہر پنجگانہ کے باقی مراتب عرش کے اوپر ہیں--- ان جواہر خمسہ کی حقیقت پر اطلاع پانا اولیاء اللہ میں سے کامل افراد کے لیے مسلم ہے جو مراعب سلوک کو مفصل طور پر طے کر کے نہایت النہایت تک پہنچ گئے ہیں--- جاننا چاہیے کہ ان جواہر کی ابتدا صفات اضافیہ سے ہے جو وجوب اور امکان کے درمیان برزخوں کی طرح ہیں اور ان کے اوپر صفات اضافیہ ہیں جن کی تجلیات سے روح کو حصہ حاصل اور قلب کا تعلق صفات اضافیہ سے ہے اور ان کی تجلیات سے مشرف ہے اور ان جواہر علیہ میں سے باقی جواہر جو صفات حقیقیہ کے اوپر ہیں حضرت ذات تعالیٰ کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں اس لیے ان تینوں مراتب کی تجلیات کو تجلیات ذاتیہ کہتے ہیں جن کی نسبت گفتگو کرنا اچھا نہیں-

سیر وسلوک: (مکتوب ۳۵ دفتر اول) سیر وسلوک سے مقصود نفس امارہ کا تزکیہ اور پاک کرنا ہے تاکہ جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو نفسانی خواہشات کے وجود سے پیدا ہوتی ہیں نجات حاصل ہو جائے اور حقیقت میں خدائے واحد برحق کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے اور دینی یا دنیوی مقصدوں اور مطلبوں سے کوئی مقصود و مطلب اختیار نہ کریں-

عذاب وثواب: دینی مقصود ہر چند نیک ہیں لیکن یہ ابرار کا کام ہے- مقربین ان کو برائیاں جانتے ہیں اور سوائے واحد برحق کے اور کوئی اپنا مقصود خیال نہیں کرتے- یہ دولت فنا کے حاصل ہونے اور محبت ذاتی ثابت ہونے پر منحصر ہے کہ اس مقام میں انعام وایلام برابر ہیں- عذاب میں وہی لذت ہے جو انعام میں ہے- اگر بہشت کو چاہتے ہیں تو اس لیے کہ رضا کا مقام ہے اور اس کے طلب کرنے میں خدا تعالیٰ کی مرضی ہے اور دوزخ سے پناہ اس واسطے مانگتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے نہ تو بہشت سے ان کا مقصود نفس کی لذت کا طلب کرنا ہوتا ہے اور نہ ہی دوزخ سے پناہ مانگنا رنج ومحنت کے باعث کیونکہ جو کچھ محبوب سے آئے ان بزرگواروں کے لیے نزدیک مرغوب اور عین مطلب ہے-

اہل بیت اور سلسلہ نقشبندیہ: (مکتوب ۴۵ دفتر اول) یہ نسبت علیہ جو اس ملک (پاک و

ہند) میں بہت غریب ہے اور اس نسبت والے لوگ ان ملکوں میں بہت تھوڑے ہیں چونکہ اہل بیت کی نسبت کی طرح ہے تو اس کا مربی بھی اہل بیت ہی سے ہونا مناسب ہے اور اس کی تقویت کے لیے بھی ان ہی نسبت والوں سے ہونا بہتر ہے تاکہ اس بڑی دولت کی تکمیل غیر کے حوالے نہ ہو جائے۔

نقشبندیہ راہ سلوک: (مکتوب ۵۸ دفتر اول) یہ راہ جس کے طے کرنے کے ہم در پے ہیں انسان کے ساتھ لطیفوں کے موافق سب سات قدم ہے۔ دو قدم عالم خلق میں ہیں جن کا تعلق قالب اور نفس کے ساتھ ہے اور پانچ قدم عالم امر میں ہیں جو قلب روح سیر خفی اور اخفی کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان سات قدموں مین سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے پھاڑنا پڑتے ہیں خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی۔ پہلے قدم میں جو عالم امر میں لگاتے ہیں تجلی افعال ہوتی ہے۔ دوسرے قدم پر تجلی صفات۔ تیسرے قدم پر تجلیات ذاتیہ کا شروع آجاتا ہے درجوں کے تفاوت کے لحاظ سے ترقی ہوتی جاتی ہے اور ان سات قدموں سے ہر ایک قدم پر اپنے آپ سے دور ہوتا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے حتی کی ان قدموں کے تمام ہونے تک قرب بھی پورا ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد فنا اور بقا سے مشرف ہوتے ہیں اور ولایت خاصہ کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس سرہم نے برخلاف دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے اس سیر کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے اور عالم خلق بھی اسی سیر کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں۔ اسی واسطے طریقہ نقشبندیہ سب طریقوں سے اقرب ہے یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان کی ابتدا میں مندرج ہے۔ ان بزرگواروں کا طریقہ بعینہ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریق ہے کیونکہ اصحاب کبار کو حضرت سید البشر ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں انتہا کے ابتداء میں مندرج ہونے کے طریق پر وہ کچھ حاصل ہو جاتا تھا جو امت کے کامل اولیاء کو انتہا میں بھی حاصل ہونا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی جو ایک ہی دفعہ خیر البشر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ حضرت خواجہ اویس قرنیؒ سے جو سب تابعین سے بہتر ہیں کئی درجے افضل ہے۔

(مکتوب ۱۴۵ دفتر اول) طریقہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس سرہم نے سیر کی ابتداء عالم امر سے اختیار کی ہے اور عالم کو اس سیر کے ضمن میں قطع کر لیتے ہیں برخلاف دوسرے طریقوں کے مشائخ کے کہ ان کی سیر کی ابتداء عالم خلق سے ہے اور عالم خلق طے کرنے کے بعد عالم امر میں قدم رکھتے ہیں اور مقام جذبہ میں پہنچتے ہیں۔ ۔۔۔۔ اس طریقہ نقشبند کے بعض طالب باوجودیکہ ان کے سیر کی ابتداء عالم امر سے ہے جلدی متاثر نہیں ہوتے اور لذت و حلاوت جو جذبہ کا مقدمہ ہے جلدی حاصل نہیں کرتے اس کی وجہ

یہ ہے کہ عالم امر ان میں عالم خلق کی نسبت ضعیف واقع ہوا ہے اور یہی ضعف جلدی متاثر ہونے کا مانع ہے اور یہ تاثیر کا دیر سے ہونا تب تک متحقق ہے جب تک عالم امر ان میں عالم خلق پر قوی نہ ہو جائے۔ اس ضعف کا علاج اس طریقہ علیہ کے مناسب کسی کامل تصرف والے کا تصرف تام ہے اور وہ علاج جو دوسرے طریقوں کے مناسب ہے پہلے تزکیہ نفس اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے ہیں جو شریعت کے موافق ہوں اور معلوم رہے کہ تاثیر کا دیر سے ہونا استعداد کم ہونے کی علامت نہیں ہے۔ اکثر کامل استعداد والے لوگ بھی اس بلا میں مبتلا رہتے ہیں۔

(مکتوب ۱۴۷ دفتر دوم) مشائخ طریقت قدس سرہم میں سے بعض/ نے توڑنے کو جوڑنے پر مقدم رکھا ہے۔ تیسرا گروہ توقف کی طرف گیا ہے۔ یہ راقم السطور (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کہتا ہے کہ توڑنا اور جوڑنا ایک ہی وقت میں ثابت ہو جاتے ہیں۔ جائز نہیں کہ توڑنا اور جوڑنا جدا ہوں اور جوڑنا بغیر توڑنے کے ظاہر ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر پوشیدگی ہے تو تقدم ذاتی اور ایک دوسرے کی علت ہونے کے تعین میں ہے۔ بہر حال گستن (توڑنا) اور پیوستن (جوڑنا) کا مظہر ہونا چاہیے کہ مرتبہ ولایت ان ہی دو مرتبوں سے وابستہ ہے۔ مرتبہ اول سیر الی اللہ سے وابستہ ہے اور دوسرا مرتبہ سیر فی اللہ سے اور ان دونوں سیروں کے مجموعہ سے درجات کے اختلاف کے موافق مرتبہ ولایت وکمال تک پہنچ جاتے ہیں اور دوسرے دو سیر تکمیل حاصل کرنے اور درجہ دعوت تک پہنچنے کے لیے ہیں۔

(مکتوب ۵۴ دفتر اول) سیر آفاقی بُعد در بُعد اور سیر انفسی قرب در قرب ہے۔ اگر شہود ہے تو اپنے آپ میں اگر معرفت ہے تو وہ بھی اپنے آپ میں اگر حیرت ہے تو وہ بھی اپنے آپ ہی میں ہے۔ اپنے سے باہر کوئی قدم گاہ نہیں کوئی سادہ دل اس مقام میں حلول یا اتحاد نہ سمجھ لے اور گمراہی کے بھنور میں غرق ہو جائے۔

(مکتوب ۲۰۰ دفتر اول) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ''لمحات'' کی مشکل عبارات کی تشریح کرنے کے بعد سلوک اور ''نا سلوک'' کے بارے میں فرمایا ہے طریقہ نقشبندیہ کے بزرگوں قدس سرہم نے اسی ''نا سلوک'' راستہ کو اختیار کیا ہے اور یہ غیر مقرر رستہ ان بزرگواروں کے طریقہ میں مقررہ رہ بن گیا ہے اور بے شمار لوگ اسی راہ سے توجہ اور تصرف کے ساتھ مطلب تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طریق کے لیے وصول لازم ہے۔ بشرطیکہ پیر مقتداء کے آداب کو مدنظر رکھا جائے کیونکہ اس طریق میں بوڑھے اور جوان۔ عورتیں اور بچے وصول میں برابر ہیں بلکہ مردے بھی اس دولت سے امیدوار ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے۔

''میں نے حق تعالیٰ سے ایسا طریق مانگا ہے جو بے شک موصل ہے''

(مکتوب ۲۲۹ دفتر اول) ہمارا طریق حضرت ایشاں یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا طریق ہے اور ہماری نسبت آنحضرت ﷺ کی شریف نسبت ہے۔ اس طریق سے بڑھ کر عالی اور کونسا طریق ہے اور اس نسبت سے زیادہ بہتر اور مناسب اور کونسی نسبت ہے کہ کوئی اختیار کرے۔ حضرت شیخ علاء الدین قدس سرہ کا مقولہ ہے۔

''واسطے اور وسیلے جس قدر زیادہ ہوں اسی قدر رستہ زیادہ نزدیک اور روشن ہوگا''

(مکتوب ۲۴۳ دفتر اول) بہت ہی بہتر اور مناسب طریقہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے اس طریق میں سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا ہے۔ جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے اگرچہ بظاہر اس کا نفع باطن میں معلوم کریں اور عزیمت کو نہیں چھوڑتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں مضر جانیں انہوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور ذوق و معارف کو علوم دینیہ کے خادم جانتے ہیں اور صوفیہ کی بے فائدہ باتوں پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی اور ان کا وقت استمراری ہے۔ ماسوا اللہ کے نقوش ان کے باطن سے اس طرح محو ہو جاتے ہیں اگر ماسویٰ کے حاضر کرنے میں ہزار سال تک توقف کریں تو بھی میسر نہ ہو اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لیے برق کی طرح ہے اور ان بزرگواروں کے لیے دائمی ہے اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان عزیزوں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے اور انکی نسبت جو حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب ہے تمام مشائخ کی نسبتوں سے بڑھ کر ہے لیکن کسی کا فہم ان کے مذاق تک نہیں پہنچتا بلکہ ممکن ہے کہ اس طریقہ علیہ کے کم ہمت لوگ بھی ان کے بعض کمالات سے انکار کریں۔

(مکتوب ۲۵۰ دفتر اول) نسبت جس قدر جہالت (لاعلمی) اور حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دور تر ہو اسی قدر اصیل ہے اور مقصود حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے اس لیے اس مقام میں عجز و جہل (لاعلمی) کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ جہل (لاعلمی) معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور عجز کا نام ادراک رکھتے ہیں۔ اب تاثیر جسدی نہیں رہی لیکن تاثیر روحی زیادہ تر حاصل ہوگئی ہے ہر ایک شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ (ایک سوال کے جواب میں)

(مکتوب ۲۵۱ دفتر اول) اولیا کے تمام سلسلوں کے درمیان سلسلۂ علیہ نقشبندیہ حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب ہے پس صحو کی نسبت ان میں غالب ہوگی اور ان کی دعوت اتم ہوگی اور حضرت صدیق

اکبرؓ کے کمالات ان پر ظاہر ہوں گے۔۔۔میرا خیال ہے کہ حضرت مہدی موعود جو ولایت کی اکملیت کے لیے مقرر ہیں ان کو یہ نسبت حاصل ہوگی اور اس سلسلے کی تقسیم و تکمیل فرمائیں گے کیونکہ تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبت علیہ کے نیچے ہے۔۔۔یہ ولایت حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب ہونے کے باعث ان کمالات سے وافر حصہ رکھتی ہے۔طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میری امت میں سے برے وہ لوگ ہیں جو میرے اصحاب پر دلیر ہوں۔

(مکتوب ۲۶۰ دفتر اوّل) جاننا چاہیے کہ یہ دائرہ ظلال انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوۃ والسلام کے سوا تمام مخلوقات کے مبادی تعینات کو متضمن ہے اور ہر ایک اسم کا ظل ہر شخص کا مبدء تعین ہے حتی کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا جو انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے اشرف ہیں مبدء تعین اس دائرہ کے اوپر کا نقطہ ہے۔

(مکتوب ۲۶۰ دفتر اول) جب سالک اس اسم جو اس کا مبدء تعین ہے پہنچ جاتا ہے تو اس وقت سیر الی اللہ کو تمام کو لیتا ہے۔

(بعض نے کہا ہے) اس اسم سے مراد اسم الٰہی جلشانہ کا ظل اور اسم کی جزئیات میں سے ایک جز ہے نہ کہ اس اسم کا اصل اور یہ دائرہ ظل حقیقت میں مرتبہ اور اسماء و صفات کی تفصیل ہے مثلاً علم ایک حقیقی صفت ہے جس کی بہت سی جزئیات ہیں ان جزئیات کی تفصیل اس صفت کے ظلال میں سے ہے۔جو اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور اس صفت کی ہر ایک جزئی انبیائے کرام و ملائکہ عظام کے سوا باقی اشخاص میں سے ہر ایک شخص کی حقیقت ہے اور انبیاء و ملائکہ کے مبادی تعنیات ان ضلال کے اصول یعنی ان مفصلہ جزئیات کی کلیات ہیں اور یہ جو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ حقیقت محمدی تعین اول ہے جو حضرت اجمال ہے اور اورحدت کے نام سے موسوم ہے ان کی مراد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوئی ہے یہ ہے کہ ان کی مراد اسی دائرہ ظل کا مرکز ہے اس دائرہ ظل کو تعین اول سمجھتے ہیں اور اس کے مرکز کو اجمال جان کر اس کا نام وحدت رکھا ہے اور اس مرکز کی تفصیل کو جو اس دائرہ کا محیط ہے احدیت گمان کیا ہے اور دائرہ ظل کے مقام فوق کو جو اسماء و صفات کا دائرہ ہے ذات بے چون جو تعین سے مبرا ہے تصور کیا ہے کیونکہ انہوں نے صفت کو عین ذات کہا ہے اور ذات پر زائد نہیں جانا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس دائرہ ظل کے مرکز دائرہ فوق کے مرکز کا ظل ہے۔حقیقت محمدی اس دائرہ اصل کا مرکز ہے جو اسماء و

شیونات کا اجمال ہے اور اس دائرہ میں ان اسماء وصفات کی تفصیل احدیت کا مرتبہ ہے...... جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی اور تجلی ایک قسم کی حالت چاہتی ہے اس لیے اس مقام میں شیون کے ملاحظہ سے چارہ نہیں۔ پس یہ منازل وصول اور مراتب حسن دائرہ اسماء شیونات میں داخل ہیں لیکن وہ امر جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ تجلیات وظہورات کے ماوراء ہے خواہ وہ تجلیات ذاتی ہوں خواہ صفاتی اور حسن و جمال کے ماوراء ہے خواہ وہ حسن ذاتی ہو خواہ صفاتی۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں۔ اسم ظاہ اور اسم ظاہر اور اسم باطن کے دو پروں کے حاصل ہونے کے بعد پرواز میسر ہوا اور عروج واقع ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیات اصالت کے طور پر عنصر ناری اور عنصر ہوائی اور عنصر آبی کے نصیب ہیں بلکہ ملائکہ کرام کو بھی ان عناصر سہ گانہ سے نصیب حاصل ہے جیسے کہ وارد ہوا ہے کہ بعض ملائکہ اگ اور برف سے مخلوق ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے جل شانہٗ میں علم حصول اور علم حضوری کا اطلاق مثال اور نظیر کے اعتبار سے ہے۔ لطائف انسانی خواہ وہ عالم امر سے ہوں خواہ عالم خلق سے سب اس مقام میں اسی عنصر پاک کے تابع ہیں اس کی طفیل اس دولت سے مشرف ہیں اور چونکہ یہ عنصر کو حاصل ہوا ہے اور ولایت کے مرتبہ ہبوط میں کلی طور پر خلق کی طرف نہیں ہے بلکہ اس کا باطن رو بہ حق ہے اور اس کا ظاہر رو بہ خلق۔ اے فرزند جان لے کہ جب طریقہ نقشبندیہ میں سیر کی ابتداء قلب سے ہے جو عالم امر سے ہے تو بات کی ابتداء بھی عالم امر سے ہے۔

طریق نقشبند میں ولایت کے درجات: (مکتوب ۲۶۰ دفتر اول) ولایت کا درجہ اول حضرت آدم علیٰ مینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے اور ان کا رب صفت التکوین ہے جو افعال کے صادر ہونے کا منشاء ہے اور درجہ دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں مشارکت رکھتے ہیں اور ان کا صفت العلم ہے جو صفات ذاتیہ میں سے اجمع ہے درجہ سوم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ ان کا رب مقام شیونات سے شان الکلام ہے اور درجہ چہارم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ ان کا رب صفات سلبیہ سے ہے جو مقام تقدس و تنزیہ ہے نہ صفات ثبوتیہ سے اور اکثر ملائکہ کرام اس مقام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان کو اس مقام میں شان عظیم حاصل ہے اور درجہ پنجم خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ ان کا رب...... رب الارباب ہے جو صفات وشیونات وصفات میں اس رب جامع کی تعبیر شان علم کے ساتھ مناسب ہے کیونکہ یہ شان عظیم الشان تمام کمالات کا جامع ہے۔ اس مناسبت کے سبب آنحضرت ﷺ کی ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہوئی اور ان کا قبلہ ان کا قبلہ بنا...... جاننا چاہیے کہ اقدام ولایت کا

ایک دوسرے سے افضل ہونا درجوں کے مقدم و موخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے تا کہ صاحب اخفیٰ دوسروں سے افضل ہو بلکہ اصل سے قریب و بعید ہونے اور درجات ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے پس ہو سکتا ہے کہ صاحب قلب اصل سے قریب ہونے کے اعتبار سے صاحب اخفیٰ سے جس کو یہ قرب حاصل نہیں افضل ہو اور کیونکر نہ ہو جب کہ نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجہ اول میں ہے اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو اخیری درجہ میں ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک کرنا یعنی قلب سے روح اور روح سے سر اور سر سے خفی اور خفی سے اخفیٰ تک پہنچنا بھی محمد المشرب کے ساتھ مخصوص ہے جو ترتیب وار ان پنجگانہ عالم امر کو تمام کر کے بہ ترتیب ان کے اصول میں سیر کرتا ہے بعد از اں اصول میں اسی ترتیب کو مدنظر رکھ کام کو سر انجام دیتا ہے۔ یہ راستہ اس مذکورہ ترتیب سے وصول کے لیے شاہراہ اور احدیت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے صراط مستقیم ہے۔ برخلاف دوسری ولائتوں کے کہ ان میں گویا درجہ نقب کھود کر مطلوب تک لے گئے ہیں یعنی مقام قلب سے نقب کھود کر صفات افعال تک جو اس کی اصل کا اصل ہے ے گئے ہیں اور اسی طرح مقام روح سے نقب کھود کر صفات ذاتیہ تک لے گئے ہیں علیٰ ہذا القیاس ---اس مقام عجیب میں جو عظمت کبریا کے پردوں کے ظہور کا مقام ہے اس مقام کے مرکز یعنی مقام اجمال کے کمالات حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والسلام کے نصیب ہیں اور باقی سب مفصل طور پر حضرت خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کیلیے مسلم ہیں اور باقی جس قدر انبیاء اور کامل اولیاء ہیں سب اس جگہ ان کے طفیلی ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان اولیاء کے لیے جن کا سیر انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کے سیر کے موافق ہے ابتداء میں شریعت کی صورت ہے اور وسط میں طریقت و حقیقت جو ولایت سے تعلق رکھتی ہے اور عالم امر کے مناسب ہے اور آخر میں شریعت کی حقیقت ہے جو نبوت کا ثمرہ پس ثابت ہوا کہ طریقت و حقیقت کا حاصل ہونے کے لیے مقدمہ ہے پس اولیاء کامل کی ہدایت اور انبیائے مرسل کی ہدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت۔

شیخ مقتداء کی محبت۔(مکتوب ۲۶۰ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ اس طریقہ علیہ کا سلوک شیخ مقتداء کی محبت کے رابطہ سے وابستہ ہے جس نے سیر مرادی سے اس راہ کو طے کیا ہو اور قوت انجذاب سے ان کمالات کے ساتھ رنگا ہوا ہو اس کی نظر دلی امراض کی شفا بخشی ہے اور اس کی توجہ باطنی بیماریوں کو دور کرتی ہے۔ ان کمالات کا صاحب اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانے کا خلیفہ ہے۔ اقطاب و ابدال اس کے مقامات کے ظلال میں خوش ہیں اور اوتاد و نجبا اس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرہ پر قناعت کیے

بیٹھے ہیں اس کی ہدایت وارشاد کا نور اس کے ارادہ وخواہش کے بغیر آفتاب کے نور کی طرح چمکتا ہے پس کس طرح نہ چمکے جب کہ وہ خود چاہے اگر چہ یہ خواہش اس کے اختیار میں نہ ہو کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی اور یہ بھی لازم ہے کہ وہ لوگ جو اس نور سے ہدایت پائیں اور اس وسیلے سے راہ راست پر آجائیں۔ اس بات کو جان لیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رشد و ہدایت کے اصل کو کما حقہ نہیں جانتے حالانکہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متحقق ہوتے ہیں جن کے سبب جہان کو ہدایت کرتے ہیں کیونکہ علم سب کو نہیں دیتے اور سیر مقامات کی تفصیل کی معرفت سب کو نہیں بخشتے۔ ہاں وہ شیخ جس کے وجود شریف پر طریق وصول میں سے کسی کا اصل طریقہ کی بنا کا مدار ہے بیشک صاحب علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے اور دوسروں کو اس علم پر کفایت کر کے اس کے ذریعے سے مرتبہ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں۔ ہمارے اس طریق میں افادہ واستفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے مرید محبت کے رابطے سے جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اور انعکاس کے طریق پر اس نور سے منور ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں استفادہ اور افادہ میں علم کیا درکار ہے...... پس اس طریقہ علیہ میں زندہ اور مردے، بوڑھے اور بچے اور درمیانی عمر کے لوگ (عورتیں بھی) سب وصل کے حق میں برابر ہوں گے جو صاحب دولت کی محبت کے رابطے یا توجہ سے اپنے بلند مقصدوں تک پہنچتے ہیں...... لیکن جاننا چاہیے کہ منتہی اگر چہ صاحب علم نہیں ہوتا لیکن خوارق کے ظہور سے اس کو چارہ نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ظہور میں اس کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات اس کو اس ظہور کا علم بھی نہیں ہوتا لوگ اس سے خوارق ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں لیکن اس کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی۔

اس کی ہدایت کا یہ نور اس کے مریدوں میں بالواسطہ یا بے واسطہ اس وقت تک جاری و ساری رہتا ہے جب تک کہ اس کا طریق مخصوص تغیرات و تبدیلات کی آلودگی سے آلودہ نہ ہو جائے اور مخترعات اور متبدعات کے ملنے سے خراب نہ ہو جائے۔

قرب و بعد: (مکتوب ۲۶۲ دفتر اول) ہمارا ارتباط حبی ہے اور ہماری نسبت انعکاسی اور انصباغی اور جلدی اور بدیر اور طریق کے بعض خصوصیات کا علم ہونے اور نہ ہونے کا سوا قرب و بعد میں کچھ تفاوت نہیں رکھتی۔

قلب: (مکتوب ۲۶۴ دفتر اول) جاننا چاہیے کہ عالم خلق یعنی عالم عناصر اربعہ اور عالم ارواح کے درمیان قلب بمنزلہ برزخ کے ہے اور دونوں عالم کا رنگ رکھتا ہے۔ گویا قلب کا نصف حصہ عالم خلق سے

ہے اور دوسرا حصہ نصف عالم ارواح سے ہے اور جب اس عالم خلق والے نصف حصے کو پھر نصف کریں تو معاملہ عنصر ہوا پر جا پڑے گا پس قلب کا چوتھا حصہ مقام ہوا سے مراد ہے جس کو قلب شامل ہے پس یہ جو آخر ظاہر ہوا جواب اول کے موافق ہے۔

صحبت ۔ (مکتوب ۲۶۵ دفتر اول) حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق صحبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت اور صحبت سے مراد موافقان طریقت کی صحبت ہے نہ کہ مخالفان طریقت کی صحبت کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو بغیر موافقت کے میسر نہیں ہوتا۔

(مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) اس طائفہ علیہ کے مبتدیوں کو یہ دولت اپنے شیخ مقتداء سے جو اس کمال سے مشرّف ہوتا ہے بطریق انعکاس حاصل ہو جاتی ہے خواہ وہ اس کو جانیں یا نہ جانیں پس ناچار دوسرے طریقوں کے کاملوں کی نہایت ان بزرگواروں کی ہدایت میں مندرج ہے۔

دولت عظمیٰ ۔ (مکتوب ۲۷۸ دفتر اول) اس دولت عظمیٰ (فنا) تک پہنچنے کے لیے سب سے زیادہ قریب راستہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریقہ علیہ ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے اپنی سیر کی ابتداء عالم امر سے شروع کی ہے اور قلب سے قلب کے پھیرنے والے یعنی خدائے تعالیٰ کی طرف راستہ لے گئے ہیں۔ انہوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کیا ہے

بدعات طریقت ۔ (مکتوب ۲۸۶ دفتر اوّل) نقشبندی بزرگواروں کا مطلب کمال رفعت ہے لیکن ان کے متاخرین خلفاء کی ایک جماعت نے ان بزرگواروں کے اوضاع واطوار ترک کر کے اس طریق میں بعض نئے نئے امور پیدا کیے ہیں اور سماع ورقص۔ ذکر بالجہر کو اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اس خاندان بزرگ کے بزرگواروں کی نیتوں کی اصل حقیقت تک نہیں پہنچے۔ یہ لوگ اپنے زعم میں خیال کرتے ہیں کہ ان محدثات اور مبدعات یعنی نئے امور اور بدعتوں سے اس طریقہ کی تکمیل اور تتمیم کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس کی بربادی اور خرابی میں کوشش کر رہے ہیں۔

انعکاسی تربیت ۔ (مکتوب ۴۳ دفتر دوم) مریدوں اور طالبوں کے حق میں ان بزرگواروں کا کمال اہتمام اور حسن تربیت مفہوم ہوتا ہے پہلے ہی قدم میں جو کچھ خود رکھتے ہیں مرید رشید اور طالب صادق کے حوصلے کے موافق عطا فرماتے ہیں اور جبی تعلق ارتباط کے باعث توجہ اور انعکاس سے اس کی تربیت کرتے ہیں۔

جذبہ اور سلوک کی کیفیت۔ (مکتوب ۲۸۷ دفتر اول)

کیونکہ سالک کی نظر مقام فوق تک ہی رہتی ہے اس سے آگے مقام تک عبور نہیں کر سکتی ان کا مقام فوق روح کا مقام ہے اس لیے ان کی نظر مقام روح سے بلند تر نہیں جاتی اور روح کے سوا کوئی امر مشہود نہیں ہوتا۔ فوق روح تک نظر کا جانا مقام روح تک پہنچنے پر موقوف ہے اور محبت وانجذاب بھی اسی شہود کی طرح ہے۔

حق تعالیٰ کا شہود بلکہ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ محبت وانجذاب کا پیدا ہونا فنا کے حاصل ہونے پر موقوف ہے جو سیر الی اللہ کی نہایت سے مراد ہے۔ محققین اور ارباب سلوک کے نزدیک جو نہایت کار تک پہنچ چکے ہیں حق تعالیٰ کا احاطہ اور سریان اور قرب و معیّت علمائے اہل حق کے موافق علمی ہے۔ قرب ذاتی وغیرہ کے ساتھ حکم کرنا ان کے نزدیک بے حاصلی ہے اور دوری کی علامت ہے۔ نزدیک کے لوگ قرب ذاتی کا حکم نہیں کرتے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو کوئی کہتا ہے کہ میں نزدیک ہوں وہ دور ہے اور جو کوئی دور ہے وہ نزدیک ہے تصوف یہی ہے۔ اور وہ علم جو توحید وجودی کے متعلق ہے اس کا سبب محبت اور انجذاب قلبی ہے۔ وہ ارباب قلوب جن کو ابھی جذب حاصل نہیں ہوا اور سلوک کے طریق پر منازل کو قطع کرتے ہیں۔ یہ علم ان کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم ہدایت کو نہایت میں درج کرتے ہیں اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ وہ انجذاب و محبت جو دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو نہایت میں میسر ہوتی ہے اس طریق کے اس انجذاب و محبت جو ابتدا میں پیدا ہو جاتی ہے مندرج ہے کیونکہ منتہی کا جذب روحی ہوتا ہے اور مبتدی کا جذب قلبی اور چونکہ قلب روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے اس لیے جذب قلبی کے ضمن میں جذب روحی بھی میسر ہو جاتا ہے۔ اس سبب سے ہے کہ اس خاندان کے بزرگوں نے اس مطلب کے حاصل ہونے کے لیے ایک خاص طریقہ وضع کیا ہے اور مطلب تک پہنچنے کے لیے ایک خاص مسلک تعین کا ہے اور دوسروں کو یہ مطلب اتفاق کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔ ان کے ہاں کوئی خاص ضابطہ اور قاعدہ مقرر نہیں ہے اور نیز ان بزرگواروں کے لیے مقام جذبہ میں شان خاص ہوتا ہے جو اوروں کے لیے نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا بھی ہے تو شاذ و نادر۔ اسی واسطے ان میں سے بعض کو اس مقام میں بغیر اس بات کے کہ منازل سلوک قطع کریں ارباب سلوک کے فنا و بقا کی مانند حاصل ہو جاتا ہے اور مقام تکمیل کا کچھ حصہ بھی جو مقام سیر مقام تکمیل عن اللہ باللہ کے مشابہ ہے میسر ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ روح کو بدن کے تعلق سے پہلے ایک قسم کی توجہ اپنے مقصود کی طرف حاصل تھی۔
جب اس کا تعلق بدن کے ساتھ ہوا تو وہ توجہ زائل ہوگئی۔ اس طریقہ علیہ کے بزرگواروں نے اس سابقہ
توجہ کے ظہور کے لیے اس خاص طریقہ کو وضع کیا ہے لیکن چونکہ روح بدن کے ساتھ متعلق ہے اس واسطے
توجہ قلبی حاصل ہوتی ہے جو توجہ روح و نفس کی جامع ہے اور کچھ شک نہیں کہ توجہ روحی توجہ قلبی میں
مندرج ہے لیکن توجہ روحی جو منتہیوں کے لیے ہے۔ روح کے فنا اور وجود حقانی کے ساتھ اس بقا کے
بعد ہے جس کو بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور توجہ روحی جو توجہ قلبی کے ضمن میں ہے بلکہ روح کی وہ توجہ
بھی جو بدنی تعلق سے پہلے تھی وہ توجہ ہے جو باوجود ہستی روح کے ہے جس کی طرف فنا نے راستہ نہیں پایا
روح کی اس توجہ میں باوجود ہستی روح کے ہے اور اس توجہ میں جو روح کے فنا ہونے کے باوجود ہے
بہت فرق ہے پس اس توجہ روحی مندرج کو نہایت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ روح کی توجہ ہے کیونکہ
نہایت میں صرف یہی توجہ رہتی ہے پس ہدایت میں نہایت کے اندراج سے یہ مراد ہے کہ نہایت کی
صورت ہدایت میں مندرج ہے نہ کہ حقیقت کیونکہ اس کا ہدایت میں مندرج ہونا محال ہے اور ممکن ہے کہ
صورت کے لفظ کو اس واسطے نہ لائے ہوں تاکہ اس طریق کے طالبوں میں رغبت و شوق پیدا ہو۔

طریق نقشبندیہ کا ماحصل۔ (مکتوب ۲۹۰ دفتر اول)

جاننا چاہیے کہ حضرت خواجگان قدس سرہم کے طریقہ کا ماحصل یہ ہے کہ اہل سنت کے عقائد کے موافق
اپنا عقیدہ درست کریں۔ سنت سنیہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی متابعت کریں۔ بدعت ہوائے
نفس سے پرہیز کریں۔ جہاں تک ہو سکے عزیمت پر عمل کریں اور رخصت سے احتراز کریں۔ اس کے بعد
اول جہت جذبہ میں استہلاک و اضمحلال یعنی فنا و استہلاک و اضمحلال یعنی فنا و استغراق حاصل کریں۔
استہلاک کو عدم سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ بقا جو اس جہت میں استہلاک کے متحقق ہونے کے بعد پیدا
ہوتی ہے اس کو وجود عدم سے تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ وجود بقا سے مترتب ہے جو استہلاک و اضمحلال سے
ہوں اور اس استہلاک یا عدم سے یہ مراد نہیں کہ حس سے باخبر یا غائب ہو جائیں بلکہ باوجود اس
استہلاک کے بعض حس سے بے خبر اور غائب ہو جاتے اور بعض نہیں ہوتے اور اس بقا والے لیے ممکن
ہے کہ صفات بشریت کی طرف رجوع کرے اور اخلاق نفسانیہ کی طرف لوٹ آئے برخلاف اس فنا کے
بقا پر مترتب ہے کہ اس سے مدد کرنا جائز نہیں ممکن ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ نے ان ہی معنوں
کے لحاظ سے فرمایا ہو کہ وجود عدم وجود بشریت کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن وجود فنا وجود بشریت کی
طرف ہرگز عود نہیں کرتا کیونکہ بقا اول کا بقا ابھی راستہ میں ہے اور راستہ سے رجوع کرنا ممکن ہے۔ دوسرا

واصل منتہی ہے اور واصل کے لیے رجوع نہیں ہوتا۔۔۔۔ کوئی شخص نہیں مڑا مگر راستہ سے اور جو واصل ہوتا ہے وہ نہیں مڑتا۔

جاننا چاہیے کہ وجود عالم بالا گرچہ راہ ہی میں ہے لیکن بدایت میں نہایت درج ہونے کے موافق نہایت کار سے آگاہ جو کبھی منتہی کو آخر میں میسر ہوتا ہے اس کو جہت میں اس کا خلاصہ مجمل طور پر حاصل ہے۔ اس نسبت نے چونکہ منتہی میں شمول اور عموم پیدا کیا ہوا ہے اور اس کی نسبت اور اس کی تاثیر عام طور پر اس کی روحانیت جسمانی میں حاصل ہوئی اور وجود عدم میں یہ نسبت اور اس کی تاثیر خلاصہ قلب پر ہی موقوف ہے اگرچہ فی الجملہ ہو اور اجمال کے طور پر ہو۔ اسی واسطے منتہی صاحب تفصیل سے اور صفات جسمانی کی طرف اس کا رجوع کرنا ممتنع ہے کیونکہ اس نسبت نے اس کے تمام مراتب جسمانیہ میں سرایت کر کے اس کو ان صفات سے نکال دیا ہے اور فانی کر دیا ہے اور یہ فنا موہبت محض اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے اور موہبت محض رجوع کرنا حق تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق نہیں برخلاف وجود عدم والے کے کہ یہ سرایت اس کے حق میں مفقود ہے۔ چونکہ یہ مراتب قلب کے تابع ہیں اس لیے وہ نسبت تبعیت کے طور پر ان مین بھی فی الجملہ ساری ہے اور ان کے غلبہ کو ہٹا کر مغلوب کر دیا ہوا ہے لیکن فنا اور زوال تک نہیں پہنچا یہی وجہ ہے کہ اس سے رجوع کرنا ممکن ہے کیونکہ مغلوب کو بعض عوارض کے پیش آنے اور بعض موانع کے لاحق ہونے سے غالب ہو جاتا ہے اور زائل یعنی واصل عود نہیں کرتا۔

جاننا چاہیے کہ اس سلسلہ میں عالیہ کے بعض مشائخ قدس سرہم نے مذکورہ بالا استہلاک و اضمحلال اور اس بقا پر جو اس پر مترتب ہے فنا و بقا کا اطلاق کیا ہے اور تجلی ذاتی اور شہود ذاتی میں بھی اس مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور اس باقی کو واصل کہا ہے اور یادداشت بھی جو حق تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ دوام آگاہی سے مراد ہے اس مقام میں متحقق جانتے ہیں۔ یہ سب کچھ بدایت میں نہایت درج ہونے کے اعتبار سے ہے ورنہ فنا و بقا منتہی واصل کے سوا کسی کو نہیں ہوتی اور تجلی ذاتی بھی اسی سے مخصوص ہے اور دوام حضور بھی واصل منتہی کے لیے ہوتا ہے کیونکہ اس کے لیے ہرگز رجوع نہیں ہوتا لیکن پہلا اطلاق بھی مذکورہ بالا اعتبار سے صحیح ہے اور وجہ وجیہہ پر مبنی ہے۔ اور فنا و بقا اور تجلی ذاتی اور وصل و یادداشت جو کتاب ''فقرات'' حضرت خواجہ احرار قدس سرہ میں واقع ہیں اسی قسم کے ہیں۔

اس مقام کو یادداشت کے مناسب جان کا اس مرتبہ پر یادداشت کا اطلاق کیا ہے اور اس کو تجلی ذاتی اور شہود ذاتی بھی کہتے ہیں۔ اور اس مقام کو مقام احسان یعنی اخلاص فرماتے ہیں اور اس میں گم ہونے کو وصل سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اصطلاح حضرت خواجہ ناصر الدین خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ

سے مخصوص ہے اس سلسلے کے مشائخ متقدمین میں سے کسی نے بھی اس اصطلاح کی نسبت کلام نہیں کی۔
ان کے کلمات قدسی سمات سے ہے کہ زبان دل کا آئینہ ہے اور دل روح کا اور روح حقیقت انسانی کا اور حقیقت انسانی حق تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ہے کہ بعض بزرگواروں نے جن کی میں نے ملازمت کی دو چیزیں مجھے کرامت کیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ لکھوں جدید لکھوں نہ قدیم دوسرے یہ کہ جو کچھ کہوں مقبول ہوگا نہ کہ مردود۔ ان کی بزرگی ان کے معارف کی بلندی ان کلمات قدسیہ سے سمجھی جا سکتی ہے۔ (ان کے معارف وعلوم کا مختصر بیان)

اگر حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی کمال عنایت کے ساتھ ان میں سے بعض کو اس جذبہ کے حاصل ہونے کے بعد سلوک کی دولت سے مشرف فرمائے تو جذبہ کی مدد سے پچاس ہزار سال کا راستہ تھوڑی سی مدت میں قطع کر سکتے ہیں اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

سلوک کا منتہی سیر الی اللہ کی نہایت تک ہے جس کو فنائے مطلق سے تعبیر کرتے ہیں بعد ازاں پھر مقام جذبہ ہے جس کو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی سیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ سیر الی اللہ اس اسم تک سیر کرنے سے مراد ہے جس کا مظہر سالک ہے اور سیر فی اللہ اس اسم میں سیر ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک اسم بے نہایت اسماء کا جامع ہے پس اس میں سیر بھی بے نہایت ہوگا اور اس درویش کو اس مقام معرفت خاص حاصل ہے وہ لوگ جو محض فضل ایزدی جلشانہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس اسم سے عروج فرماتے ہیں اور جہاں تک خدا کو منظور ہو بے نہایت ترقیاں کرتے ہیں۔

کیونکہ سلوک پر جذبہ کا مقدم ہونا ایک قسم کی محبوبیت کے معنی چاہتا ہے۔ جب تک مراد نہ ہوں جذبہ نہیں کرتے اور جب جذبہ کرتے ہیں تو بہت ہی نزدیک ہو جاتے ہیں اور قرب زیادہ تر حاصل کرتے ہیں۔ بلائے ہوئے اور بن بلائے جانے والے میں بہت فرق ہے۔

جان لے کہ ان عزیزوں کا جذبہ دو قسم پر ہے۔ پہلا وہ جذبہ ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ سے پہنچا ہے اور اس اعتبار سے ان کا طریقہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہے اور یہ جذبہ ایک خاص قسم کی توجہ کے ساتھ تمام موجودات کا قیوم ہے اور اس میں استہلاک واضمحلال یعنی فنا واستغراق کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ دوسری قسم جذبہ کی وہ ہے جس کے ظہور کا مبداء اس طریق میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ ہیں اور یہ جذبہ معیت ذاتیہ کی راہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جذبہ حضرت خواجہ قدس سرہ سے ان کے پہلے خلیفہ خواجہ علاء الدین قدس سرہ کو پہنچا اور چونکہ یہ وقت کے قطب ارشاد تھے اس لیے انہوں نے اس اپنے جذبہ کے حاصل ہونے کے لیے ایک خاص طریقہ وضع کیا۔ وہ طریقہ ان کے خاندان کے خلفاء میں

طریقہ علائیہ کے نام سے مشہور ہے (وہ فرماتے ہیں) سب طریقوں سے اقرب طریقہ علیہ علائیہ ہے۔ اس جذبہ کی اصل اگر چہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے ہے لیکن اس کے حاصل ہونے کے لیے طریق کا وضع کرنا خواجہ علاء الدینؒ کے ساتھ مخصوص ہے۔ واقعی یہ طریقہ بہت کثیر البرکت ہے۔ اس طریق پر تھوڑا سا چلنا دوسرے طریقوں پر بہت چلنے سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اب تک خانوادہ علائیہ اور احراریہ کے مشائخ خلفاء اور دولت عظمیٰ سے بہرہ مند ہیں اور اسی راہ سے طالبوں کی تربیت فرماتے ہیں۔ حضرت خواجہ احرار کو یہ دولت عظمیٰ حضرت مولانا یعقوب چرخی سے جو حضرت خواجہ علاء الدینؒ کے خلفاء میں سے ہیں پہنچی ہے۔

اول قسم کا جذبہ جو حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب ہے اس کے حاصل ہونے کیلیے جدا طریقہ موضوع ہے اور وہ طریق وقوف عددی ہے اور وہ سلوک بھی جو اس جذبہ کے حاصل ہونے کے بعد متحقق ہوتا ہے دو قسم پر ہے بلکہ اسکی کئی قسمیں ہیں۔ ایک وہ قسم ہے جس کے طریق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ مقصود تک پہنچے ہیں اور حضرت رسالت خاتمین ﷺ بھی اسی جذبہ اور اسی طریق سے مطلب تک پہنچے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کمال اخلاص کے باعث جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ رکھتے تھے اور ان میں فانی تھے۔ باقی تمام اصحاب میں سے اس خاص طریق کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں اور جذبہ وسلوک کی یہی نسبت اس خصوصیت کے ساتھ حضرت امام جعفر صادقؓ تک پہنچی ہے اور چونکہ حضرت امام جعفر صادق کی والدہ ماجدہ حضرت صدیق اکبرؓ کی اولاد گرامی تھیں اس لیے ان دونوں اعتباروں کے لحاظ سے حضرت امامؓ نے فرمایا کہ مجھے ابوبکرؓ نے دو بار جنا' چونکہ حضرت امام جعفر کو اپنے آباؤ اجداد کی طرف سے جدا نسبت تھی اس لیے دونوں طریقوں کے جامع ہوئے اور اس جذبہ کو ان کے سلوک کے ساتھ جمع کیا اور اس سلوک سے مقصود تک پہنچے۔ ان دونوں سلوک کے درمیان فرق یہ ہے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کا سلوک سیر آفاقی سے قطع ہوتا ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ کا سلوک آفاقی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ اس سلوک کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے خانہ جذبہ سے نقب کھود کر مطلوب تک پہنچا دیں۔

سلوک اول میں معارف کی تحصیل ہے اور سلوک ثانی میں غلبہ محبت۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ شہر علم کا دروازہ بن گئے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خلت یعنی دوستی کی قابلیت حاصل کی۔ حدیث ہے کہ اگر ہم کو کوئی اپنا خلیل بنانا ہوتا تو حضرت ابوبکر کو بناتا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؓ نے جذبہ (محبت) اور سلوک آفاقی (علوم ومعارف) کے جامع ہونے کے اعتبار سے محبت اور معرفت سے بہت سا حصہ حاصل کیا۔ بعد ازاں حضرت امامؓ نے اس نسبت مرکبہ کو امانت کے

طور پر سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ کے حوالے کیا گویا یہ بار امانت ان کی پشت پر رہا ہے تا کہ بتدریج امانت والوں کو پہنچائیں ورنہ ان کی توجہ کا رخ دوسرے طرف ہے اور اس امانت کے تحمل سے زیادہ کوئی مناسبت اس نسبت کے ساتھ نہیں رکھتے اور اس تحمل میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔

اگرچہ اس نسبت کے اٹھانے والے اس نسبت سے کم نصیب ہیں لیکن اس نسبت کو ان بزرگواروں کے انوار سے وافر حصہ حاصل ہے۔علیٰ ہذا القیاس۔ ہر بزرگ سے نور حاصل کر کے وہ نسبت اپنے اہل تک پہنچ گئی اور وہ عارف ربانی خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ ہیں جو حضرت خواجگان قدس سرہ کے سلسلہ کے سرحلقہ ہیں۔ ان کے زمانے میں یہ نسبت پھر از سرنو تازہ ہو کر ظاہر ہوئی۔ ان کے بعد اس سلسلہ میں سلوک آفاقی کی جہت پھر مخفی ہو گئی اور جذبہ کے حاصل ہونے کے بعد دوسری راہ سے سلوک کیا اور عروج پیدا کیا حتیٰ کہ جب حضرت خواجہ نقشبندؒ عالم ظہور میں آئے وہ نسبت پھر جذبہ اور سلوک آفاقی کے ساتھ ظاہر ہوئی اور ان دو جہت کے ساتھ کمال معرفت ومحبت کی جامع ہو گئی اور ان کے کمالات میں سے بہت سا حصہ ان کے قائم مقام حضرت خواجہ علاء الحق والدین کو حاصل ہوا اور ہر دو جذبہ اور سلوک آفاقی دونوں دولتوں سے مشرف ہوئے اور قطب ارشاد کے مقام تک پہنچ گئے۔ خواجہ محمد پارساؒ کو باوجود ان کمالات کے مولانا خواجہ عارف ریوگری کی فردیت کی نسبت بھی حاصل تھی جو اخیر زندگی میں ان کو عطا ہوئی اور اسی نسبت کا غلبہ ان کی مشیخیت اور طالبان کی تکمیل سے مانع ہوئی ورنہ کمال وتکمیل میں ان کو بڑا اعلیٰ درجہ حاصل تھا۔ مولانا عارفؒ نے اس نسبت فردیت کو اپنے والد بزرگوار اور مولانا بہاء الدین سے حاصل کیا۔

جاننا چاہیے کہ نسبت فردیت کی توجہ پورے طور پر حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور شیخی تکمیل اور دعوت کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ اس دولت اور اس مرتبہ سے مشرف ہوئے تھے۔ قطبیت کی نسبت ان کو شیخ سری سقطیؒ سے حاصل ہوئی تھی اور فردیت کی نسبت شیخ محمد قصابؒ سے حضرت خواجہ نقشبند" قدس سرہ کے خلفاء کے بعد اس خاندان بزرگ کے چراغ روشن حضرت خواجہ احرارؒ جو خواجگان قدس سرہم کے جذبہ کو تمام کر کے سیر آفاقی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسم کو سیر تک پہنچا کر بغیر اس بات کے کہ اسم میں آ کر اسمیں استہلاک اور فنا پیدا کریں پھر خانہ جذبہ میں آ گئے اور خاص استہلاک واضمحلال یعنی استغراق وفنا کی جہت میں پیدا کی اور بقا بھی اسی جہت میں حاصل کی۔۔۔ ان کے علوم شریعت حقہ کے علوم کے موافق ہیں اور اس قسم کے حیلے بہانے اور تکلفات اور سوال وجواب کے محتاج نہیں ہیں۔

غرض وہ بقا جو جذبہ کی جہت میں ہے خواہ کسی قسم کا جذبہ ہو سکر سے نہیں نکالتا اور صحو میں نہیں لاتا اسی واسطے باوجود بقا فنا باقی پر رجوع نہیں کرتا۔

میں نے ایک عزیز سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے اپنی والدہ کے باپ دادوں یعنی ننہال کی طرف سے بہت ہی عجیب و غریب احوال اور قوی جذبہ رکھتے تھے۔ایک نسبت حاصل تھی اور اثنا عشر یعنی دوازدہ اقطاب کے مقام سے جن کے ساتھ دین کی تائید وابستہ ہے اور محبت میں شان عظیم رکھتے ہیں حضرت خواجہ کو وافر حصہ حاصل تھا۔اس سبب سے حضرت خواجہ شریعت کی تائید اور دین کی مدد کیا کرتے تھے۔اس کے بعد ارشاد پناہی معارف آگاہی موید الدین الرضی شیخنا مولانا حضرت باقی سلمہ اللہ تعالیٰ کے نور ظہور کی برکت سے ان بزرگواروں کا طریق علی الخصوص ممالک ہندوستان (پاک و ہند) میں جہاں کے رہنے والے ان کمالات سے بے بہرہ تھے از سر نو زندہ ہوا اور ان عزیزوں کے آداب شائع ہوئے۔

طریق نقشبندیہ۔ (مکتوب ۱۸ دفتر دوم) طریقہ علیہ نقشبندیہ میں پیری اور مریدی طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر موقوف ہے نہ کہ کلاہ و شجرہ پر جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں متعارف اور مشہور ہے۔ان بزرگواروں کا طریق صحبت ہی صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے۔اسی واسطے ان کی ابتدا میں دوسروں کی نہایت مندرج ہے اور سب راستوں سے زیادہ قریب راستہ یہی ہے۔ان کی نظر دل کے امراض کو شفا بخشتی ہے اور ان کی توجہ باطن کی بیماریوں کو دور کرتی ہے۔

پہلی برکت۔ (مکتوب ۸۳ دفتر دوم) اس برادر عزیز نے جو طریقہ اس فقیر سے اخذ کیا تھا اگرچہ صحبت (جو ان بزرگوں کے نزدیک اصل عظیم ہے) کے کم ہونے کے باعث ثمرات و برکات اس پر مترتب نہیں ہوئے لیکن تھوڑا سا حسی ارتباط جو اس طریقہ کے لوازم میں ہے باقی رہا تو یہ بھی نعمت عظیم ہے۔پہلی برکت جو صحبت اول میں اس طریقہ علیہ کے مبتدی رشید کو حاصل ہوتی ہے مطلوب حقیقی کی طرف قلب کی دائمی توجہ ہے۔یہ دوام توجہ تھوڑی مدت میں نسیان ماسویٰ تک پہنچا دیتی ہے۔اگر طالب بالفرض ہزار سال تک زندہ رہے حق تعالیٰ کے غیر کا نسیان کے باعث جو اس کو ماسوا سے حاصل ہو چکا ہے کبھی اس کے دل میں گزرنے نہ پائے اور اگر تکلف اور تحمل سے بھی اس کو یاد دلائیں تو یاد نہ کرے۔جب یہ نسبت حاصل ہو جائے تو گویا اس راہ میں پہلا قدم حاصل ہو گیا۔دوسرے تیسرے اور چوتھے قدم کی نسبت کیا لکھا جائے۔تھوڑا بہت پر دلالت کرتا ہے اور قطرہ دریائے ناپیدا کنار کی خبر دیتا ہے۔

باطن کی طرف توجہ۔ (مکتوب ۸۷ دفتر دوم)۔غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے

باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ رہے کیونکہ باطن کی مدد کے بغیر احکام شرعی سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علماء صرف فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں۔ باطن میں کوشش کرنا ظاہر کی کوشش کو مستلزم ہے اور جو کوئی باطن کی درستی ہی میں لگا رہے اور ظاہر کی پرواہ نہ کرے اور اس کے باطنی احوال استدراج ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔

عالم خلق اور امر کے لطائف کا ظاہر و باطن۔ (مکتوب ۹۴ دفتر دوم)

عالم خلق اور عالم امر کے لطائف میں ہر ایک لطیفہ کی صورت بھی ہے اور حقیقت بھی یعنی جس طرح عنصر خاک ظاہر رکھتا ہے اور باطن بھی۔ اسی طرح اخفیٰ صورت بھی رکھتا ہے اور حقیقت بھی اور باطن جو عالم خلق اور عالم امر سے تعلق رکھتا ہے دن بدن اعمال صالحہ کے ذریعے محض حق تعالیٰ کی بخشش سے تھوڑا تھوڑا اس باطن سے جو اسم قیوم سے وابستہ ہے ملتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس باطن کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا اور سوائے ظاہر صرف کے سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔

(یہ باطن اس اسم میں نہ حلول کرتا ہے اور نہ اتحاد پیدا کرتا ہے) بلکہ اس باطن کو اس اسم کے ساتھ ایک مجہول الکیفیت نسبت پیدا ہو جاتی ہے جس سے حلول و اتحاد کا وہم گزرتا ہے کیونکہ حقیقت امکان کا حقیقت وجوب کے ساتھ بدلنا لازم آتا ہے۔ جو محال عقلی ہے اور شریعت میں زندقہ ہے اور وہ ظاہر صرف جو باقی رہ جاتا ہے اگرچہ عالم شہادت سے ہے اور مشہود مرئی ہے لیکن باطن کے رنگ میں رنگا ہوا ہے اگرچہ باطن شہود اور ادراک کے احاطہ سے باہر نکل چکا ہے۔

وصول الی اللہ کا اقرب طریقہ۔ (مکتوب ۹ دفتر سوم)

پس مشائخ کے طریقوں میں سے جس طریقہ میں احکام شرعیہ کی زیادہ رعایت ہوگی وہ تمام وصول الی اللہ کے طریقوں میں سے اقرب ہوگا کیونکہ اس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہے اور وہ طریقہ نقشبندیہ ہے۔ اسی واسطے ہمارے سردار اور قبلہ شیخ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک ایسا طریقہ وضع کیا ہے جو نفس کی زیادہ مخالفت ہونے کے باعث تمام وصول الی اللہ طریقوں سے اقرب ہے۔ اس طریقہ میں شریعت کی زیادہ رعایت دانا منصف اور دوسرے مشائخ کے طریقوں میں غور کرنے والے آدمی پر پوشیدہ نہیں۔

قرب الٰہی۔ (مکتوب ۱۰ دفتر سوم)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"جس وقت میرے بندے میری نسبت تجھ سے سوال کریں تو میں بہت ہی قریب ہوں" حق تعالیٰ کا قرب اگرچہ بے چون اور بے چگون ہے لیکن وہم کی وہاں تک گنجائش ہے وہ حق تعالیٰ کی اقربیت ہی

ہے جو وہم کے احاطہ سے خارج اور خیال کے دائرے سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قریب دان بہت ہیں اقربیت دان کم۔ قرب کی نہایت اتحاد کے حاصل ہونے تک ہے اگرچہ اتحاد بھی وہاں صرف وہم ہی وہم ہے لیکن اقربیت اتحاد سے آگے ہے۔۔۔ قرب کی جانب میں اگرچہ عقل اپنے آپ سے زیادہ نزدیک کو بعید تصور کرتی ہے لیکن یہ عقلوں کی کوتاہ نظری ہے جس نے دور بینی کی عادت پیدا کر لی ہے اور اپنے آپ سے زیادہ نزدیک کو پا نہیں سکتی۔

عروج ونزول۔ (مکتوب ۴۶ دفتر سوم) واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ موجودات میں ایک نقطہ ہے جو اس عالم ظلی کا مرکز ہے اور یہ نقطہ تمام عالم کا اجمال ہے اور تمام عالم اس اجمال یعنی نقطہ تمام عالم کی تفصیل ہے۔ یہ نقطہ آسمان کے سورج کی طرح ہے جس سے تمام آفاق روشن ہوتا ہے اور جو فیض اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو پہنچنا ہوتا ہے اسی نقطہ کے ذریعے پہنچتا ہے۔ یہ نقطہ غیب ہویت کے برابر اور مقابل ہے اور یہ نقطہ مرتبہ نزول میں ثابت ہے۔ جب تک ہبوط اور اسفلیت کے اس مرتبہ میں نزول نہ ہو اس مرتبہ کی طرف جس کو غیب ہویت کہتے ہیں عروج نہیں ہوتا اور یہی نزول دعوت و تکمیل میں ہے۔۔۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ عالم کی طرف متوجہ ہونا حق تعالیٰ کی طرف سے منقطع رہنا موت تک رہتا ہے جب وصال کا وقت آ جاتا ہے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے گویا اس جہان میں فراق اور شوق دونوں طرف سے ہوتا ہے اور ملاقات موت کے بعد ہوتی ہے۔ اس مرتبہ نزول کے ساتھ متحقق ہونے کے باوجود سالک اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا بلکہ توجہ الی اللہ بھی نہیں ہوتی۔ اس وقت بالکل خلق کی طرف توجہ ہوتی ہے یہی مقام دعوت ہے۔ یہ نقطہ جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے نہایت ہی ظلمانی ہوتا ہے اس مقام میں اسے نورانی اور روشن کرنے کے لیے نزول کرنا بڑا عظیم امر ہے۔ اس نقطہ کے مقابل نقطہ اسلام ہے۔ جس کی طرف نزول ظلمانی کے بعد عروج واقع ہوتا ہے۔ اس ظلمانی نقطہ کا چراغ:

لا الہ الا اللہ

ہے۔

قرب معیت اور احاطہ۔ (مکتوب ۳۷ دفتر سوم) قرب و معیت و احاطہ و سریان۔ وصل و اتصال اور توحید و اتحاد وغیرہ اس بارگاہ جلشانہ میں متشابہات اور شطحیات کی قسم سے ہیں۔ وہ قرب و معیت اور وصل و اتصال جو ہماری عقل و فہم میں آ سکے حق تعالیٰ کی بارگاہ اس سے منزہ اور مبرا ہے لیکن آخر کار اس قدر معلوم ہوا کہ یہ قرب و اتصال وغیرہ اس قرب و اتصال کی مانند ہے جو آئینہ اور اس صورت کے درمیان جو آئینہ میں متوہم ہے حاصل ہے جو موجود کو موہوم کے ساتھ اتصال کی قسم سے ہے۔

عارف کا قیام -(مکتوب ۶۴ دفتر سوم) عارف کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایسا ہے جیسے کہ حق تعالیٰ کی صفات کا قیام اس کی ذات کے ساتھ (ایسے عارف کا قیام حق تعالیٰ کی ذات بحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے اور وہ قیام جو ذات کے ظلال میں سے کسی ظل کے ساتھ زائل ہو جاتا ہے) --- جاننا چاہیے کہ وہ صفات جو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں حق تعالیٰ کی ذات ان صفات میں سے ہر ایک صفت کے رنگ میں کامل طور پر ظہور فرماتی ہے- یہ نہیں کہ حق تعالیٰ میں سے کچھ حصہ صفت سے متصف ہو اور کچھ حصہ کسی صفت سے عارف کو دوسرے لوگوں پر فضل اور زیادہ ہونا حاصل ہے جو کلام خداوندی کو دوسروں کے کلام پر فضل اور زیادہ ہونا حاصل ہے-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت -(مکتوب ۶۴ دفتر سوم) جن محجوبوں نے حضرت محمد رسول اللہ کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا وہ منکر ہو گئے اور جن سعادت مندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیان کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور نجات پا گئے-

مومن کا ادھار نقد ہے -(مکتوب ۶۵ دفتر سوم) صوفیہ نے کہا ہے کہ جو کچھ عام مومنوں کو چنیں و چناں کے بعد آخرت میں میسر ہوگا وہ خاص مومنوں یعنی اولیاء کو دنیا میں ہی میسر ہو جاتا ہے کیونکہ ان کا ادھار نقد ہے پھر قیاس کرنا چاہیے کہ ان کا ادھار کیا کچھ ہوگا-

پروین اور بنات النعش -(مکتوب ۸۱ دفتر سوم) انسان سات لطائف مشہورہ سے مرکب ہے اور ہر لطیفہ کا کاروبار الگ ہے اور اس کے احوال و مواجید بھی جدا ہیں (جن کے احوال و اذواق لطیفہ قلب سے تعلق رکھتے ہیں اور قلب کے تلونیات سے متلون ہوتے ہیں جب یہ وارد قوی لطیفہ روح پر اترتا ہے تو روح کو اپنے تصرف میں لاتا ہے پروین اور بنات النعش کی ملاقات کا مطلب نسبت قلبی اور نسبت روحی کا جمع ہونا دونوں ستاروں کی ملاقات میں ظاہر ہوتا ہے) پروین چونکہ ستاروں کا انتظام اور اجتماع ہے اس لیے قلب کے مناسب ہے اور بنات النعش میں چونکہ ستارے پراگندہ ہیں اس لیے روح کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے-

سلوک کی منزلیں -(مبداء و معاد) واضح رہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے سے مراد دس مقامات کا طے کرنا ہے اور ان دس مقامات کا طے کرنا ان تین قسم کی تجلیات سے وابستہ ہے یعنی تجلی افعال- تجلی صفات اور تجلی ذات- ان مقامات کے سوائے مقام رضا کے سب تجلی افعال اور تجلی صفات سے متعلق ہیں- مقام رضا تجلی ذات سے وابستہ ہے نیز محبت ذاتیہ کے متعلق جس میں محب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی طرف سے خواہ اسے تکلیف ہو یا آرام دونوں برابر سمجھے۔ جب ایسی حالت

ہوجاتی تو فی الواقع رضا حاصل ہوجاتی ہے اور کراہت اٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح باقی مقامات پر بدرجہ کمال پہنچنا بھی تجلی ذات کے وقت نصیب ہوتا ہے جس سے فنائے اتم وابستہ ہے لیکن نو مقامات۔ کے نفس کا حصول تجلی افعال اور تجلی صفات میں ہوجاتا ہے۔ مثلاً جب یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور تمام اشیاء پر قادر ہے تو بے اختیار توبہ کرتا ہے۔ ڈرتا ہے اور تقویٰ کو اپنی عادت بنالیتا ہے اس کی تقدیروں پر صبر کرنے لگتا ہے۔ مطلقی اور بے صبری چھوڑ دیتا ہے اور کسی نعمت کو دینا یا روکنا اسی سے یقین کرتا ہے جب جانتا ہے کہ نعمتوں کا مولیٰ وہی ہے اور چاہے تو دے چاہے نہ دے تو ناچار شکر گزار بنتا ہے اور توکل میں راسخ قدم ہوجاتا ہے جب مہربانی اور نرمی متجلی ہوتی ہے تو مقام رجا میں آتا ہے۔ جب اس کی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے اور دنیائے دوں اس کی نگاہوں میں خواہ وہ بے اعتبار دکھائی دینے لگتی ہیں تو مجبوراً دنیا سے ہٹالیتا ہے فقر اختیار کرتا ہے اور زہد کو اپنا طریقہ بنالیتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مقامات مفصل و ترتیب وار صرف سالک مجذوب کو حاصل ہوتے ہیں۔ مجذوب سالک ان مقامات کو مجمل طور پر طے کرتا ہے کیونکہ عنایت اور نرمی نے اسے ایسی محبت میں گرفتار کیا ہے کہ وہ بالفصیل ان مقامات میں مشغول نہیں ہوسکتا۔ اس محبت کے ضمن میں ان مقامات کا وہ لب لباب اور ان منازل کا خلاصہ پورا پورا حاصل ہوجاتا ہے جو صاحب تفصیل کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔

آئینے کے چھ رخ: (مبداء و معاد) حضرت خواجہ نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک شیخ کے آئینے کے دو رخ ہوتے ہیں لیکن میرے آئینے کے چھ رخ ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ آج تک اس بزرگ خانوادہ کے کسی خلیفہ نے اس کلمہ قدسیہ کی شرح بیان نہیں کی بلکہ اشارتاً اور کنایتاً بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ مجھ حقیر و قلیل الرضاعتہ کی کیا حیثیت کو اس کی شرح کی جرات کرسکے اور اس کی کشف کے لیے زبان کھولے لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معمہ کا بھید مجھ پر منکشف فرمایا ہے۔ استخارہ کے بعد اسے اللہ تعالیٰ سے غلطی سے بچنے اور توفیق کی دعا کر کے شروع کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ آئینہ سے مراد عارف کا دل ہے جو روح اور نفس کے درمیان برزخ (وسیلہ) ہے۔ آئینے کے دونوں رخوں سے مراد ایک رخ روح کا دوسرا نفس کا لیا ہے۔ جس وقت مشائخ مقام قلب پر پہنچتے ہیں تو ان دونوں رخوں سے وہ علوم و معارف جو قلب کے مقام کے مناسب ہوتے ہیں منکشف ہونے لگتے ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت خواجہ نقشبندؒ کے طریقہ میں بدایت ہی میں نہایت مندرج ہے۔ اس طریقہ میں آئینہ کے چھ رخ ہوجاتے ہیں اس کی مفصل حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ علیہ کے بزرگوں نے بور ہے کہ جو کچھ تمام افراد انسانی میں ثابت ہے وہ چھ لطیفوں سے اکیلے دل میں متحقق ہے۔ ان چھ طرفوں سے مراد نفس۔ قلب۔ روح۔ سر۔ خفی اور اخفیٰ لیے ہیں۔ باقی تمام مشائخ کی سیر قلب کے ظاہر ہونے

تک محدود ہے لیکن نقشبندیہ بزرگوں کی سیر قلب کے باطن تک بلکہ اس سیر کے ذریعے اسکے اندرونی سے اندرونی نقطے تک ہے اور ان ہی چھ لطیفوں کے علوم و معارف مقام قلب میں کشف ہوتے ہیں لیکن وہ علوم منکشف ہوتے ہیں جو مقام قلب کے مناسب ہیں یہ ہے حضرت خواجہ قدس سرہ کے کلمہ قدسیہ کا بیان- مجھ حقیر کو ان بزرگوں کی برکت سے اور زیادہ تحقیق و تدقیق معلوم ہوئی- واضح رہے کہ قلب میں بھی قلب کی طرح لطائف پائے جاتے ہیں لیکن قلب میں یا دائرہ کی تنگی یا کسی اور بھید کی وجہ سے مذکورہ بالا چھ لطائف میں سے دو لطیفے بطریق جزو یعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ اخفیٰ ظاہر نہیں ہوتے اور یہی حالت اس دل کی ہے جو تیسرے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی جو چوتھے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں صرف قلب و روح کا ظہور ہوتا ہے سر کا نہیں ہوتا- پانچویں مرتبے میں لطیفہ روح کا بھی ظہور نہیں ہوتا صرف قلب ہی قلب رہ جاتا ہے جو بسیط محض اور ناقابلِ اعتبار ہے-

عالم صغیر سے میری مراد انسان ہے پس جب عالم صغیر کو صیقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے تو اس میں آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں کیونکہ صیقل اور منور کرنے سے اس کا احاطہ وسیع ہو جاتا ہے اس وقت صغیر کا لفظ اس پر عائد نہیں ہوتا اور یہی حالت دل کی ہے جس کو عالم صغیر سے وہی نسبت ہے جو عالم صغیر کو عالم کبیر سے ہے- جب دل کو صیقل کیا جاتا ہے اور اس سے تاریکی دور ہو جاتی ہے تو اس میں بطریق آئینہ عالم صغیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں اور یہی نسبت قلب اور قلب میں ہوتی ہے جو قلب اور عالم صغیر میں ہوتی- جب قلب القلب کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے تو اس میں تمام چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں علی ہذا القیاس دل تیسرے اور چوتھے اور پانچویں مرتبے میں بہ سبب صفات و نورانیت سابقہ مراتب کی تمام چیزوں کو مفصلاً دکھلانے لگتا ہے- اسی طرح جو دل پانچویں مرتبے میں بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے جب اسے پورے طور پر صیقل کیا جاتا ہے تو اس میں عالم کبیر اور صغیر اور بعد کے باقی تمام عوالم کی چیزیں مفصلاً دکھائی دینے لگتی ہیں- سو وہ تنگ لیکن سب سے فراخ اور بسیط سے بسیط نہایت چھوٹا لیکن سب سے بڑا ہے- اس وصف کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی- اس لطیفہ بدیعہ سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مناسبت نہیں رکھتی- اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے-

''میرے آسمان اور میری زمین میں میری گنجائش نہیں- میں صرف اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں''

جب وہ عارف جو بلحاظ معرفت مکمل اور از روئے شہود واکمل ہو اس مقام پر پہنچتا ہے جو عزیز الوجود اور شریف رتبہ ہے تو وہ عارف تمام جہاں اور اس کے ظہورات کے لیے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے تب اسے ولایت محمدیہ حاصل ہوتی ہے اور دعوت مصطفیہ سے مشرف ہوتا ہے۔

قطب اوتار اور ابدال سب ہی اس کی ولایت کے دائرے کے تحت میں داخل ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اولیاء اللہ مثلاً افراد و اعاد سب ہی اس کے نور ہدایت کی تحت میں مندرج ہیں کیونکہ وہ جناب رسول خدا ﷺ کا نائب منائب اور حبیب الٰہی کی ہدایت سے ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ یہ عزیز الوجود اور شریف نسبت مرادوں میں سے کسی ایک سے مخصوص ہوتی ہے۔ مریدین کو یہ کمال نصیب نہیں ہوتا۔ یہ بڑی نہایت اور آخری غایت ہے اس کے اوپر کوئی کمال نہیں اور اس سے عمدہ کوئی بخشش نہیں خواہ اس قسم کا عارف ہزار سال بعد پایا جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس کی برکت مدتِ مدید اور عرصہ بعید تک جاری رہتی ہے۔ ایسے عارف کا کلام بمنزلہ دوا اور اس کی نظر بمنزلہ شفا ہوتی ہے۔

یہ معارف پوشیدہ اسرار اور مخفی رموز سے ہیں۔ بڑے اولیاء کرام میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور بڑے بڑے اصفیا میں سے کسی نے بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اسرار اپنے اس بندے کو اپنے حبیب ﷺ کے صدقے ان اسرار سے مطلع فرما کر ان کے ظاہر کر دینے کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی شے یا سبب پر منحصر نہیں۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

سات لطائف کی مدت ۔ (مبداء و معاد) انسان میں سات لطیفے ہیں ہر ایک لطیفے کی مدت سلطنت جدا جدا ہے پس اگر کوئی حالت ان میں سے نہایت لطیف پر نزول فرمائے تو سالک کی کلیت اس لطیفے کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور وہ حال تمام لطائف میں سرایت کر جاتا ہے اور جتنی اس لطیفے کی مدت سلطنت مقرر ہوتی ہے اتنا عرصہ وہ حالت قائم رہتی ہے۔ جب وہ عرصہ گزر جاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہو جاتی ہے۔ مدت بعد اگر وہی حالت طاری ہو جائے تو وہ حال سے خالی نہیں یا تو پھر پہلے لطیفے پر لوٹ آتا ہے۔ اس وقت راہ ترقی سالک کے لیے مسدود ہو جاتی ہے یا دوسرے لطیفے پر وارد ہو رہے۔ اس صورت میں ترقی کی راہ کھل جاتی ہے اور دوسرے لطیفے میں بھی پہلے لطیفے کی سی حالت طاری ہوتی پھر اس حالت کے زائل ہونے کے بعد اگر وہی حالت طاری ہو تو مذکورہ بالا دو حالتوں سے خالی نہیں۔ اسی طرح سارے لطائف میں یہ حالت ہوتی ہے پس اگر وہ وارد تمام لطائف میں بطریق اصالت سرایت کرے تو ایک مقام سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور زوال سے محفوظ رہتا ہے۔

لطائف کا عمل: قلب عالم امر سے ہے اسے عالم خلق سے تعلق اور تعشق دے کر عالم خلق سے نیچے لایا گیا پھر گوشت کے ٹکڑے سے جو بائیں طرف ہے خاص تعلق بخشا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کسی خاکروب پر عاشق ہوا اور اس کے سبب سے اس خاکروب کے گھر رہے۔ روح قلب سے زیادہ لطیف ہے۔ اصحاب یمین سے ہے اور تین لطیفوں سے ہے جو لطیفہ روح سے اوپر ہیں۔ خیر الامور اوسطہا کے شرف سے مشرف ہیں۔ جتنے زیادہ لطیف ہیں اتنے ہی وسط سے زیادہ مناسب ہیں صرف اتنی بات ہے کہ سر اور خفی۔ اخفی کے دونوں طرف ہیں ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف لطیفہ نفس حواس کا مجاور ہے۔ اس کا تعلق دماغ سے ہے۔ قلب کو ترقی اس وقت ہوتی ہے جب وہ مقام روح اور اسکے اوپر کے مقام میں پہنچتا ہے۔ اسی طرح روح اور اس کے مافوق کی ترقی ان سے بالائی مقامات سے وابستہ ہے لیکن ابتداء میں یہ وصول بطریق احوال ہوتا ہے اور انتہا میں بطریق تمام۔ نفس کو اس وقت ترقی ہوتی ہے جب مقام قلب میں ابتداء میں بطریق احوالا ور انتہا میں بطریق تمام پہنچ جائے۔ آخرکار یہ چھ لطائف مقام اخفی میں پہنچ جاتے ہیں اور تمام مل کر عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کا قصد کرتے ہیں اور لطیفہ قلب کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن یہ پرواز بھی ابتداء میں بطریق احوال ہوتی ہے اور انتہا میں بطریق روح حاصل ہوتی ہے۔

مرنے سے پہلے جس موت کی بابت کہا جاتا ہے اس سے مراد قلب سے ان ہی چھ لطائف کی جدائی ہے قالب میں ان کی مفارقت کے بعد بھی حس وحرکت رہتی ہے..... ضروری نہیں کہ تمام لطائف ایک مقام میں جمع ہو کر وہاں سے پرواز کریں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلب و روح دونوں متفق ہو کر یہ کام کرتے ہیں کبھی تین کبھی چار مل کر یہ کام کرتے ہیں لیکن جب چھ مل کر پرواز کریں تو یہ نہایت اعلیٰ اکمل درجہ ہے اور ولایت محمدیؐ سے مخصوص ہے۔ اس کے سوا جو ہے وہ ولایت کی ایک قسم ہے۔ اگر وہ چھ لطائف قالب سے جدا ہونے کے بعد مقام وصول میں پہنچ کر اس کے رنگ سے رنگے جائیں اور پھر قالب میں لوٹ آئیں اور حبی تعلق کے سوا اور کوئی تعلق پیدا کریں، قالب کا حکم پیدا کریں، ملنے کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کریں اور بطور مردہ ہو جائیں تو اس وقت خاص تجلی سے متجلی ہو جاتے ہیں از سر نو زندگی پیدا کر کے مقام بقا باللہ حاصل کرتے ہیں اور اخلاق الٰہی سے متحقق ہو جاتے ہیں۔

ایسے وقت میں اگر وہ خلعت بخش کر پھر عالم میں بھیجے جائیں تو معاملہ نزدیک سے دور جا پڑتا ہے اور مقدمہ تکمیل پیدا ہوتا ہے۔ اگر پھر جہان میں نہ بھیجیں اور قرب کے بعد بُعد حاصل نہ ہو تو وہ اولیائے عزلت میں شمار ہوں گے اور ان کے ہاتھ سے طالبوں کی تربیت اور ناقصوں کی تکمیل نہ ہوگی۔

خطرات اور وساوس: (مکتوب ۶۰ دفتر اول) خطرات کا دور ہونا اور وساوس کا دفعہ ہونا حضرات خواجگان قدس سرہم کے طریقے میں پورے طور پر حاصل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس بزرگ خاندان کے بعض مشائخ نے خطرات کے دفع کرنے کے لیے چلہ کشی کی ہے تو ان تمام چالیس دنوں میں اپنے باطن کو خطرات کے آنے سے محفوظ رکھا ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کے مخلصوں میں سے ایک درویش اس مضمون کے موافق واما بنعمة ربک فحدث کہ اپنے رب کی نعمت کو ظاہر کر...... اپنا حال اس طرح بیان کرتا ہے کہ خطرات دل سے اس طرح دور ہو جاتے ہیں کہ اگر بالفرض صاحب دل کو حضرت نوح علیہ السلام کی عمر دے دی جائے تو بھی ہرگز اس کے دل میں خطرہ نہ آنے پائے۔ بغیر اس بات کے کہ وہ اس کے دفع میں کسی قسم کا تکلف کرے کیونکہ جو امر تکلف سے ہے وہ وقت تک محدود ہے ہمیشہ نہیں رہتا۔ اربعین کا مقرر کرنا بناوٹ اور تکلف کی خبر دیتا ہے۔ تکلف اور بناوٹ مرتبہ طریقت میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بناوٹ اور تکلف سے خالی ہو۔ ''یادکرد'' طریقت میں ہے اور ''یادداشت'' حقیقت میں۔ پس ثابت ہوا کہ عشرہ اور اربعین سے تکلف کے ساتھ خطرات کو روکنے میں جو وقت پر محدود ہے مطلوب کی طرف دوامی توجہ کا حاصل ہونا محال ہے پس مرتبہ تکلف میں خطرات کا آنا بے شک دوام توجہ کا مانع ہے اور دل کی دوام جو اس سلسلے علیہ کے مبتدیوں کو حاصل ہوتی ہے کچھ اور ہے۔ دوام توجہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ یادداشت سے مراد ہے جو نہایت مرتبہ کمال ہے۔

یادداشت: (مکتوب ۱۵۱ دفتر اول) حضرت خواجگان قدس سرہم کے طریقہ میں یادداشت سے مراد حضور بے غیبت ہے یعنی حضرت ذات تعالیٰ کا دوام حضور بغیر اس بات کے کہ شیونی اور اعتبار ذاتی پردے درمیان میں حائل ہوں۔ اور اگر کبھی حضور ہے اور کبھی غیبت یعنی کبھی پردے سب کے سب دور ہو جائیں اور کبھی درمیان میں آ جائیں جیسے کہ تجلی برقی میں...... پس حضور بے غیبت کا حاصل یہ ہے کہ تجلی ذاتی برقی جو شیون واعتبارات کے وسیلے کے بغیر حضرت ذات کے ظہور سے مراد ہے جو اس راہ میں میسر ہوئی اور فنائے اکمل جو اس مقام میں ثابت کرتے ہیں وہ دائمی ہو جائے اور حجاب ہرگز رجوع نہ کریں اور اگر رجوع کریں تو حضور غیبت سے بدل جائے گا اور اس کو یادداشت نہ کہیں گے پس ثابت ہوا کہ ان بزرگوں کا شہود اتم واکمل۔ وجہ یہ ہے اور فنا کا اکمل واتم ہونے کے اندازہ کے موافق ہے۔

(مبداء ومعاد) یادداشت سے مراد دائمی حضور ذات حق ہے اور یہ بات کبھی ارباب قلوب کو بھی دل کی جمعیت کی وجہ سے خیال میں آ جاتی ہے۔ جو کچھ سارے انسان میں ہے وہ اکیلے دل میں ہے پس مرتبہ قلب میں بھی حضور ذات تعالیٰ وتقدس دائمی طور پر حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ بات یادداشت کے طور

پر ہے نہ کہ یادداشت کی حقیقت۔ ہوسکتا ہے کہ بزرگوں نے جسے ہدایت میں نہایت فرمایا ہے اس مراد بھی یادداشت ہو لیکن یادداشت کی حقیقت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب نفس کا تزکیہ اور قلب کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہو سکے۔ اگر ان کی مراد ذات حق کے مرتبہ وجوب سے ہو کیونکہ ذات اس مرتبہ کے شہود میں پہنچتے ہی یادداشت حاصل ہو جاتی ہے۔

تجلیات صفائی میں بھی یہ بات حاصل ہوسکتی ہے۔ اگر ان کی مراد حضرت ذات تعالیٰ سے مرتبہ احدیت مجردہ ہو جو اسماء وصفات اور نسبت واعتبارات سے مبرا ہو تو پھر اسمائے صفاتی نسبی اور اعتباری تمام مراتب طے کرنے کے بعد یادداشت حاصل ہوتی ہے۔ میں نے جہاں کہیں یادداشت کا بیان کیا ہے اس سے آخری معنی مراد لیے ہیں۔

جو کچھ لفظ حضور کے مناسب ہے یادداشت کی تفسیر دوسرے معنوں میں کی ہے۔ اس لحاظ سے یاد داشت کو نہایت کہا باعتبار شہود و حضور ہے کہ اس مرتبہ کے آگے شہود و حضور کی گنجائش نہیں۔ وہاں یا حیرت ہے یا جہل یا معرفت لیکن وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت جانتے ہو کیونکہ وہ افعال یا صفاتی معرفت ہے اور یہ مقام اسماء وصفات سے بدرجہا اوپر ہے۔

جذبہ اور سکر - (مکتوب ۲۹۰ دفتر اول) غرض وہ بقا جو جذبہ کی جہت میں ہے خواہ کسی قسم کا جذبہ ہو سکر سے نہیں نکلتا اور صحو میں نہیں لاتا۔

نظر بر قدم

(مکتوب ۲۹۵ دفتر اول) طریقہ علیہ نقشبندیہ کے اصول مقررہ میں سے ایک نظر بر قدم ہے۔ نظر بر قدم سے مراد یہ نہیں ہے کہ نظر قدم سے تجاوز نہ کرے اور قدم سے زیادہ بلندی کی خواہش نہ کرے۔ کیونکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ نظر ہمیشہ قدم سے بلندی کی طرف چڑھے اور قدم کو اپنا ردیف بنائے کیونکہ بلندی کے زینوں پر پہلے نظر چڑھتی ہے اس کے بعد قدم صعود کرتا ہے اور جب قدم مرتبہ نظر میں پہنچتا ہے نظر اس سے اوپر کے زینے پر آجاتی ہے اور قدم بھی اس کی جمعیت میں اس زینہ پر چڑھ آتا ہے۔ بعد ازاں نظر پھر اس مقام سے ترقی کرتی ہے۔

اور اگر مراد یہ ہے کہ نظر اس مقام تک ترقی کرے جہاں قدم کی گنجائش نہ ہو۔ یہ بات بھی غیر واقع ہے کیونکہ قدم کے تمام ہونے کے بعد اگر نظر تنہا نہ ہو تو بہت سے مراتب فوت ہو جاتے ہیں۔ اگر نظر بر

قدم سے مراد یہ ہو کہ قدم نظر سے تخلف نہ کرے اس طرح پر کہ کسی وقت بھی مقام نظر سے پیچھے نہ رہے تو نیک ہے کیونکہ یہ معنی (یعنی قدم کا نظر سے پیچھے رہ جانا) ترقی کے مانع ہیں۔ ایسے ہی اگر نظر و قدم سے مراد ظاہری نظر و قدم لیے جائیں تو بھی گنجائش ہے کیونکہ راستہ چلنے کے وقت نظر پراگندہ ہو جاتی ہے اور ہر طرح کے محسوسات کی طرف لگ جاتی ہے۔ اگر نظر کو قدم پر لگایا جائے تو جمعیت کے اقرب ہے اور یہ مراد دوسرے کلمے کے معنی کے مناسب ہے جو اس کا قرین ہے۔

ہوش دردم

اور وہ کلمہ ہوش دردم ہے۔ غرض غرض کلمہ اول سے تفرقہ کے دفع کرنے کے لیے ہے جو آفاق سے پیدا ہوتا ہے اور کلمہ دوسرا (ہوش دردم) انفس کے تفرقہ کو دفع کرتا ہے۔

سفر در وطن

اور کلمہ تیسرا جو ان دونوں کلمات کے قریب ہے۔ سفر در وطن ہے اور وہ انفس میں سیر کرنے سے مراد ہے جو اندراج النہایت فی البدایت کے حاصل ہونے کا باعث ہے جو اس طریقہ کے علیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگرچہ سیر انفسی تمام طریقوں میں ہے لیکن سیر آفاقی کے حصول کے بعد ہے اور اس طریق میں اسی سیر سے شروع کرتے ہیں۔ اور سیر آفاقی اسی سیر کے ضمن میں مندرج ہے۔ اگر اس اعتبار سے بھی کہہ دیں کہ اس طریقہ علیہ میں نہایت بدایت میں مندرج ہے تو ہو سکتا ہے۔

خلوت در انجمن

چوتھا کلمہ جو ان تینوں کے ساتھ ہے خلوت در انجمن ہے۔ جب سفر در وطن میسر ہو جائے تو انجمن میں بھی خلوت خانہ وطن میں سفر کرتا ہے اور آفاق کے تفرقہ انفس کے حجرہ میں راہ نہیں پاتا یہ بھی اس صورت میں ہے کہ جو انفس کے دروازوں اور روز نوں کو بند کر لیں پس چاہیئے کہ انجمن تفرقہ میں تکلم و مخاطب نہ ہو اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ سب تکلفات اور حیلے بہانے ابتداء اور وسط ہی میں ہیں۔ انتہا میں ان میں سے کچھ بھی درکار نہیں۔ عین تفرقہ میں جمعیت کے ساتھ اور نفس غفلت میں حاضر رہتے ہیں۔
انتہا میں ان میں سے کچھ بھی درکار نہیں۔ عین تفرقہ میں جمعیت کے ساتھ غفلت میں حاضر رہتے ہیں۔
اس بیان سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ تفرقہ و عدم تفرقہ منتہی کے حق میں مطلق طور پر۔ مساوی ہے، نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ اور عدم تفرقہ اس کے باطن کی جمعیت میں برابر ہیں۔ اس کے باوجود اگر ظاہر کو

باطن کے ساتھ جمع کرے اور تفرقہ کو ظاہر سے بھی دفع کردے تو بہت ہی بہتر اور مناسب ہے۔ بعض اوقات ظاہری تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا تا کہ خلق کے حقوق ادا ہوں پس تفرقہ ظاہر بھی بعض اوقات اچھا ہوتا ہے لیکن باطن کسی وقت بھی اچھا نہیں کیونکہ باطن خالص حق تعالیٰ کے لیے ہے پس عباد یعنی بندوں کے تینوں حصے اللہ تعالیٰ کے لیے مسلّم ہوں گے۔ باطن سب کا سب اور ظاہر کا نصف حصہ اور ظاہر کا دوسرا حصہ خلق کے حقوق ادا کرنے کے لیے رہا۔ چونکہ ان حقوق کے ادا کرنے میں بھی حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے اس لیے ظاہر کا دوسرا نصف بھی حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

سیر الی اللہ

(مبداء و معاد) سیر الی اللہ سے مراد کسی ایک اسم الٰہی تک کی سیر ہے جو سالک کا مبداء تعین ہے۔

سیر فی اللہ

سیر فی اللہ سے مراد اس اسم میں یہاں تک سیر کرنا ہے کہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے لحاظ سے مجرد ذات احدیث کی بارگاہ میں پہنچ جائے۔

طریق نقشبندیہ افضل ہے

(مکتوب ۶۶ دفتر اول) حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق اندراج نہایت در بدایت پہنی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند یہ قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے انتہا کو ابتدا میں درج کر دیا ہے۔ اور یہ بعینہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریق ہے کیونکہ یہ بزرگوار آنحضرت ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے کہ امت کے اولیاء کو نہایت النہایت میں بھی اس کمال سے تھوڑا سا حصہ بمشکل حاصل ہوتا ہے۔ اسی واسطے سب زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ اصحاب کا ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہے یا عمر بن عبدالعزیزؒ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ غبار جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی درجے بہتر ہے۔

پس ناچاران حضرات کا سلسلۃ الذہب ہے اور اس طریقہ علیہ کی فضیلت دوسرے طریقوں پر ایسی ہے جیسے زمانہ اصحاب کی فضیلت اوروں کے زمانے میں۔ جن لوگوں کو کمال فضل سے ابتدا ہی میں

اس پیالہ کا گھونٹ پلا دیں ان کے سوا دوسروں کو ان کے کمالات کی حقیقت پر اطلاع پانا مشکل ہے- ان کا نہایت دوسروں کی نہایت سے بڑھ کر ہوگا- حضرت خواجہ نقشبندؒ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ

......ہم فضلی ہیں......

سفر در وطن اور سیر آفاقی

(مکتوب ۷۸ دفتر اول) سفر در وطن مشائخ نقشبندیہ قدس سرہ کا مقررہ اصول ہے اس طریق میں اس سفر کی چاشنی ابتداء میں میسر ہو جاتی ہے اور ابتداء میں نہایت کے درج ہونے کے طور پر حاصل ہو جاتی ہے اور اس گروہ میں سے جن کو مجذوب سالک بنانا چاہتے ہیں اس کو سیر بے روی میں ڈال دیتے ہیں اور سیر آفاقی کے تمام ہونے کے بعد سیر انفسی میں جس سے مراد سفر در وطن ہے آرام دیتے ہیں- اس نعمت عظمیٰ تک پہنچنا سید اولین و آخرین ﷺ کے اتباع سے وابستہ ہے- جب تک اپنے آپ کو پورے طور پر شریعت میں گم نہ کریں اور اوامر کے بجالانے اور نواہی سے رک جانے سے آراستہ نہ ہو جائیں اس دولت کی بو جان کے دماغ تک نہیں پہنچتی - باوجود شریعت کی مخالفت کے اگرچہ بال بھر ہی ہو- اگر بالفرض احوال و مواجید حاصل ہو جائیں وہ سب استدراج میں داخل ہیں آخر اس کو رسوا اور خوار کریں گے- محبوب رب العالمین ﷺ کی تابعداری کے بغیر خلاصی ممکن نہیں- چند روزہ زندگی کو خدائے تعالیٰ کی رضامندی میں صرف کرنا چاہئے- فرصت کو غنیمت جان کر خدائے تعالیٰ کی رضامندی میں (عمر) بسر کرنا چاہئے اور توبہ کی توفیق حق تعالیٰ کی عنایت سے ہے- ہمیشہ حق تعالیٰ سے توفیق مانگتے ہیں اور ان درویشوں سے جو شریعت میں راسخ قدم رکھتے ہیں اور عالم حقیقت سے بخوبی واقف ہیں دعا طلب کرنی چاہئے اور مدد لینی چاہئے- تاکہ حق تعالیٰ کی عنایت ان کی طفیل ظاہر ہو کر پوری طرح اپنی طرف کھینچ لے اور مخالفت کی اس میں گنجائش نہ رہے-

(مکتوب ۹۰ دفتر اول) پورے طور پر خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ میسر ہو جائے اور ماسوئی حق سے روگردانی حاصل ہو جائے- آج اس دولت کا حاصل ہونا اس طریقہ نقشبندیہ کے ساتھ توجہ اور اخلاص پر وابستہ ہے- بڑی بڑی سخت ریاضتوں اور مجاہدوں سے اس قدر حاصل نہیں ہوتا جو ان بزرگواروں کی ایک ہی صحبت سے حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ ان بزرگواروں کے طریق میں نہایت ابتدا میں درج ہے پہلی صحبت میں وہ کچھ بخش دیتے ہیں جو دوسرے طریقے کے منتہوں کو نہایت میں جا کر حاصل ہوتا ہے- اور

ان بزرگواروں کا طریق اصحاب کرام کا طریق ہے۔ ان کو خیر البشر ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ کمالات حاصل ہو جاتے ہیں جو اولیائے امت کو نہایت میں شاید ہی میسر ہوں اور یہی ابتداء میں انتہا کے درج ہونے کا طریق ہے۔

مریدوں کو طریقہ سکھانے کی اجازت

(مکتوب ۱۱۹ دفتر اول) مشائخ طریقت کامل ہونے سے پہلے بعض مریدوں کو طریقہ سکھانے کی اجازت فرمادیا کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ قدس سرہ نے مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ کو طریقہ سکھانے اور بعض منزلیں طے کرانے کے بعد فرمایا تھا کہ اے یعقوب! جو کچھ ہم سے تجھ کو پہنچا ہے وہ خلق کو پہنچادے حالانکہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد علاؤ الدین کی خدمت میں رہنا اور اکثر انہوں نے خواجہ علاؤ الدین کی خدمت میں کام پورا کیا۔ عبدالرحمن جامی "نفحات" میں ان کو پہلے خواجہ علاؤ الدین کے مریدوں میں گنتے ہیں اور پھر خواجہ نقشبندؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں غرض اس تفرقہ کا علاج جمعیت والوں کی صحبت ہے۔

اہل جمعیت کی صحبت

(مکتوب ۱۲۰ دفتر اول) فرصت بہت تھوڑی ہے اور اس کا صرف کرنا ایک بڑ بھاری قدم میں نہایت ضروری ہے اور وہ کام ارباب جمعیت کی صحبت ہے کیونکہ صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب صحبت ہی کے باعث انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سواسب پر اگرچہ اویس قرنی اور عمر مروانی ہی ہو فضیلت لے گئے حالانکہ صحبت کے سوا یہ دونوں بڑے درجات تک پہنچے ہوئے تھے اور بڑے بڑے کمالات حاصل کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ معاویہؓ کی خطا صحبت کی برکت سے ان دونوں اصحاب سے بہتر ہے اور عمر بن العاصؓ کا سہوان دونوں صواب سے افضل ہے۔ کیونکہ بزرگواروں کا ایمان رسول ﷺ کے دیکھنے اور فرشتہ کے حاضر ہونے اور وحی کے مشاہدے اور معجزات دیکھنے سے شہودی ہو چکا تھا اور ان کے سوا اس قسم کے کمالات جو در حقیقت تمام کمالات کا اصل اصول ہیں نصیب نہیں ہوئے۔ اور اگر اویس قرنی کو معلوم ہوتا کہ صحبت کی فضیلت میں یہ خاصیت ہے تو ان کو صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی اور اس فضیلت پر کوئی چیز اختیار نہ کرتے۔

احوال کا تغیر و تبدل

(مکتوب ۱۳۰ دفتر اول) احوال کی تلونیات کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اس بات کا مقید نہ ہونا چاہئے کہ کیا آیا اور کیا گیا۔ کیا کہا اور کیا سنا۔ مقصود کچھ اور ہی ہے جو کہنے سننے۔ دیکھنے اور مشاہدے سے منزہ و مبرا ہے۔ سلوک کے بچوں کو جز و مویز سے تسلی دیتے ہیں۔ ہمت کو بلند رکھنا چاہئے۔ کام کچھ اور ہے۔ یہ سب خواب و خیال ہے۔ خواب میں اگر کوئی اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے تو حقیقت میں بادشاہ نہیں ہے لیکن یہ خواب امیدواری بخشتی ہے۔ طریقہ نقشبندیہ قدس سرہم میں واقعات کا کچھ اعتبار نہیں کرتے۔ اگر کوئی حال آئے یا جائے کچھ شادی و غم نہیں۔ بے چون اور بے چگونی کا مطلب حاصل ہونے کا منتظر رہنا چاہئے۔

طریقہ نقشبندیہ کی خصوصیت

(مکتوب ۱۳۱ دفتر اول) جان لیں کہ حضرات خواجگان قدس سرہم کا طریقہ خدا کی طرف پہنچانے والے سب راستوں سے زیادہ قریب راستہ ہے اور دوسروں کی انتہا ان بزرگواروں کی ابتدا میں درج ہے اور ان کی نسبت سب نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ اس طریقہ میں سنت کو لازم پکڑتے ہیں اور بدعت سے بچتے ہیں اور حتی المقدور رخصت پر عمل جائز نہیں کرتے اگرچہ بظاہر باطن میں فائدہ دینے والا ہو اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ بظاہر باطن میں مضر جانیں۔ انہوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعی کے تابع کیا ہے اور ذوق و معارف کو علوم شرعیہ کے خادم سمجھتے ہیں۔ احکام شرعیہ کے نفیس موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے جوز و مویز کے عوض نہیں خریدتے اور صوفیہ کی بے ہودہ باتوں پر مغرور اور فریفتہ نہیں ہوتے۔ نص کو چھوڑ کر فص کی طرف نہیں ہوتے اور فتوحات مدینہ یعنی احادیث سے قطع نظر اور "فتوحات مکیہ" کی طرف التفات نہیں کرتے۔ ان کا حال دائمی ہے اور ان کا وقت استمراری۔ تجلی ذاتی جو اوروں کے لیے بجلی کی طرح ہے ان بزرگواروں کے لیے دائمی ہے۔ وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان بزرگواروں کے نزدیک بے اعتبار ہے۔

بدعات

بعض متاخرین نے اس طریق میں بھی نئی نئی باتیں نکالی ہیں اور ان بزرگواروں کے اصل راستہ کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ ان کے بعض مریدوں کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ ان نئی نئی باتوں نے اس طریقہ کو کامل کر دیا ہے۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اس کے خراب اور ضائع کرنے میں کوشش کی ہے۔ افسوس! ہزار افسوس!! کہ جن بدعتوں کا دوسرے سلسلوں میں نام ونشان تک نہیں پایا جاتا وہ اس طریقہ میں پیدا کر دی گئی ہیں۔ نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور گردونواح سے اس وقت لوگ تہجد کے لیے جمع ہو جاتے ہیں اور بڑی جمعیت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمہ۔ بعض فقہانے جن کے نزدیک تداعی کراہت کی شرط ہے اور نفل کی جماعت کو مسجد کے ایک کونے میں جائز قرار دیا ہے۔ تین آدمیوں کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ علماء ہی کے شہروں میں جو مجتہدین کا وطن ہے اس قسم کے محدثات اور بدعات رواج پا گئے ہیں حالانکہ ہم فقیر اسلامی علوم ان ہی کی برکت سے حاصل کرتے ہیں۔

ذکر جہر اور ذکر قلبی

(مکتوب ۱۶۸ دفتر اول) اس طریقہ علیہ کی بلندی سنت کے التزام اور بدعت کے اجتناب کے باعث ہے یہی وجہ ہے کہ اس طریقہ علیہ کے بزرگواروں نے ذکر جہر سے پرہیز فرمایا ہے اور ذکر قلبی کی طرف رہنمائی کی ہے اور سماع ورقص وتواجد سے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں نہ تھے۔ ان سے منع کیا ہے اور خلوت و چلہ صدر اول نہ تھا اس کی جگہ خلوت درانجمن کو اختیار کیا ہے۔ اسی سبب سے بڑے بڑے نتیجے اس التزام پر مترتب ہوئے ہیں اور بہت قسم کے فائدے اس اجتناب سے حاصل ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی ابتداء میں مندرج ہے اور ان کی نسبت سب نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ ان کا کلام دل کے امراض کی دوا ہے اور ان کی نظر باطنی امراض کی شفاء ہے۔ ان کی بزرگ توجہ طالبوں کو دونوں جہانوں کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے اور ان کی بلند ہمت مریدوں کو امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی تک پہنچاتی ہے۔ اس طریقہ علیہ میں ان لوگوں نے یہاں تک احداث وابداع کو رواج دیا ہے کہ اگر مخالف یہ بات کہیں کہ اس طریق میں بدعت کا التزام کرتے ہیں اور سنت سے اجتناب ہے تو بجا ہے نوافل جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس طرح بدعت کو سنت تراویح کی طرح مسجد میں رواج و رونق بخشتے ہیں اور اس عمل کو نیک جانتے ہیں اور لوگوں کو اس پر ترغیب دیتے ہیں حالانکہ فقہانے نوافل کا جماعت سے ادا کرنا نہایت ہی مکروہ کہا ہے اور بعض فقہانے جو تداعی کو جماعت نفل میں

کراہت کی شرط قرار دیا ہے۔ انہوں نے بھی جماعت نفلی کا جواز مسجد کے کونے میں مقید کیا ہے اور تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ فرمایا ہے نیز نماز تہجد کی تیرہ رکعت اس طرح خیال کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر کہ ایک کا حکم پیدا کرے کیونکہ بیٹھ کر نماز کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ہے حالانکہ یہ علم و عمل بھی سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مخالف ہے۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیرہ رکعت ادا فرمائی ہیں اور ان میں وتر بھی شامل ہیں اور نماز تہجد کی رکعتوں کا فرد اور طاق ہونا رکعات وتر کے طاق ہونے سے پیدا ہوا ہے نہ کہ جیسے کہ ان بزرگواروں نے خیال کیا ہے۔

لیکن ان دنوں میں کہ وہ نسبت شریفہ عنقائے مغرب ہو گئی ہے اور بالکل پوشیدہ ہو گئی ہے۔ اسی گروہ میں سے ایک جماعت نے اس دولت عظمیٰ کے نہ پانے اور اس نعمت اعلیٰ کے گم ہونے سے ہر طرف ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور جو ہر نفیسہ کو چھوڑ کر چند خزف ریزے یعنی ٹھیکروں پر خوش ہوئے ہیں اور نہایت بے قراری اور حیرانی سے بزرگواروں کے طریق چھوڑ کر کبھی جہر سے تسلی حاصل کرتے ہیں اور کبھی سماع و رقص سے آرام ڈھونڈتے ہیں۔ اور خلوت در انجمن نہ ہونے کے سبب سے چلہ اور خلوت کو اختیار کیا ہے اور اس سے تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسی بدعتوں کو اس نسبت شریفہ کی متمم اور مکمل خیال کرتے ہیں اور اس بربادی کو عین آبادی گنتے ہیں۔ اور چونکہ اس قسم کی بدعتیں اس ملک میں یہاں تک پھیلی ہوئی ہیں کہ بزرگواروں کے اصل طریق کو پوشیدہ کر دیا ہے اور وہاں کے ہر شریف و خسیس نے نئی اور جدید وضع اختیار کر لی ہے اور اصل اور قدیم طریق کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے۔

طریق دعوت

ہمارا طریق دعوت اسما کا طریق نہیں ہے۔ اس طریق کے بزرگواروں نے ان اسماء کے مسمّیٰ میں فنا ہونا اختیار کیا ہے اور ابتداء ہی سے ان کی توجہ احدیت صرف کی طرف ہے اور اسم و صفت سے سوائے ذات کے کچھ اور نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اوروں کی نہایت ان کی ہدایت مندرج ذیل ہے۔

جب اخفیٰ نفس امارہ کا حکم رکھتا ہے۔

اخفیٰ اگر لطائف میں سے لطیف ہے لیکن دائرہ امکان میں داخل ہے اور حدوث کے داغ سے داغ دار ہے۔ جب سالک دائرہ امکان سے پاؤں باہر رکھتا ہے اور مراتب وجوب میں سیر فرماتا ہے۔ اور ظلال وجوبی سے ان کے اصلوں میں پہنچتا ہے اور صفت و شان کی قید سے چھوٹ جاتا ہے ناچار ممکن اس کو خوار و بے اعتبار نظر آتا ہے۔ اور اس کے احسن الطف کو دناءت و خساست میں برابر دیکھتا ہے اور نفس و اخفیٰ کو اس مقام میں یکساں خیال کرتا ہے۔ (مکتوب ۲۰۰ دفتر اول)

نظریہ وحدت الوجود

توحید وجودی

ہمہ اوست (ابن عربیؒ)...... ہمہ از اوست

(حضرت مجدد الف ثانی)

پس ان کے کلام ہمہ اوست کے معنی ہمہ از اوست ہوں گے جو علمائے کرام کے نزدیک مختار ہیں اور علماء کرام اور صوفیہ عظام کے درمیان کوئی نزاع ثابت نہ ہوگی۔ دونوں اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ صوفیاء اشیا کو حق اللہ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے بھی کنارا کرتے ہیں کہ حلول واتحاد کا وہم پیدا نہ ہو۔ (مکتوب ۴۴ دفتر دوم)

حضور علیہ الصلوٰۃ کی امت میں سے یہ کمینہ اور عاجز فقیر اس قسم کی معرفت سے جو اول اول حاصل ہوئی ندامت اور استغفار کرتا ہے اور اس شہود کی نصاریٰ کے حلول کی طرح پاک جناب سے نفی کرتا ہے پس کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہے اور جو کچھ نفی کے لائق ہے وہ اس پاک بارگاہ سے منفی اور دور ہے

(مکتوب ۲۷۳ دفتر اول)

فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہ ہوگا کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم اور وہ عکس جو اسماوصفات سے اس عدم میں منعکس ہوا ہے وہ ان کا شبح ومثال ہے نہ کہ عین پس ہمہ اوست کہنا درست نہیں ہوگا ہمہ از اوست کہنا درست ہوگا (مکتوب ا دفتر دوم)

فقیر نے جس قدر معارف لکھے ہیں ان کا حاصل ہمہ از اوست ہے جو شرع وعقل کے نزدیک مقبول ہے جبکہ کشف والہام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(مکتوب ۲۷ دفتر دوم)

مختصرات

عجب معاملہ ہے شیخ ابن عربی باوجود اس گفتگو اور ان خلاف جواز اور مخالف شطحیات کے مقبولوں میں نظر آتا ہے (اوران کا شمار اولیاء اللہ میں ہے) (مکتوب ۷۷ دفتر سوم)

اس توحید وجودی سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ امر نہ جانتا تھا۔ عاجزی اور زاری سے دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ سارے حجاب سامنے سے اٹھ گئے اور حقیقت منکشف ہو گئی اور

معلوم ہو گیا کہ عالم ہر چند صفاتی کمالات کا آئینہ اور اسمائے ظہور کی جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے جیسے کہ توحید وجودی والوں کا مذہب ہے۔

(مکتوب ۸ دفتر اول)

حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہے۔ خدا خدا ہے۔ عالم عالم ہے۔ بے چون کو چون کا عین نہیں کہہ سکتے۔ (مکتوب ۸ دفتر اول)

فقیر نے وحدت الوجود کو قبول کیا ہوا تھا تو وہ کشف اور تقلید سے نہ تھا۔ اب انکار ہے تو الہام کے سبب سے ہے۔

ان کی باتیں (وجودی مذہب والے) خلقت کو گمراہی اور الحاد کی طرف رہنمائی کر کے زندقہ تک پہنچا دیتی ہیں۔ (مکتوب ۸ دفتر اول)

کچھ دیر تک تو انکار میں متوقف رہا آخر کار انکار تک نوبت پہنچ گئی۔ ظاہر ہوا کہ یہ مرتبہ بہت پست ہے۔

انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق ہے اور میں نہیں ہوں۔

شریعت اور طریقت ایک دوسرے کی عین ہیں. جو کچھ شریعت کے مخالف ہے مردود ہے اور جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا ہے وہ زندقہ ہے۔

عجب معاملہ ہے شیخ ابن عربی مقبولوں میں نظر آتا ہے لیکن اس کے اکثر علوم آرائے اہل حق کے مخالف ہیں۔ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول)

فنا اور بقا اور ولایت صغریٰ و کبریٰ کے کمالات حاصل کرنے کے لیے توحید وجودی کچھ درکار نہیں (مکتوب ۲۷۳ دفتر دوم)

حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دنیا بھی فقیر پر بہت گراں اور دشوار گزرتا ہے۔

حضرت قبلہ گاہی حضرت خواجہ باقی باللہؒ...... کچھ مدت توحید وجودی والوں کا مشرب رکھتے تھے اور اپنے رسالوں اور خطوط میں بھی اس کو ظاہر فرماتے تھے لیکن آخر کار حق تعالیٰ نے کمال عنایت سے اس مقام سے ترقی عطا فرما کر شاہراہ پر ڈالا اور معرفت کی تنگی سے خلاصی بخشی...... مرض الموت سے ایک ہفتہ پہلے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے پہلے بھی علم تھا عین الیقین سے معلوم ہو گیا تھا۔ توحید وجودی تنگ کوچہ ہے شاہراہ اور ہے۔

اور یہ فقیر بھی (حضرت مجدد) کچھ مدت تک حضرت قدس سرہ کی درگاہ میں اسی توحید کا مشرب رکھتا تھا اور یہی طریق اختیار کر رکھا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی عنایت سے اس مقام سے گزار کر اس مقام کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا مشرف فرمایا۔

حضرت شیخ ابن عربی بانی نظریہ وحدت الوجود

(مکتوب ۷۹ دفتر سوم) کیا کیا جائے اس میدان میں شیخ (ابن عربی) قدس سرہ ہی ہیں جن کے ساتھ کبھی لڑائی ہے اور کبھی صلح کیونکہ انہوں نے سخن معرفت و عرفان کی بنیاد رکھی اور اس کو شرح و بسط دے کر توحید و اتحاد کو مفصل طور پر بیان کیا۔ اور تعدد و تکثر کا منشاء ظاہر فرمایا ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے وجود کو بالکل حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور عالم کو موہوم و متخیل بنایا ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے عالم کو عین حق جانا ہے اور ہمہ اوست کہا ہے اور باوجود اس کے حق تعالیٰ کے مرتبہ تنزیہ کو عالم کو ماوراء معلوم کیا اور اس کو دیدہ و دانش سے مبرا اور منزہ سمجھا ہے۔ ان مشائخ نے جو شیخ قدس سرہ سے پہلے ہوئے ہیں اگر اس بارے میں گفتگو کی ہے تو رموز و اشارات کے طور پر بیان کیا ہے اور اس کی شرح و بسط میں مشغول نہیں ہوئے اور وہ مشائخ جو شیخ کے بعد ہیں ان میں سے اکثر نے شیخ کی تقلید اختیار کی ہے۔ اور ان کی اصطلاحات کے مطابق گفتگو کی ہے۔ ہم پس ماندوں نے بھی اس بزرگ کی برکات سے استفادہ کیا ہے اور اس کے علوم و معارف سے بہت فائدے حاصل کیے ہیں لیکن چونکہ بشریت کے مطابق خطا و صواب ایک دوسرے کے ساتھ ملا جلا ہے اور انسان احکام میں کبھی خطا پر ہے اور کبھی صواب پر اس لیے اہل حق کے سواد اعظم کے احکام کی موافقت کو صواب کا مصداق اور ان کی مخالفت کو خطا کی دلیل سمجھنا چاہیے۔ کہنے والا خواہ کوئی ہو اور خواہ کوئی کلام ہو۔

ہمہ اوست

(مکتوب ۸۹ دفتر سوم) متاخرین صوفیہ میں بھی یہ عبارت شائع اور عام ہے اور اسے بے تکلف ''ہمہ اوست'' کہتے ہیں اور اس قول پر اصرار کرتے ہیں۔ بہت کم لوگ اس قسم کی عبارتوں میں تردد رکھتے ہیں اور انکار ظاہر کرتے ہیں۔ جو کچھ اس فقیر نے ان کے اطلاقات سے ہمہ اوست کے معنی سمجھے ہیں یہ ہیں کہ تمام متفرقہ حادثہ جزئیات ایک ہی ذات تعالیٰ کا ظہور ہیں جس طرح زید کی صورت بے شمار آئینوں اور متعدد آئینوں میں منعکس ہو جائے اور وہاں ظہور کرے اور ہمہ اوست کہہ دیں۔ یعنی یہ تمام صورتیں

جنہوں نے بے شمار آئینوں میں نمود وظہور پیدا کیا ہے زید کی ایک ذات کا ظہور ہیں- متقدمین صوفیہ میں سے بہت سے بزرگوار اس توحید آمیز عبارت سے حلول اور اتحاد سمجھتے ہیں اور کہنے والوں کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں حالانکہ تحقیق سے واضح ہو چکا ہے کہ اس قسم کی شطحیہ عبارتوں میں کوئی حلول واتحاد نہیں متقدمین صوفیہ میں یہ مسئلہ صاف اور واضح نہیں ہوا تھا- ان میں سے کوئی مغلوب الحال ہو جاتا تھا تو اس سے اس قسم کے اتحاد نما توحیدی کلمات سرزد ہو جاتے تھے اور غلبہ سکر کے باعث اس کے ہر کو نہ پا سکتے تھے- جب شیخ محی الدین ابن عربیؒ تک نوبت پہنچی- انہوں نے کمال معرفت سے اس مسئلہ دقیقہ کو مشرح کیا اور بابوں اور فصلوں میں تقسیم کر کے صرف ونحو کی طرح جمع کیا- پھر بھی اس طائفہ میں سے بعض نے اس کی مراد کو نہ سمجھ کر اس کو خطا کی طرف منسوب کیا اور اس پر طعن وملامت کی- اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہے- حضرت امام اعظمؒ (ابوحنیفہ) اور ابو یوسف متعلق قرآن میں چھ مہینے تک ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرتے رہے اور ردو بدل فرماتے رہے- چھ مہینوں کے بعد یہ بات قرار پائی کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جاتا ہے- اتنی مدت تک یہ بحث مباحثہ اس لیے ہوتا رہا کہ مسئلہ واضح اور صاف نہیں ہوا تھا اب چونکہ مختلف فکروں کے ملنے سے واضح ہو چکا ہے-

چونکہ غلبہ محبت کے باعث محبوب کے سوا کچھ بھی ان کے مشہود میں نہیں رہتا اس لیے ہمہ اوست کہہ دیتے ہیں یعنی یہ سب کچھ جو ثابت دکھائی دیتا ہے سراسر وہم وخیال ہی ہے- نہ حلول وتکون کا گمان لیکن یہ فقیر اس قسم کی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا اور اس قسم کے مقاصد سے مبرا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے مرتبہ تقدس وتنزہ کے لائق نہیں یہ اشیاء کیا ہیں جو اس کا مظہر ہو سکیں- حق تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا بڑی بے ادبی اور دلیری ہے- حق تعالیٰ وراء الورا ہے اور جو کچھ مشہود ہے نفی کے لائق ہے پھر وہ حق تعالیٰ کیسے ہو سکتا ہے- اس مسئلہ میں جو کچھ اس فقیر کے نزدیک مختار اور شان تقدیس وتنزیہہ کے مناسب ہے وہ ہمہ از اوست ہے کی عبارت ہے- نہ ان معنی کے لحاظ سے جس پر علمائے ظاہر کفایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب کا صدور اور خلق اسی سے ہے کیونکہ یہ خود صادق اور واضح ہے بلکہ اس کے علاوہ یہاں اور علاقہ اور نسبت بھی ہے جس کی طرف علماء نے ہدایت نہیں پائی اور صوفیہ اس کی دریافت سے ممتاز ہوئے- وہ اصالت اور ظلیت کا ارتباط اور باہمی رابطہ ہے- پس صوفیہ کے طور پر عالم حق تعالیٰ سے صادر بھی ہے- اور اس کے کمالات کا ظل بھی ہے- وجود واجب تعالیٰ کے وجود کا ظل اور پرتو ہے- یہ سب حق تعالیٰ کے کمالات کے ظلال اور ان کمالات کی صورتیں اور مثالیں ہیں- یہی اصالت اور ظلیت کا ارتباط ہے-

یہی معاملہ صوفیہ کو اعلیٰ علیین تک لے گیا ہے اور ان کو فنا و بقا تک پہنچا کر ولایت خاصہ کے ساتھ متحقق کیا ہے۔ چونکہ علمائے ظاہر کو یہ دید میسر نہیں ہوئی اس لیے فنا و بقا سے بہرہ مند اور ولایت خاصہ کے ساتھ متحقق نہیں ہیں۔

تحقیق سے واضح ہوا کہ صوفیہ جو کلام ہمہ اوست کے قائل ہیں عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے بلکہ ظہور و ظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں۔ وجود و تحقیق کے اعتبار سے اگرچہ ان کی ظاہر عبارت سے اتحاد وجودی کا وہم گزرتا ہے لیکن ہرگز ہرگز ان کی یہ مراد نہیں ہے کیونکہ یہ کفر و الحاد ہے جب ایک کا دوسرے پر حمل کرنا باعتبار ظہور کے ہے نہ باعتبار وجود کے تو پھر ہمہ اوست کے معنی ہمہ از اوست ہیں کیونکہ شے کا ظل اسی شے سے پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ غلبہ حال میں ہمہ اوست کہتے ہیں لیکن درحقیقت ان کی مراد ہمہ از اوست ہے۔ پس اس بیان کے موافق ان کے کلام پر اعتراض کرنے اور کلام کے کہنے والے کو کافر اور گمراہ کہنے کی کوئی مجال نہیں رہی۔

واضح ہو کہ ظل شے سے مراد اس شے کے ظہور سے ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربی کا مقام

(مکتوب ۷۷ دفتر سوم) اس کا کیا علاج کیا جائے۔ عجب معاملہ ہے۔ شیخ (ابن عربی) باوجود اس گفتگو اور ان خلاف جواز اور مخالف شطحیات کے مقبولوں میں سے نظر آتا ہے اور اولیاء کے زمرہ میں گنا جاتا ہے۔ کبھی دعا سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور کبھی گالیوں پر ہنستے ہیں شیخ (ابن عربی) کا رد کرنے والا بھی خطرے میں ہے اس کی ان باتوں کو قبول کرنے والا بھی خطرے میں ہے۔ شیخ کو قبول کرنا چاہئے اور اس کی مخالف باتوں کو قبول نہ کرنا چاہئے۔ شیخ کے قبول اور عدم قبول کے بارے میں اوسط طریق کے فقیر کے نزدیک یہی ہے۔

مسئلہ وحدت الوجود

(مکتوب ۸ دفتر اول) مسئلہ وحدت الوجود اور اس کے متعلقات کی نسبت جو کچھ صوفیہ نے بیان کیا ہے ابتداء میں اس حال سے مشرف ہوا اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہوا۔ اس مقام سے کئی درجے اوپر گئے اور اس ضمن میں کئی قسم کے علوم کا افادہ فرمایا لیکن قوم کی کوئی کلام صریح طور پر ان مقامات اور معارف کے مصداق پائی نہیں جاتی البتہ ان میں سے بعض بزرگوں کے کلام شریف میں اجمالی رموز و اشارات ہیں لیکن ان علوم کی صحت پر ظاہر شریعت اور علمائے اہل سنت کے اجماع کی موافقت گواہ عادل

ہے۔ظاہر شریعت کے ساتھ کسی چیز میں مخالفت نہیں رکھتے ۔ہاں حکماء اور ان کے معقولی اصول کے ساتھ کچھ موافقت نہیں رکھتے بلکہ علمائے اسلام میں سے وہ لوگ جو اہل سنت سے مخالفت رکھتے ہیں ان کے اصول سے بھی موافق نہیں ہیں۔

(مکتوب ۱۳ دفتر اول) جیسا کہ کئی دفعہ عرض کیا گیا تھا اور افعال و صفات کو اصل سے جانتا تھا جب اصل حقیقت معلوم ہوئی وہ تردد دور ہو گیا اور ہمہ از اوست والا پلڑا ہمہ اوست کے مقولہ سے غالب معلوم کیا اور اس میں کمال زیادہ دیکھا ۔اور افعال و صفات کو بھی اور ہی رنگ میں معلوم کیا ۔سب کو ایک ایک کر کے دکھایا اور اوپر کو گزر کرایا اور شک وشبہ بالکل دور ہو گیا ۔اور تمام کشفی علوم ظاہر شریعت کے مطابق ہو گئے اور ظاہر شریعت سے سرمو مخالفت نہ دیکھی جو بعض صوفیہ کشفوں کو ظاہر شریعت کے مخالف بیان کرتے ہیں یا سہو سے ہے یا سکر کی وجہ سے ۔باطن ظاہر کے کچھ مخالف نہیں ۔اثنائے راہ میں سالک کو مخالفت نظر آتی ہے تو جیہہ اور جمع کی طرف محتاج ہوتا ہے لیکن منتہی حقیقی باطن کو ظاہر شریعت کے موافق معلوم کرتا ہے۔

(مکتوب ۳۱ دفتر اول) فقیر کا اعتقاد لڑکپن سے اہل توحید کا مشرف تھا اور فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ بظاہر اسی مشرب پر ہوئے ہیں ۔فقیر کو اس مشرب سے ازروئے علم کے بہت فائدہ اور بڑی لذت حاصل تھی یہاں تک حضرت قبلہ خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت و صحبت نصیب کی ۔انہوں نے فقیر کو طریقہ علیہ نقشبندیہ تعلیم فرمائی ۔اس طریقہ علیہ کی مشق کے بعد تھوڑی مدت میں توحید وجودی منکشف ہوگئی اور اس سے کشف حد سے بڑھ کر اضافہ پیدا ہوا ۔اور اس مقام کے علوم و معارف بہت ظاہر ہوئے اس مرتبہ کے دقائق میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جس کو فقیر پر منکشف نہ کیا ہو اور شیخ محی الدین ابن عربی کے معارف کے دقائق کو جیسے کہ چاہئے ظاہر فرمایا ۔اور تجلی ذاتی سے بھی مشرف ہوا اور اس تجلی کے علوم و معارف بھی جن کو شیخ خاتم الولایت سے مخصوص جانتا ہے مفصل معلوم ہوئے ۔یہ حال بہت مدت تک رہا اور مہینوں سے برسوں تک نوبت پہنچ گئی ۔ناگاہ حق تعالیٰ کی عنایت بے غایت دریچہ غیب سے میدان ظہور میں آئی ۔بے چونی اور بے چگونی کے چہرے کو ڈھانپنے والے پردے کو دور کر دیا ۔وہ پہلے علوم جو اتحاد اور وحدت وجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونے لگے ۔احاطہ و سریان اور قرب و معیت ذاتیہ جو اس مقام میں ظاہر ہوئی تھی پوشیدہ ہو گئی اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ کے علوم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں سے کوئی بھی نسبت ثابت نہیں۔

حق تعالیٰ کا احاطہ اور قرب علمی سے جیسے کہ اہل حق کے نزدیک ثابت ہے اور مقرر ہے ۔اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کی جزا دے اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہے ۔خدا خدا ہے اور عالم عالم ۔حق

تعالیٰ بے چون اور بے چگون ہے اور عالم سراسر چونی اور بے چگونی کے داغ سے داغدار ہے۔ بے چون کو چون کا عین نہیں کہہ سکتے۔ واجب ممکن کو عین اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہو سکتا ممتنع العدم جائز العدم کا عین نہیں بن سکتا۔

حقائق کا انقلاب عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور ایک دوسرے پر حمل کرنے کا ثبوت کلی طور پر ممتنع ہے۔ تعجب ہے کہ شیخ محی الدین کے تابعدار حق تعالیٰ کی ذات کو مجہول مطلق کہتے ہیں اور کسی حکم کے ساتھ اس کو محکوم علیہ نہیں جانتے اور باوجود اس کے احاطہ ذاتی اور قرب و معیت ذاتی ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہ حکم حق تعالیٰ کی ذات پر ہے اور توحید وجود کے مشرب کے مخالف علوم و معارف کے حاصل ہونے کے وقت یہ فقیر بہت بے قرار ہوا کیونکہ اس توحید سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ امر نہ جانتا تھا اور عاجزی اور زاری سے دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ سارے حجاب سامنے سے زائل ہو گئے اور کما حقہٗ حقیقت منکشف ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ عالم ہر چند صفاتی کمالات کا آئینہ اور اسمائے ظہور کی جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے جیسے کہ توحید وجودی والوں کا مذہب ہے۔

عالم اپنے صانع کے وجود کے لیے علامت اور اس کے اسمائی اور صفائی کمالات ظہور کے لیے مظہر ہے اور یہی علاقہ بعض عارضوں کے باعث بعض کے وہمی احکام کے باعث ہو جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خطائے کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے کہ جس سے ملامت و عتاب رفع ہے۔ واجب تعالیٰ جو بے چون اور بے چگون ہے ہرگز چون کے آئینوں میں نہیں سما سکتا اور چندی کے جولانگاہ میں نہیں آتا اور لامکانی مکان میں گنجائش نہیں رکھتا۔ جو کچھ آفاق و انفس میں دیکھا جاتا ہے وہ حق تعالیٰ کے نشانات ہیں۔ فقیر نے وحدت وجود کو قبول کیا ہوا تھا۔ تو وہ کشف نہ تھا نہ از روئے تقلید کے اور اگر اب انکار ہے تو الہام کے سبب سے ہے اور الہام میں انکار کی گنجائش نہیں۔

تین گروہ

(مکتوب ۱۶۰ دفتر اول) مشائخ طریقت قدس سرہم کے (اس سلسلے میں) تین گروہ ہیں۔

پہلا گروہ:

اس بات کا قائل ہے کہ عالم حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہے اور جو کچھ اس میں اوصاف و کمال ہیں سب حق تعالیٰ کی ایجاد سے ہیں اور اپنے آپ کو شبح یعنی ظاہری صورت اور سانچے سے زیادہ نہیں جانتے اور بیچارگی و نیستی میں ایسے گم ہوتے ہیں کہ نہ عالم کی خبر رکھتے ہیں اور نہ اپنی۔ اہل سنت کے ساتھ متفق ہیں۔

فنائے حقیقی سے مشرف ہو کر تجلیات ذاتیہ کی قابلیت پیدا کرتے ہیں اور بے اندازہ تجلیات کا مظہر ہو جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ:

عالم حق تعالیٰ کا ظل جانتا ہے لیکن اس بات کے قائل ہیں کہ عالم خارج میں موجود ہے لیکن ظلیت کے طریق پر نہ کہ بطریق اصالت اور ان کا وجود حق تعالیٰ کے وجود سے قائم ہے جیسے کہ سایہ اپنے اصل سے قائم ہوتا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ بُرے کا پیدا کرنا بُرا نہیں ہے بلکہ بُرے کا فعل وکسب برا ہے۔

تیسرا گروہ:

وحدت وجود کا قائل ہے یعنی خارج میں فقط ایک ہی موجود ہے اور وہ حق تعالیٰ کی ذات ہے اور عالم کا خارج میں علمی ثبوت کے سوا ہرگز کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اگرچہ یہ لوگ بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظل کہتے ہیں لیکن ان کا ظلی وجود صرف مرتبہ میں ذات احد کو اس مرتبہ کے لائق احکام سے متصف کرتے ہیں اور متلذذ اور متالم اسی ذات کو جانتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ وصل وکمال کے درجات کے تفاوت کے موافق واصل کامل ہیں لیکن ان کی باتیں خلقت کو گمراہی اور الحاد کی طرف رہنمائی کر کے زندقہ تک پہنچا دیتی ہیں۔

یہ درویش (حضرت مجددؒ) جس سے ان سطور کا استفادہ ہوا ہے پہلے (اس) توحید کا معتقد تھا اور بچپن کے زمانے سے اس توحید کا علم رکھتا تھا اور یہ علم یقین تک پہنچ چکا تھا۔ ہر چند حال نہ رکھتا تھا اور جب اس راہ میں آیا پہلے توحید کا راہ منکشف ہوا۔ کچھ مدت تک اس مقام کے مرتبوں میں جولان کرتا رہا۔ اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے فائض ہوئے اور وہ مشکلات اور واردات جو توحید والوں پر وارد ہوتی ہیں کشوف اور علم فائضہ کے ساتھ سب حل ہو گئیں۔ کچھ مدت کے بعد ایک اور نسبت نے اس درویش پر غلبہ کیا اور اس کے غلبہ میں توحید میں توقف کیا۔ لیکن یہ توقف حسن ظن سے تھا نہ انکار سے۔ کچھ مدت تک تو انکار میں متوقف رہا۔ آخر کار انکار تک نوبت پہنچ گئی اور ظاہر ہوا کہ یہ مرتبہ نہایت ہی پست ہے۔ مقام ظلیت میں اسباب پہنچانا چاہئے لیکن فقیر اس انکار میں بے اختیار تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے نکلے کیونکہ بڑے بڑے مشائخ اس مقام میں اقامت رکھتے تھے اور جب مقام ظلیت میں پہنچا اور اپنے آپ کو اور عالم کو ظل معلوم کیا جیسے کہ دوسرے گروہ کے لوگ قائل ہیں تب یہ آرزو ہوئی کہ کاش فقیر کو اس مقام سے نہ نکالیں کیونکہ فقیر وحدت وجود کو کمال جانتا تھا اور یہ مقام کچھ کچھ اس سے مناسبت

رکھتا تھا- اتفاقاً کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی اوپر لے گئے اور مقام عبدیت تک پہنچا دیا- اس وقت اس مقام کا کمال نظر آیا اور اس کی بلندی ظاہر ہوئی- اور گزشتہ مقامات سے توبہ و استغفار کی اور اگر اس درویش کو اس طریقہ پر اوپر نہ لے جاتے اور بعض سے بعض کی بلندی و فوقیت ظاہر نہ کرتے تو اپنے تنزل کو اس مقام میں جانتا کیونکہ اس کے نزدیک توحید وجودی سے بڑھ کر کوئی بلند مقام نہ تھا-

(مکتوب ۴۴ دفتر دوم) صوفیہ علیہ میں سے جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کا حکم کرتے ہیں- ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہ تنزل کر کے تشبیہ بن گئی ہے اور واجب ممکن ہو گیا ہے اور بے چون چون میں آ گیا ہے کہ یہ سب کفر و الحاد گمراہی اور زندقہ ہے- وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت نہ تنزل نہ تشبیہ- حق تعالیٰ اسی صرافت اطلاق پر ہے- وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف نہیں آیا بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اشیاء نہیں ہیں اور حق تعالیٰ موجود ہے- منصورؒ نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق کے ساتھ متحد ہوں کہ یہ کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب ہے بلکہ اس قول کے یہ معنی ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق تعالیٰ موجود ہے- حاصل کلام یہ کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آئینے خیال کرتے ہیں بغیر اس بات کے کہ ان میں تغیر و تبدل ہو جس طرح کسی شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے- اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ اشیاء صوفیہ کے نزدیک حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ حق تعالیٰ کا عین پس ان کی کلام ہمہ اوست کے معنی ہمہ از اوست ہوں گے- جو علمائے کرام کے نزدیک مختار ہیں اور در حقیقت علمائے کرام اور صوفیہ عظام کے درمیان کوئی نزاع ثابت نہ ہوگی اور دونوں اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہوگا البتہ اس قدر فرق ضرور ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء سے لفظ سے بھی کنارا کرتے ہیں تاکہ حلول و اتحاد کا وہم نہ پایا جائے-

سوفطائی جو عالم کو وہم و خیالات جانتے ہیں ان کے نزدیک وہم و خیال کے اٹھ جانے سے اشیاء بھی اٹھ جاتی ہیں- غرض یہ بے وقوف صانع مختار جل شانہٗ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں- خلاصہ یہ ہے کہ صوفیہ اس وجود کو وہمی کہتے ہیں اس لیے کہ عروج کے وقت اشیاء کا وجود ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے وجود کے سوا ان کی نظر میں کچھ نہیں رہتا اور علماء اس وجود پر وہم کا لفظ بولنے سے کنارہ کرتے ہیں اور وجود وہمی نہیں کہتے تاکہ کوئی کوتاہ نظر اس کے رفع ہونے کا حکم نہ کرے- پس صوفیہ

جو وحدت الوجود کے قائل ہیں حق پر ہیں اور علماء جو کثرت وجود کا حکم کرتے ہیں حق پر ہیں- صوفیہ کے احوال کے مناسب وحدت ہے اور احکام کا جدا جدا ہونا کثرت پر موقوف ہے- وحدت الوجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور کثرت کا معاملہ اس کے مقابلے میں مجاز کی طرح اسی واسطے اس عالم کو عالم حقیقت کہتے ہیں اور اس کو عالم مجاز لیکن چونکہ ظہورات حق تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ اور دائمی ابدی بقا اشیاء کو عطا فرماتی ہیں اور قدرت کو حکمت کے لباس میں ظاہر کیا ہے اور اسباب کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے اس لیے وہ حقیقت گویا متروک ہے اور یہ مجاز متعارف و مشہود ہے-

توحید شہودی اور توحید وجودی

(مکتوب ۴۳ دفتر اول) وہ توحید جو اثنائے راہ میں اس بزرگ گروہ کو حاصل ہوتی ہے دو قسم پر ہے- توحید شہودی اور توحید وجودی ایک کو موجود جاننا اور اس کے غیر کو نابود سمجھنا اور غیر کو معلوم جاننے کے باوجود اس ایک کا مظہر اور جلوہ گاہ خیال کرنا ہے-

پس توحید وجودی علم الیقین کی قسم سے ہے اور توحید شہودی اس راہ کی ضروریات سے ہے کیونکہ فنا اس توحید کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور مرتبہ عین الیقین اس کے سوا میسر نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ایک کو غلبہ کے ساتھ دیکھنا اس کے ماسوا کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہے- برخلاف توحید وجودی کے کہ وہ ایسی نہیں ہے یعنی ضروری نہیں ہے کیونکہ علم الیقین بغیر اس معرفت کے حاصل ہے کیونکہ علم الیقین اس کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں ہے- حاصل کلام یہ ہے کہ اس ایک کے علم کا غلبہ ماسوا کے علم کی نفی کو مستلزم ہے-

ایک شخص کو آفتاب کے وجود کا علم حاصل ہو گیا تو اس یقین کا غلبہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ستاروں کو اس وقت نیست و نابود جانے لیکن جب آفتاب کو دیکھے گا اس وقت ستاروں کو نہ دیکھے گا اور آفتاب کے سوا اس کو کچھ نظر نہ آئے گا اور اس وقت بھی جبکہ ستاروں کو نہیں دیکھتا وہ جانتا ہے کہ ستارے نیست و نابود نہیں ہیں بلکہ جانتا ہے کہ ستارے موجود ہیں لیکن چھپے ہوئے ہیں اور سورج کی روشنی میں مغلوب ہیں اور یہ شخص ان لوگوں کے ساتھ جو اس وقت ستاروں کے وجود کی نفی کرتے ہیں انکار کے مقام میں ہے اور جانتا ہے کہ یہ معرفت صحیح نہیں ہے پس توحید وجودی کہ جس میں ماسوائے ذات حق کی نفی ہے عقل و شرع کے مخالف ہے برخلاف توحید شہودی کے کہ ایک کو دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں ہے مثلاً آفتاب کے طلوع ہونے کے وقت ستاروں کی نفی کرنا اور ان کو معدوم سمجھنا خلاف واقع ہے لیکن ستاروں کو اس وقت نہ دیکھنا کچھ مخالف نہیں ہے بلکہ وہ نہ دیکھنا بھی آفتاب کی روشنی کے غلبہ اور دیکھنے والوں کی کمزوری کے باعث ہے- اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کی روشنی سے روشن ہو جائے اور قوت پیدا

کردے تو ستاروں کو آفتاب سے جدا دیکھے گا اور یہ دیکھنا حق الیقین نہیں ہے۔ پس بعض مشائخ کے اقوال جو بظاہر شریعت حقہ کے مخالف نظر آتے ہیں اور بعض لوگ ان کو توحید وجودی پر حمل کرتے ہیں مثلاً منصور حلاجؒ کا انا الحق کہنا اور حضرت بایزیدؒ بطامی کا سبحانی ما اعظم شانی پکارنا وغیرہ وغیرہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ ان اقوال کو توحید شہودی پر محمول کیا جائے اور مخالفت کو دور کیا جائے۔ جب ماسوائے حق ان کی نظر سے مخفی ہو گیا تو غلبہ حال کے وقت اس قسم کے الفاظ ان سے سرزد ہوئے اور حق کے سوا اس سے غیر کو ثابت نہ کیا اور انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق ہے اور میں نہیں ہوں اور جب وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا تو اثبات نہیں کرتا نہ یہ کہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور اس کو حق کہتا ہے کہ یہ خود کفر ہے اس جگہ کوئی یہ کہے کہ اثبات نہ کرنا نفی تک پہنچا دیتا ہے اور وہ بعینہ توحید وجودی ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اثبات کے نہ کرنے سے نفی لازم نہیں آتی بلکہ اس مقام میں حیرت ہے۔ احکام سب کے سب ساقط ہو چکے ہیں اور "سبحانی" میں بھی حق تعالیٰ کی تنزیہ ہے نہ اس کی اپنی تنزیہ کہ وہ بالکل اپنی نظر سے دور ہو چکا ہوا ہے اور کوئی حکم اس کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ اس قسم کی باتیں مقام عین الیقین میں جو مقام حیرت سے بعض لوگوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب اس مقام سے ترقی کر کے حق الیقین تک پہنچتے ہیں تو اس قسم کی باتوں سے کنارہ کرتے ہیں۔ اور حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے۔

اسی زمانے میں اس گروہ میں سے بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو صوفیوں کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں توحید وجودی کو شائع کیا ہوا ہے اور اس کے سوا کچھ کمال نہیں جانتے اور علم الیقین ہی کو کمال سمجھ کر عین الیقین سے رکے ہوئے ہیں۔ توحید وجودی والوں نے توحید شہودی کی مثالی صورت کو دیکھا ہے نہ یہ کہ توحید شہودی سے متحقق ہوئے ہیں اور توحید شہودی کو اپنی اس صورت مثال کے ساتھ درحقیقت کچھ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس توحید کے حاصل ہونے کے وقت حیرت ہے اور اس مقام میں کسی امر کے ساتھ حکم نہیں ہے اور اس توحید وجودی والا توحید شہودی کی مثالی صورت کے مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی علم الیقین والوں میں سے ہے کیونکہ ماسوائے اللہ کے وجود کی نفی کرتا ہے اور یہ نفی مقولہ علم الیقین کے احکام میں سے ایک حکم ہے حیرت اور علم ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوتے پس ثابت ہوا کہ توحید وجودی والا عین الیقین سے کچھ حصہ نہیں رکھتا۔ توحید شہودی والے کو مقام حیرت کے بعد اگر ترقی واقع ہو جائے تو مقام معرفت میں جو حق الیقین ہے لے جاتے ہیں اور اس مقام میں علم و حیرت دونوں جمع ہو جاتے ہیں اور وہ علم جو حیرت کے بغیر اور حیرت سے پہلے ہے وہ علم الیقین ہے۔

اس زمانے میں بعض لوگوں نے تقلید سے بعض نے مجرد علم سے بعض نے اجمالی طور پر علم اور ذوق

کے ملنے سے اور بعضوں نے الحاد اور زندقہ سے اس توحید وجودی کا دامن تھام لیا ہوا ہے۔ اور سب کچھ حق جانتے ہیں بلکہ حق ہی جانتے ہیں اور اپنی گردنوں کو شرعی تکلیف کی رسی سے بالکل نکالتے جاتے ہیں اور اصلی مقصود شریعت کے سوا کچھ اور خیال کرتے ہیں۔ حاشا وکلا ہرگز ایسا نہیں ہے۔ ایسے برے اعتقاد سے اللہ کی پناہ طریقت اور شریعت ایک دوسرے کی عین ہیں اور بال بھران کے درمیان فرق نہیں ہے۔ فرق صرف احوال اور تفصیل' استدلال اور کشف کا ہے۔ جو کچھ شریعت کے مخالف ہے مردود ہے اور جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا ہے وہ زندقہ ہے۔

حضرت قبلہ گاہی خواجہ باقی باللہؒ کچھ مدت توحید وجودی والوں کا مشرب رکھتے تھے اور اپنے رسالوں اور خطوط میں بھی اس کو ظاہر فرماتے تھے لیکن آخر کار حق تعالیٰ نے اپنی کمال عنایت سے اس مقام سے ترقی عطا فرما کر شاہراہ پر ڈالا اور اس وقت معرفت کی تنگی سے خلاصی بخشی۔ میاں عبدالحق جو حضرت قدس سرہ کے مخلص دوستوں میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ مرض الموت سے ایک ہفتہ پہلے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے عین الیقین سے معلوم ہو گیا کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور (دوسری) ہے۔ اس سے پہلے بھی جانتا تو تھا مگر اب ایک قسم کا یقین حاصل ہو گیا ہے اور یہ فقیر بھی کچھ مدت تک حضرت قدس سرہ کی درگاہ میں اسی توحید کا مشرب رکھتا تھا اور اس طریق کی تائید میں اس مقدمات کشفیہ بہت ظاہر ہوئے تھے لیکن خدا تعالیٰ کی عنایت نے اس مقام سے گزار کر اس مقام کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا مشرف فرمایا۔

جمع محمدی

(مکتوب ۲۲۰ دفتر اول) "فتوحات مکیہ" والے (ابن عربی) نے کہا ہے کہ جمع محمدی جمع الٰہی سے اجمع ہے کیونکہ جمع محمدی کونی اور الٰہی حقائق پر مشتمل ہے پس اجمع ہوگی اور نہیں جانتا کہ یہ اشتمال مرتبہ الوہیت کے ظلال میں ایک ظل پر ہے اور اس کے نمونوں میں سے ایک نمونہ پر ہے نہ کہ وہ اشتمال اس مرتبہ مقدسہ کی حقیقت پر بلکہ اس کے پہلو میں کہ عظمت و کبریائی اس کے لوازم سے ہے۔ جمع محمدی کا کچھ مقدار نہیں ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

کمال بے ادبی

(مکتوب ۲۳۴ دفتر اول) اور چونکہ شیخ اجل شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے ان کی شرارت۔ نقص اور فساد کی حقیقت پر نظر نہیں ڈالی اور ممکنات کے حقائق کو حق جل وعلا کی علمیہ صورتیں مقرر کی ہیں کیونکہ ان

صورتوں نے حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے آئینہ میں کہ خارج میں اس کے سوا کچھ موجود نہیں جانتا انعکاس پیدا کر کے خارجی نمود و ظہور حاصل کیا ہے اور ان علمیہ صورتوں کو واجب تعالیٰ کی صفات اور شیون کی صورتوں کے غیر نہیں سمجھا ہے اس لیے وحدت وجود کا حکم کیا ہے اور ممکنات کے وجود کو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود کا عین کیا ہے اور شر و نقص کو اضافی اور نسبتی کہہ کر شرارت مطلق اور نقص محض کی نفی کی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی چیز کو فی نفسہ قبیح نہیں جانتا حتیٰ کہ کفر و ضلالت کو ایمان و ہدایت کی نسبت برا جانتا ہے نہ کہ ان کی اپنی ذات کی نسبت کو کہ اس کو عین صلاح و خیر سمجھتا ہے اور اپنے ارباب کی نسبت ان کے لیے استقامت کا حکم کرتا ہے- ہاں جو کوئی وحدت الوجود کا حکم کرے وہ اس قسم کی باتوں سے کیوں کنارہ کرے بندہ عاجز جو اپنے آپ کو اپنے مولائے قادر کا عین جانے کمال بے ادبی ہے-

اکثر علوم اہل حق کے مخالف ہیں

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی بعض عبارات بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں اور قدرت کے معنی فلسفہ کے ساتھ موافقت رکھتا ہے یعنی ترک کی صحت قادر سے تجویز کرتا ہے اور فعل کی جانب کو لازم جانتا ہے- عجب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ مقبولوں سے نظر آتا ہے لیکن اس کے اکثر علوم جو آرائے اہل حق کے مخالف ہیں- خطا اور نا صواب ظاہر ہوتے ہیں- شاید خطائے کشفی کے باعث اس کو معذور رکھا ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح ملامت کو اس سے ہٹا رکھا ہے- شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا اعتقاد خاص بھی یہی ہے کہ اس کو مقبولوں میں سے جانتا ہے اور اس کے مخالف علوم کو خطا اور معذور دیکھتا ہے- شیخ کو جو مقبول اولیاء میں سے ہے خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کیا جائے اور اس کے علوم جو صواب سے دور اور اہل حق کی آراء کے مخالف ہیں تقلید سے کس طرح رد کیا جائے اور اس کے علوم جو صواب سے دور اور اہل حق کی آراء کے مخالف ہیں تقلید سے کس طرح قبول کیے جائیں- مسئلہ وحدت الوجود اگرچہ بظاہر اہل حق کے عقائد کے مخالف ہے لیکن توجہ کے قابل اور جمع کے لائق ہے-

توحید وجودی کا باعث

(مکتوب ۲۹۱ دفتر اول) تجھے جاننا چاہیے کہ بعض کے لیے توحید وجودی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ توحید کے مراقبوں کی کثرت سے مشق کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے معنی لا موجود الا اللہ سمجھتے ہیں- اس قسم کی توحید تعمل و تامل و تخیل کے بعد سلطان خیال کے غلبہ کے باعث ظاہر ہوتی ہے کیونکہ معنی توحید کے بکثرت مشق سے اس معرفت کا نقش قوت متخیلہ میں بندھ جاتا ہے- چونکہ یہ توحید صاحب

توحید کی اپنی بنائی ہوئی ہوتی ہے اس لیے معلول ہے اور اس توحید والا ارباب احوال میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ ارباب احوال میں وہ لوگ ہوتے ہیں جو ارباب قلوب ہیں اور اس توحید والے کو ابھی مقام قلب کی کچھ خبر نہیں ہے بلکہ صرف علم ہی علم ہے بلکہ علم کے بھی کئی درجے اوراوپر ہیں۔ بعض کے لیے توحید وجودی کا منشاء قلبی انجذاب ہوتا ہے کہ اول ان کا اذکار و مراقبات میں جو معنی توحید کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں اشتغال کرتے ہیں اور پھر اپنی کوششوں یا صرف سابقہ عنایت سے مقام قلب تک پہنچ جاتے ہیں اور جذب پیدا کر لیتے ہیں۔ اس مقام میں توحید وجودی کا جمال ظاہر ہو جائے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہوگا۔ جس نے محبوب کے ماسویٰ کو ان کی نظر سے مخفی اور پوشیدہ کر دیا اور چونکہ محبوب کے ماسوا کے نہیں دیکھتے اور نہ ہی پاتے ہیں اس لیے محبوب کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے۔ اس قسم کی توحید احوال سے ہے اور تخیل اور وہم سے پاک ہے۔ اگر اس قسم کی ارباب قلوب کو اس مقام سے عالم کی طرف لے آئیں تو اپنے محبوب کو ذرات عالم میں سے ہر ذرہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور موجودات کو اپنے محبوب کے حسن و جمال کے آئینے اور مظہر سمجھتے ہیں اور اگر تجلی خداوندی جل شانہٗ سے مقام قلب سے نکل کر قلب القلوب کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوں تو یہ توحیدی معرفت جو مقام قلب میں پیدا ہوئی تھی زائل ہونے لگتی ہے اور جوں جوں معارج عروج میں صعود و ترقی کرتے جاتے ہیں توں توں اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ زیادہ نامناسب پاتے جاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض اس معرفت والوں کے طعن و انکار تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان سطور کا راقم اس معرفت والوں کے انکار سے کفارہ کرتا ہے اور ان کے طعن سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے۔ انکار و طعن کی مجال تب ہوتی ہے جب کہ اس حال والوں کا اس حال کے ظہور میں اپنا قصد و اختیار ہو۔ جب ان کے ارادہ کے بغیر ان سے یہ معنی ظاہر ہو رہے ہوں تو یہ اس حال میں مغلوب ہیں اس لیے معذور ہیں۔ بے چارے معذور پر طعن کی کیا مجال لیکن اس قدر جانتا ہے کہ اس معرفت سے اوپر اور معرفت ہے اور اس حال کے ماسوا اور حالت ہے۔ اس مقام کے محبوس بہت سے کمالات سے رکے ہوئے ہیں اور بے شمار مقامات سے محروم ہیں اس لیے بے سروسامان حقیر کو بغیر اس بات کے کہ معنی توحید میں مشق کرے۔ مراقبات و اذکار کے ضمن میں اپنی کوشش کے بغیر محض فضل ایزدی سے ہدایت افاضت پناہ حقائق و معارف سے آگاہ موید الدین الرضی شیخنا مولانا محمد باقی قدس سرہ کی خدمت میں ذکر کی تعلیم اور ان کی توجہ و التفات کے بعد مقام قلب میں لا کر اس معرفت کا دروازہ فقیر پر کھول دیا تھا۔

کچھ مدت تک اس حقیر کو اس مقام میں رکھا آخر کار کمال بندہ نوازی سے مقام قلب سے نکالا اور

اس ضمن میں وہ معرفت رفتہ رفتہ زائل ہو کر سب کی سب معدوم ہو گئی- (یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے-) ازروئے کشف وذوق ہے- نہ ازروئے ظن وتقلید کے اور وہ معارف توحیدی جو بعض اولیاء سے ظاہر ہوئے ہیں وہ ابتدائے حال میں مقام قلب ہی سے سرزد ہوئے ہوں گے- اس لحاظ سے کوئی نقص ان پر لاحق نہیں ہوتا- ارباب توحید میں سے ایک گروہ کے وہ لوگ ہیں جو اپنے مشہود میں استہلاک واضمحلال یعنی فنا واستغراق کامل طور پر پیدا کر لیتے ہیں- ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اپنے مشہود میں مضمحل اور معدوم رہیں اور ان کے وجود کے لوازم سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو- یہ لوگ انا کے رجوع کو اپنے لیے کفر جانتے ہیں اور نہایت کار ان کے نزدیک فنا ونیستی ہے- مشاہدہ کو بھی گرفتاری جانتے ہیں-

یہی لوگ محبت کے مقتول ہیں (اور اس حدیث قدسی) کے مصداق کہ "جس کو میں قتل کردوں میں ہی اس کا خون بہا ہوں-" ہمیشہ وجود کے زیر بار رہتے ہیں- اور ایک لمحہ آرام نہیں پاتے کیونکہ آرام غفلت میں ہوتا ہے دوام استغراق کے ہوتے ہوئے غفلت کی گنجائش نہیں ہوتی- وجود بشریت کے لیے غفلت درکار ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے ان میں سے ہر ایک کے ظاہر کو ان کی استعداد کے موافق ان ادوار سے جو غفلت کے مستلزم ہیں مشغول کیا ہے تا کہ وہ بار وجود ان سے کچھ تخفیف پائے بعض امور میں سماع ورقص کی الفت دی ہے- ایک گروہ کو کتابوں کی تصنیف اور علوم ومعارف کی تحریر میں لگا دیا ہے اور کسی گروہ کو بعض امور مباح میں مشغول کر دیا ہے- حضرت عبداللہ اصطخری سگ بانوں کے ہمراہ جنگل میں چلے جایا کرتے تھے- کسی شخص نے ایک عزیز سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے فرمایا کہ اس لیے نفس یا وجود سے خلاصی ہو جائے- بعض کو توحید وجودی کے علوم اور وحدت میں کثرت کے مشاہدہ سے آرام دیا- تا کہ ایک ساعت کے لیے آرام پالیں-

اور وہ توحید جو مشائخ نقشبندیہ کے بعض بزرگواروں سے ظاہر ہوئی ہے اس قسم سے ہے- ان بزرگواروں کی نسبت تنزیہ صرف کی طرف لے جاتی ہے- اور عالم شہود اور عالم کے ساتھ کچھ کام نہیں رکھتے اور وہ معارف جو ارشاد پناہی حضرت خواجہ ناصر الدین خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے توحید وجودی اور شہود اور وحدت در کثرت کے علوم کے مناسب لکھے ہیں توحید کی اس آخری قسم سے ہے-

ہمارے خواجہ قدس سرہ کے معارف اسی قسم کے ہیں- ان علوم توحیدی کا منشاء جذبہ ہے- نہ غلبہ محبت اور ان کے مشہود کو عالم کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے- توحید کی یہ آخیر قسم توحید کی تمام اقسام سے اعلیٰ ہے بلکہ درحقیقت اس معرفت والے لوگ اس وارد اور حال کے مغلوب نہیں ہیں اور نہ ان کا سکر اس معرفت کا باعث ہوا ہے- توحید کی اس آخیر قسم کا منشاء اس حقیر کو کشف وذوق کے طور پر معلوم نہ تھا- وہ

پہلی وجہوں ہی کو جانتا تھا- البتہ اس قسم کے ساتھ ظن رکھتا تھا- جب ارشاد پناہی قبلہ گاہی کے رحلت فرما جانے کے بعد مزار شریف کی زیارت کے لیے گیا تو مزار مبارک کی طرف توجہ کرنے کے اثنا میں ان کی روحانیت مقدسہ سے پوری پوری توجہ ظاہر ہوئی اور کمال غریب نوازی سے اپنی نسبت خاصہ کو جو حضرت خواجہ احرار قدس سرہ سے مخصوص تھی مرحمت فرمایا- اس نسبت کو اپنے آپ میں معلوم کیا تو ان علوم و معارف کی حقیقت کو بطریق ذوق پالیا- اور معلوم ہوا کہ ان میں توحید وجودی کا منشاء انجذاب قلبی اور غلبہ محبت نہیں بلکہ اس معرفت سے مقصود اس غلبہ کی تخفیف ہے- بعض رسائل میں وہی سابقہ وجوہات مذکور ہوئی تھیں جن سے بے سمجھ لوگوں کو وہم پیدا ہوا کہ اس بیان سے ان بزرگوں کی شان میں نقص لازم آتا ہے کہ ان کا طریق بھی توحید کا طریق ہے اور انہوں نے اس سلسلے میں فتنہ پردازی کی زبان دراز کی حتیٰ کہ بعض قلیل الارادت طالبوں میں ان کے احوال کے فتور کا باعث ہوا اس لیے توحید کی اس قسم کا اظہار کرنا بہتر سمجھا-

ہمارے خواجہ قدس سرہ کے مخلصوں میں سے ایک درویش نے نقل کیا کہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ جانتے ہیں کہ ہم ارباب توحید کی کتابوں کے مطالعہ سے نسبت حاصل کرتے ہیں- ایسا نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایک ساعت اپنے آپ کو غافل کریں- فضیلت پناہی شیخ عبدالحق جو حضرت خواجہ کے مخلصوں میں سے ہیں نقل کی کہ حضرت خواجہ ایام رحلت سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو یقین الیقین سے معلوم ہوا کہ توحید ایک تنگ کوچہ ہے مشاہدہ اور ہے- اس بات سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ آخر کار میں ان کا مشرب توحید وجودی کے ساتھ مناسبت نہ رکھتا تھا- اگر ابتداء میں اس قسم کی توحید ظاہر ہوئی ہو تو کچھ ڈر نہیں بلکہ بہت سے مشائخ کے لیے ابتداء میں اس قسم کی توحید ظاہر ہوئی ہے لیکن آخر کار اس سے نکل گئے ہیں- جذبہ نقشبندیہ کے مقام تک پہنچنے کے بعد حضرت خواجہ نقشبند" اور حضرت خواجہ احرار کا طریق ایک دوسرے سے جدا ہے اور ان کے علوم و معارف بھی ایک دوسرے سے الگ ہیں- اس حقیر نے اس وقت کے لوگوں کی مصلحت کو مدنظر رکھ کر طالبوں کی تربیت کے لیے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے طریق کو اختیار کیا ہے اور اس طریق کے علوم و معارف کا (جو ظاہر شریعت کے علوم سے زیادہ تر مناسبت رکھتے ہیں) ایسے فاسد زمانے میں ظاہر کرنا مناسب دیکھ کر افادہ طلبہ کے لیے اس طریق کو متعین کیا- اگر اللہ تعالیٰ نے اس حقیر کے ذریعے طریقہ احراریہ کو رونق اور رواج دینا چاہتا تو فقیر جہان کو ان انوار سے منور کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں بزرگواروں کے انوار کو کمال کے طور پر عطا فرمایا ہے اور دونوں بزرگواروں کی تکمیل کا طریقہ فقیر پر ظاہر کر دیا ہے-

توحید وجودی کے اسرار

(مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) لوگوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ پیغمبروں نے عوام کے قصور فہم کے باعث توحید وجودی کے اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور اپنی دعوت کی بنا غیر و غیریت پر رکھی ہے اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے۔ یہ بات شیعہ کے تقیہ کی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کچھ کہ واقعی اور نفس الامر ہے اس کی تبلیغ کے زیادہ مستحق اور حق دار ہیں جب نفس الامر میں ایک ہی موجود ہو اور اس کا کچھ غیر موجود نہ ہو تو مناسب نہیں کہ اس کو چھپا کر نفس الامر کے خلاف ظاہر کریں خاص کردہ احکام جو واجب الوجود کی ذات وصفات و افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اظہار اور اعلان کے زیادہ حق دار ہیں۔ کوتاہ نظر ان کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ آیات متشابہات یا احادیث متشابہات جن کے سمجھنے سے عوام کیا خواص بھی عاجز ہیں ان کے اظہار کرنے سے منع نہیں ہوئے اور نہ ہی عوام کی غلطی اور کوتاہ فہمی ان کے اظہار کی مانع ہوئی۔ یہ لوگ اس شخص کو جو دو وجود کا قائل ہے اور ماسویٰ کی عبادت سے اجتناب و پرہیز کرتا ہے مشرک کہتے ہیں اور اس شخص کو جو ایک وجود کا قائل ہے موحد کہتے ہیں۔ اگرچہ ہزار بتوں کی عبادت کرے۔ اس خیال سے کہ یہ سب حق تعالٰی کے ظہورات ہیں اور ان کی عبادت سے اجتناب و پرہیز کرتا ہے مشرک کہتے ہیں اور اس شخص کو جو ایک وجود کا قائل ہے موحد کہتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہیے کہ ان دونوں گروہوں میں سے مشرک کون ہے اور موحد کون؟

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے وحدت وجود کی طرف دعوت نہیں کی ہے اور نہ ہی دو وجود کہنے والے کو مشرک کہا ہے بلکہ ان کی دعوت وحدت معبود کی طرف ہے اور انہوں نے ماسویٰ کی عبادت کو شرک کہا ہے۔ اگر صوفیہ وجودیہ ماسویٰ کی غیریت کے طریق پر نہ بھی جانیں تو بھی شرک کو رفع نہیں کر سکتے کیونکہ ماسویٰ سے سوا ہی جانیں یا نہ جانیں۔ ان میں سے بعض متاخرین عالم کو حق تعالٰی کا عین نہیں جانتے اور عینیت سے کنارہ کرتے ہیں اور عینیت کے قائل لوگوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں اور شیخ محی الدین اور اس کے تابعداروں کے ساتھ انکار سے پیش آتے ہیں اور ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں ساتھ ہی یہ لوگ عالم کو حق تعالٰی کا غیر بھی نہیں جانتے بلکہ نہ ہی حق تعالٰی کا عین اور نہ ہی حق تعالٰی کا غیر جانتے ہیں۔ یہ بات بھی صواب سے دور ہے۔ اثنینیت یعنی دوئی کا منکر ہدایت کا عقلی کا مخالف ہے۔ واجب تعالٰی و تقدس کی صفات حضرت ذات سے الگ نہیں ہیں اور نہ ہی حق تعالٰی کی ذات وصفات قدیم کے درمیان انفکا۔ یعنی الگ ہونا جائز متصور ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنی نارسائی کے باعث عالم کو صفات قدیمہ کی

طرح سمجھ کر اس کے مخصوص حکم کو اس جگہ اطلاق کیا جائے - یہ لوگ جب عینیت عالم کی نفی کے قائل ہوئے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ غیریت عالم کے قائل ہوں اور توحید وجودی والوں کے زمرہ سے نکل آئیں کیونکہ توحید وجودی میں عین کہنے سے چارہ نہیں ہے جیسے کہ شیخ محی الدین (ابن عربی) اوران کے تابعین نے کہا ہے اور عین کہنا ان معنوں کے لحاظ سے نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے - حاشاوکلا بلکہ ان معنوں کے اعتبار سے ہے کہ عالم معدوم ہے اور واجب الوجود یعنی حق تعالیٰ موجود ہے۔

دو بینی (یعنی دو دیکھنا) جو طریقت کا شرک ہے توحید شہودی سے رفع ہو جاتا ہے - توحید وجودی اس مقام میں کچھ درکار نہیں ہے کیونکہ سالک کا شہود و ملحوظ ایک ذات مقدس کے سوا اور کوئی امر نہیں ہے تاکہ فنا متحقق ہو اور طریقت کا شرک دور ہو جائے۔

اول جس شخص نے توحید وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدین ابن عربی ہے - اس سے گزشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید وجودی کی خبر دیتی ہیں لیکن توحید شہودی پر عمل کرنے کے قابل ہیں کیونکہ حق جل شانہ کے غیر کو جب نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں کہ میرے جبہ میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں جس شخص نے اس مسئلہ کے بعض پوشیدہ معارف کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور ان کو اپنے ساتھ مخصوص کیا ہے حتیٰ کہ اس نے کہا ہے کہ خاتم النبوت بعض علوم و معارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے اور خاتم الولایت محمدی اپنے آپ کو جانتا ہے - غرض فناء و بقا اور ولایت صغریٰ و کبریٰ کے کمالات حاصل کرنے کے لیے توحید وجودی کچھ درکار نہیں ہے - توحید شہودی حاصل ہونا چاہئے تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور ماسوٰی کا نسیان حاصل ہو جائے - فقیر کے نزدیک وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسر ہو جائے وہ اس راستہ سے زیادہ قریب ہے جو اس ظہور کے متضمن ہے - اس راہ کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچتے ہیں اور اکثر راہ میں رہ جاتے ہیں اور دریا سے قطرہ کے ساتھ سیراب ہو جاتے ہیں - ظل و اصل کے باہم اتحاد کے وہم میں پڑ کر ظل میں گرفتار رہتے ہیں اور اصل سے محروم رہتے ہیں یہ امر تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے اور نیز فقیر کو اگرچہ راہ ثانی سے سیر و سلوک میسر ہوا ہے اور توحید وجودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصہ حاصل ہوا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت فقیر کے شامل حال تھی اور فقیر کا سیر محبوبی تھا راستہ کے جنگلوں اور میدانوں کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کروایا اور کمال کرم کے ساتھ ظلال سے گزر کر اصل تک پہنچایا اور جب معاملہ مسترشدوں یعنی مریدوں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ ایک اور راہ ہے جو وصول کے زیادہ قریب اور حصول میں زیادہ آسان ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں سے یہ کمینہ اور عاجز فقیر اس قسم کی معرفت سے جو اول

اول حاصل ہوئی ندامت اور استغفار کرتا ہے اور اس شہود کی نصاریٰ کے حلول کی طرح پاک جناب سے نفی کرتا ہے۔ پس کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہے اور جو کچھ نفی کے لائق ہے وہ اس پاک بارگاہ سے منفی اور دور ہے۔

ہمہ اوست اور ہمہ از اوست

(مکتوب ا دفتر اول) آپ کو معلوم ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا مبداء اور عدم ہر نقص و شرارت کا منشاء ہے۔ وجود واجب جل شانہ کے لیے ثابت ہے اور عدم ممکن کے نصیب ہے تاکہ تمام خیر و کمال کی طرف عائد ہو اور تمام شر و نقص ممکن کی طرف راجع ہو۔ ممکن کے لیے وجود ثابت کرنا اور تمام خیر و کمال کو اس کی طرف راجع کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ میں اس کو شریک بنانا ہے اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات وافعال کو حق تعالیٰ کے صفات وافعال کا عین بنانا ہے اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات وافعال کو حق تعالیٰ کے صفات وافعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد اور شرک ہے۔ اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات وافعال کو حق تعالیٰ کے صفات وافعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات میں الحاد اور شرک ہے۔ علمائے ظاہر نے ممکن کے لیے وجود ثابت کیا ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود قاعدے کشکیب کے موافق واجب تعالیٰ کے وجود کو اولیٰ و اقدم کہا ہے حالانکہ یہ بات ممکن کو واجب تعالیٰ کے ساتھ ان کمالات و فضائل میں جو وجود سے پیدا ہوتے ہیں شریک بنانے کا باعث ہے۔

اکثر صوفیہ خاص کر ان میں سے متاخرین نے ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین جانا ہے اور اس کے صفات وافعال کو حق تعالیٰ کے صفات وافعال کا عین خیال کیا ہے۔ یہ بزرگوار اگرچہ وجود کے شریک کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور دوئی سے بھاگتے ہیں لیکن غیر وجود کو وجود جانتے ہیں اور نقائص کو کمالات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذاتی نقص و شرارت کسی چیز میں نہیں ہے اگر ہے تو نسبی اور اضافی ہے۔ اس امر میں ان کا مقتدا ان کا اپنا کشف و شہود ہے۔ جس قدر ان کو معلوم ہوا ہے انہوں نے ظاہر کردیا ہے۔

اس بارے میں جو کچھ فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے بیان کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدینؒ ابن عربی کا جو متاخرین صوفیہ کے امام اور مقتدا ہیں۔ وہ اور ان کے تابعین فرماتے ہیں کہ اسماء وصفات حق تعالیٰ کی عین ذات ہیں اور نیز ایک دوسرے کے عین ہیں۔ اس مقام میں تعداد اور تکثر کو کوئی نام و نشان نہیں ہے اور نہ ہی کسی قسم کا تمائز و تباین ہے۔ ان اسماء وصفات اور شیون و اعتبارات نے حضرت علم میں اجمالی اور تفصیلی

طور پر تمائز وتباین پیدا کیا ہے- اگر تمیز اجمالی ہے تو اس کو تعین اول سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر تفصیلی ہے تو اس کے تعین ثانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں- تعین اول کو وحدت کہتے ہیں اور اسی کو حقیقت محمدی جانتے ہیں اور تعین ثانی کو واحدیت کہتے ہیں اور اس کو تمام ممکنات کے حقائق سمجھتے ہیں اور ان حقائق ممکنات کو اعیان ثابتہ جانتے ہیں- یہ کثرت جو دکھائی دیتی ہے ان اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی بو نہیں پائی اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں ہے- یہ کثرت جو دکھائی دیتی ہے ان اعیان ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہر وجود آئینہ میں جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں منعکس ہوا ہے اور وجود تخیلی پیدا کیا ہے جس طرح کہ آئینہ میں کسی شخص کی صورت منعکس ہو کر آئینے میں وجود تخیلی پیدا کرے اس عکس کا وجود خیال کے سوا کچھ ثابت نہیں اور نہ ہی آئینے میں کسی شے نے حلول کیا ہے اور نہ ہی اس آئینے پر کوئی چیز منقش ہوئی ہے- اگر ہے تو تخیل میں ہے جو صرف آئینہ میں وہمی طور پر ظاہر ہوا ہے- یہ متخیل اور متوہم عکس چونکہ صفت خداوندی ہونے کے باعث بڑا استحکام اور ثابت رکھتا ہے اس لیے وہم و تخیل کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا اور ثواب و عذاب ابدی اس پر مترتب ہے- یہ کثرت جو خارج میں نمودار ہے- تین قسموں میں منقسم ہے- (۱) تعین روح (۲) تعین مثالی (۳) تعین جسدی سے جو عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے ان کو تعینات خارجہ کہتے ہیں اور مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں تنزلات خمسہ بھی ان ہی تعینات پنجگانہ سے مراد ہے ان کو حضرات خمس بھی کہتے ہیں- چونکہ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کے سوا جو عین ذات ہیں ان کے نزدیک خارج کا علم ثابت نہیں ہوا اور انہوں نے صورت علمیہ کو اس صورت کا عین سمجھا ہے نہ اس کا شبہ و مثالی اور ایسے ہی اعیان ثابتہ کی صورت منعکسہ کو جو ظاہر وجود کے آئینہ میں نمودار ہوئی ہے اور ان اعیان کا عین تصور کیا ہے نہ اس کی شبہ و مانند اس لیے اتحاد کا حکم کیا ہے اور ہمہ اوست کہا ہے-

حاصل کلام یہ کہ شیخ (ابن عربی) سے پہلے اس گروہ میں سے کسی نے ان علوم و اسرار کے ساتھ زبان نہیں کھولی اگرچہ توحید و اتحاد کی باتیں سکر کے غلبوں میں ان سے ظاہر ہوئی ہیں- پس شیخ ہی اس گروہ میں سے متقدمین کی برہان اور متاخرین کی حجت ہے لیکن ابھی اس مسئلہ میں بہت سے دقائق پوشیدہ رہ گئے ہیں جن کے ظاہر کرنے اور لکھنے کی توفیق اس فقیر کو حاصل ہوئی ہے-

واجب الوجود جلشانہ کے صفات ثمانیہ جو اہل حق کے نزدیک خارج میں موجود ہیں حق تعالیٰ کی ذات سے خارج میں متمیز ہیں اور وہ تمیز بھی ذات وصفات کی طرح بے چون اور بے چگون ہے- کیونکہ وہ ایسی وسعت کے واسع یعنی اشیاء کو گھیرنے والا ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں- وہ تمیز جو ہمارے فہم و

ادراک میں آسکے اس جناب پاک سے مسلوب ہے کیونکہ تبعض اور تجزی (یعنی بعض بعض کا جزو جزو ہونا) اس جگہ متصور نہیں اور تحلیل وترکیب کا اس بارگاہ میں دخل نہیں- اور حال ومحل ہونے کی وہاں گنجائش نہیں-غرضیکہ جو ممکن کے صفات واعراض ہیں سب اس جناب پاک میں مسلوب ہیں اس بے چونی تمیز اور بے کیفی وسعت کے باوجود حق تعالیٰ کے اسماء وصفات نے خانہ علم میں بھی تفصیل وتمیز پیدا کی ہے اور منعکس ہوئے ہیں اور ہر صفت واسم متمیزہ کے لیے مرتبہ علم میں ایک مقابل اور نقیض ہے مثلاً مرتبہ علم میں صفت علم کا مقابل اور نقیض عدم علم ہے جس کو جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور صفت قدرت کے مقابل عجز ہے جس کو عدم قدرت کہتے ہیں- ان عدمات متقابلہ نے بھی حق تعالیٰ کے علم میں تفصیل وتمیز پیدا کی ہے اور اپنے متقابلہ اسماء وصفات کے آئینے اور ان کے عکس کے مظہر بن گئی ہیں-

فقیر کے نزدیک وہ عدمات مع اسماء وصفات کے عکسوں کے حقائق ممکنات ہیں- خلاصہ یہ ہے کہ وہ عدمات ان ماہیات کے اصول ومواد کی طرح ہیں اور وہ عکوس ان مواد میں حلول کی ہوئی صورتوں کی طرح- پس شیخ محی الدینؒ کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء وصفات ہیں جو مرتبہ علم میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدمات ہیں جو اسماء وصفات کی نقیض ہیں وہ اسماء وصفات کے عکسوں کے جو خانہ علم میں ان عدمات کے آئینوں میں ظاہر ہوئی ہیں اور ایک دوسرے سے باہم مل گئی ہیں- قادر مختار جلشانہٗ نے جب چاہا کہ ان ماہیات ممتزجہ میں سے کسی ماہیت کو وجود ظلی کے ساتھ جو حضرت وجود کا پرتو سے متصف کر کے وجود خارجی بنائے تو اس ماہیت ممتزجہ پر حضرت وجود کا پرتو ڈال کر اس کو آثار خارجیہ کا مبداء بنایا پس ممکن کا وجود علم وخارج میں اس کی باقی صفات کی طرح حضرت وجود اور اس کے کمالات تابع کا پرتو ہے مثلاً ممکن کا علم واجب الوجود کے علوم کا پرتو ہے اور ظل ہے جو اپنے مقابل میں منعکس ہوا ہے اور ممکن کی قدرت بھی ایک ظل ہے جو عجز میں اس کے مقابل منعکس ہوئی ہے اس طرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے جو عدم کے آئینہ جو اس کے مقابل ہے منعکس ہوا ہے لیکن فقیر کے نزدیک شے کا ظل شے کا عین نہیں ہے اور ایک کا دوسرے پر حمل کرنا ممتنع اور محال ہے پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہ ہوگا اور ممکن کا واجب پر حمل کرنا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور وہ عکس جو اسماء وصفات سے اس عدم میں منعکس ہوا ہے وہ ان اسماء وصفات کا شبح ومثال ہے نہ کہ ان کا عین- پس ہمہ اوست کہنا درست نہیں ہوگا بلکہ ہمہ از اوست کہنا درست ہوگا- کیونکہ ممکن کا ذاتی عدم ہے جو شرارت اور نقص وخبث کا مبداء ہے اور جو کمالات از قسم وجود اور اس کی توابع وغیرہ کے ممکن میں پائی جاتی ہیں سب اس بارگاہ جل شانہٗ سے حاصل کیے ہوئی ہیں اور حق تعالیٰ کے

کمالات ذاتیہ کا پرتو ہیں پس حق تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا نور ہے اور اس کے ماسوا ظلمت ہی ظلمت ہے۔
پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عالم وجود ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے۔ جس طرح کہ حق تعالیٰ نے وجود اصلی کے ساتھ بلکہ بذات خود خارج میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا یہ خارج بھی وجود و صفات کی طرح حق تعالیٰ کے باوجود کے خارج کا ظل ہے پس عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی ایک کو دوسرے پر حمل کر سکتے ہیں۔ شخص کے ظل کو شخص کا عین نہیں کہہ سکتے ۔ یہ لوگ (توحید وجودی کے قائل) چونکہ ظل کے لیے وجود خارجی ثابت نہیں کرتے اس لیے اصل پر محمول کرتے ہیں اور یہ فقیر چونکہ ظل کو خارج میں موجود جانتا ہے اس لیے اصل پر حمل کرنے کی جرات نہیں کرتا۔ ظل سے وجود اصلی کے نفی کرنے میں فقیر اور یہ لوگ شریک ہیں اور وجود ظلی کے ثابت کرنے میں بھی متفق ہیں لیکن یہ فقیر وجود ظلی خارج میں ثابت کرتا ہے اور یہ لوگ وجود ظلی کو وہم و تخیل ہی میں سمجھتے ہیں اور خارج میں اصلیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے۔

پس عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ "اللہ تعالیٰ تمام اہل جہان سے غنی ہے۔" حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا بھی اس فقیر پر بہت گراں اور دشوار گزرتا ہے۔

ہمہ از اوست

(مکتوب ۲۷ دفتر دوم) سخن مبدع یعنی نئی بات ہم مقولہ ہمہ اوست کو جانتے ہیں۔ مقولہ ہمہ از اوست پر تمام علماء کا اتفاق و اجماع ہے۔ اب تک جو ملامت و شناعت جو صاحب فصوص (ابن عربی) پر ہوتی چلی آئی ہے صرف اس ایک مقولہ ہمہ اوست کے باعث ہے اور فقیر نے جس قدر معارف لکھے ہیں ان کا حاصل ہمہ از اوست ہے جو شرع و عقل کے نزدیک مقبول ہے بھلا کیونکر مقبول نہ ہو جبکہ کشف و الہام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہو۔ وہ معارف جو کشف و الہام کے بغیر کہے اور لکھے جائیں یا مشہود و مشاہدہ کے بغیر تحریر و تقریر میں آئیں سراسر بہتان و افترا ہیں خاص کر جب وہ قوم کے مخالف ہوں۔

کائنات کی حقیقت

(مکتوب ۶۷ دفتر سوم) یہ عرصہ کائنات جو معائن و مشاہد و منبسط اور مسطح و طویل و عریض خیال میں آتا ہے حضرت شیخ محی الدینؒ اور اس کے تابعداروں کے نزدیک حضرت وجود ہے جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کا وجود ہے۔ جس کو ظاہر وجود کہتے ہیں یعنی وہ وجود جو اپنی وحدت و

بساطت پر ہے اور فرماتے ہیں کہ اس صفحہ میں اور کوئی لباس میں مختلف صورتوں شکلوں میں عام و خاص کا مشاہد و محسوس حق تعالیٰ ہی ہے جو عوام کو عالم محسوس ہوتا ہے حالانکہ ہرگز خانہ علم سے باہر نہیں آیا اور وجود خارجی کی بو نہیں پائی بلکہ ان علمیہ صورتوں کے برعکس ہیں جنہوں نے حضرت وجود کے آئینہ میں ظاہر ہو کر خارج میں نمود پیدا کیا ہے اور عوام کو وجود خارجی کے وہم میں ڈالا ہے اور جو کچھ اس فقیر کا مکشوف اور معتقد ہے وہ یہ ہے کہ یہ عرصہ وہم ہے اور یہ صورتیں اور شکلیں جو اس عرصہ میں ہیں ممکنات کی صورتیں اور شکلیں ہیں جنہوں نے حق تعالیٰ کی صنعت سے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت و استحکام حاصل کیا ہے اور اس صفحہ میں جو کچھ مشہود و محسوس ہے سب ممکنات کی قسم سے ہے اگرچہ بعض سالکوں کو وہ مشہور واجب کے ساتھ متوہم ہوتا ہے اور حقیقت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے لیکن درحقیقت عالم کے افراد و اقسام سے ہے۔ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے اور ہماری دیدہ و دانش سے جدا ہمارے کشف و شہود سے مبرا ہے۔ کئی برسوں تک اس فقیر کا مکشوف و معتقد اول رہا ہے اور اس مقام میں بہت حال عجیبہ اور مشاہدات غریبہ گزرے ہیں اور اس مقام سے بہت حظ حاصل کیے ہیں آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوا کہ جو کچھ دیکھا اور جانا گیا ہے سب حق تعالیٰ کا غیر ہے جس کی نفی لازم ہے۔ کچھ مدت کے بعد حق تعالیٰ کے کرم سے معاملہ نفی سے انتہا تک پہنچ گیا اور وہ باطل جو اپنے آپ کو حق ظاہر کرتا تھا دیدہ و دانش سے گر گیا اور غیب الغیب کے ساتھ تعلق ہو گیا اور موہوم موجود سے اور حادث قدیم سے متمیز و جدا ہو گیا جو مکشوف ثانی کا حاصل ہے۔

خدمت خلق کا جذبہ اور مدد و اعانت

جیسا کہ پہلے درج ہو چکا ہے حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوب ۴۵ دفتر اول میں فرمایا ہے۔ انسان جس طرح باطنی جمعیت کا محتاج ہے اسی طرح ظاہری جمعیت کی بھی اس کو احتیاج ہے بلکہ یہ احتیاج مقدم ہے بلکہ تمام مخلوقات میں سے زیادہ محتاج انسان ہے اور یہ احتیاج کی زیادتی اس کو اس کی جامعیت کے سبب سے ہے اور جو کچھ سب کے لیے درکار ہے وہ اس اکیلے کو درکار ہے اور جس چیز کی طرف محتاج ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق بھی ہے پس اس کے تعلق سب سے زیادہ ہیں۔

مکتوب ۶۳ دفتر دوم میں آپ نے فرمایا ہے۔ چونکہ اس ملک اس سلسلہ عالیہ کے لوگ عزیز الوجود اور کم یاب ہیں اس لیے اسی سلسلہ کے مریدوں اور محبوبوں پر واجب ہے کہ اس سلسلہ کے بزرگوں اور طالبوں کی امداد و اعانت کریں کیونکہ آدمی مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے۔ تمدن اور بود و باش میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اے نبی ﷺ تجھے اللہ اور تابعدار مومن کافی ہیں۔" جب حضرت خیر البشر میں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضروری امور کی کفایت میں کوئی دخل دیا ہو تو پھر اوروں کی

ضروریات میں کیا مضائقہ ہے۔ اکثر اس زمانہ کے دولت مند لوگ درویش اس بات کو جانتے ہیں کہ کسی کی حاجت نہ ہو۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے۔ احتیاج انسان کیا بلکہ تمام ممکنات کا ذاتی خاصہ ہے اور اسی احتیاج میں انسان کی خوبی ہے اور ذلت و بندگی اسی احتیاج سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ بالفرض انسان سے احتیاج ذائل ہو جائے (اور استغنا پیدا ہو جائے تو سوائے طغیان و سرکشی اور عصیان و نافرمانی کے اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا)۔

آپ نے ایک اور مکتوب شریف میں اس حدیث مبارک کا حوالہ دیا ہے کہ خلق اللہ کا عیال ہے۔
حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ نے زندگی بھر اس حدیث شریف کی تعمیل میں اللہ کی مخلوق، حاجت مندوں، غریبوں، بے کسوں اور طالب علموں کی مدد اور خدمت خلق کو اپنا وظیفہ حیات بنائے رکھا۔ اگر وسائل کی کمی کے باعث خود ذاتی طور پر کسی کی مدد کرنے کے قابل نہ ہوتے تو اپنے صاحب حیثیت ارادت مندوں، مریدوں، احباب اور دوستوں کی طرف بلا تکلف حاجت مندوں کو روانہ فرما دیتے تھے اور اپنے عقیدت مندوں سے مدد و اعانت کی تحریری درخواستیں کرنے میں عار نہیں سمجھتے تھے کیونکہ آپ کی اولیں خواہش ہوتی تھی کہ ہر جائز حاجت مند کی حاجت عزت و وقار کے ساتھ پوری ہو جائے۔ اسی سلسلے میں مکتوبات شریف میں جو چند مثالیں موجود ہیں۔ ہدیہ ناظرین میں (مرتب) (مکتوب ۵ دفتر اول)
خواجہ برہان نے اس مدت میں اچھا کام کیا ہے اور تیسرے سیر سے بھی جو مقام جذبہ کے مناسب ہے حصہ پا لیا ہے۔ خواجہ برہان کا دل صوبہ مالوہ کی بھاری مدد معاش کی وجہ سے پریشان رہتا ہے اس واسطے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے جس طرح فرمائیں گے اس کے لیے مبارک ہوگا۔

(مکتوب ۱۹ دفتر اول) لشکر کے ایک شخص نے آ کر بیان کیا کہ دہلی اور سرہند کے وظیفہ خوار فقراء کا روپیہ گزشتہ فصل خریف کی بابت حضور کے بلند درگاہ کے ملازموں کے حوالے ہوا ہے تاکہ حق ثابت کرنے کے بعد حق داروں کو پہنچا دیں اس لیے گستاخی کی گئی ہے کہ ہزار تنکہ فصلانہ شیخ ابوالحسن حافظ اور اہل علم کے نام اور ہزار تنکہ فصلانہ شیخ شاہ محمد حافظ کے نام نواب شیخ کی سرکار سے مقرر ہے۔ دونوں مذکورہ بالا اشخاص زندہ موجود ہیں اور انھوں نے اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیجا ہے۔ اگر خبر مذکور سچی ہو تو ان دونوں مذکورہ اشخاص کا روپیہ حامل عریضہ ہذا کے حوالے کر دیں۔

(مکتوب ۳۵ دفتر اول) شیخ سلطان مرحوم (حضرت مجددؒ کے سسر جنھیں اکبر بادشاہ نے ہندوؤں کی غلط شکایات کی وجہ سے شہید کرا دیا تھا) کے دونوں بیٹوں کے لیے گزارہ و معیشت کی بہت تنگی اور ناچاری ہے۔ اس واسطے آنجناب سے التماس ہے کہ ان کی ہر طرح مدد و اعانت کریں کیونکہ آپ اس

بات کے لائق ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ سے زیادہ توفیق دے اور خیر و بہتری کو آپ کا رفیق بنائے۔

(مکتوب ۴۱ دفتر اول) حامل رقیمہ ہذا مولانا محمد حافظ صاحب علم ہے اور اس کا عیال بہت ہے۔ گزارے کا سبب نہ ہونے کے باعث لشکر کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ اگر توجہ فرما کر فتح کے نشان والی اور سرداری اور شرافت کے مرتبہ والی سرکار شیخ جیو سے کچھ وظیفہ یا امداد اس کے واسطے مقرر کرا دیں تو آپ کی کمال بخشش ہوگی۔ (شیخ درویش محمد کے نام)

(مکتوب ۴۲ دفتر اول) باقی مقصود یہ ہے کہ جناب اخی اعزی میاں مظفر ولد شیخ گھورن دوم۔ شریف اور بزرگ کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے متعلقین بہت ہیں۔ ان کی حالت قابل رحم ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔

(مکتوب ۴۳ دفتر اول) میاں شیخ زکریا سے بار بار لکھتے ہیں اور آپ کی خدمت عالیہ میں بہت نیازمندی ظاہر کرتے ہیں اور معاملہ کروڑی یعنی تحصیلداری سے ڈرتے ہیں اور عالم اسباب میں آپ کی مقدس بارگاہ سے التجا رکھتے ہیں اور بظاہر آپ کی توجہ عالی کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں رکھتے۔ آپ کی عنایت کے امیدوار ہیں کہ جس طرح آگے آپ نے ان پر نوازش کی ہے اب بھی دست گیری فرمائیں اور حادثوں کی بھیڑ سے محفوظ رکھیں۔ کمال ادب کے باعث بذریعہ عرض نہیں کر سکتے فقیر کی طرف رجوع کر کے احوال ظاہر کرتے ہیں کہ آپ ان کا سوال قبول کریں گے۔ (شیخ فرید کے طرف)

(مکتوب ۵۰ دفتر اول) تکلیف یہ دی جاتی ہے کہ فضائل مآب شیخ زکریا اس سال میں کروڑگری یعنی تحصیلداری میں گرفتار ہے۔ بہت ڈرتا ہے اور عالم اسباب میں بڑا وسیلہ اور ذریعہ آپ ہی کی توجہ شریف کو جانتا ہے۔ امید ہے کہ نئے دفتر سے بھی ظاہر ہو جائے گا کہ یہ آپ کی عالی درگاہ کے خادموں میں سے ہے۔ (شیخ فرید کی طرف)

(مکتوب ۵۶ دفتر اول) حامل عریضہ نیازمند میر سید احمد سادات سامانہ میں سے ہے اور طالب علم اور نیک ہیں۔ گزارہ کی تنگی کے باعث اس طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اگر سرکار عالی میں کچھ گنجائش ہو تو یہ اس کے لائق اور مستحق ہیں ورنہ اپنے مخلصوں میں سے کسی کی طرف سفارش کریں کہ وجہ معاش کی طرف سے ان کو خاطر جمع کر دیں۔ چونکہ یقین تھا کہ آپ خادم فقراء اور محتاجوں کے بارے میں اور خاص کر سادات عظام کی امداد میں بڑی توجہ فرماتے ہیں اس لیے چند کلمے لکھے ہیں۔

(شیخ عبدالوہاب کی طرف)

(مکتوب ۶۳ دفتر اول) مقصود یہ ہے کہ سیادت پناہ میں پیر کمال کو آپ خوب جانتے ہیں- کچھ حاجت نہیں کہ اس بارے میں کچھ لکھا جائے لیکن اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ فقیر کو کچھ عرصہ سے ان کی ملاقات حاصل ہے- مدت سے آپ کی قدم بوسی کا شوق رکھتے ہیں لیکن ضعف لاحق ہونے سے کچھ فرش پر پڑے تھے- اب صحت ہونے کے بعد خدمت عالی کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور آپ کی عنایت کے امیدوار ہیں- (شیخ فرید کی طرف)

(مکتوب ۶۷ دفتر اول) ایک محتاج کی حاجت کی طرف اشارہ ہے جو بزرگی اور بہتری سے آراستہ ہے اور معرفت شہود سے پیراستہ' نسب کے لحاظ سے کریم ہے اور حسب کی رو سے شریف-

(خان خاناں کی طرف)

(مکتوب ۶۹ دفتر اول) سیادت مآب سید ابراہیم قدیم سے آپ کی بلند درگاہ سے نسبت رکھتا ہے اور دعا گوؤں میں شامل ہے آپ کے کرم و بخشش پر امید ہے کہ دست گیری فرمائیں گے تا کہ اس فقر و پیری کی حالت میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ فراغ خاطر سے گزارہ کرے اور دونوں جہان کی سلامتی کی دعا میں مشغول رہے-

(مکتوب ۷۲ دفتر اول) مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ زکریا جو پہلے کروڑی یعنی تحصیلدار تھا اور اب محبوس ہے- عالم و فاضل آدمی ہے لیکن شومئے اعمال سے کچھ مدت سے قید خانہ میں ہے- بڑھاپے کی کمزوری و گزارے کی تنگی اور مدت قید کی درازی سے تنگ و عاجز ہو کر فقیر کی طرف گیا ہے کہ چھاؤنی میں آکر ہمارے چھڑانے کی کوشش کریں- راستہ کی زیادہ مسافت آنے سے مانع ہے چونکہ میرے بھائی خواجہ محمد صدیق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے تھے ناچار چند کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دی گئی ہے- امید ہے اس بوڑھے ضعیف کے بارے میں توجہ عالی سے کام لیں گے کہ وہ عالم بھی ہے اور بوڑھا بھی- (خواجہ جہان کی طرف)

(مکتوب ۷۶ دفتر اول) حامل رقیمہ ہذا نیک اور صالح آدمی ہے- ایک ضروری حاجت کے لیے آپ کے پاس آتا ہے- امید ہے کہ اس کے حال پر توجہ فرما کر اس حاجت کو پورا کر دیں گے- حقیقی دولت اور ہمیشہ کی سعادت آپ کو حاصل ہو- (مرزا بدیع الزمان کی طرف)

(مکتوب ۷۸ دفتر اول) دوسرے یہ تکلیف دیتا ہے کہ ملا عمرو شاہ حسین شریف زادہ اور خاندانی ہے اور آپ کی ملازمت کا خواہاں ہے- امید ہے کہ اس کو اپنے خاص ملازموں میں داخل کر لیں گے- اسمٰعیل بھی اس ارادہ سے حاضر خدمت ہوتے ہے اگرچہ پیادہ ہے- امید ہے کہ اپنی حالت کے مطابق

حصہ پائے گا (جباری خان کی طرف)

(مکتوب ۷۹ دفتر اول) دوسری التماس یہ ہے کہ حامل رقیمہ دعا میاں شیخ مصطفیٰ قاضی شریح کی نسل سے ہیں ان کے بزرگ اس ملک میں بڑی عزت سے آئے تھے اور وجوہ معاش اور وظائف بکثرت رکھتے ہیں۔ مشار الیہ معاش کی تنگی کے باعث لشکر کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ سندیں اور پروانے اس کے پاس موجود ہیں۔ امید ہے کہ آپ کے وسیلے سے جمعیت حاصل کرے گا۔ زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ صدر اعظم کے پاس مشار الیہ کی سفارش کسی طرح کر دیں تاکہ ان کا کام بن جائے اور پراگندہ حال والوں کی جمعیت کا باعث ہو جائے۔ (جباری خان کی طرف)

(مکتوب ۸۰ دفتر اول) بقیہ مقصود یہ ہے کہ میاں سہدن ولد میاں شیخ ابوالخیر شریف خاندان سے ہے اور دکن کے سفر میں آپ کے ہمراہ گیا تھا۔ آپ کی توجہ اور عنایت کا امیدوار ہے اور نیز مولانا محمد عارف طالب علم بزرگ زادہ ہے اس کا باپ ملا آدمی تھا۔ مدد معاش کے لیے آیا ہے اور آپ کی توجہ کا امیدوار ہے۔ (مرزا فتح اللہ خان حکیم کی طرف)

(مکتوب ۸۴ دفتر اول) باقی تکلیف یہ ہے کہ حامل رقیمہ شیخ مصطفیٰ شرحی قاضی شریح کی نسل سے ہے۔ اس کے باپ دادا بڑے بزرگ تھے وظائف اور وجہ معاش رکھتے تھے۔ سندیں اور پروانے جمع کر کے لشکر کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ گزارے کے اسباب نہ ہونے سے تنگ ہے۔ اس کے حال پر اس طرح توجہ فرمائیں کہ اس کی جمعیت کے حاصل ہونے کا سبب ہو جائے۔ بے قراری اور پراگندگی سے نجات پائے زیادہ کیا تکلیف دے۔ (سید احمد قادری)

(مکتوب ۹۶ دفتر اول) بقیہ مقصود یہ ہے کہ حامل رقیمہ ہذا مولانا اسحاق فقیر کا مخلص اور آشنا ہے اور قدیم سے ہمسائیگی کا حق بھی رکھتا ہے۔ اگر مدد و اعانت طلب کرے تو اس کے حال پر توجہ فرمائیں۔ مشار الیہ فن کتابت اور انشا میں اچھی مہارت رکھتا ہے۔ (محمد شریف کی طرف)

(مکتوب ۹۷ دفتر اول) اور دوسری یہ تکلیف دیتا ہے کہ نیک کردار میاں اللہ بخش صلاح و تقویٰ و فضیلت سے آراستہ ہیں اور بہت سے لوگ ان کے متعلق ہیں۔ اگر کسی امر میں مدد طلب کریں تو امید ہے کہ ان کے حال پر توجہ فرمائیں گے۔ (شیخ درویش کی طرف)

(مکتوب ۱۰۸ دفتر اول) بقیہ مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ عبداللہ ولد میاں شیخ عبدالرحیم اس فقیر کے رشتہ دار ہیں۔ ان کے والد بزرگوار مدت تک بہادر خاں کے ملازم رہے اور اب حاجت مند ہیں اور بینائی سے معذور ہیں۔ اپنے بیٹے کو بھیجا ہے کہ بہادر خاں کے پاس نوکر ہو جائے۔ اس بارے میں اگر آپ کی

طرف سے اشارہ ہو جائے تو فائدہ مند ہوگا۔   (میاں سید احمد کی طرف)

(مکتوب ۱۱۱ دفتر اول) باقی تکلیف یہ ہے کہ حامل رقیمہ دعا میں شیخ عبدالفتاح حافظ ذی عزت اور شریف زادہ ہے اور اس کے اہل و عیال اور بیٹیاں بہت ہیں۔ اسباب معیشت کے نہ ہونے نے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو کسی کریم تک لے جائے۔ امید ہے کہ مقصود حاصل کرے گا۔ زیادہ لکھنا سر دردی ہے۔   (شیخ حمید سنبھلی)

(مکتوب ۷۸ دفتر دوم) جو لوگ اخلاق نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متخلق ہیں ان کو اس امر کی طرف رہنمائی کرنے کی کیا حاجت ہے کہ وہ کسی کے ساتھ احسان اور حسن معاشرت سے پیش آئیں بلکہ نزدیک ہے کہ وہ دلالت بے ادبی میں داخل ہو لیکن انسان چونکہ احتیاج کے وقت ہر ادنیٰ و حقیر سے پنجہ مارتا ہے اور ہر ضعیف و کمزور سے اپنی تسلی حاصل کرتا ہے اس لیے آپ کو تکلیف دے کر سائلین و حاجت مندوں کی تسلی کی گئی ہے۔ (مرزا مظفر کی طرف)

(مکتوب ۱۸۵ جلد اول) باقی مطلب یہ ہے کہ مولانا فاضل سرہندی جو آپ کی بلند خدمت میں قیام رکھتا ہے۔ اس کا باپ سرہند میں ہے اور چاہتا ہے کہ ضعف اور بڑھاپے کی حالت میں اپنے بیٹے سے مل کر خوش ہو جائے۔ اس لیے اس مطلب کے واسطے فقیر کو وسیلہ بنایا ہے۔ آگے آپ کو اختیار ہے بلکہ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔   (منصور عرب کی طرف)

(مکتوب ۲۱۴ دفتر اول) باقی مطلب یہ ہے کہ حامل رقیمہ ہذا میاں شیخ احمد مغفرت پناہ شیخ سلطان تھانیسری کا بیٹا ہے۔ آپ کی ان مہربانیوں اور احسانوں کو یاد کر کے جو آپ نے اس کے والد بزرگوار کی نسبت کیے تھے اس فقیر کو وسیلہ بنا کر آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتا ہے اور آپ کی مہربانیوں میں سے ایک موضع تھا جو پرگنہ اندری میں انعام فرمایا ہوا تھا۔ آگے آپ کا اختیار ہے بلکہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ (خان خانان کی طرف)

(مکتوب ۷۸ دفتر دوم) باقی مطلب یہ ہے کہ اس خط کے لانے والا محمد قاسم بزرگ زادہ ہے اور فقراء کی خدمت میں رہا ہے چونکہ اپنے بڑے بھائی کی خدمت میں بڑی ناز و نعمت سے پرورش یافتہ ہے اس لیے زمانے کی محنتوں سے نا آشنا ہے۔ اب آپ کی ملازمت کا شوق رکھتا ہے۔ اگر اپنی سرکاری کے ملازموں میں داخل کر کے اس کے حال پر توجہ اور التفات فرمائیں تو آپ کے کرم سے بعید نہیں۔

(داراب خان کی طرف)

(مکتوب ۹۰ دفتر دوم) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ "خلق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے اور مخلوقات

میں سے زیادہ پیارا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو اس کے عیال کے ساتھ احسان کرے حق تعالیٰ بندوں کے رزق کا متکفل ہے اور مخلوقات اس کے عیال کی طرح ہے۔ جو شخص کسی کے عیال کے ساتھ غم خواری کرے اور اس کے بوجھ کو اٹھائے تو وہ شخص اس عیال والے شخص کے نزدیک بہت محبوب ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کو سبک سار کر دیا ہے۔ اور اس کا بار متونث اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اسی سبب سے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ حافظ مرد صالح اور قرآن مجید کا قاری ہے۔ کثرت عیال داری کے باعث حیران و پریشان ہے کیونکہ ان کے حقوق سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ آپ کے کرم اور بخشش سے امید ہے۔ کہ آپ اس کی مدد و اعانت فرمائیں گے۔ کریموں کو بخشش کے لیے ایک بہانہ کافی ہے۔

(مرزا عرب خان کی طرف)

(مکتوب ۵۴ دفتر سوم) باقی مطلب یہ ہے کہ رقیمہ ہذا کے لانے والے فضائل پناہ خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد اشرف خاص یاروں میں سے ہیں۔ ان کے حال پر جس قدر مہربانی فرمائیں گے فقیر کی احسان مندی کا باعث ہوگا۔ (خان جہان کی طرف)

(مکتوب ۶۱ دفتر دوم) اس کے بعد دوستوں اور یاروں سے التجا ہے کہ گزشتہ لوگوں کی اعانت کریں اور مولانا مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت اور دل جوئی محبوں اور مخلصوں پر لازم ہے۔ خاص کر اس امر میں بہت کوشش کیں کہ مولانا مرحوم کے فرزندوں کو پڑھائیں اور علوم شرعیہ سے آراستہ کریں اور مولانا مرحوم کے احسان کا بدلہ ان کے بیٹوں پر احسان کر کے ادا کریں۔ احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔

(مولانا احمد برکی کی ماتم پرسی کے سلسلے میں احباب کو وصیت)

واقعات وحکایات مکتوبات شریف

حضرت امیر معاویہؓ سے کدورت

ایک طالب حضرت امیر معاویہ سے بسبب منازعت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کدورت رکھتا تھا۔ اس نے آپ کے مکتوبات شریف میں لکھا دیکھا کہ امام مالک کے نزدیک اصحاب کبار کے منکر کی ایک ہی سزا ہے خواہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کا انکار کرے یا امیر معاویہؓ کا اس پر وہ طالب علم معترض ہوا۔ اس نے رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے اس کو حضرت امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ خبردار ان مکتوبات پر اعتراض نہ کرنا اور جنگ باہمی کے اسرار کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتے۔

۲۔ ایک روز آپ کا مرتضی خان کی قبر پر گزر ہوا تو ان کو محاسبہ میں گرفتار پایا۔ بارگاہ احدیت میں دعا فرمائی۔ اللہ پاک نے آپ کی دعا سے اس کی مغفرت فرمائی۔ اسی روز اس کے ایک دوست نے اس کو خواب میں دیکھا تو مرتضی خان نے آپ کی شفاعت سے اپنی مغفرت کی کیفیت بیان کی۔

۳۔ شب برات ۱۰۳۳ ہجری آپ نے اپنی وفات کے متعلق ظاہر فرمادیا کہ اسی سال ہوگی حتیٰ کہ آپ عید الضحیٰ کی نماز سے فراغت پا کر دولت سرا میں تشریف لائے تو خلفائے اور مریدین سے فرمایا کہ بموجب عدد ملتبہ عمر آنحضرت ﷺ میری عمر ۶۳ تریسٹھ سال ہوگی اور اس کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آپ سب کو لازم ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرتے رہیں۔ پانچ روز کے اندر ہی آپ کو مرض ضیق النفس کا دورہ شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ ۱۲ تاریخ محرم ۱۰۳۴ ہوئی۔ آپ نے تعداد ایام باقیہ ظاہر فرمادی۔ ایک روز اپنے والد ماجد کے مزار شریف کی آخری زیارت کی۔ دیر تک مراقب رہے۔ اہل قبرستان کے لیے بہت کچھ دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر جد اعلیٰ حضرت امام رفیع الدین کے مزار پر حاضری دی اور مراقبہ فرمایا اور وہاں بھی اہل قبور کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ دولت خانہ میں تشریف لائے حتیٰ کہ ۲۲ صفر کو آپ نے اپنے مریدین اور صاحبزادگان سے فرمایا کہ اللہ پاک مجھ کو وہ سب کچھ عطا فرما چکا ہے جو بشر کو عطا کیا جا سکتا ہے۔ ۲۳ صفر کو آپ نے تمام لباس فقراء میں تقسیم کر دیا اور مرض کا غلبہ شروع ہوا۔ وہ شب جس کے بعد آپ کا وصال ہوا اسرار کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گئے اور جو حقائق منکشف ہوئے تھے بیان فرمائے کہ میری ہمت کا مرغ آستان قدس تک پہنچا اور آواز آئی کہ یہ حقیقت کعبہ ہے۔

اس کے بعد عروج ہوا اور مقام صفات حقیقیہ تک پہنچا جو بوجود ذات موجود ہیں پھر میں شیونات ذاتیہ تک پہنچا۔ وہاں سے ذات بحت تک پہنچا۔ جو ہر قسم کے اعتبارات اور نسبتوں سے معرا ہے اور گرد ظلیت نے وہاں تک راہ نہیں پائی۔ پھر ضعف کا غلبہ ہوا تہجد کی نماز وضو کر کے کھڑے ہو کر فرمائی۔ اور صبح کی نماز جماعت سے ادا فرمائی۔ پھر اشراق کی نماز پڑھی اور تمام ادعیہ ماثورہ پڑھتے رہے اور مراقبہ میں بھی مصروف ہو ہو جاتے۔ بستر پر اس طرح لیٹے سر شمال کی طرف منہ قبلہ کی طرف۔ داہنا ہاتھ ٹھوڑی مبارک کے نیچے اور ذکر میں مشغول ہوئے۔ سانس کی تیزی کو صاحبزادہ صاحب نے دیکھ کر دریافت کیا کہ مزاج کیسا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ اچھا ہے جو دو رکعت نماز پڑھ چکے ہیں کافی ہے۔ یہ آپ کا آخری کلام تھا اس کے بعد اللہ اللہ جاری تھا۔ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ بروز دوشنبہ یا سہ شنبہ بوقت اشراق داعی اجل کو آپ نے لبیک فرمائی۔ عمر شریف ۶۳ برس کی ہوئی۔

وضو کے پانی کا استعمال

(مکتوب ۲۹ دفتر اول) اس فقیر کے لیے دہلی میں اب کی دفعہ اس قسم کا امتحان واقع ہوا تھا بعض دوستوں کو واقعات میں ایسا ظاہر ہوا تھا کہ وضو کے مستعمل پانی کو پئیں ورنہ بڑا ضرر لاحق ہوگا۔ بہترا منع کیا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار فقہا کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور نجات کا سبب مل گیا۔ اگر تین دفعہ غسل کرنے کے بعد ثواب و عبادت کی نیت نہ کریں تو چوتھی دفعہ پانی مستعمل نہیں ہوتا۔ یہ حیلہ تجویز کر کے ثواب کی نیت کے بغیر چوتھے غسل کے پانی کو پینے کے لیے دیا۔

(خواجہ ملک کے نام)

پیروں کو سجدہ

اور نیز معتبر آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر بھی کفایت نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے۔ ان کو منع کریں اور بڑی تاکید کریں کہ اس قسم کے افعال سے بچنا ہر ایک آدمی کے لیے ضروری ہے خاص کر اس شخص کے لیے جو خلق کا مقتدا و پیشوا بنا ہو۔

علمائے سوء

(مکتوب ۳۳ دفتر اول) کسی عزیز نے شیطان لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے خاطر جمع کیا ہوا ہے۔ اس عزیز نے اس امر کا بھید پوچھا لعین نے جواب دیا کہ اس وقت کے

برے عالم (علمائے سوء) میرے ساتھ اس کام میں میرے مددگار ہیں اور مجھ کو اس ضروری کام سے فارغ کردیا ہے۔ (مکتوب ۵۳) کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بے کار بیٹھا ہے۔ اس کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ اس وقت کے علماً میرا کام کررہے ہیں۔ بہکانے اور گمراہ کرنے میں وہی کافی ہیں۔

(مکتوب ۲۱۳ دفتر اول میں بھی یہی مضمون دہرایا گیا ہے۔)

دعوتوں کا کھانا

(مکتوب ۶۴ دفتر اول) فقیر کو تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عام دعوتوں میں جو کھانا پکاتے ہیں اور خالص نیت نہیں کرسکتے اور بعض لوگ اس کھانے کی نسبت گلہ و شکایت کرتے ہیں۔ طعام اور صاحب طعام کا عیب اور نقص ظاہر کرتے ہیں اور صاحب طعام کو اس بات سے دل شکستگی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہی شکستگی اس ظلمت کو جو خالص نیت کے نہ ہونے سے کھانے میں آ گئی تھی دور کردیتی ہے اور معرض قبول میں لے آتی ہے۔

حضرت ابوالحسن خرقانی اور محمود غزنوی

(مکتوب ۱۵۲ دفتر اول) منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے زمانہ میں خرقان کے نزدیک اترا ہوا تھا۔ اس نے اپنے مصاحبین کو شیخ حضرت ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں بھیجا اور التماس کی کہ اگر شیخ سے توقف معلوم ہو تو تم آیہ کریمہ اطیعو الله و اطیعو الرسول ' اولی الامر منکم پڑھ دینا۔ جب (حاضر ہونے والے) مصاحبین نے توقف معلوم کیا تو انہوں نے یہ آیت مذکورہ پڑھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ میں اطیعو الله میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اطیعوالرسول سے شرمندہ ہوں تو پھر اولی الامر کی اطاعت کا کیا ذکر ہے۔ حضرت شیخ کے حق تعالیٰ کی اطاعت کو اس کے رسول کی اطاعت کے سوا سمجھا۔ یہ بات استقامت سے دور ہے۔ مشائخ مستقیم الاحوال اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں شریعت و طریقت و حقیقت کے تمام مراتب کو حق تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت جانتے ہیں اور اس اطاعت کو جو اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے سوا ہو عین گمراہی خیال کرتے ہیں۔

سید اور مجذوب

(مکتوب ۱۵۲) منقول ہے کہ شیخ مہنہ شیخ ابوسعید ابوالخیر ایک مجلس میں بیٹھے تھے اور خراسان کے

بزرگ سادات میں سے سید اجل بھی اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً اسی اثنا میں ایک مجذوب مغلوب الحال آ نکلا۔ حضرت شیخ نے اس کو سید اجل پر مقدم کیا۔ سید کو یہ بات ناپسند معلوم ہوئی۔ شیخ نے فرمایا کہ تمہاری تعظیم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے باعث ہے اور اس مجذوب کی تعظیم حق تعالیٰ کی محبت کے سبب ہے۔ مستقیم الاحوال بزرگ اس قسم کے تفرقہ کو جائز نہیں سمجھتے۔

حسین قصاب کی حکایت

(مکتوب ۲۰۰ دفتر اول) دو ترک تھے جن کی نسبت حسین قصابؒ نے رمز و اشارہ سے حکایت کی ہے کہ میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ راستہ میں جا رہا تھا کہ ناگاہ اسی قافلہ سے دو ترک باہر نکل گئے اور ناسلوک راستہ اختیار کیا وہ راستہ جس پر بڑا قافلہ جا رہا تھا وہ راہ سلوک (کی طرف اشارہ ہے) ہے جو مقامات عشرہ مشہورہ کو مفصل اور ترتیب وار جمع کرنے سے طے ہوتا ہے کیونکہ اکثر مشائخ خاص کر متقدمین اسی طریق سے اپنے مقصد تک پہنچے ہیں اور وہ راہ ناسلوک جو ان دونوں ترکوں نے اختیار کی اور حسین قصاب نے اس راہ میں ان کی متابعت کی جذبہ و محبت کا طریق ہے جو وصول الی اللہ کے زیادہ قریب ہے۔ اور پہاڑ سے مراد بشریت کا وجود ہے جو اس وقت اس پر ظاہر ہوا کیونکہ اس طریق میں نفس کا تزکیہ قلب کے تصفیہ کے بعد ہے۔ چونکہ دونوں ترک قوی جذبہ اور محبت رکھتے تھے۔ اس لیے بہادروں کی طرح بشریت کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور ایک دم میں اس کے اوپر جا پہنچے اور ایک قسم کی فنا سے مشرف ہوئے اور حسین قصاب میں چونکہ اس طرح کے جذبہ کی قوت نہ تھی۔ بڑی محنت سے پہاڑ پر چڑھے لیکن وہ بھی ان ترکوں کی متابعت کی برکت سے میسر ہوا ورنہ اس کا اسرار ادیتے اور ہلاک کر دیتے۔

شیخ ابن السیکنہ قدس سرہ کی حکایت

(مکتوب ۲۱۰ دفتر اول) ملا شکیبی اصفہانی کے نام مکتوب میں آپ نے از روئے کرم لکھا تھا کہ اس حکایت کا اصل معاملہ کیا ہے جو نفحات میں شیخ ابن السیکنہ قدس سرہ کے مرید کی نسبت مذکور ہے کہ ایک دن دریائے دجلہ میں غسل کے لیے غوطہ لگایا اور دریائے نیل میں جا نکلا اور مصر میں چلا گیا۔ وہاں شادی کی اور اس کے ماں بیٹے ہوئے اور سات سال تک مصر میں مقیم رہا۔ اتفاقاً پھر ایک دن غسل کے لیے دریائے نیل میں غوطہ لگایا اور سر دریائے دجلہ میں جا نکلا۔ دیکھا کہ اس کے کپڑے جو دریائے دجلہ کے کنارے پر رکھے تھے بدستور موجود ہیں۔ ان کو پہن کر گھر آیا تو اس کی بیوی نے کہا کہ مہمانوں کے لیے کھانا جو آپ نے فرمایا تھا تیار ہے۔ اس حکایت کا اشکال اس وجہ سے نہیں ہے کہ برسوں کا کام ایک

گھڑی میں کیسے میسر ہو گیا کیونکہ اس قسم کا معاملہ بہت واقع ہوتا ہے- حضرت رسالت خاتمیت ﷺ شب معراج میں عروج کے مرتبے کرنے اور وصول کی منزلیں طے کرنے کے بعد جو کئی ہزار برسوں میں میسر ہو سکیں جب اپنے دولت خانے میں واپس آئے تو دیکھا کہ بستر خواب ابھی گرم ہے اور کوزہ میں وضو کا پانی ابھی حرکت کر رہا ہے-

یہ نقل کرنے کے بعد نفحات میں مذکور ہے کہ یہ بات بسط زمان کی قسم سے ہے بلکہ اس حکایت کا اشکال اس سبب سے ہے کہ بغداد میں جو وقت ہو وہی مصر میں ہو حالانکہ عرصہ سات سال کا پیدا ہوا- اہل بغداد اس وقت سن تین سو ساٹھ ہجری میں ہوں گے اور اہل مصر تین سو ستاسٹھ ہجری میں- عقل و نقل اس بات کو پسند نہیں کرتی - یہ معاملہ ایک یا دو شخصوں کی نسبت ہو تو جائز ہے لیکن مختلف شہروں اور متعدد مکانوں کی نسبت محال ہے جو کچھ اس فقیر کی خاطر فاتر میں گزرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حکایت حالت بیداری سے نہیں ہے بلکہ خواب واقعات قسم کی ہے کہ سننے والے کے لیے خواب رویت سے مشتبہ ہو گئی ہے اور نیند سے بیداری کا وہم گزرا ہے- اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں بلکہ اسی اشتباہ کے ظن سے ہے کہ خواب میں دیکھا ہے اور خواب میں اپنے پیر سے کہا ہے اور فرزندوں کو لایا ہے وغیرہ وغیرہ اسی قسم سے ہے تمام امور کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں-

خواجہ حسن بصریؒ اور حبیب عجمیؒ

(مکتوب ۲۱۶ دفتر اول) منقول ہے کہ ایک دن حضرت حسن بصری دریا کے کنارے پر کھڑے کشتی کا انتظار کر رہے تھے کہ دریا سے پار ہوں- اسی اثنا میں حضرت خواجہ حبیب عجمی بھی آ نکلے- پوچھا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں- عرض کیا کہ کشتی کا انتظار کر رہا ہوں- حضرت حبیب عجمی نے فرمایا کہ کشتی کی کیا حاجت ہے- کیا آپ یقین نہیں رکھتے - خواجہ حسن بصری نے کہا کہ آپ علم نہیں رکھتے - غرض حضرت حبیب عجمی کشتی کی مدد کے بغیر دریا سے گزر گئے اور خواجہ حسن بصری کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے- خواجہ حسن بصری نے چونکہ عالم اسباب میں نزول کیا ہوا تھا اس لیے اس کے ساتھ اسباب کے وسیلہ سے معاملہ کرتے تھے اور حضرت حبیب عجمی نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر سے دور کر دیا ہوا تھا اس کے ساتھ اسباب کے وسیلہ کے بغیر زندگانی بسر کرتے تھے-

عجیب معاملہ

(مکتوب ۲۱۶ دفتر اول) حضرت مخدومی قبلہ گاہی قدس سرہ (حضرت باقی باللہ) فرمایا کرتے تھے

کہ ایک بزرگ کہتا ہے کہ عجیب کاروبار ہے کہ لوگ اطراف و جوانب سے آتے ہیں- بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور موسم حج میں حاضر پایا اور ہم نے آپ سے مل کر حج کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا ہے اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور میں ہرگز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں- سب کاموں کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے-

(مکتوب ۵۸ دفتر دوم میں بھی تفصیل ہے-)

صاحب مزار کی مدد

(مکتوب ۲۲۰ دفتر اول) ایک دن یہ خوف غالب ہوا کہ مبادا ان کشفوں پر مواخذہ کریں اور ان واہی باتوں کی نسبت پوچھیں- اس خوف نے بڑا بے قرار اور بے آرام کیا اور بارگاہ الٰہی میں بڑی التجا اور زاری کا باعث ہوا- یہ حالت بہت مدت تک رہی- اتفاقاً اسی حالت میں ایک بزرگ کے مزار پر گزر ہوا اور اس معاملہ میں اس عزیز کو اپنا مددگار بنایا- اسی اثنا میں خداوند تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور معاملہ کی حقیقت کما حقہ' ظاہر کر دی گئی- اور حضرت رسالت خاتمیت ﷺ جو رحمت عالمیاں ہیں ان کی روح مبارک نے حضور فرمایا اور غم ناک دل کی تسلی کی اور معلوم ہوا کہ بے شک قرب الٰہی فضل کلی کا موجب ہے لیکن یہ قرب جو تجھے حاصل ہوا ہے- الوہیت کے ان مراتب کے ظلال میں سے ایک ظل کا قرب ہے جو اس اسم سے مخصوص ہے جو تیرا رب ہے پس فضل کلی کا موجب نہ ہوگا اور اس مقام کی مثالی صورت کو اس طرح منکشف کیا کہ کوئی شک و شبہ نہ رہا-

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی بہشت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے

(مکتوب ۲۵۱ دفتر اول) ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ لکھتا ہے کہ حضرت امیرؓ کا نام بہشت کے دروازے پر لکھا ہے- دل میں گزرا کہ حضرت شیخینؓ کے لیے اس مقام کی کیا خصوصیات ہوں گی- توجہ تام کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں امت کا داخل ہونا ان دو بزرگواروں کی رائے سے تجویز ہوگا گویا حضرت صدیق بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں اور حضرت فاروق ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق کے نور سے بھرا ہوا ہے-

خواجہ باقی باللہ کی قدم بوسی کا شرف

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) یہ فقیر تین مرتبہ حضرت ایشاں یعنی خواجہ بزرگوار کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا۔ آخیر دفعہ حضور نے اس فقیر کو فرمایا کہ بدن کی کمزوری مجھ پر غالب آ گئی ہے اور زندگی کی اُمید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے خبر دار رہنا ہوگا اور اسی وقت اپنے حضور میں آپ (بچوں) کو بلایا اور آپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے یعنی دودھ پیتے بچے تھے۔ فقیر کو فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم کے بموجب حضور کی خدمت اقدس میں آپ کی طرف توجہ کی حتیٰ کہ اس توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی والدات کے لیے بھی غائبانہ توجہ کرو۔ حکم کے موافق غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ کے کئی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہوں گے۔

نزع کی حالت میں کرم فرمائی

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) فقیر ایک دفعہ ایک شخص کی بیمار پرسی کے لیے گیا جس کا معاملہ نزع کی حالت تک پہنچا ہوا تھا۔ جب یہ فقیر اس کے حال کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ اس کے دل پر بہت سی ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں۔ ان ظلمتوں کو دور کرنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ یہ ظلمتیں اس کے دل سے دور ہو جائیں لیکن اس کے دل نے قبول نہ کیا۔ بہت سی توجہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ظلمتیں صفات کفر سے پیدا ہوئی ہیں جو اس میں پوشیدہ تھیں اور وہ کدورتیں کفر اور اہل کفر کے ساتھ دوستی رکھنے کے باعث پیدا ہوئیں توجہ کے ساتھ یہ ظلمتیں دور نہیں ہو سکتیں بلکہ ان ظلمات سے اس کا پاک ہونا دوزخ کے عذاب پر موقوف ہے جو کفر کی جزا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ذرہ بھر ایمان بھی رکھتا ہے جس کی برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ جب اس میں اس حال کا مشاہدہ کیا تو دل میں گزرا کہ آیا اس شخص پر نماز جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ توجہ کی تو ظاہر ہوا کہ نماز ادا کرنا چاہیے۔

اسم اللہ بلند آواز میں

(مکتوب ۲۶۶ دفتر اول) ایک دن حضرت ایشاں کی ملازمت میں مجلس طعام میں حاضر تھا۔ شیخ کمال نے جو حضرت خواجہ قدس سرہ کے مخلص دوستوں میں سے تھا۔ کھانا شروع کرتے وقت حضرت ایشاں کے حضور اسم اللہ کو بلند کہا۔ حضور کو بہت ناخوش معلوم ہوا اور یہاں تک جھڑکا اور فرمایا کہ اس کو کہہ دو ہماری مجلس طعام میں حاضر نہ ہوا کرے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت

(مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) منقول ہے کہ ایک دن سید البشر ﷺ امامینؓ کے بوسے لے رہے تھے اور کمال انبساط اور خوشی کے ساتھ ان سے سلوک کر رہے تھے- حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے گیارہ لڑکے ہیں- میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا- حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے جو وہ اپنے مہربان بندوں کو عطا فرماتا ہے-

حضرت ابراہیم کی وفات

(مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) جب حضرت سید البشر ﷺ کا بیٹا حضرت ابراہیم فوت ہو گیا- حضرت پیغمبر ﷺ اس کی وفات پر رو پڑے اور نہایت غمناک ہو کر فرمایا- اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے بہت غم زدہ ہیں یعنی بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ اپنے غم کا بیان فرمایا- پس حضرت گنج شکرؒ بہتر ہے یا حضرت سید البشر ﷺ عوام کالانعام کے نزدیک معاملہ اول بہتر ہے اور اس کو بے تعلق جانتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور گرفتاری سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے برے عقیدے سے بچائے- چونکہ جہاں ابتلاء و آزمائش کا مقام ہے عوام کو مشتبہ کرنا اور شبہ میں ڈالنا عین حکمت و مصلحت ہے- منقول ہے کہ جب مخدوم حضرت فرید گنج شکرؒ کا کوئی لڑکا فوت ہو جاتا اور اس کے مرنے کی خبر ان کو پہنچتی تو ان کی طبیعت میں کچھ تغیر و تبدل نہ آتا اور اس طرح فرما دیتے کہ بچہ مر گیا ہے جاؤ اس کو باہر پھینک دو-

دوازدہ اقطاب (اثنا عشرہ)

(مکتوب ۲۹ دفتر اول) میں نے ایک عزیز سے سنا ہے کہ حضرت عبید اللہ احرار قدس سرہ نے اپنی والدہ کے باپ دادوں یعنی ننہال کی طرف سے بھی عجیب و غریب احوال اور قصری جذبہ رکھتے تھے ایک نسبت حاصل کی تھی اور اثنا عشرہ یعنی دوازدہ اقطاب کے مقام سے جن کے ساتھ دین کی تائید وابستہ ہے اور محبت میں عظیم شان رکھتے تھے حضرت خواجہ قدس سرہ کو وافر حصہ حاصل تھا اور اسی سبب سے حضرت خواجہ قدس سرہ شریعت کی تائید اور دین کی مدد کیا کرتے تھے-

غوث الاعظم کا قدم اولیائے امت کی گردن پر

(مکتوب ۲۹۳ دفتر اول) "نفحات" میں شیخ حماد رباس سے جو حضرت شیخ ابو النجیب سہروردی کے مشائخ میں سے ہیں منقول ہے کہ انہوں نے بطریق فراست فرمایا تھا کہ اس عجمی کا ایک قدم ہے کہ

اس وقت میں تمام اولیائے امت کی گردنوں پر ہوگا اور اس بات کے کہنے پر مامور ہوگا کہ قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ اور جس وقت یہ بات کہے گا تمام اولیاء اپنی گردنیں جھکا دیں گے بہر حال شیخ اس کلام میں سچے ہیں خواہ یہ کلام ان سے بقیہ سکر کے باعث سرزد ہوا ہو خواہ اس کلام کے اظہار پر مامور ہوئے ہوں کیونکہ ان کا قدم اس وقت کے تمام اولیائے (امت) کی گردنوں پر ہوا ہے۔

پیراہن پیش چاک

(مکتوب ۳۱۴ دفتر اول) میاں شیخ عبدالحق دہلوی بیان کرتے تھے کہ میں حضرت مکہ میں تھا کہ میں نے دیکھا کہ شیخ نظام نارنولی کا ایک مرید پیراہن حلقہ گریبان پہنے ہوئے طواف کر رہا تھا اور عرب کے لوگ اس کی پیراہن دیکھ کر تعجب کرتے اور کہتے تھے کہ عورتوں کا پیراہن پہنا ہوا ہے۔فقیر کے نزدیک بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مردوں کو عورتوں کا لباس پہننا منع ہے تو جہاں عورتیں پیراہن پیش چاک پہنتی ہیں وہاں مردوں کو چاہئے کہ عورتوں کی مشابہت کو ترک کر کے پیراہن حلقہ گریبان پہنیں اور جس جگہ عورتیں پیراہن حلقہ گریبان پہنتی ہیں وہاں مرد پیراہن پیش چاک اختیار کریں۔عرب میں عورتیں پیراہن حلقہ گریبان پہنتی ہیں اس لیے مرد پیراہن پیش چاک پہنتے ہیں اور ماوراءالنہر اور ہند میں عورتوں کا لباس پیراہن پیش چاک ہے۔

طاعون کی وبا

(مکتوب ۱۷ دفتر دوم) حدیث میں آیا ہے کہ طاعون پہلی امتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس امت کے لیے شہادت ہے۔یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت۔میاں شیخ طاہر (بندگی) بیان کرتے ہیں کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ جو کوئی ان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا۔جب ان گزشتہ لوگوں کے حالات پر نظر کی جاتی ہے تو احوالات غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدہ میں آتے ہیں۔شاید شہدائی سبیل اللہ ان خصوصیات سے ممتاز ہوں۔

جادو کا کرشمہ

(مکتوب ۴۴ دفتر دوم) قصہ مشہور ہے کہ ہندوستان کے کسی شہر میں شعبدہ بازوں نے بادشاہ کے حضور میں شعبدہ بازی شروع کی اور طلسم و شعبدہ سے آموں کے درختوں کا باغ ظاہر کیا۔حتیٰ کہ وہ درخت اسی اثنا میں بڑے بڑے درخت ہو گئے اور ان کو پھل لگ گیا اور اہل مجلس نے ان پھلوں کو کھایا بھی۔اس

وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ شعبدہ بازوں کو قتل کر دیں کیونکہ اس نے سنا ہوا تھا کہ شعبدوں کے ظاہر ہونے کے بعد اگر شعبدہ بازوں کو قتل کر دیں تو وہ شعبدہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے اپنے حال پر رہتا ہے- اتفاقاً جب ان شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا تو وہ آم کے درخت حق تعالیٰ کی قدرت سے اسی طرح موجود رہے- میں نے سنا ہے کہ وہ درخت اب تک موجود ہیں اور لوگ ان کے میوؤں کو کھاتے ہیں- اللہ تعالیٰ پر یہ بات مشکل نہیں

حضرت خضر علیہ السلام اور شیخ عبدالقادر جیلانی

(مکتوب ۵۵ دفتر دوم) حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے لکھا ہے کہ علم لدنی کے فیضان میں حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت درمیان واسطہ ہے- بظاہر یہ بات ابتداء و توسط کے حال کے مناسب ہوگی کیونکہ منتہی کا معاملہ اور ہے جیسے کہ صریح اسی پر شاہد ہے اور اسی تحقیق کی تائید کرتی ہے- وہ کلام جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک دن منبر پر چڑھ کر علوم و معارف بیان فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گزرنے کا اتفاق ہوا تو آپ نے فرمایا -"اے اسرائیلی آ اور محمد (ﷺ) کا کلام سن-"

ایک حکایت (اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کیا ہے)

(مکتوب ۵۸ دفتر دوم) شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم کو پیدا کیا ہے اور عالم مثالی کے بعض مشاہدات کے بارے میں ایک حکایت بیان کرتا ہے کہ کعبہ معظمہ کے طواف کے وقت ایسا ظاہر ہوا کہ میرے ہمراہ اس قسم کے لوگوں کی ایک جماعت طواف کر رہی ہے جن کو میں نہیں پہچانتا- اثنائے طواف میں انہوں نے عربی بیت پڑھا میں نے جب یہ بیت سنا- دل میں گزرا کہ یہ سب عالم مثال کے بدن ہیں- یہ بات میرے دل میں گزرنے نہ پائی تھی کہ ان میں سے ایک نے میری طرف نگاہ کی اور کہا کہ میں تیرے اجداد میں سے ہوں- میں نے پوچھا کہ تجھے فوت ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں فرمایا کہ مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے- میں نے تعجب سے کہا کہ حضرت ابو البشر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے لے کر آج تک سات ہزار سال سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا- اس نے فرمایا کہ تو کس آدم کا ذکر کرتا ہے کیا تو اسی آدم کا ذکر کرتا ہے جو اس سات ہزار سال کے دورہ کے اول میں پیدا ہوا ہے- شیخ نے فرمایا کہ اس وقت وہ حدیث جو اوپر لکھی جا چکی ہے دل میں گزری جو اس

قول کی تائید کرتی ہے۔ جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ سب آدم جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں ان کا وجود عالم مثال میں ہوا ہے نہ عالم شہادت میں۔ حضرت آدم علیہ السلام یہی ہیں جو عالم شہادت میں موجود ہوئے ہیں اور زمین میں خلافت پا کر مسجود ملائک ہوئے۔

اس فقیر نے اس بارہ میں بہت دور تک نظر دوڑائی، بڑا غور کیا ہے لیکن عالم شہادت میں دوسرا آدم کوئی نظر نہیں آیا اور عالم مثالی کے شعبدوں کے سوا کچھ نہ پایا۔ اور یہ جو بدن مثالی میں نے کہا ہے کہ میں تیرا جدا ہوں اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ گزرے ہیں اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ پہلے آدم کے صفات و لطائف کے ظہورات تھے نہ یہ کہ علیحدہ خلقت رکھتے تھے۔ حالانکہ اس آدم کی پیدائش سے ابھی تک سات ہزار سال تمام نہیں ہوئے پھر چالیس ہزار سال کی کہاں گنجائش ہے۔

امیر تیمور کی سعادت

(مکتوب ۹۲ دفتر دوم) میں نے سنا ہے کہ ایک دن صاحب قران امیر تیمور بخارا کی گلی سے گزر رہا تھا کہ اتفاقاً اس وقت حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خانقاہ کے درویش خانقاہ کی دریوں اور بستروں کو جھاڑ دے رہے تھے اور گرد سے پاک کر رہے تھے۔ امیر مذکور مسلمانی کے حسن خلق سے جو اس کو حاصل تھا اس کوچہ میں ٹھہر گیا۔ تاکہ خانقاہ کی گرد کو اپنا صندل و عبیر بنا کر درویشوں کے برکات فیوض سے مشرف ہو۔ منقول ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ امیر کے مر جانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ تیمور مر گیا اور ایمان لے گیا۔

حضرت منصورؒ

(مکتوب ۹۵ دفتر دوم) منصور باوجود قول انا الحق کے قید خانہ میں زنجیروں کے ساتھ جکڑا ہوا تھا ہر رات پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا اور وہ کھانا جو اس کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ وہ حلال سے ہوتا نہ کھاتا تھا۔ جو شخص جھوٹا ہے اس پر احکام شرعیہ کا بجالانا کوہ قاف کی طرح بھاری ہوتا ہے۔

حضرت مجدد کی قلعہ گوالیار میں قید کا ایک واقعہ

(مکتوب ۷۰ دفتر سوم) قلعہ کی سکونت کے ایام میں یہ فقیر ایک دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد طریقہ علیہ کی طرز و طرح پر خاموش بیٹھا تھا کہ بے ہودہ آرزوؤں کے ہجوم نے بے مزہ کر دیا اور جمعیت

کھو دیا- ایک لمحہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے پھر جمعیت حاصل ہوئی تو دیکھا کہ وہ آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کی طرح القا کرنے والے کے ہمراہ باہر نکل گئی ہیں اور خانہ دل کو خالی چھوڑ گئی ہیں-

جمعہ کی ساعت خاص کی دعا

(مکتوب ۷۰ دفتر سوم) حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم چند درویش ایک جگہ جمع ہوئے- اس ساعت کی نسبت جو جمعہ کے روز دعا کی قبولیت کے لیے مقرر ہے- گفتگو شروع ہوئی اگر میسر ہو جائے تو اس وقت حق تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیے- کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ- جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ ارباب جمعیت کی صحبت طلب کرنی چاہیے کیونکہ اس میں تمام سعادتیں حاصل ہوتی ہیں-

حضرت مجدد کا خواب

(مکتوب ۸۲ دفتر سوم) حضرت خواجہ محمد معصوم کے نام

ایک رات تمہاری جدائی میں نہایت بے قرار تھا- نماز تہجد کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی ان یاروں میں سے ایک کے ساتھ پادشاہی وکیل کے پاس گئے ہو- تاکہ پادشاہ کے نوکر ہو- اور نوکری کی تجویز اس وکیل کے سپرد کی جس کو لائق و قابل جانے نوکر رکھ لے اور وہ جس کو تجویز کرتا ہے ایک ورق پر اس کا چہرہ یعنی حلیہ لکھ لیتا ہے اور نوکر رکھ لیتا ہے- تم تینوں میں سے تم دونوں کے چہرے لکھنے کے وقت وکیل اپنے منہ کو اس کے منہ کے نزدیک لے گیا اور اچھی طرح ملاحظہ کر کے کہا کہ سیاہی رکھتا ہے یا اس کے قریب قریب کچھ کہا اس لیے نہیں لکھا- اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ تم دونوں کی طرف سے خاطر جمع اور تسلی ہوئی کہ تم کو قبول کر لیا-

خلق قرآن کی بحث

(مکتوب ۸۹ دفتر سوم) حضرت امام اعظم اور ابو یوسف مسئلہ خلق قرآن میں چھ مہینے تک ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرتے رہے اور ردوبدل فرماتے رہے چھ مہینے کے بعد یہ بات قرار پائی کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جاتا ہے- اتنی مدت تک یہ بحث و مباحثہ اسی لیے ہوتا رہا کہ یہ مسئلہ واضح و صاف نہیں ہوا تھا- اب چونکہ مختلف فکروں کے ملنے سے واضح ہو چکا ہے-

خاکروب عطاروں کے محلے میں

(مکتوب ۹۸ دفتر سوم) مشہور قصہ ہے کہ ایک خاکروب عطاروں کے محلہ سے گزرا جونہی خوشبو

اس کے دماغ میں پہنچی بے ہوش ہو کر گر پڑا- ایک بزرگ بھی اسی راہ سے گزر رہا تھا جب معاملہ سے واقف ہوا- فرمایا کہ اس کی ناک کے آگے نجاست لا کر رکھ دو تا کہ اس کی بد بو سے خوش ہو ہوش میں آ جائے- جب انہوں نے ایسا ہی کیا تو اس کو ہوش آ گیا-

اجازت نامہ

(مکتوب ۱۰۶ دفتر سوم) دو پہر رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی- صبح کے حلقہ کے بعد چونکہ رات کا تھکا ماندہ تھا سو گیا- خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فقیر کے لیے اجازت نامہ لکھا ہے جس طرح کہ مشائخ کی عادت ہے کہ اپنے خلفائے کے لیے لکھتے ہیں اور فقیر کے مخلص یاروں میں سے ایک یار بھی اس معاملہ میں ہمراہ ہے- اس اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامہ کے اجراء میں سے تھوڑا سا نقص ہے- اس فتور (نقص) کی خاص وجہ بھی اسی وقت معلوم ہو گئی- وہ یار جو اسی خدمت کا پیش کار ہے دوبارہ اجازت نامہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور آنحضرت نے اس اجازت نامہ کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ لکھوایا- یہ تشخیص نہ ہوا لیکن آنحضرت کی نسبت معلوم ہے کہ لکھنے کے بعد اپنی مہر سے مزید فرمایا- اس اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض آخرت کا اجازت نامہ دیا ہے اور مقام شفاعت میں نصیب وحصہ عطا فرمایا ہے اور کاغذ بھی بہت لمبا ہے اور اس میں سطریں بہت سی لکھی ہیں- میں اس یار سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کیسا ہے اور دوسرا اجازت نامہ جو لکھا ہے وہ کون سا ہے- میں اس وقت معلوم کرتا ہوں کہ میں اور آنحضرت باہم ایک ہی جگہ ہیں اور باپ بیٹے کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں- اور آنحضرت ﷺ اور ان کے اہل بیت مجھ سے بے گانے نہیں ہیں- میں اس کاغذ کو لپیٹ کر اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر محرم فرزندوں کی طرح ان کے حرم شریف میں داخل ہوا ہوں- امہات المومنین میں سے بڑی ماں حضرت خدیجہ الکبریٰ مجھے آنحضرت کے حضور میں بعض بعض خدمات بڑے اہتمام سے فرماتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں تیرا انتظار کرتی تھی اس طرح اسطرح کرنا چاہیے- اسی اثنا میں افاقہ ہو گیا- یہ بات دل سے دور ہو گئی کہ اس فتور کی وجہ کیا تھی جو معلوم ہوئی تھی- اس کا ظہور ظاہراً آخرت کے لیے ذخیرہ رکھا ہے جس کا نعم البدل میسر ہو گا-

ایک آیت کریمہ کی تکرار

(مکتوب ۱۱۸ دفتر سوم) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ نماز میں بے ہوش ہو کر گر پڑے- جب اس کا باعث پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ایک

... کا تکرار کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سنا- پس جب صوفی کے لیے توحید کا نور چمکتا ہے اور اس کا دل ماسوی اللہ سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے تو اس وقت تلاوت میں اپنی اور غیر کی زبان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت کی طرح دیکھتا ہے- جہاں سے اللہ تعالیٰ نے انی انا اللہ کا خطاب سنا تھا- جب اس کا سننا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا سنانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جاتا ہے تو اس کے کان آنکھ ہو جاتے ہیں اور آنکھیں کان بن جاتی ہیں اور اس کا علم سراسر عمل اور اس عمل سراسر علم ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اول سے اور اول آخر سے بدل جاتا ہے-

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت

(مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) حضرت نوح علیہ السلام نو سو پچاس سال تک اپنی قوم میں رہ کر دعوت کرتے رہے اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرتے رہے- لکھا ہے کہ ان کی قوم کے لوگ دعوت کے وقت اس قدر پتھر ان کو مارتے تھے کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے اور پتھروں کے نیچے دب جاتے تھے- جب ہوش میں آتے تو پھر دعوت کرنے لگ جاتے اور قوم کے لوگ وہی معاملہ ان کے ساتھ کرتے- (آخر طوفان نوح کے عذاب الیم نے دنیا کو غرق کر دیا-)

توجہ

اتفاقاً مجھے یہ ایک واقعہ پیش آیا کہ شیخ تاج کی طرف متوجہ ہوا اور تصرف کیا وہ بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے- آپ کے اصرار فرمانے پر یہ واقعہ میں نے ظاہر کیا- سنتے ہی آپ کا حال متغیر ہو گیا اور حاضرین پر بہت دیر تک سکوت طاری رہا- ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ (خواجہ باقی باللہ) کے ایک مرید خواجہ بیگی پر زیادہ عنایت مبذول ہوئی بہ وفور شفقت ان سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام ربانی سرہند سے تشریف لائیں تو تم مجھ کو یاد دلانا- میں تم پر ان سے توجہ کراؤں گا- ہفتہ عشرہ ہی میں تمہارا کام بن جائے گا جب آپ دہلی تشریف لائے تو حسب الارشاد حضرت خواجہ آپ نے توجہ فرمائی- دو ایک ہی توجہ میں خواجہ بیگی فائض المرام اور کامل العرفان ہو گئے-

خزینہ معارف

اگر کسی پیغمبر سے کوئی بات خلاف عادت ظہور میں آئے تو اسے معجزہ کہتے ہیں- اولیائے امت سے ظاہر ہو تو کرامت ہے ورنہ استدراج-

حضرت شیخ آدم بنوری قدس سرہ العزیز کو صرف تین روز میں کامل سلوک طے کرائے اور خلافت عطا فرمائی-

کوئی ولی ایسا نہیں ہے جس کو بلاؤں میں نہ رکھا گیا ہو-

محبت ذاتی فنا کی علامت ہے اور فنا سے مراد ماسوائے اللہ کا فراموش ہو جانا ہے-

بعض امراض اور سختیوں کے دفع کرنے کے لیے توجہ کرنا اس بات پر مشروط ہے کہ اول معلوم ہونا چاہئے کہ توجہ کرنے میں خدائے تعالیٰ کی رضامندی ہے یا نہیں-

سلوک سے مراد اور مقصود یہ ہے کہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی کشفی ہو جائے-

جب تک وہ موت جو موت معروف کے پہلے ہے اور اہل اللہ اسے فنا سے تعبیر کرتے ہیں ثابت نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کی جناب میں پہنچنا محال ہے-

آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی دوستی ہے-

جہاں امید نہیں شوق بھی نہیں-

مست معذور ہیں اور ہوشیار پوچھے جائیں گے-

فرضوں میں سے ایک فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نفلوں کے ادا کرنے سے بہتر ہے-

انسان خدا تعالیٰ کا بندہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ ماسوائے اللہ کی گرفتاری اور بندگی سے پورے طور پر خلاصی پائے-

علماء کے لیے دنیا کی محبت اور رغبت ان کے جمال کے چہرے کا بدنما داغ ہے- یہ علماء پارس پتھر کی طرح ہیں کہ تانبا اور لوہا جو اس کے ساتھ لگ جائے سونا ہو جاتا ہے- اور وہ اپنی ذات میں پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے-

دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں- ایک راضی ہو گئی تو دوسری ناراض ہو گی- اگر دنیا عزیز ہے تو

آخرت خوار-اگر دنیا خوار ہے تو آخرت عزیز-ان دونوں کا جمع ہونا دو ضدوں کا جمع ہونا ہے-

بہشت اللہ کی رضا کا مقام ہے اور دوزخ حق تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے-

شریعت دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے-طریقت اور حقیقت شریعت کی خادم ہیں-

یہ بات مقرر اور ثابت ہے کہ جس چیز میں محبوب کے اخلاق اور خصلتیں پائی جاتی ہیں-محبوب کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ چیز بھی محبوب ہو جاتی ہے-

جب تک انسان کا دل پراگندہ تعلقات سے آلودہ ہے تب تک محروم اور مجبور ہے-

موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملاتا ہے-

قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوّف کی بابت کچھ نہ پوچھیں گے-جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر منحصر ہے-

(حدیث) میری اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس پر سوار ہو گیا بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہا ہلاک ہو گیا-

(حدیث) جو شخص اپنے بھائی کو دوست رکھے تو اسے چاہئے کہ اس کو جتلا دے-

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ کرتا تو طلب اور درد نہ دیتا-

سب زمانوں سے بہتر زمانہ اصحاب کا ہے-

تواضع دولت مندوں سے اچھی ہے اور استغنا فقرا سے کیونکہ معالجہ ضد کے ساتھ ہوتا ہے-

اس امت کے فقراء دولت مندوں سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں جائیں گے-

ہندو برہمنوں اور یونانی فلسفیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی نہیں کی چونکہ وہ سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے موافق نہیں ہوئے اس لیے مردود ہیں اور آخرت کی نجات سے بے نصیب ہیں-

دنیا آزمائش اور امتحان کا مقام ہے-دنیا وہی ہے جو تجھے حق تعالیٰ کی طرف سے ہٹا رکھے-

جواں مرد وہ ہے جو جوانی کا زمانہ کو ضائع نہ کرے اور فرصت کو غنیمت جانے-

وہ بیمار (جو) صرف اپنی مرض کی دوا کا علم رکھتا ہے جب تک اس دوا کو نہ کھائے گا صحت نہ پائے گا-

اپنی توجہ کا قبلہ ایک بنائیں-متعدد بنانا اپنے آپ کو تفرقہ میں ڈالنا ہے-

تمہارے دین کا مقصود پرہیز گاری ہے۔

(حدیث) اگر کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال اور کسی قسم کا حق ہے تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس سے معاف کرائے۔ قبل اس کے کہ اس کے پاس دینار و درہم نہ ہوں۔ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو حق تعالیٰ اس کے موافق لے کر اس کے صاحب حق کو دے گا۔ اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کی برائیاں (گناہ) اس کے گناہوں پر زیادہ کردی جائیں گی۔ حدیث میں ہے کہ میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز' روزہ اور زکوۃ سب کچھ لے کر آئے گا مگر اس کے ساتھ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی۔ کسی پر تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو کسی کا خون بہایا ہو۔ کسی کو مارا ہو تو اس کی نیکیوں میں سے ہر ایک حق دار کو اس کے حق کے برابر دی جائیں گی۔ اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کے برابر نہ ہوئیں تو ان حق داروں کے گناہ لے کر اس کے گناہوں میں شامل کیے جائیں گے پھر دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

حقیقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں۔

انسان نسخہ جامع ہے جو کچھ تمام موجودات میں ہے انسان میں تنہا ثابت ہے اور جو کچھ پورے انسان میں ہے وہ سب تنہا قلب میں ہے۔

آج شیطان خدا کے کرم پر مغرور کر کے سستی میں ڈالتا ہے اور اس کی عفو کا بہانا بنا کر گناہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اور کبیرہ پر اصرار کرنا کفر تک لے جاتا ہے۔

فنا فی اللہ خدائے تعالیٰ کی مرضیت میں فانی ہونے سے مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ بے حیا بکو اس کو دشمن جانتا ہے۔

(حدیث) جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے۔ اگر وہ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے۔ (غصہ دور نہ ہو) تو بہتر ہے کہ لیٹ جائے۔ غصہ ایمان کو بگاڑ دیتا ہے جیسے کہ صبر شہد کو بگاڑ دیتا ہے۔

اللہ کے حکم کی تعظیم کرنا اور خلق خدا پر شفقت کرنا آخرت کی نجات کے لیے دو بڑے رکن ہیں۔

پہلے چلے جانے (مر جانے) پر مصیبت نہیں ہے بلکہ جانے والے کے حال پر ہے کہ دیکھئے اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔

انسان جب تک مرض قلبی میں مبتلا رہتا ہے کوئی عبادت و طاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی۔

الٰہی جس کو تو اپنے دربار سے دھتکارنا چاہتا ہے اس کو تو ہمارا مخالف بنا دیتا ہے۔

(شیخ الاسلام ہرویؒ)

خرق عادت (کرامات) ولایت کے ارکان میں سے نہیں ہے اور نہ ہی شرائط میں ہے۔ اس کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے۔

(دنیا) کی محبت گناہوں کی جڑ ہے اور اس کا طالب لعنت و پھٹکار کا مستحق ہے۔

بزرگی سنت کی تابعداری سے وابستہ ہے اور کمال شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے۔

تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی تابعداری ہے اور تمام فسادوں کی جڑ شریعت کی مخالفت ہے۔

فقر میں خاک روبی کرنا دولتمندی کی صدر نشینی سے کئی درجے بہتر ہے۔

جس نے اپنی آنکھ پر قابو نہ پایا دل بھی اس کے قابو میں نہیں۔

اس راستہ میں دیوانہ پن درکار ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے خلق کے لیے اپنی طرف کوئی راستہ سوائے اس کے نہیں بنایا کہ اس کی معرفت سے عجز کا اقرار کیا جائے۔

آخرت کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور دنیا کا اسباب بہت تھوڑا۔

آخر ایک دن زن و فرزند کو چھوڑنا پڑے گا اور ان کی تدبیر حق تعالیٰ کے سپرد کرنا پڑے گی آج ہی اپنے آپ کو مردہ سمجھنا چاہئے اور ان کی ضروریات حق تعالیٰ کے سپرد کرنی چاہئیں۔

بادشاہوں سے ملنا جلنا ہمیشہ کی ہلاکت اور دائمی خسارہ کا موجب ہے پس ان کی صحبت اور لقمہ محبت اور ان کی ملاقات سے بچنا چاہئے۔

یہاں آرام بے آرامی میں ہے اور ساز سوز میں اور قرار بے قراری میں۔ اور راحت جراحت میں۔ اس مقام میں آرام طلب کرنا اپنے آپ کو رنج میں ڈالنا ہے۔

یہ کس قدر بڑی نعمت ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے کو جوانی میں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر استقامت بخشے۔

مشائخ کی روحانیت کے وسیلے اور ان کی امداد پر ہرگز مغرور نہ ہو کیونکہ مشائخ کی وہ صورتیں حقیقت میں شیخ مقتدا کے لطائف ہیں جو ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ توجہ کے قبلہ کے لیے ایک ہونا شرط ہے۔ توجہ کا پراگندہ کرنا خسارے کا موجب ہے۔

اگر بت پوجتے ہیں تو حقیقت میں اپنے آپ کو پوجتے ہیں۔

ہر بدبختی اور گمراہ اپنے احکام باطل کو کتاب و سنت ہی سے سمجھتا ہے اور وہیں سے اخذ کرتا ہے

حالانکہ ان سے کسی چیز کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

جاننا چاہئے کہ مراتب کمال میں استعدادوں کی تفاوت کے موافق تفاوت ہوتا ہے اور کمال میں تفاوت کبھی کمیت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کبھی کیفیت کے اعتبار سے اور کبھی دونوں کمیت و کیفیت کی رو سے۔

جسم اور روح گویا ایک دوسرے کے ضد واقع ہوئے ہیں۔ ایک کے رنج میں دوسرے کی لذت ہے۔

جو شخص مرنے سے قبل نہیں مرا مصیبت تو اس کے لیے ہے اور اسی کی ماتم پرسی بجالانا چاہئے۔

منازل سلوک طے کرنے سے مقصود ایمان حقیقی کا حاصل ہونا ہے جو نفس کے مطمئنہ ہونے پر وابستہ ہے۔

اس مہینے (رمضان) میں شب قدر اس مہینے کا خلاصہ و زبدہ ہے۔ وہ رات گویا اس کا مغز ہے اور یہ مہینہ پوست۔

بزرگ نے فرمایا ہے کہ جب تک تم میں سے کوئی "دیوانہ" نہ ہو جائے مسلمانی تک نہیں پہنچتا۔

ترک دنیا دو قسم پر ہے ایک تو یہ ہے کہ بقدر ضرورت کے سوا اس کے تمام مباحات کو ترک کر دیا جائے۔ یہ ترک دنیا کی اعلیٰ قسم ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ امور سے پرہیز کی جائے اور مباح امور سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ قسم کمیاب اور عزیز الوجود ہے۔

ایسے سرگرداں ہیں جو دنیا کی ناز و نعمت میں ممتاز ہیں اور ان کی روگردانی ان کی محرومی کا باعث نہیں ہوئی۔ در حقیقت یہ بدبختی ہے جو استدراج کے طور پر اس کی خرابی کے لیے نعمت کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے تاکہ اسی روگردانی میں مستغرق رہے۔

اس تھوڑی سی فرصت میں مرض قلبی کے علاج کی فکر کرنا جو نہایت ہی ضروری ہے۔ ذکر کثیر کے ساتھ کرنا چاہئے۔

آدمی کو جس طرح حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں ویسے خلق کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ غم خواری کرنے سے بھی چارہ نہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی باوجود اس قدر بلند شان ہونے کے بشر تھے اور حدوث و امکان کے داغ سے داغدار تھے۔

شعر خوانی اور قصہ گوئی کو دشمنوں کا نصیب جان کر خاموشی اور باطنی نسبت کی حفاظت میں مشغول

ہونا چاہئے۔

جس قدر یقین اتم ہوگا اسی قدر مقامات اکمل ہوں گے۔

ہر ایک بدعت ضلالت ہے۔

خوابیں اور واقعات اعتماد اور اعتبار کے لائق نہیں ہیں۔

عرق لونگ اور عرق دار چینی میں باوجود ان کے خوش مزہ اور خوشبودار ہونے کے اسی قدر فائدے اور نفعے ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔

علمائے بد دین کے چور ہیں۔ ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ و ریاست اور بزرگی حاصل ہو جائے۔

پہلے قدم میں جو سالک عالم امر میں لگاتا ہے۔ تجلّی افعال ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے قدم میں تجلی صفات اور تیسرے قدم پر تجلیات ذاتیہ کا ظہور شروع ہونے لگتا ہے پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ ترقی ہوتی جاتی ہے۔

دنیا کے ترک کی حقیقت سے مراد اس میں رغبت کا ترک کرنا ہے اور یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے۔

ولایت نظر و عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ تمام علوم بسم اللہ کی با میں مندرج ہیں بلکہ با کے نقطہ میں۔

عاقبت کی بہتری ذکر کثیر سے وابستہ ہے۔

اہل اللہ کی ایک دوسرے پر فضیلت اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق ان مختلف مراتب کے طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔

طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ میں یقین زیادہ حاصل ہو جائے۔

حق تعالیٰ کے بندوں میں تصرف کرنا اور اپنے وقت ان کے پیچھے ضائع کرنا خدا تعالیٰ کے اذن کے بغیر جائز نہیں۔

بے باک طالب علم خواہ کسی فرقہ سے ہوں دین کے چور ہیں۔ ان کی صحبت سے بھی بچنا ضروری ہے۔

اے فرزند! دنیادار اور دولت مند بڑی بلا میں گرفتار ہیں اور ابتلائے عظیم میں مبتلا ہیں۔

ولایت فنا اور بقا سے مراد ہے۔

اکثر یہی (ہوتا) ہے کہ جس قدر کوئی اوپر جاتا ہے اسی قدر نیچے آتا ہے۔

عقل معاد انبیاء اور اولیاء کے نصیب ہے اور عقل معاش دولت مندوں اور دنیا داروں کا حصہ ہے۔

اس فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ سے سنا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہتر گروہوں میں سے اکثر جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔ ان کا باعث طریق صوفیہ میں داخل ہونا ہے کہ انہوں نے کام کو انجام تک نہ پہنچا کر غلط راستہ اختیار کیا اور گمراہ ہو گئے۔

اس طریق (نقشبندیہ) میں سالک کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف پر منحصر ہے۔

تجلی مراد ہے شے کے ظہور سے جو دوسرے یا تیسرے یا چوتھے مرتبہ میں ہو۔

عالم امر کے لطائف جس قدر بلند جاتے ہیں اسی قدر عالم خلق سے زیادہ بے مناسب ہوتے جاتے ہیں۔

حضرت حق تعالیٰ اپنے کمال کرم سے اپنے بندوں کی روزی کا ذمہ دار ہوا ہے اور ہم کو اس فکر و تردد سے فارغ کر دیا ہے۔

حق تعالیٰ کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے اور اس کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے۔

نفس بڑا ضدی ہے جس امر کو اختیار کرتا ہے اس کے پورا کرنے کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس کے حق و باطل ہونے کا لحاظ نہیں کرتا۔

واسطے اور وسیلے جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر رستہ زیادہ نزدیک اور روشن ہوگا۔

جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ کافر ہو گیا۔ تاویل میں صرف احتمال کافی ہے۔

خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں سے تمتع حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ اولاد کے حاصل کرنے اور نسل کے باقی رکھنے کے لیے ہے۔

اشیاء اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔

قرآن مجید حقیقت میں مرتبہ عین جمع یعنی احدیت ذات تعالیٰ سے ہے۔

نسبت و بدعت دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

پیر اگرچہ مریدوں کے کمالات حاصل ہونے کا سبب ہے لیکن مرید بھی پیر کے کمالات کا سبب

ہیں۔

عالم صغیر سے مراد انسان ہے اور عالم کبیر سے مراد مجموعہ کائنات۔

ولایت کبریٰ اصلی طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے کیونکہ جو کچھ اسی عنصر کو حاصل ہوا ہے اور کسی کو وہ میسر نہیں ہوا۔

پس اولیائے کامل کی ہدایت اور انبیائے مرسل کی ہدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت ہے۔

نوافل کا ادا کرنا ظلی قرب بخشتا ہے اور فرائض کا ادا کرنا قرب اصلی۔

مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے نماز ادا کرنے کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔

نماز تمام عبادات کی جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی۔

حقائق الٰہی سے مراد عظمت و کبریا کے پردے ہیں۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس جگہ مطلوب کو ڈھونڈنا اپنے آپ کو پریشان یا مطلوب کے غیر کو مطلوب جاننا ہے۔

احوال و مواجید میں خطا کا بہت احتمال ہے اور اس مقام میں حق باطل کے ساتھ ملا رہتا ہے۔

خلوت ہی شہرت ہے اور شہرت میں آفت۔

اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا۔

عبارت انا الحق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں حق ہوں بلکہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق موجود ہے۔

جن و انس کی پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے جو ان کا کمال ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسباب کو مدنظر رکھتے ہیں اور باوجود رعایت کے اپنے امور اور کام حق تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

اس نے (اللہ تعالیٰ) اسباب اور وسائل کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ بنایا ہے نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لیے دلائل بنایا ہے اور حکمت کو قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے۔ اسباب کا توسط اور وسیلہ توکل کے منافی نہیں ہے جیسے کہ اکثر ناقصوں نے گمان کیا ہے بلکہ اسباب کے توسط میں کمال توکل ہے۔

عقل اعتماد کے لائق نہیں ہے اور اس کے ماخوذہ احکام وہم کے غلبہ وخیال کے تصرف سے نہیں بچ سکتے۔ اور نسیان کی آمیزش اور خطا کے گمان سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

وہ صفائی جو کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ قلب کی صفائی اور صفائے نفس سے گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور خسارہ کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور بعض غیبی امور کا کشف جو صفائے نفس کے وقت کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتا ہے وہ استدراج ہے جس سے مقصود ان لوگوں کی خرابی اور خسارت ہے۔

قبر دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کا عذاب ایک وجہ سے عذاب دینوی سے مناسبت رکھتا ہے۔

نبوت کی حقیقت عقل کی حقیقت سے برتر ہے۔

کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچتا بلکہ اس ولی کا سر ہمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

ایک شخص باوجود یمان کے کفر کی رسمیں بجالاتا اور اہل کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے۔ علماء اس کو کافر اور مرتد سمجھتے ہیں۔

جو شخص سب (خلفائے راشدین) کو برابر جانے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے وہ ابوالفضول اور احمق ہے۔ وہ کیا عجب ابوالفضول ہے جو اہل حق کے اجماع کو فضول جانتا ہے۔

استدراج والوں کو بھی احوال واذواق حاصل ہوتے ہیں اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشف توحید اور مکاشفہ ومعائنہ ان پر ظاہر ہو جاتا ہے۔

سماع ورقص درحقیقت لہو ولعب میں داخل ہے۔ کسی فقیہ نے کسی زمانے میں سرود کے مباح ہونے کا فتوی نہیں دیا اور نہ ہی رقص اور پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے۔

وہ علم جو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے باقی رہا ہے ایک علم احکام دوسرا علم اسرار۔ عالم وارث وہ شخص ہے جس کو ان دونوں علوم سے حصہ حاصل ہوں۔

(حدیث) میری امت کے عُلماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔

صاحب توجہ کو صاحب رجوع کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے۔
اہل حق کے عقائد کے موافق کام کرنا چاہئے اور صوفیہ کی کشفیہ باتوں سے حُسنِ ظن کے ساتھ سکوت اختیار کرنا چاہئے۔
عوام لوگ ارباب علم میں سے ہیں نہ کہ ارباب دید میں سے۔
جو کچھ خواب وخیال میں دیکھا جائے خواب وخیال ہی ہے۔
جو شخص مرگیا اس کی قیامت آگئی۔
حق الیقین حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے۔
مبتدی کے لیے
رقص وسماع مضر ہے اور اس کے عروج کے منافی ہے خواہ شرائط کے موافق ہو۔
ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو کوئی کہتا ہے کہ میں نزدیک ہوں وہ دور ہے اور جو کوئی دور ہے وہ نزدیک ہے۔
محمدیوں کی فنا اتم ہے اور ان کی بقا اکمل ہے۔
محبوبوں کے بدن ان کی روحوں کا سا رنگ حاصل کر لیتے ہیں اور وہ نسبت ان میں کلی طور پر اثر کر جاتی ہے۔
جو اللہ تعالیٰ کا زیادہ عارف ہے وہ سب سے زیادہ حیران و پریشان ہے۔
زبان دل کا آئینہ ہے اور دل روح کا اور روح حقیقت انسانی اور حقیقت انسانی حق تعالیٰ کا آئینہ ہے۔
اس راہ کے سالک یا مرید ہیں یا مرید اگر مراد ہیں تو ان کے لیے مبارک بادی۔
پیر کی خدمت میں اس کے اذن کے بغیر نوافل واذکار میں مشغول نہ ہو۔
شیخ کے زندہ کرنے اور مارنے سے مراد روحانی احیاء واماتت ہے نہ کہ جسمانی۔
اے فرزند مقام ولایت میں دنیا آخرت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔
بہشت میں کوئی درخت نہیں ہے۔ اس میں خود درخت لگاؤ (حدیث)
نماز حضور قلب کے سوا کامل نہیں ہوتی۔
عارف کا ریائی عمل مرید کے اخلاص والے عمل سے بہتر ہے۔
انسان عالم خلق اور عالم امر کا جامع ہے۔

شے کی صورت شے کا خلیفہ ہوتی ہے۔

حضرت خاتم الرسل ﷺ کا رب اسم مبارک اللہ ہے۔

حق تعالیٰ بندہ سے بندہ کی نسبت زیادہ نزدیک ہے۔

ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہمارے قریب اور ساتھ ہے لیکن قرب و معیت کے معنی نہیں جانتے۔

انسان ایک اعجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کرلی ہے اور بار امانت کو اٹھالیا ہے۔

عالم صغیر میں انسان کامل ذات احد کا مظہر ہے جو اعتبارات سے مجرد ہے۔

زمین کو اس کی پستی اور عاجزی کے باعث یہ سب رفعت و بلندی حاصل ہوئی ہے۔

جو کوئی وبا والی زمین میں صبر کے ساتھ رہے اور مر جائے شہدا سے ہے اور قبر کے فتنہ سے محفوظ ہے اور نہیں مرتا تو غازیوں سے ہے۔

(نقشبندی) بزرگوں کا طریق صحبت ہی صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے۔

ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔

ذکر سے مراد یہ ہے کہ غفلت دور ہو جائے۔

صاحب شریعت کی متابعت دوسرے شیخ کی محبت و اخلاص ہو تو ہزار ظلمات طاری ہو جائیں تو کچھ غم نہیں۔

حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی محبت اہل سنت والجماعت کی شرط ہے جو محبت نہیں رکھتا اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کا نام خارجی ہے۔

اہل بیت کا نہ ہونا خروج ہے۔ اہل بیت کی محبت اہل سنت والجماعت کا سرمایہ ہے۔ اہل سنت بھی اہل بیت کے دشمنوں کو دشمن جانتے ہیں۔

حق تعالیٰ کے غضب کو دور کرنے کے لیے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ سے بڑھ کر زیادہ فائدہ مند کوئی چیز نہیں۔ فقیر اس کلمہ طیبہ کو ان ننانوے حصوں کے خزانہ کی کنجی معلوم کرتا ہے جو آخرت کے لیے ذخیرہ فرمائے ہیں۔

خدا کی معرفت اس شخص پہ حرام ہے جس کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانہ جتنی بھی ہو۔

اصحاب شمال ظلمانی حجابوں والے لوگ ہیں اور اصحاب یمین نورانی حجابوں والے۔

اصحاب شمال ارباب کفر و شقاوت ہیں اور اصحاب یمین اہل اسلام اور ارباب ولایت۔

قرآن کے حروف مقطعات ان کے اسرار کی رمزیں ہیں اور متشابہات ان کے درجات وصول کرنے کے خزانے ہیں۔

ان بزرگوں کا سرمایہ محبت ہے۔ جس کو محبت کی اطاعت لازم ہے جو شریعت کی تابعداری پر موقوف ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس سے صادر نہیں ہوتا۔ اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ ہیں۔

ولایت تک پہنچنے کی منزلوں کا طے کرنا بھی شریعت کی حقیقت شجرہ طیبہ کی طرح ہے۔

شریعت ہی اس کام (طریقت وحقیقت) کا اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ شریعت ہر وقت ہر حال میں درکار ہے۔

علم لدنی کے فیضان میں حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت درمیان واسطہ ہے۔

جو شخص شریعت میں سست ہے معرفت میں بے نصیب ہے۔

اصل مقصود حق تعالیٰ کی یاد ہے اور اس پر اجر کا طلب کرنا اس کا طفیلی اور تابع ہے اور درود میں اصل مقصد طلب حاجت ہے۔

عالم مثال تمام عالموں سے فراخ ہے جو کچھ تمام عالموں میں ہے اس کی صورت عالم مثال میں ہے۔

عالم صغیر میں عالم مثال کا نمونہ خیال ہے۔ خیال کی دوڑ مراتب ظلال تک ہی ہے۔

جہاں دل کی جمعیت اور ہدایت ہو بے توقف ادھر رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی وسوسہ سے پناہ مانگنی چاہئے۔

میرے بندے جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے ادا کر تو سب سے زیادہ عابد ہو جائے گا۔ جن باتوں سے منع کیا ہے ہٹ جا تو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو جائے گا اور جو کچھ میں نے رزق دیا ہے اس پر قناعت کر سب سے زیادہ غنی ہو جائے گا۔ (حدیث قدسی)

جو چیز ساری حاصل نہ ہو اس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہئے۔

عمل کی سستی اور غفلت پر مغفرت کی امید ہے لیکن اعتقادی سستی میں مغفرت کی گنجائش نہیں۔

ایمان تصدیق قلبی اور اقرار زبانی ہے۔

قیامت کے دن پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ اگر محاسبہ درست ہو گیا تو باقی محاسبے اللہ تعالیٰ کی عنایت

سے آسانی سے گزر جائیں گے۔

چوروں میں سے سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔

عمل نیت کے ساتھ درست ہوتا ہے۔

انسان میں جس کا دل عرش رحمٰن کا نمونہ ہے اور اس کا ظہور قلبی ظہور عرشی کا نمونہ ہے۔ اسی طرح انسان میں بیت اللہ کا بھی نمونہ اور نشان ہے۔

دنیا کے درد رنج اور تکلیفیں دوستوں کے قصوروں کا کفارہ ہیں۔

تسبیح و تہلیل کا ثواب ماں باپ بھائیوں استادوں کو بخشنا بہتر ہے۔ اس میں اپنا بھی نفع عجب نہیں کہ دوسروں کی طفیل قبول کر لیں۔

زکوٰۃ کو ظاہر کر کے دینا بہتر ہے تاکہ تہمت دور ہو جائے اور صدقہ نافلہ کو چھپا کر دینا بہتر ہے۔

علماء صرف فتوے دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں۔

بلاؤں سے عافیت طلب کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضی سے پناہ مانگنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی دعا اور سوال سے راضی ہوتا ہے۔ شباب عمل کا وقت ہے۔ عیش و آرام کا وقت ابھی آگے ہے جب اس عمل کا پھل ملے گا۔ عمل کے وقت آرام کرنا گویا اپنی کھیتی کو کچا کھا جانا ہے۔

خلق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے اور مخلوقات میں سے زیادہ پیارا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ احسان کرے۔

ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں۔

اہل اللہ کے وجود ہی کرامت ہے اور خلق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔

چونکہ صفات بھی حق تعالیٰ کے ظلال ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات تمام اصول کا اصل ہے اس لیے حق تعالیٰ کی ذات اور عالم افعال اور صفات کی نسبت عالم سے زیادہ اقرب ہوگی۔

طلب مولیٰ کے سوا تمہاری کوئی طلب نہ رہے۔

فتنہ کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کر لیتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادہ پر راضی رہو اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ رہے۔

کوئی شخص اس کے حکم کے بغیر کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ وہی نفع دینے والا ہے وہی ضرر

پہنچانے والا ہے۔

نفس کا مطمئن ہونا کمال فنا و بقا کے بعد متصور ہے۔

قرآن کو نہ پڑھیں مگر وہ لوگ جن کے نفس ہوا و ہوس سے پاک ہو گئے ہوں۔شرک جلی، خفی، انفسی اور آفاقی خداؤں سے صاف ہو گئے ہوں۔

خلق کی ایذا برداشت کرنے اور نزدیکی رشتہ داروں کی جفا پر صبر کرنے سے چارہ نہیں۔

دین کا اصل مقصود ورع ہے۔

یہ خلافت کی دولت انسان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں۔

وصولی کا مدار ذکر پر موقوف ہے دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات اور نتائج ہیں۔

ناامیدی کفر ہے۔امید وار رہنا چاہئے۔

اگر دل ذکر کرنے سے تھک جائے تو زبان کے ساتھ پوشیدہ طور پر شروع کر دیں کیونکہ ذکر جہر اس طریق میں ممنوع ہے۔

اگرچہ بظاہر اس بلیہ کے دفع کرنے کی دعا زبان پر لاتا ہے لیکن وہ صرف دعا کا امر بجالانے کے لیے ہے۔

وہی سختی اور تنگی کو دور کرتا ہے۔وہی دعا کو قبول اور بلا کو دفع کرتا ہے۔وہ ایسا رازق ہے کہ اپنی کمال مہربانی سے گناہوں کے باعث بندوں کی روزی بند نہیں کرتا۔وہ ایسا ستار ہے کہ اپنی عفو اور درگزر سے برائیوں کے ارتکاب کے باعث بندوں کی پردہ دری نہیں کرتا اور ایسا حلیم ہے کہ عذاب و مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا۔وہ ایسا کریم ہے کہ اپنی عام بخشش کو دوست و دشمن سے ہٹا نہیں رکھتا۔

حیات، علم، قدرت، ارادت، سمع و بصر، کلام اور تکوین حق تعالیٰ کی صفات ہیں۔

تمام اہل بہشت کو دیدار کی دولت حاصل ہوگی۔

قبر کے عذاب کے زیادہ تر مستحق وہ لوگ ہیں جو بول (پیشاب) سے پرہیز نہیں کرتے اور چغلی اور سخن چینی کرتے ہیں۔

حج بیت اللہ اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لانے کے بعد تمام عبادتوں سے بہتر عبادت ہے۔

حج پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے۔اور بہت کو معاف کرتا ہے۔(القرآن)

احوال کے صادق ہونے کی علامت شریعت کی استقامت ہے۔

دولت (روحانی فیوض) اگر بظاہر کسی جگہ سے پہنچے درحقیقت اس کو اپنے شیخ کی طرف منسوب کرنا چاہئے اور جس جگہ سے کوئی فیض پہنچے اس کو اپنے ہی پیر سے جاننا چاہئے کیونکہ وہ ہر صورت میں جامع ہے۔

اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث کہ جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں۔

اولیاء کرام کا الہام بھی نور نبوت سے مقتبس ہے۔

حکمت سے مراد کسی شے کا وہ علم ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو۔

جس نے اصحاب کی تعظیم نہ کی وہ رسول پر ایمان نہیں لایا۔

مبتدی کے لیے ذکر ضروری ہے کیونکہ اس کی ترقی ذکر کے تکرار سے وابستہ ہے بشرطیکہ شیخ کامل سے اخذ کیا ہو۔

وہ بندہ جو اپنی مرادوں میں گرفتار ہے اور اپنی ہوا و ہوس پر فریفتہ ہے وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور شیطان کی اطاعت کرتا ہے۔

روح بدنی تعلق سے پہلے عالم مثال میں رہی ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالم مثالی میں چلی جائے گی۔

عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان عالم مثال برزخ ہے۔ عالم مثال ان دونوں عالموں کے معانی اور حقائق کے لیے آئینہ کی طرح ہے (اس لحاظ سے) روح بدنی تعلق سے پہلے اپنے عالم یعنی عالم ارواح میں رہا ہے۔

عذاب قبر کو عذاب خواب کی طرح جاننا عذاب کی صورت اور حقیقت پر اطلاع نہ پانے کے باعث ہے۔

شیطان انسان کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور مشتبہات کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

ہمزاد شیطان ہے جو انسان کا ساتھی ہے اور ہر وقت اس کو شر و فساد کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ کوئی بنی آدم نہیں جس کا ساتھی جن نہ ہو۔

ایک دن تیرے رب کے نزدیک ہزار سال کے برابر ہے جس کو تم گنتے ہو (القرآن)

دل اللہ تعالیٰ کا ہمسایہ ہے جس قدر دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قریب ہے اس قدر کوئی شے نہیں۔

دل خواہ مومن ہو یا گنہگار اس کی ایذاء سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

گویا اس جہان میں فراق اور شوق دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ اور ملاقات موت کے بعد ہوتی

ہے۔

دعا قضا کو دور کر دیتی ہے۔ حدیث میں ہے سوائے دعا کے کوئی چیز قضا کو نہیں ٹالتی۔

ماسوئی دو قسم ہے۔ ایک آفاق دوسرے انفس، آفاق کا نسیان یہ ہے کہ علم حصولی نہ رہے انفس کا نسیان علم حضوری زائل ہو جائے۔

گوشہ نشینی ضعیفوں اور اہل ستر عورتوں کے لیے مناسب ہے۔

حدیث قدسی میں ہے جو میری قضا پر راضی نہیں ہوتا اور میری بلا پر صبر نہیں کرتا اس کو چاہئے کہ میرے سوا کوئی اور خدا بنا لے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے۔

نور کے کمال ظہور کے لیے ظلمت بھی درکار ہے۔

مجاز حقیقت کا ظل ہے جو ظل سے اصل کی طرف سیدھا شاہراہ ہے۔ مجاز حقیقت کا پل ہے اس صورت میں ہے کہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں نہ آئے اور نظر ثانیہ تک نہ پہنچے وہ نظر اولی ہی ہے جو حقیقت کا پل ہے۔

حق تعالیٰ نے عالم کو مرتبہ وہم میں پیدا کیا ہے۔

عبد اور رب کے درمیان پنجاہ ہزار سال کا راستہ ہے۔

حق تعالیٰ فکر و تخیل سے وراء الورا ہے۔

معرفت سے عاجز ہونا اولیائے بزرگ کا حصہ ہے۔ عدم معرفت اور ہے اور عجز از معرفت اور۔

جس قدر باپ کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے اور اس قدر بیٹے کو باپ کی محبت نہیں ہوتی۔

انسان سات لطائف مشہودہ سے مرکب ہے ہر لطیفہ کا کاروبار الگ، احوال و مواجید بھی جدا ہیں۔

اہل و عیال کے ساتھ حد سے زیادہ محبت اختیار نہ کرو۔

ولایت کا اظہار واجب نہیں بلکہ اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا بہتر ہے۔

دنیا میں جس قدر محنت ہے آخرت میں اس سے کئی گنا زیادہ مسرت ہے۔

محبوبوں کو اس جگہ لے جاتے ہیں جہاں خلیل نہیں جا سکتے۔

امت امت ہے اور پیغمبر پیغمبر۔ امتی خواہ کتنا ہی سرفراز ہو جائے اور کتنا ہی بلند درجہ حاصل کرے پھر بھی ولی ہی ہے جس کا سر پیغمبر کے پاؤں تک پہنچتا ہے۔

جس کا مرکز محبوبیت ہے اور اس کا محیط محبیت جو ولایت موسوی کا مبداء ہے۔

یہ میم جو اسم احمد میں مندرج ہے قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے۔

(ہزار سال کے بعد) ولایت محمدی ولایت احمدی سے مل گئی ہے۔

جو شخص سنت کو زندہ کرے گا بعد ازاں کہ اس پر عمل دور ہو چکا ہو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔(حدیث)

ایک نیکی بہت سی برائیوں کے اظہار کا باعث نہ ہو۔

یہ معارف اللہ تعالیٰ کے ان اسرار میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اخص خواص بندوں پر ظاہر فرمایا ہے۔

مشاہدہ کا مقام قلب کی بصر ہے۔

قرآن مجید کی ہر ایک آیت کے لیے ایک۔ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر ایک حرف کے لیے ایک حد اور ہر ایک حد کے لیے ایک مطلع ہے۔(حدیث کا بیان عوارف ہیں)

اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو حرف و صوت کے بغیر سنتا ہے۔

چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہوا ہے۔

اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک ہے۔

جب شریعت میں فاحشہ کا رسوا کرنا اور فاسق کا خوار کرنا حرام و منکر ہے تو پھر اشتباہ ہی سے ایک مسلمان کا خوار کرنا کیا مناسب ہے۔

جو عوام کا حصہ ہے وہ صورت ہے اور جو خواص کا حصہ ہے وہ حقیقت ہے۔

علمائے ظاہر اور صوفیہ......اور علمائے راسخین

(مکتوب 13 جلد دوم) سید المرسلین کے دین اور متابعت سے علمائے ظاہر کا نصیب عقائد درست کرنے کے بعد شرائع و احکام کا علم اور اس کے موافق عمل ہے اور صوفیہ علیہ کا نصیب بمعہ اس چیز کے جو علماء رکھتے ہیں۔احوال و مواجید اور علوم و معارف ہیں اور علمائے راسخین کا نصیب جو انبیاء کے وارث ہیں بمعہ اس چیز کے جو عالم رکھتے ہیں اور بمعہ اس چیز کے جس کے ساتھ صوفیہ ممتاز ہیں۔وہ اسرار و حقائق ہیں جن کی نسبت متشابہات قرآنی میں رمز و اشارہ ہو چکا ہے اور تاویل کے طور پر درج ہو چکے ہیں۔یہی لوگ متابعت میں کامل اور وراثت کے مستحق ہیں۔یہ لوگ وراثت و تبعیت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خاص دولت میں شریک اور بارگاہ کے محرم ہیں۔

(مکتوب 18 جلد دوم) علمائے عظام کی تعریف میں علماء انبیاء کے وارث ہیں کافی ہے۔ علم وراثت علم شریعت ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے باقی رہا ہے۔علم شریعت کی ایک صورت

ہے اور ایک حقیقت۔ صورت وہ ہے جو علمائے ظاہر کے نصیب میں ہے جو کتاب و سنت کے محکمات سے تعلق رکھتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علمائے راسخین کے نصیب ہے جو کتاب و سنت کی متشابہات سے متعلق ہے۔ محکمات اگرچہ کتاب کے امہات یعنی اصول ہیں لیکن ان کے نتائج و ثمرات متشابہات ہیں اور اس کا پوست محکمات۔ وہ متشابہات یہی ہیں جو رمز و اشارہ کے ساتھ اصل کو ظاہر کرتی ہیں اور معاملہ کی حقیقت کا پتہ بتاتی ہیں۔ علمائے راسخین نے پوست کو مغز کے ساتھ جمع کیا ہے اور شریعت کی صورت و حقیقت کے مجموعہ کو پالیا ہے۔ بعض لوگوں نے شریعت کی صورت میں گرفتار ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کیا ہے۔ بعض لوگ گرچہ حقیقت کے گرفتار ہوئے لیکن چونکہ انہوں نے اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہ جانا بلکہ شریعت کو صورت پر موقوف رکھا اور اس کو صرف پوست ہی خیال کیا اور مغز کو اس کے سوا کچھ اور تصور کیا اس لئے حقیقت کی حقیقت سے واقف نہ ہوئے اور متشابہات کا کچھ حصہ حاصل نہ کیا۔ پس علمائے راسخین ہی درحقیقت وارث ہیں۔

(مکتوب 42 دفتر دوم)۔ یہاں سب حق ہی حق ہے اور حق ہی کے لئے ہے۔ علمائے ظاہر بین ان کی حقیقت کو کیا پاسکیں اور ظاہری مخالفت کے سوا اور کیا سمجھیں اور ان کے کمالات کو کیسے حاصل کر سکیں۔

علماء کا خلاف مشائخ کے ساتھ مسئلہ توحید وغیرہ اور خلافیہ میں نظر و استدلال کی وجہ سے ہے اور فقیر کا خلاف کشف و شہود کی راہ سے ہے اور وہ ان امور کی قباحت کے قائل ہیں۔

اور فقیر بشرط عبور ان امور کے حسن کا۔ مسئلہ وحدت وجود میں شیخ علاؤ الدولہ کا خلاف علماء کے طور پر مفہوم ہوتا ہے اور اس کی نظر امور کی قباحت پر ہے۔ اگرچہ اس کا خلاف کشف کی راہ سے بھی ہے کیونکہ صاحب کشف ان کو قبیح نہیں جانتا اس لئے یہ مسئلہ احوال غریبہ اور معارف عجیبہ پر مشتمل ہے۔

(مکتوب 33 دفتر اول)۔ علماء کے لئے دنیا کی محبت ان کے جمال کے چہرے کا بدنما داغ ہے۔ مخلوقات کو اگرچہ ان سے بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں مگر ان کا علم ان کے اپنے حق میں نافع نہیں ہے اگرچہ شریعت کی تکذیب اور مذہب کی تقویت ان پر مترتب ہے مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ تائید و تقویت فاجر و فاسق سے بھی ہو جاتی ہے۔ یہ علماء پارس پتھر کی طرح ہیں کہ تانبا اور لوہا جو اس کے ساتھ لگ جائے سونا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی ذات میں پتھر ہی رہتا ہے۔ ایسے ہی وہ آگ جو

پتھر اور بانس میں پوشیدہ ہے جہان کو اس آگ سے کئی طرح کے فائدے حاصل ہیں لیکن وہ پتھر اور بانس اس اپنی اندرونی آگ سے بے نصیب ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ علم ان کے اپنے نفس کے حق میں مضر ہے اور کیوں مضر نہ ہو۔ وہ علم جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک عزیز اور موجودات میں سے اشرف ہے اس کو دنیائے کمینی یعنی مال و جاہ و ریاست کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا ہے حالانکہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و خوار اور مخلوقات میں سے بدتر ہے۔ پس خدا کے عزیز کو خوار کرنا اور اس کے ذلیل کو عزت دینا بہت برا ہے۔ حقیقت میں خدا تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ تعلیم دینا اور فتویٰ لکھنا اس وقت فائدہ مند ہے جبکہ خالص اللہ کے لئے ہو اور حب و جاہ و ریاست اور مال و بلندی کی آمیزش سے خالی ہو اور خالی ہونے کی علامت یہ ہے کہ دنیا میں زاہد ہو اور دنیا و مافیہا سے بے رغبت ہو۔ وہ علماء جو اس بلا میں مبتلا ہیں اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ دنیا کے عالموں میں سے ہیں اور برے عالم اور لوگوں سے بدتر اور دین کے چور یہی عالم ہیں حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کا پیشوا جانتے ہیں اور مخلوقات میں سے اپنے آپ کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ کسی عزیز نے شیطان لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے خاطر جمع کیا ہوا ہے۔ اس عزیز نے اس امر کا بھید پوچھا۔ لعین نے جواب دیا کہ اس وقت کے برے عالم میرے ساتھ اس کام میں میرے مددگار ہیں اور مجھ کو اس ضروری کام سے فارغ کر دیا ہے اور واقعی اس زمانے میں جو سستی اور غفلت کہ امور شرعی میں واقع ہوئی ہے اور جو فتور کہ مذہب و دین کے رواج دینے میں ظاہر ہوا ہے سب کچھ ان برے عالموں (علمائے سوء) کی کمبختی اور ان کی نیتوں کے بگڑ جانے کے باعث ہے۔

ہاں وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ و ریاست و مال و بلندی کی محبت سے آزاد ہیں علمائے آخرت میں سے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اور مخلوقات میں سے بہتر یہی علماء ہیں کہ کل قیامت کے روز ان کی سیاہی (روشنائی) فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ تولی جائے گی اور ان کی سیاہی (روشنائی) کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نظروں کو آخرت کا جمال پسند آیا اور دنیا کی قباحت اور برائی معلوم ہوئی۔ اس کو بقاء کی نظر سے دیکھا اور اس کو زوال کے داغ سے داغدار معلوم کیا۔ اس واسطے اپنے آپ کو باقی کے سپرد کیا اور فانی سے اپنے آپ کو ہٹا لیا...... کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں سوکنیں ہیں یعنی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں ہیں، ایک راضی ہو گئی تو دوسری ناراض ہو گئی۔ اگر دنیا عزیز ہے تو آخرت خوار اور اگر دنیا خوار ہے تو آخرت عزیز۔ ان دونوں کا جمع ہونا گویا دو ضدوں کا جمع ہونا ہے۔

(مکتوب 47 دفتر اول)۔ گزشتہ زمانہ میں جو بلا اسلام کے سر پر آئی وہ اسی جماعت (علمائے سوء) کی کمبختی کے باعث تھی۔ بادشاہوں کو انہوں نے بہکایا۔ بہتر مذہب جنہوں نے گمراہی کا رستہ اختیار کیا ہے ان کے مقتدا اور پیش رو یہی برے علماء ہیں۔ علماء کے سوا ایسے لوگ بہت کم ہیں جو گمراہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر اور لوگوں تک پہنچا ہو۔

(مکتوب 194 دفتر اول)۔ آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا وہ علماء ہی کم بختی سے ظہور میں آیا تھا۔ علماء بد دین کے چور ہیں۔ ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ اور بزرگی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔ ان میں جو بہتر ہیں وہ سب خلقت سے اچھے ہیں۔ کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ تولیں گے تو ان کی سیاہی کا پلہ بھاری ہوگا۔

علمائے راسخین۔ (مکتوب 18 دفتر سوم)۔ علماء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں۔ علمائے عظام کی تعریف میں یہ کافی ہے۔ علم وراثت۔ علم شریعت ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے باقی رہا ہے۔ علم شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ صورت وہ ہے جو علمائے ظاہر کے نصیب ہے جو کتاب وسنت کی متشابہات سے متعلق ہے۔ محکمات اگرچہ کتاب کے امہات یعنی اصول ہیں لیکن ان کے نتائج وثمرات متشابہات ہیں جو کتاب کا اصلی مقصد ہیں۔ نتائج وثمرات کے حاصل ہونے کے لئے امہات وسیلہ ہیں گویا کتاب کا مغز متشابہات ہیں اور اس کا پوست محکمات۔ وہ متشابہات ہی ہیں جو رمز واشارہ کے ساتھ اصل کو ظاہر کرتی ہیں اور معاملہ کی حقیقت کا پتہ بتاتی ہیں۔ علمائے راسخین نے پوست کو مغز کے ساتھ جمع کیا ہے اور شریعت کی صورت وحقیقت کے مجموعہ کو پالیا ہے۔ پس علمائے راسخین ہی درحقیقت وارث ہیں۔

(مکتوب 60 دفتر سوم)۔ اثر سے موثر اور مخلوق سے خالق پر استدلال کرنا علمائے ظاہر کا بھی کام ہے اور علمائے راسخین کا بھی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل وارث ہیں۔ علمائے ظاہر وجود مخلوق کے علم سے وجود خالق کا علم پیدا کرتے ہیں اور اثر کے وجود کو مؤثر کے وجود پر دلیل بنا کر موثر کے وجود کا ایمان ویقین حاصل کرتے ہیں اور علمائے راسخین بھی جو کمالات ولایت کے درجات قطع کر کے مقام دعوت میں جو دراصل انبیاء کا خاصہ ہے پہنچ جاتے ہیں۔ تجلیات ومشاہدات کے حاصل ہونے کے بعد اثر سے موثر پر استدلال کرتے ہیں اور اس طریق سے بھی موثر حقیقی کا ایمان حاصل کرتے ہیں کیونکہ وہ آخر کار جان لیتے ہیں کہ پہلے جو کچھ جلوہ گر ہوا تھا وہ مطلوب کے ظلال میں

سے ایک عمل تھا جو نفی کے لائق ہے اور عدم ایمان کا مستحق ہے۔

یہ بزرگوار (علمائے راسخین) چونکہ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ محبت کا قوی رشتہ رکھتے ہیں اور ماسوای کو محبوب حقیقی کی محبت پر فدا کر چکتے ہیں اس لئے استدلال کے رستہ سے محبوب حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں اور تجلیات وظہورات کے تنگ کوچہ سے جو ظلال سے ملے ہوتے ہیں آزاد ہو کر اصل الاصل کے ساتھ جا ملتے ہیں اور اس مقام میں جہاں علمائے ظاہر کا علم پہنچتا ہے یہ بزرگوار محبت کی کشش سے کشاں کشاں خود پہنچ جاتے ہیں اور بے چونی اتصال پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ فرق محبت اور عدم محبت کے باعث ہے اور جس میں یہ محبت نہیں ہوتی وہ علم پر کفایت کرتا ہے اور اسی کو غنیمت جانتا ہے بلکہ جس جگہ یہ بزرگوار پہنچ جاتے ہیں وہاں ظاہر کا علم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ علم بشرط صحت مطلوب کی دہلیز تک ہی ہوتا ہے۔

مردوں کی ارواح کو ایصال ثواب اور صدقہ

(مکتوب 28 دفتر سوم)۔ ایک روز خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے۔ اس اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش وخرم نظر آئی۔ جب اس صدقہ کے دینے کا وقت آیا پہلے حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کے لئے صدقہ کی نیت کی کہ جیسی کہ عادت تھی۔ بعد ازاں اس میت کی روحانیت کے واسطے نیت کر کے دے دیا۔ اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت وکدورت ظاہر ہوئی۔ اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی اور کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی حالانکہ محسوس ہوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں لیکن خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہیں ہوا۔ اس طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیاء کرام کو بھی داخل کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طفیلی بنایا۔ اس امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی ورضامندی معلوم نہ ہوئی۔ اس طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا اگر اسی مرتبہ میں تمام انبیاء پر بھی درود بھیجتا تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی ظاہر نہ ہوتی حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کریں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت پر دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوگا۔ (بے شک رب تیرا بڑی بخشش والا ہے) اس صورت میں ناخوشی اور ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ مدت تک یہ مشکل بات دل میں کھٹکتی رہی۔ آخر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر

صدقہ بغیر شرکت کے مردہ کے نام پر دیا جائے تو وہ مردہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائے گا اور اس وسیلے سے برکات و فیوض حاصل کرے گا اور اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت کرے گا تو میت کو کیا نفع ہوگا۔ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر وہ صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ و ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پائے گا۔ اسی طرح ہر شخص کے لئے جس کو شریک کریں یہی نسبت موجود ہے۔ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ کہ اس کو مردہ اپنی طرف سے ان کے پیش کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ و تحفہ جو کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں لے جائے بغیر کسی شراکت کے اگر چہ طفیلی ہو تو اس کا تحفہ خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ۔ کچھ شک نہیں کہ بغیر شرکت کے بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے خود دے دے تو اس بات سے بہتر ہے کہ بے فائدہ دوسروں کو داخل کرے اور آل واصحاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عیال کی طرح ہیں ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے۔ ہاں متعارف ہے کہ ہدایہ مرسولہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں تو اس کے ادب و رضامندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خادموں کو طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اس کو پسند آتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر مردوں کی رضامندی صدقہ کے افراد میں ہے نہ صدقہ کے اشتراک میں لیکن چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت پر ہدیہ جدا کرلیں بعد ازاں اس میت کے لئے صدقہ کریں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت درست کرنے کے لئے اپنے آپ کو عاجز معلوم کرتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت پر مقرر کرے اور اس میت کو ان کا طفیلی بنائے۔ امید ہے کہ ان کے وسیلے کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔ علماء نے فرمایا کہ آنحضرت پر درود اگر ریا و سمعہ سے بھی ادا کیا جائے تو قبول ہو جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے اگر چہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے کیونکہ اعمال کا ثواب نیت درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو مقبول و محبوب

ہیں بہانہ ہی کافی ہے۔

(مکتوب 104 دفتر اول)۔ چلے جانے (مر جانے) پر مصیبت نہیں ہے بلکہ جانے والے کے حال پر ہے کہ دیکھئے اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ دعا و استغفار اور صدقہ سے امداد کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میت قبر میں فریاد کرنے والے غریق کی طرح ہوتی ہے اور اس دعا کی منتظر رہتی ہے جو اس کو باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچے پس جس وقت اس کو وہ دعا پہنچتی ہے تو اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ زمین پر رہنے والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑوں جتنی رحمت نازل فرماتا ہے اور بے شک زندوں کا تحفہ مردوں کی طرف ان کے لئے مغفرت مانگنا ہے۔

(مکتوب 278 دفتر اول) شیخ حبیب اللہ کے والد مرحوم (کے لئے) دعا و فاتحہ وصدقہ و استغفار سے والد مرحوم کی امداد و اعانت کریں۔ مردہ غریق کی طرح ہوتا ہے جو دعا کا منتظر رہتا ہے جو اس کے بیٹے یا باپ، ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔

(مکتوب 14 دفتر دوم)۔ آپ نے مصائب کی ماتم پرسی کی بات لکھا ہوا تھا۔ انا للہ انا الیہ راجعون۔ یاروں اور دوستوں کو فرمائیں کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھ کر خواجہ محمد صادق مرحوم اور اس کی ہمشیرہ ام کلثوم مرحومہ کی روحانیت کو بخشیں یعنی ستر ہزار بار پڑھ کر ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار بار دوسرے کی روح کو۔ دوستوں سے دعا و فاتحہ مسؤل و مطلوب ہے۔

(مکتوب 77 دفتر دوم)۔ سوال..... کلام اللہ ختم کرنا اور نماز نفل کا پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب ماں باپ یا استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے۔

جواب..... واضح ہو کہ بخشنا بہتر ہے کیونکہ اس میں اپنا بھی نفع ہے اور غیر کا بھی اور عجب نہیں کہ اس عمل کو دوسروں کی طفیل قبول کرلیں اور نہ بخشنے میں اپنا ہی نفع ہے۔

(مکتوب 159 دفتر اول)۔ صدقہ و دعا و استغفار سے آگے گئے ہوؤں کی مدد و اعانت کریں کہ مردوں کو زندوں کی امداد کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ حدیث نبوی ہے کہ مردہ فریاد کرنے والے غریق کی طرح ہوتا ہے جو اپنے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے دعا کا منتظر رہتا ہے جب اس کو ان کی طرف سے دعا پہنچتی ہے تو اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں پر پہاڑوں جتنی رحمت نازل فرماتا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ زندوں کا ہدیہ مردوں کی طرف یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ کی جناب میں

استغفار کریں۔

آپ پر لازم ہے کہ (مردے کے) احسان کے بدلے احسان کریں اور صدقہ و دعا سے ہر گھڑی ان کی مدد کریں کیونکہ میت غریق کی طرح ہوتی ہے اور دعا کی منتظر رہتی ہے جو اسے اپنے باپ یا ماں یا دوست کی طرف سے آئے اور نیز چاہئے کہ ان کے مرنے سے اپنی موت کی عبرت پکڑیں اور ہمہ تن اپنے آپ کو خدا کی مرضیات کے سپرد کر دیں اور دنیا کی زندگی کو دھوکے فریب کا اسباب سمجھیں۔

صدقہ سے موت ٹل سکتی ہے۔ (مکتوب 217 دفتر اول)۔ لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیلؑ علے نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک شخص کے حق میں یہ خبر دی کہ یہ جوان کل صبح ہوتے ہی مر جائے گا۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جوان کے حال پر رحم آیا۔ اس سے پوچھا تو دنیا میں کیا آرزو رکھتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ دو چیزیں۔ ایک کنواری بیوی دوسرے حلوا۔ حضور نے دونوں چیزیں مہیا کرنے کا حکم فرمایا۔ وہ جوان اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا اور حلوے کا طبق ان کے آگے رکھا تھا کہ اسی اثناء میں ایک سائل محتاج نے دروازہ پر آ کر اپنی حاجت کو ظاہر کیا۔ اس جوان نے وہ حلوے کا طبق اٹھا کر اس فقیر کو دے دیا جب صبح ہوئی حضرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام اس جوان کے مرنے کی خبر کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیر ہوگئی تو فرمایا کہ اس جوان کی خبر لاؤ کہ کیا حال ہے۔ معلوم ہوا کہ خوش وخرم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیران رہ گئے۔ اسی اثناء میں جبرائیل علے نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس حلوے کے صدقے اس جوان کی بلا کو دفع کیا جب اس کے بستر کو دیکھا تو اس کے نیچے ایک بڑا سانپ مردہ پایا اور اس کے پیٹ میں اس قدر حلوہ پڑا ہوا دیکھا کہ حلوے کی زیادتی سے جان دے دی لیکن یہ فقیر اس فعل کو پسند نہیں کرتا۔ اس خبر میں وحی نہیں ہے بلکہ علمی اخبار ہے اور لوح محفوظ سے مستفادہ ہے جو محو و اثبات کا محل ہے تو اس خبر میں خطاء کی مجال ہوسکتی ہے برخلاف وحی جو مجرد تبلیغ ہے۔ شہادت اور اخبار کے درمیان فرق ہے۔ قضائے معلق میں تغیر وتبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر وتبدل کی مجال نہیں۔ (قرآن کریم) جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔